سلسلہ مباحث
وحدت اسلامی
۳

وحدتِ امت

اسلام کا فراموش شدہ رکن

سید جواد نقوی

مرکز تحقیقات اسلامی بعثت
متاب پبلی کیشنز

یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرونِ ملک مقیم ہیں

مو منین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ہیں.
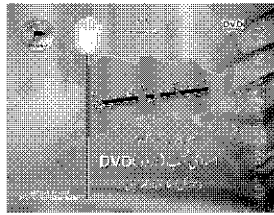
منجانب.

سبیلِ سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدر آباد پاکستان

وحدتِ امت
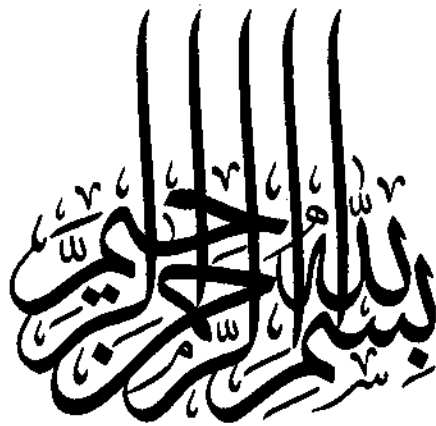
اسلام کا فراموش شدہ رکن

نام کتاب: وحدت امت، اسلام کا فراموش شدہ رکن

مؤلف: استاد سید جواد نقوی

ترتیب و تنظیم: مرکز تحقیقات اسلامی بعثت

ناشر: متاب پبلیکیشنز

اشاعت اول: شوال ۱۴۳۴ھ (اگست 2013 عیسوی)

تعداد: ۲۰۰۰

عرضِ ناشر

جس طرح انسانی جسم اپنی بقا کیلئے مختلف چیزوں کا محتاج ہے اور انسان ان کے حصول کیلئے مصروفِ عمل ہے اسی طرح کائنات بشمول انسانی معاشرہ کی بقا بھی چند اصولوں اور قاعدوں پر منحصر ہے۔ قرآنِ کریم کے مطابق ان چیدہ چیدہ چیزوں میں سب سے اہم چیز "وحدت" ہے جس کی بنا پر کارخانۂ الٰہی رواں دواں ہے۔ اس کے برعکس حیوانی زندگی کسی قاعدے وقانون کی پابند نہیں ہوتی۔ اسلامی وقرآنی تعلیمات کے مطابق وحدت اور بقائے کائنات کے درمیان ناقابلِ جدائی ربط پایا جاتا ہے۔ قرآنِ کریم تمام مخلوقاتِ عالم پر انتہائی گہری نظر رکھتے ہوئے جس وقت نظر سے وحدت کو ملحوظِ خاطر رکھتا ہے اور اپنے پیروکاروں کو وحدت کی دعوت دیتا ہے وہ بقائے انسانیت کیلئے غیر معمولی حد تک مؤثر ہے۔

قرآنِ مجید نے سورۂ بقرہ کی آیہ ۲۱۳ میں صراحت کے ساتھ انبیاءؑ کا مقصدِ بعثت "وحدت" کو قرار دیا ہے۔ اس کے مطابق ابتدائے خلقت سے تمام انسان اُمتِ واحدہ تھے لیکن ضد، حسد، ہٹ دھرمی، تند خوئی، مادہ پرستی، بے لگام خواہشات، نامطلوب میلانات اور باطنی انحرافات کے باعث بعض لوگوں کی نظروں میں انسانوں کی یہ وحدت کھٹک رہی تھی کیونکہ یہ وحدت ان کے پست اہداف اور سرکشی میں سدِّ راہ بنی ہوئی تھی۔ چنانچہ انہوں سے انسانی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کیلئے مختلف حیلوں، بہانوں سے انسانی وحدت کی لہلہاتی فصل میں تفرقہ کی تخم ریزی کرنی شروع کی۔ غفلت، کوتاہ فکری، طبقاتی تفاوت، مال و دولت کی لالچ اور ہویٰ و ہوس کی پیروی جیسی مذموم صفات کے باعث وحدت کی فصلِ اِستادہ رفتہ رفتہ خراب ہونی شروع ہوگئی اور اس کی جگہ نفرت، کینہ، دشمنی اور افتراق وانتشار کی جھاڑیوں نے سر اٹھانا شروع کیا۔

یہی سبب تھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انسانیت کو خوش بختی وآسودگی کے پرکیف چشمے سے سیراب کرنے بکھری ہوئی انسانیت کو یکجا کرنے، انہیں دوبارہ فطری وحدت کی طرف پلٹانے، وحدت واتفاق کی لڑی

میں پرونے، تفرقہ کی پر پیچ وخم راہوں سے نجات دلانے اور سعادتِ ابدی کیلئے انبیاءؑ کی بعثت کا سلسلہ شروع کیا۔ انبیاءؑ نے فطرت سے ہم آہنگ الٰہی آئیڈیالوجی کی بنیاد پر پراگندہ انسانیت کو توحید کے مرکز ومحور پر اکٹھا کرنے کی سعی کی لیکن مخالفت، دشمنی، سینہ زوری، انانیت، غرور، تعصب، عداوت، کدورت اور بغض کے عوارض میں مبتلا لوگوں نے انبیاءؑ کی لائی ہوئی وحدت پر مہلک ومسموم ضربیں لگانی شروع کر دیں۔ وحدت کی بیخ کنی کا یہ سلسلہ آج بڑھتے بڑھتے اکیسویں صدی تک آ پہنچا ہے۔ اسلام کے دشمنوں نے اُمتِ مسلمہ کے حصے بخرے کر کے اسے کمزور ولاغر بنا دیا ہے اور نتیجتاً اس کے سر پر سوار ہیں۔

آج عالمِ اسلام کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ اس نے رسالت مآب حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور قرآن واہل بیتؑ کی نورانی تعلیمات و ہدایات کو اپنی آبائی رسومات، فرسودہ خیالات ونظریات اور مغربی تہذیب کی شر خیز مٹی تلے دبا دیا ہے۔ چنانچہ اگر آج کوئی عالمِ اسلام کو وحدت کی دعوت دے، وحدت کیلئے کوئی کام کرے، وحدتِ اُمت کو پروان چڑھانے کیلئے جدوجہد کرے یا امت میں وحدت واتحاد کے شعور کو اجاگر کرنے کیلئے کوئی Literature پبلش کرے تو بجائے دشمنانِ اسلام کے بعض نام نہاد یا کم علم و ناداں مسلمان تذبذب وتشویش کا شکار ہو کر اس کی مذمت وحوصلہ شکنی شروع کر دیتے ہیں۔ جہالت اور وحدت کے مفہوم ومنشور سے ناآشنائی کی بنا پر مختلف ادوار میں داعیانِ وحدتِ اسلامی کو تنقید وتنقیص کے تیروں کا نشانہ بنایا گیا ہے اور ان کی شخصیات وافکار کو تاریخ کے اوراق سے محو کرنے کی بھرپور کوششیں کی گئی ہیں۔ حتیٰ بعض مرفوع القلم لوگوں نے نوک قلم سے وحدتِ امت کی دعوت کو داغ دار کرنے کیلئے اسے سازش قرار دیا ہے۔ حالانکہ اگر یہ بیدار و باشعور ہوتے اور قرآن کو بالائے طاق رکھنے کی بجائے اپنی عملی زندگی میں جگہ دیتے تو کبھی بھی وحدت کے اہم ترین بنیادی فریضہ سے پہلوتہی نہ کرتے۔ وحدتِ اُمت کے موضوع کو پسِ پشت ڈالنے کا نتیجہ اُمت میں تفرقہ کی صورت میں نمودار ہوا چنانچہ آج کتاب خانوں میں اُمت کو تفرقہ پر ابھارنے والی کتابوں کی تو بھرمار ہے لیکن وحدتِ اُمت کے موضوع پر انگشت شمار کتابیں بھی ڈھونڈے نہیں ملتیں، حتیٰ اکثر مدارسِ دینیہ کے نصاب میں موجود تفرقہ کی تعلیم عبادت سمجھ کر دی جا رہی ہے۔

موجودہ صدی میں وحدتِ اسلامی کے سب سے بڑے داعی حضرت امام خمینیؒ ہیں کہ جنہوں نے درد شناس طبیب کے طور پر اُمتِ مسلمہ کی مشکلات کو درک کیا اور اس کے علاج کیلئے عملی راہِ حل بھی پیش کی۔ امام راحلؒ وحدتِ امت کے سلسلے میں فرماتے ہیں:

''میں نے اپنی تمام تر قوت کے ساتھ امتِ مسلمہ میں اتحاد و یگانگت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے اور کرتا رہوں گا اور میں خداوند تبارک و تعالیٰ سے اس اہم کام کہ جس سے ملت کا وجود قائم ہے میں مدد کا طلب گار ہوں''۔ (صحیفۂ نور، جلد۲، صفحہ۹۳)

''ہمارا ہدف وحدتِ مسلمین، اتحاد ممالک اسلامی، مسلمانوں کے تمام فرقوں کے ساتھ برادرانہ تعلقات کا قیام اور دنیا کے گوشے گوشے میں موجود اسلامی حکومتوں کے ساتھ یکجہتی ہے''۔ (صحیفۂ نور، جلد۱، صفحہ۸۴)

''ہم اپنے اور دیگر مسلمانوں کے درمیان جدائی کا احساس نہیں کرتے اور امید ہے کہ دیگر مسلمان بھی اس بات کا احساس کریں گے کہ ہر ملک اسلام اور مسلمین کی ملکیت ہے''۔ (صحیفۂ نور، جلد۱۷، صفحہ۱۳۷)

دورِ حاضر میں حضرت امام خمینیؒ کے خلفِ صالح، ولی امر مسلمین حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای مدظلہ العالی تمام اُمتِ مسلمہ کو دعوتِ وحدت و اتحاد دے رہے ہیں۔ آپ وحدتِ امت کیلئے منشور کی تدوین پر زور دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''علماءِ اسلام کی کوششوں سے وحدتِ اسلامی کیلئے منشور کی تدوین وہ ضروری امر اور تاریخی تقاضا ہے کہ اگر آج اس فریضہ پر عمل نہ ہوا تو آنے والی نسلیں ہمیں ہرگز معاف نہیں کریں گی''۔

زیرِ نظر کتاب استادِ محترم سید جواد نقوی کی ''وحدتِ اُمت'' کے موضوع پر مختلف مقامات پر کی جانے والی ۲۵ تقریروں کا مجموعہ ہے جس میں آپ نے وحدت کے مفقود ہو جانے کی بنا پر عالمِ اسلام کی حالت رفتہ اور مشکلات و تکالیف کا انتہائی دقیق و عمیق نگاہ سے جائزہ لینے کے ساتھ رسول اللہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن و اہل بیت علیہم السلام کی تعلیمات و سیرت کی روشنی میں قابلِ عمل راہِ حل بھی پیش کی ہے۔ مصنف نے اس کتاب میں وحدت کے ناپید ہو جانے، مقصدِ بعثتِ انبیاء علیہم السلام، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقطۂ وحدتِ کائنات ہونے، تفرقہ کے

نقصانات اور اسباب وعوامل، امت مسلمہ بالخصوص پاکستان کی حالت اور اس کے تناظر میں اُمت کی ذمہ داریوں سے متعلق سیر حاصل عرائض ونکات پیش کیے ہیں جو اُمتِ مسلمہ کی نجات وسعادت کیلئے مشعلِ راہ ہیں۔

ہم اللہ تبارک وتعالیٰ سے امید رکھتے ہیں کہ کتاب ھذا کے توسط سے وحدتِ اُمت کا پیغام گھر گھر پہنچے گا اور ایسا اسلامی معاشرہ تشکیل پائے گا جس کی بنیاد وحدت واتحاد اور الفت ومحبت پر قائم ہوگی کیونکہ اُمتِ مسلمہ کی بقا ودوام کا محرک وہ گہرا قلبی تعلق ہے جو اس کی روح کی گہرائیوں میں جاگزیں اور ایک ایسے بے پایاں سرچشمہ سے سیراب ہوتا ہے جو محبتِ الٰہی سے لبریز ہے۔ قارئینِ کرام کتاب کے مطالعہ کے بعد بخوبی اندازہ لگا سکیں گے کہ امتِ مسلمہ کو وحدت کی نعمت سے محروم رکھنے کیلئے اور اسے کھوکھلا کرنے کیلئے دشمنانِ اسلام نے تفرقہ کو سرمشق قرار دے کر اسے دورِ حاضر میں مزید پیچیدہ تر بنا دیا ہے لیکن خوابِ غفلت کے باعث اُمت وحدت کی طرف کوئی عملی قدم نہیں اُٹھا پا رہی۔ رہی سہی کسر فاسد علماء اور اقتدار پرست حکمرانوں نے پوری کردی ہے جنہیں وحدتِ اُمت کی صورت میں اپنی دکانیں بند ہوتی نظر آتی ہیں۔ چنانچہ اب وقت آگیا ہے کہ عقل مند وباشعور نوجوان نسل آگے بڑھ کر اُمت کے مستقبل کی زمام اپنے ہاتھ میں لے اور وحدتِ اُمت جیسی فراموش شدہ اسلامی تعلیمات کا احیاء کر کے انہیں معاشرہ میں عملی طور پر نافذ کرے۔

انسانی سعی انتہائی احتیاط کے باوجود غلطیوں اور کمیوں سے مبرا نہیں ہوتی چنانچہ کتاب میں کسی غلطی، سہو وخطاء کے مشاہدہ کی صورت میں عفو ودرگزر کے ساتھ مطلع فرمائیں۔

شکریہ

مہتاب پبلیکیشنز

فہرستِ مطالب

صفحہ

فصل اول:

صفحہ

فصل دوم:

صفحہ

فصل سوم:

صفحہ

صفحہ

فصل چہارم:

صفحہ

فصل پنجم:

صفحہ

صفحہ

صفحہ

صفحہ

صفحہ

فصلِ ششم:

صفحہ

صفحہ

صفحہ

صفحہ

صفحہ

فصل اول:

وحدت،

اُمت کا فراموش کردہ فریضہ

وحدت، گمشدہ رکن اسلام

وحدت ایک متروک، مہجور، مجہول اور فراموش شدہ موضوع ہے کہ جسے اُمت اوراس کے خواص کب کے بھول چکے ہیں۔ جس طرح قرآن اور آلِ رسولؑ مظلوم ہیں اسی طرح سے وحدت دین کا وہ حصہ ہے جو متروک اور مظلوم واقع ہوا ہے۔ یہ ایک ایسی عبادت ہے جو باعثِ حصولِ رضائے خدا وسرورِ رسولِ اعظمؐ ہے۔ وحدت جیسے موضوعات تشنۂ تفسیر، تشنۂ بحث، تشنۂ گفتگو اور تشنۂ تکمیل ہیں۔ لوگوں کے ذہن میں وحدت کے موضوع سے متعلق ابہام، غبار اور بہت سارے سوالات موجود ہیں جو اس بات کی علامت ہیں کہ وحدت فراموش شدہ دین کا حصہ ہے۔ دراصل دین کا ایک بڑا حصہ بغیر کسی مبالغہ ومغالطہ کے تمام مسلمین کے اندر فراموش شدہ ہے۔ جس طرح عدالت، امنیت، سیاست اور دین کا بڑا حصہ فراموش شدہ قرآنی دین ہے اسی طرح وحدت بھی فراموش شدہ ہے۔ صدیوں سے تفرقہ کے ذریعہ اُمت کو توڑا گیا ہے۔ اگر وحدت فراموش شدہ نہ ہوتی تو آج اُمت کی یہ حالت نہ بنتی۔

اسلامِ ناب کی تلاش کی ضرورت

امام خمینیؒ اکثر علمائے اسلام واُمت مسلمہ سے خطاب کر کے کہتے تھے کہ

اسلام گمشدہ است، پیدایش کنید......

اسلام تمہارے ہاتھوں سے کھو گیا ہے اسے تلاش کرو......

آج جو کچھ تمہارے ہاتھوں میں بنامِ اسلام موجود ہے یہ اسلام کا فقط عشرِ عشیر ہے اور بڑا حصہ تم اپنے ہاتھوں سے کھو چکے ہو۔ یہ ایسے ہی ہے کہ اگر کسی انسان کو کوئی ایسی چیز دی جائے کہ جس میں چھلکا اور مغز موجود ہو لیکن اس انسان سے مغز گر جائے اور چھلکا ہاتھ میں پکڑے خوش ہو یا کسی چیز کی پیکنگ آپ کے ہاتھ میں ہو لیکن

اندر وہ چیز چوری ہو چکی ہو اور ہم ڈبہ دیکھ کر خوش ہوں کہ چیز میں موجود ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ بات ایسے ہی ہے جیسے کسی بچے سے اصلی چیز لے کر اسے نقلی چیز تھما دی جائے تو وہ خوش رہتا ہے کہ میرے ہاتھ میں وہی اصلی چیز موجود ہے۔ اُسے یہ شعور نہیں ہے کہ غور سے دیکھ لے کہ اصلی چیز لے لی گئی ہے اور اس کی جگہ نقلی چیز تھما دی گئی ہے۔ اس وجہ سے نقلی دین و مذہب کے اندر وحدت کی بحث آتی ہی نہیں ہے اور اس کا کوئی Concept موجود نہیں ہے درحالیکہ قرآن ہمیں وحدت کی طرف بلاتا ہے۔

چنانچہ آج ہم کسی حد تک ظواہر اسلام دیکھ کر مطمئن بیٹھے ہوئے ہیں۔ اُمت کے مختلف دھڑوں کے اندر یہ ظواہر نظر آتے ہیں لیکن ان کے اندر روحِ دین موجود نہیں ہے یا دین کا بڑا حصہ اُن سے جدا ہو چکا ہے۔ وحدت یا اُمت کے ساتھ تعلقات و ارتباطات اُسی فراموش شدہ دین کا حصہ ہیں جس کو ہم کھو چکے ہیں لہٰذا اصلی دین کو تلاش کرنے کی ضرورت ہے جس کیلئے امام خمینیؒ ''اسلامِ ناب'' یعنی خالص اسلام کی تعبیر ذکر فرماتے تھے۔

اسلامِ ناب کی فراموشی کا نقصان

لوگوں کے ذہن میں غلط نظریات و افکار ڈال کر ان سے خالص اسلام چھین لیا گیا ہے اور اس کی جگہ نقلی اسلام کانوں میں پھونکا گیا ہے کہ جس کے اندر وحدت کی بجائے تفرقہ عبادت ہے۔ آج ذہن ایسے بنائے جاتے ہیں کہ جتنا تفرقہ ڈالو گے اتنی حوریں ملیں گی، اگر جنت جانا ہے تو اس کیلئے آپ کو اتنے مومن مارنے پڑیں گے، کسی فاسق و فاجر، کافر و ملحد، مشرک، شرابی اور زانی کو مارنے سے جنت نہیں ملتی بلکہ سب سے پاکیزہ انسان ڈھونڈ کر اُڑا دو اور خود بھی ساتھ اُڑ جاؤ، اس طرح انسان ڈائریکٹ جنت میں چلا جاتا ہے۔ یہ نقلی و جعلی دین انسان کو اس طرح کے وحشی تصورات سکھاتا ہے۔ ظاہر ہے اس نقلی، جعلی اور مجہول دین کے اندر جنت کا تصور بھی اُلٹا ہو جاتا ہے۔ اس میں تفرقہ و اختلاف عین اعتقادِ راسخ بر دین ہے۔ اگر کوئی تفرقہ نہ ڈالے تو اس کے معانی یہ ہیں کہ وہ اپنے مذہب کا وفادار نہیں ہے۔ اگر کوئی دوسرے کے مقدسات کی توہین نہ کرے تو اُسے دین سے مخلص نہیں سمجھتے بلکہ سوچتے ہیں کہ دال میں کچھ کالا ہے۔

وحدت، قرآنی بنیاد

آج اسلام کے نام پر بہت سی سرگرمیاں، مصروفیات اور مشغلے ہیں لیکن اگر ان کا قرآن کے ساتھ مقایسہ وموازنہ کریں تو اُمت اور قرآن کے درمیان بہت فاصلہ نظر آئے گا۔ وہ میادین، موضوعات اور شعبے جو ہم نے ترک کیے ہوئے ہیں قرآن اُنہیں چھوڑنے، فراموش کرنے اور نظرانداز کرنے کی اجازت نہیں دیتا بلکہ ان کو پس پشت ڈالنے کی سخت مذمت کرتا ہے۔ دراصل وحدت ایک قرآنی اصل و بنیاد ہے نہ کہ یہ آج کی ضرورت ہے یا مثلاً کسی Tactic کے طور پر وحدت کا نعرہ لگایا جاتا ہے۔ وحدت قرآنِ مجید کا اصلی موضوع ہے اور اس کی تفصیل فصلِ دوم میں ذکر کی جائے گی۔ اگر ہم صرف قرآن کو منبع دین کے طور پر سامنے رکھیں اور قرآنی نقطۂ نظر سے اہلیان دین کی موجودہ صورتِ حال کا موازنہ کریں تو قرآن کا تین چوتھائی حصہ ترک شدہ ہے اور فقط ایک حصہ کی وجہ سے ہم مسلم ومومن بنے ہوئے ہیں اور خود کو اعلیٰ درجات پر فائز سمجھے ہوئے ہیں۔

وحدت، قرآنی بنیاد

وحدت سے متعلق حساسیت

ایسے افراد بھی موجود ہیں جو موضوعِ وحدت کو مزید حساس بنادیتے ہیں اور جب وحدت کا نام لیا جائے تو بلبلانا اور چیخنا شروع کردیتے ہیں۔ وحدت کے تذکرے میں ان کو بہت ساری چیزیں ڈوبتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ انہیں اپنا وجود ڈوبتا ہوا نظر آتا ہے، اپنے من گھڑت مفروضے ڈوبتے ہوئے نظر آتے ہیں اور سب سے بڑھ کر اپنا پیشہ ومعیشت ڈوبتی ہوئی نظر آتی ہے۔ جن لوگوں نے تفرقہ کے اندر اپنی معیشت کے ستون گاڑے ہوئے ہوں انہیں وحدت کی بات ہرگز پسند نہیں ہوتی۔ مجھے کچھ عرصہ قبل اہل سنت کے ایک جید عالمِ دین کی معیت میں ایک مجلس میں گفتگو کرنے کا موقع ملا تو وہاں انہوں نے بہت خوبصورت جملہ کہا کہ آج ایسے بہت سارے لوگ اس اُمت کے اندر موجود ہیں جو اپنے ٹکڑے سیدھے کرنے کے لئے اُمت کو ٹکڑے ٹکڑے کررہے ہیں۔ یہی وہ طبقہ ہے جو وحدت کی بات سنتے ہی بڑبڑانا اور چیخنا شروع کردیتا ہے۔

بعض مجلات میں یہ تأثر دیا گیا اور بعض اہل سخن نے اپنی زبان سے کہا ہے کہ وحدت کا نعرہ لگانا، وحدت

کا شعار دینا، عالمِ اسلام کو وحدت کی طرف بلانا ایک ٹیکٹک (Tactic) اور چال (Trick) ہے۔ جب بھی وحدت کا نعرہ لگتا ہے اور وحدت کی بات ہوتی ہے تو بعض لوگ گھبرا جاتے ہیں۔ ایسے افراد اہل تشیع اور اہل سنت دونوں میں موجود ہیں مثلاً کچھ لوگ کہتے ہیں کہ وحدت سے مراد یا وحدت کا نتیجہ شیعہ کو سنی بنانا ہے اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ وحدت کا مطلب سنی کو شیعہ بنانا ہے۔ میں نے ایک اہل سنت مصری مصنف کی کتاب پڑھی تو اس میں انہوں نے اہل سنت کو متوجہ کرنے اور ڈرانے کیلئے لکھا ہوا تھا کہ خبردار رہنا اور اس وحدت کے جھانسے میں نہ آنا یہ سنی کو شیعہ بنانے کی ایک سازش ہے۔ اسی طرح ایران میں ایک شیعہ نے بھی کتاب لکھی تھی اور اس میں کہا تھا کہ وحدت شیعہ کو سنی بنانے کی سازش ہے۔ وحدت کے برعکس اگر کوئی تفرقہ کی بات کرے تو لوگ اُس کو دین سے بڑا مخلص سمجھتے ہیں۔

وحدت کیلئے اپنا مذہب نہیں بدلنا پڑتا۔ امام خمینیؒ خود شیعہ تھے اور انہوں نے تشیع نہیں چھوڑا بلکہ وہ یہ کہتے بھی تھے کہ مجھے شیعہ ہونے پر فخر ہے۔ امام خمینیؒ کا وصیت نامہ پڑھ کر دیکھیں کہ وحدت کا سب سے بڑا داعی اپنے شیعہ ہونے پر فخر محسوس کرتا ہے۔ شیعہ ہونے پر فخر ہونے کا معنٰی یہ نہیں ہے کہ میں اہلِ سنت کو اپنے گلے نہ لگاؤں۔

ایسے لوگ بھی موجود ہیں کہ جن کے پاس گھڑا ہوا فتویٰ رکھا ہوتا ہے کہ شیعہ سنی جب بھی متحد ہوں گے نکاح باطل ہو جائے گا۔ عجیب بات ہے کہ تفرقہ سے کوئی چیز باطل نہیں ہوتی اور اتحاد سے بطلان آجاتا ہے اور وہ بھی کون سی چیز باطل ہوتی ہے؟ نکاح باطل ہو جاتا ہے! مجھے آج تک یہ بات سمجھ نہیں آئی کہ مسلمان اگر آپس میں متحد ہوں تو نکاح پہ اثر کیسے جا پڑتا ہے؟!! معلوم نہیں کہ یہ نکاح کس قسم کا ہے؟! یہ فتویٰ کس قسم کا ہے؟!! اور اس کا مدرک کیا ہے؟!

علماء، روشن فکر، اسکالرز اور مفکرین جتنی گفتگو ثانوی مسائل پر کرتے ہیں اگر اس بنیادی مسئلے پہ کرتے اور اس کو اہمیت دیتے تو اس کے بعد وحدت کیلئے ایک ماحول بنتا لیکن اگر آج وحدت کا نام لیں تو فوراً چیخ و پکار شروع ہو جاتی ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ تفرقہ جو شیعہ اور سنی دونوں کی بنیاد مٹا رہا ہے اُس کیلئے پریشان نہیں ہوتے لیکن وحدت کہ جس میں دونوں کی بقاء ہے اس پر بلبلاتے، چیختے اور شکوک و شبہات پیدا کرتے ہیں۔

وحدت، محتاج وضاحت

اگرچہ وحدت بظاہر بہت ہی خوبصورت شعار اور نعرہ لگتا ہے اور اس پر گفتگو کی جاتی ہے لیکن لوگوں کے ذہن میں اس کی کوئی واضح تصویر یا خاکہ نہیں بنتا کہ کس طرح یہ تفرقہ، انتشار، تشدد اور پراگندگی سمیٹی جائے گی؟ کس طرح یہ خلیج دور ہوگی؟ کس طرح یہ دل و ذہن پاک وصاف ہوں گے؟ یہ ساری چیزیں انسان کو وحدت کے موضوع پر پریشان کرتی ہیں اور ان چیزوں کا جواب طلب کرنا ہوتا ہے۔

آج وحدت کے تمام پہلوؤں کو کھولنے کی ضرورت ہے۔ ابھی وحدت کے معنٰی، مفہوم، مصداق اور عملی شکلوں سے متعلق ذہنوں میں ابہام اور غبار پایا جاتا ہے۔ چونکہ اس موضوع سے متعلق سوچا نہیں گیا ہے۔ وحدت کی طرف نہ خواص آئے نہ علماء اور نہ اُمت کو اس طرف لانے کی کوشش کی گئی بلکہ تفرقہ کو عبادت سمجھ کر منبروں، محرابوں اور کتابوں میں بیان کیا گیا۔ دوسرے مسلمین یا فرقہ کے مقدسات کی توہین کرنا، کیچڑ اُچھالنا، ہتاکی اور بے حرمتی کرنا عین عبادت سمجھ کر انجام دیا گیا۔ تفرقہ کے پیچھے صدیوں پرانی کوششیں موجود ہیں جبکہ وحدت کا حکم نہ صرف تعلیماتِ قرآن، تعلیماتِ رسالت، تعلیماتِ ائمہ وتعلیماتِ اولیائے دین میں موجود ہے بلکہ عقلِ سلیم بھی انسان کو یہی بات بتاتی ہے کہ انسان کی نجات اور کامیابی وحدت کے اندر موجود ہے۔

وحدت سے مراد

● وحدت سے مراد یہ نہیں ہے کہ مختلف فرقوں سے تعلق رکھنے والے افراد اپنے اپنے مذہب سے دست بردار ہو کر کسی دوسرے مذہب کے پیروکار بن جائیں۔

● وحدت سے مراد یہ بھی نہیں ہے کہ مسلمانوں کے اندر موجود مشترکات کو ملا کر ایک نیا مذہب وجود میں آئے اور سب اس کے پیروکار بنیں۔

● وحدتِ اسلامی سے یہ بھی مراد نہیں ہے کہ تمام مذاہب کی نفی کر کے بلا مذاہب اسلام کی ترویج کی جائے۔

● وحدتِ اسلامی کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ موجودہ مذاہب میں سے کسی ایک مذہب پر اتفاق کیا جائے۔

● اور یہ بھی وحدت سے ہرگز مراد نہیں کہ وحدت کی خاطر اپنے اپنے مذہبی اصولوں کو چھوڑ کر دوسروں کے قریب ہوا جائے۔

● وحدتِ اسلامی اس چیز کا نام بھی نہیں ہے کہ کسی ایک شخصیت، گروہ، حزب یا پارٹی کی چھتری کے نیچے سب جمع ہو جائیں۔

● وحدت سے یہ بھی ہرگز مراد نہیں ہے کہ اپنے معتقدات دوسروں پر ٹھونسیں اور انہیں اپنے مذہب کا زبردستی پیرو بنائیں۔

بلکہ وحدتِ اسلامی سے مراد یہ ہے کہ تمام مسلمان جس مذہب کے بھی پیروکار ہوں وہ مشترک اصولوں اور باہمی دلچسپی کے مسائل میں آپس میں ایک ہو کر اختلافی مسائل کو اپنے خاص حلقہ کی حد تک محدود رکھیں۔ ایک دوسرے کے مقدسات کی بے حرمتی نہ کریں اور مشترکہ دشمن کے خلاف ایک صف بن جائیں۔ اپنے مقدسات و مشترکات کا دفاع کریں، ایک دوسرے کی دل آزاری نہ کریں، آپس میں محبت والفت بڑھائیں اور ایک دوسرے کا احترام کریں۔

وحدت سے مراد

اسی طرح وحدت شیعہ کو سنی یا سنی کو شیعہ کرنے کا نام نہیں ہے بلکہ وحدت کا مطلب یہ ہے کہ جس کا جو عقیدہ ہے اور اس کی درستگی پر اُس کے پاس دلیل و برہان موجود ہے وہ اُسی پر کاربند رہے اور کاربند رہتے ہوئے دوسرے مسلمین کے ساتھ مشترکات میں مل بیٹھے۔

وحدت سے مراد لاتعلقی نہیں ہے۔ بسا اوقات وحدت کے پروگراموں میں بعض عزیز اظہار کرتے ہیں کہ دوسرے کو نہ چھیڑو اور اپنے مذہب کو نہ چھوڑو۔ فی نفسہ یہ درست بات ہے لیکن اس سے بات بنتی نہیں ہے بلکہ ہمیں اس سے زیادہ مؤثر اقدام کی ضرورت ہے اور وہ اقدام یہ نہیں ہے کہ ہم اپنا مذہب، اپنے اعتقادات چھوڑ دیں یا حتیٰ اختلافی مسائل میں کسی دوسرے کی رائے مان لیں بلکہ وہ قدم یہ ہے کہ آپ مشترکات میں ایک

ہو جائیں۔ اختلافی مسائل اپنے داخلی حلقہ اور اندرونی ماحول کے اندر رکھیں لیکن جب دوسروں کے ساتھ مل بیٹھیں تو نہ یہ مسائل سامنے لائیں اور نہ اپنے نظریات و آراء دوسروں کے اوپر ٹھونسیں۔ دوسرے کے سامنے یا دوسرے کے مقدسات کی توہین نہ کریں۔ کسی کے مقدسات کی توہین کرنا نہ عاقلانہ روش ہے اور نہ اسلام اس کی اجازت دیتا ہے۔ نہ تشیع اس کی اجازت دیتا ہے اور نہ ہی تسنن۔

شیعہ وسنی میں نوے فیصد (90%) مشترکات موجود ہیں۔ یہ بات اسلامی مذاہب کے مطالعہ کے بعد درج کر رہا ہوں اور نوے فیصد بھی محتاط اندازہ ذکر کر رہا ہوں ورنہ مشترکات اس سے زیادہ ہیں اور اختلاف بھی ایسا نہیں ہے کہ جو تفرقہ، دشمنی، کدورت ودوری کی شکل اختیار کرلے۔ پس وحدت کا مطلب یہ ہے کہ شیعہ جس مذہب کو درست سمجھتا ہے اُس پر عمل کرے اور سنی جس مذہب کو درست سمجھتا ہے اُس پر عمل کرے لیکن ان دونوں کے درمیان نوے فیصد اشتراک موجود ہے لہٰذا اُن مشترک شعبوں میں دونوں ایک ہو جائیں۔ اختلافی شعبہ کو اپنے اندر رکھیں لیکن مشترک شعبوں میں باہم مل بیٹھیں اور مشترکات کے اوپر گفتگو کریں۔

کیا دُنیا دار ایسا نہیں کرتے؟ اگر آپ کے دو پارٹنرز ہوں اور دونوں کے ساتھ الگ الگ بزنس میں شراکت داری ہو تو جب آپ کسی ایک پاٹنر سے ملتے ہیں تو اس سے دوسرے پارٹنر کے بزنس کی بات کرتے ہیں یا اسی کے بزنس کی بات کرتے ہیں؟ اس کے ساتھ متعلقہ ومشترک بزنس کی بات ہے لہٰذا جب شیعہ وسنی آپس میں مل بیٹھیں تو باہمی دلچسپی اور مشترکات پر بات کریں جو نوے فیصد ہیں۔

علامہ اقبالؒ کے بقول:

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی دین بھی ایمان بھی ایک
حرمِ پاک بھی اللہ بھی قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں

کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں......[1]

یعنی ہمارا خدا، رسول ﷺ، قرآن، دین، آلِ پیامبر ﷺ، قیامت اور قبلہ و کعبہ ایک ہے۔ جب بھی کچھ ایک ہے تو کیا بات ہے کہ مسلمان ایک نہیں ہے؟!! لہٰذا معلوم ہوا کہ مسلمان نے ان مشترکات سے ہٹ کر کچھ چیزیں اپنائی ہوئی ہیں اور اُن کو چھوڑنے کی سخت ضرورت ہے۔

اہلِ کتاب کو دعوتِ وحدت

یہ دانشمندی نہیں ہے کہ مسلمانوں میں دس فیصد اختلاف کا غلبہ ہو جائے اور لوگ ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھنے کیلئے تیار نہ ہوں لیکن نوے فیصد اشتراک کو نظر انداز کر دیا جائے درحالیکہ قرآن مجید نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا ہے کہ اے رسولؐ! آپ اُن کے ساتھ بھی مل بیٹھیں جن کے ساتھ نوے فیصد اختلاف اور دس فیصد اشتراک ہے۔ لوگ تعجب کرتے ہونگے کہ جو رسول اللہ ﷺ کو رسول نہیں مانتے، قرآن کو آسمانی کتاب نہیں مانتے، اسلام کو درست مذہب نہیں مانتے اُنہی کے بارے میں خدا نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ اے رسولؐ آپ ان کو بھی جا کر دعوتِ اتحاد دیں اور کہیں:

يَآاَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ......[2]

اے اہلِ کتاب! اس کلمے کی طرف آجاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے، وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اس کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ بنائیں اور اللہ کے سوا آپس میں ایک دوسرے کو اپنا رب نہ بنائیں......

یعنی آؤ ہم مل بیٹھتے ہیں۔ ٹھیک ہے ہمارے درمیان اختلافات ہیں لیکن اتنے اختلافات کے باوجود ہم

---

[1]......(بانگِ درا، جوابِ شکوہ، صفحہ ۲۱۴)　[2]......(سورۃ آلِ عمران، آیہ ۶۴)

میں ایک اشتراک بھی ہے اور وہ یہ کہ تم بھی ایک خدا کی عبادت کرتے ہو اور ہم بھی ایک خدا کی عبادت کرتے ہیں۔ جب اس خدا کی توحید پہ آجاؤ گے تو پھر تمہیں صراط مستقیم مل جائے گا اور تم بہت ساری دوسری چیزوں میں بھی ایک ہوجاؤ گے۔ آؤ اس ایک خدا پر ہم دونوں مل بیٹھیں۔ یہ کلمہ سواء ہے یعنی مشترک بات۔

سنی و شیعہ قرآن کی تعلیمات کے مطابق اپنے آپ کو پرکھیں۔ کیا ان کے درمیان مسیحیت جتنی مشترکات بھی نہیں ہیں؟! مسیحیت میں تو فقط خدا مشترک ہے لیکن سنی و شیعہ کا خدا، رسول، دین، قرآن، کعبہ، سب ایک ہیں تو کیا ہمیں ایک دوسرے کی نسبت یہ قرآنی زبان نہیں بولنی چاہیے، یعنی شیعہ سنی سے اور سنی شیعہ سے کہے کہ ''تَعَالَوْا''، آؤ ہم گلے ملتے ہیں۔ لیکن قرآن نے انبیاء علیہم السلام کو بھی متنبہ کیا ہے کہ خیال رکھنا:

اِنَّ الشَّیْطَانَ لَکُمَا عَدُوٌّ مُّبِیْنٌo [1]

شیطان یقیناً تمہارا کھلا دشمن ہے۔

دشمن سے غفلت موت ہے لہٰذا اس سے کبھی بھی غافل نہ رہیں۔

اہلِ کتاب کا تعارف اور وحدت کی گنجائش

قرآن مجید میں اہل کتاب کا تعارف موجود ہے۔ یہ لوگ تورات اور انجیل کو تو قبول کرتے ہیں لیکن قرآن کو نہیں مانتے۔ اسی طرح یہ لوگ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ نبی مانتے ہیں، نہ رسول مانتے ہیں، نہ معصوم مانتے ہیں اور نہ حجت خدا مانتے ہیں۔ قرآن نے ان لوگوں کے بہت سارے خود ساختہ افکار کو پیش کیا ہے اور جو خدائی تعلیمات انہیں کسی حد تک سمجھ آئی تھیں وہ بھی پیش کی ہیں۔ ان من گھڑت اعتقادات میں سے ایک یہ تھا کہ بنی اسرائیل کا کہنا تھا:

لَنْ یَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ کَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی...... [2]

---

[1] ......(سورۂ اعراف، آیہ ۲۲) [2] ......(سورۂ بقرہ، آیہ ۱۱۱)

جنت میں یہودی اور نصرانی کے علاوہ کوئی ہرگز داخل نہیں ہوسکتا۔

یہ بنی اسرائیلی تفکر ہے کہ کسی کو اس دُنیا میں یقین ہوجائے کہ ہم جہنم نہیں جائیں گے۔ قرآن کہتا ہے: تمہارے پاس کیا دلیل ہے کہ تم جہنم نہیں جاؤ گے؟ پہلے تو وہ لوگ کہتے تھے:

نَحۡنُ اَنۡصَارُ اللّٰهِ ۱

ہم اللہ کے مددگار ہیں،

اور پھر بڑھ کر یہ بھی کہہ دیا کہ

نَحۡنُ اَبۡنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ......۲

ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ولاڈلے ہیں......

قرآن نے ان کے خیالِ خام کی نفی کی اور جنت وجہنم میں جانے کا معیار بھی بتایا۔ خدا نے جنت وجہنم قوموں، نسلوں اور طبقوں کے صلے میں نہیں بنائی بلکہ اعمال کے صلے میں بنائی ہے۔ اچھی نسل کا انسان اگر برا عمل کرے تو وہ جہنم میں جائے گا اور کم نسل آدمی اگر اچھے اعمال کرے تو وہ جنت میں جائے گا۔

حضرت نوحؑ کا بیٹا نسلی لحاظ سے ابوالاعلیٰ نسل کا ہے لیکن عمل کے لحاظ سے غیر صالح ہے لہٰذا خدا نے فرمایا کہ اے نوحؑ اُس کا نام تک نہ لو۔ اُس کا آپ سے کیا تعلق ہے؟ یہی کہ آپ کے صلب سے پیدا ہوا ہے اور آپ یہ سمجھتے ہیں کہ آپ کا بیٹا ہے،

یَا نُوۡحُ اِنَّهٗ لَیۡسَ مِنۡ اَهۡلِکَ......۳

اے نوحؑ! بیشک یہ آپ کے اہل میں سے نہیں ہے......

لیکن اس کے مقابلے میں ایک ایسا شخص جس کو لوگ کچھ بھی نہیں سمجھتے مثلاً حضرت ابوذرؓ جو چرواہا تھے جب بارگاہِ رسولؐ میں حاضر ہوتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

۱......(سورۂ صف، آیہ ۱۴)　۲......(سورۂ مائدہ، آیہ ۱۸)　۳......(سورۂ ہود، آیہ ۴۶)

یَا اَبَاذَرٍ اِنَّکَ مِنَّا اَھْلَ الْبَیْتِ...... ۱

اے ابوذر بے شک تم ہمارے اہلبیتؑ میں سے ہو۔

حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کو بدعملی کہاں تک پہنچا دیتی ہے اور ابوذرؓ جیسے چرواہے کو عملِ صالح کہاں جا پہنچاتا ہے۔

بنی اسرائیل کی ایک اور بڑی غلط فہمی یہ تھی کہ وہ کہتے تھے:

لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّا اَیَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ...... ۲

جہنم کی آگ ہمیں چند روز کے سوا چھو نہیں سکتی......

قرآن نے فرمایا:

تِلْکَ اَمَانِیُّھُمْ...... ۳

یہ محض تمہارے حدث وگمان اور آرزوئیں ہیں۔ جنت وجہنم تمہارے تخمینوں کی بنیاد پر تقسیم نہیں ہوگی۔ انسان عام زندگی میں بھی بہت سے ایسے تخمینے لگا لیتا ہے جو بعد میں غلط نکلتے ہیں مثلاً آپ نے اندازہ لگایا ہوا ہے کہ کسی علاقہ میں موسم بڑا اچھا ہوگا لیکن جب وہاں جاتے ہیں تو بڑا گرم موسم پاتے ہیں یا الیکشن میں لگائے جانے والے تخمینے اکثر غلط ثابت ہوتے ہیں۔ قرآن نے فرمایا کہ تم نے جنت اور جہنم کے بارے جو تخمینے لگا رکھے ہیں یہ بھی غلط نکلیں گے۔

لیکن بنی اسرائیل میں انبیاء علیہم السلام کی دی گئیں کچھ تعلیمات بھی موجود تھیں یعنی وہ انجیل وتورات کو بھی مانتے تھے۔ اگر ہم اس نکتہ کو سمجھ جائیں تو ہمیں بہت ساری چیزوں کے رمز وکوڈ (Code) معلوم ہو جائیں گے کہ خداوند تبارک وتعالیٰ نے پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ ان اہل کتاب کو جا کر اتحاد و وحدت کی دعوت دو۔ وہ اہل

۱......(مکارم الاخلاق، تألیف، الشیخ الجلیل رضی الدین أبی نصر الحسن بن الفضل الطبرسیؒ)
(میزان الحکمۃ - الریشہری، باب: الوصیۃ، الجزء ۱۱، صفحہ ۱۵۰)

۲......(سورۃ آلِ عمران، آیہ ۲۴)　۳......(سورۃ بقرہ، آیہ ۱۱۱)

کتاب کہ جو آپ کو نبی و رسول تک نہیں مانتے اور جو قرآن کو کتابِ آسمانی نہیں مانتے، چنانچہ فرمایا:

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ......[1]

کہہ دیجئے: اے اہلِ کتاب! اس کلمے کی طرف آجاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے، وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اس کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ بنائیں اور اللہ کے سوا آپس میں ایک دوسرے کو اپنا رب نہ بنائیں......

اے نبیؐ! ان اہل کتاب سے کہیں کہ آپ کے اور ہمارے درمیان مشترکات ہیں۔ مسیحیت اور اسلام کے اندر کتنے مشترکات ہیں؟ وہ رسولِ اسلام کو رسول نہیں مانتے، قرآن کو اللہ کی کتاب نہیں مانتے، اسلام کو بعنوانِ مذہبِ الٰہی و شریعتِ آسمانی قبول نہیں کرتے لیکن اللہ کو مانتے ہیں۔ خداوند تعالیٰ نے پیامبر اکرم ﷺ کو حکم دیا کہ اے نبیؐ! یہی بات کافی ہے کہ یہ خدا کو تو مانتے ہیں۔ جو خدا پرست ہے آپ اُس کے ساتھ مل بیٹھ سکتے ہیں۔ آپؐ ان لوگوں سے کہہ دیں کہ ہم سب اللہ کی عبادت کریں اور عہد کرلیں کہ اُس کے علاوہ کسی اور کی عبادت نہیں کریں گے۔ یہ آئیڈیالوجیکل دعوتِ وحدت ہے۔ آئیڈیالوجیکل وحدت کا مطلب یہی ہے کہ اللہ کو ایک ماننا ہے۔ جب ہم نے اللہ کو ایک مان لیا تو اس وحدت یعنی اس عقیدے کا عملی مظاہرہ بھی ضروری ہے۔

پس ہمیں مشترکات کے اندر اور مشترک دشمن کے مقابلہ میں ایک فعال، ایکٹو (Active) اور اسٹریٹیجک وحدت (Strategic unity) کی ضرورت ہے۔ نہ جھیڑو اور نہ چھوڑ دے سے ہم دشمن کا مقابلہ نہیں کرسکتے یعنی نہ میں اپنا مذہب لے کر اپنے گھر چلا جاؤں اور نہ آپ اپنا مذہب لے کر اپنے گھر بیٹھیں۔ اس سے نہ آپ بچیں گے اور نہ آپ کا دین بچے گا بلکہ ہمیں ایک ایسی وحدت کی ضرورت ہے جس کے اندر مسلمانوں کی قوت، قدرت، اقتدار، طاقت، عزت و کرامت ظاہر ہو۔

---

[1]......(سورۃ آلِ عمران، آیہ ٦٤)

وحدت، سیرتِ امام علی علیہ السلام وخلفاءِ اہلِ سنت کے تناظر میں

جن شخصیتوں کو بنیاد قرار دے کر ہم جھگڑتے ہیں وہ خود آپس میں نہیں جھگڑتے۔ شیعہ امیر المومنین حضرت امام علی علیہ السلام کو قبول کرتے ہیں اور اہل سنت خلفاء کو قبول کرتے ہیں لیکن آیا ان خلفاء کے درمیان کوئی جنگ ہوئی؟ باوجودیکہ ان میں اختلاف تھا۔ بعض لوگ حقیقت سے چشم پوشی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اختلاف بھی نہیں تھا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان میں اختلاف موجود تھا۔ امیر المومنین علیہ السلام کے خطبے موجود ہیں اور اہل تشیع واہل سنت کی کتابوں میں یہ مطالب موجود ہیں کہ بہت سارے موضوعات پر ان میں اختلاف ہوتا تھا، لیکن یہ اختلاف کبھی بھی جنگ میں تبدیل نہیں ہوا۔ امیر المومنین علیہ السلام نے ذکر کیا ہے کہ میرے لئے بعض چیزیں برداشت کرنا بہت دشوار تھا لیکن اس کے باوجود میں نے دین واُمت کی مصلحت کیلئے سب کچھ برداشت کیا ہے۔ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے وحدتِ مسلمین کی خاطر تاریخ میں لازوال قربانیاں دیں ہیں، من جملہ اپنے حق سے چشم پوشی کرنا، ناگواریوں پر صبر کرنا اور امت کے اتحاد کی خاطر ایک عمر سکوت اختیار کرنا۔ ائمہ اطہار علیہم السلام کی تعلیمات میں مدارات اور رواداری کو مسلمانوں کے درمیان وحدت برقرار کرنے اور اتحاد کو باقی رکھنے کے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے۔

کیا کوئی شیعہ امام علی علیہ السلام سے بھی بڑھ کر تشیع کا حامی ہے؟! کیا کوئی سنی ایسا ہے جو خلفاء سے بھی آگے نکل جائے؟! اُنہوں نے اپنے اختلاف کو اختلاف ہی رہنے دیا لیکن اسے تفرقہ نہیں بنایا چونکہ اس میں نہ دین کی مصلحت تھی نہ اُمت کی۔ ہمارے پاس سیرت موجود ہے اور ہم اُس سیرت کو اپناتے ہوئے اختلاف کو اختلاف ہی رہنے دیں اسے تفرقہ میں نہ بدلیں۔ اختلاف یعنی دو رائے موجود ہیں۔ آپ مطالعہ، تحقیق اور جستجو کریں کہ صدرِ اسلام سے یہ دو آراء موجود ہیں پھر اُن میں سے جو حق پر نظر آتی ہے اُسے قبول کر لیں۔ یہ دروازہ ہمیشہ کیلئے کھلا ہوا ہے۔ وحدت کا مطلب تحقیق سے منع کرنا نہیں ہے۔

وحدت، تنہا راہِ نجات

وحدت کے فوائد فراوان ہیں۔ اگر اس کے نتائج، ثمرات اور فوائد فہرست وار بھی نقل کروں تو اس کے لئے اچھا خاصا وقت درکار ہے۔ تاریخ کے اندر جو امت متحد رہی ہے اس نے وحدت کے وہ میٹھے پھل کھائے ہیں۔ اگر آج مسلمانوں کو زبانوں میں تلخی، ناگواری اور کڑواہٹ محسوس ہوتی ہے تو اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ میٹھا پھل اس اُمت سے لے لیا گیا اور اس کی جگہ تفرقہ تھما دیا گیا۔ ہمیں زمینی حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے مسائل و حالات کا تجزیہ کرنا چاہئے۔ آسمانی باتیں اپنی جگہ درست ہیں لیکن زمینی باتیں بھی کریں چونکہ آج ہماری ساری مشکلات زمینی مشکلات ہیں۔ یوں تو مذاہب میں جتنے بھی فرقے ہیں سب کے اندر تفرقہ موجود ہے لیکن اس وقت دُنیا میں ایک واضح تاثر قائم ہو چکا ہے کہ شیعہ و سنی میں تفرقہ ہے۔ اگرچہ اہل سنت اور اہل تشیع کے اندر کئی ذیلی شاخیں ہیں اور وہ سب کی سب آپس میں برسرِ پیکار اور دست بگریباں ہیں یعنی تفرقہ افسوس ناک حد تک نچلی سطح تک جا پہنچا ہے۔ تفرقہ پر اتنا اصرار ہوا ہے کہ ہمارے ذہن کی ساخت اور خلیوں میں تفرقہ کی آمیزش ہو گئی ہے لہٰذا وحدت کی بات کی جائے تو ذہن کے Cells اسے Reject کر دیتے ہیں۔

حضرتِ اقبالؒ وہ بابصیرت انسان اور برصغیر کے مسلمانوں کیلئے نعمتِ خداوندی تھے کہ جنہوں نے اُمت مسلمہ کو نصف صدی پہلے متوجہ کیا کہ تیرے سر پر کیا خطرات منڈلا رہے ہیں اور تجھے کن چیزوں کی طرف سوچنا چاہئے۔ آپؒ نے اس وقت فرمایا تھا:

اے کہ نشناسی خفی را از جلی ہشیار باش

اے گرفتارِ ابوبکر و علی ہشیار باش......[1]

یعنی اے وہ اُمت کہ جس کو خفی اور جلی میں فرق معلوم نہیں ہے، ہوشیار ہو جاؤ کہ تمہاری ہوشیاری کا زمانہ آیا ہے۔ اگر یہی فتنہ جاری و ساری رہا تو سب کی حرمتیں پائمال ہو جائیں گی۔ اگر آج رسول اکرم ﷺ کی

---

[1]......(بانگِ درا، صفحہ ۲۷۹)

حرمت پائمال ہوسکتی ہے تو اے سنی! خلیفہ کی بھی حرمت بھی پائمال ہوسکتی ہے، اے شیعہ! علیؑ اور اہلبیتؑ کی حرمت بھی پائمال ہوسکتی ہے، بلکہ یہ پائمال ہوگئی ہیں چونکہ رسول ﷺ کی بے حرمتی میں سب کی بے حرمتی ہے۔ اگر اپنے دین کی حرمت کو باقی رکھنا چاہتے ہو تو نجات کا فقط ایک ہی راستہ ہے اور وہ وحدت ہے۔
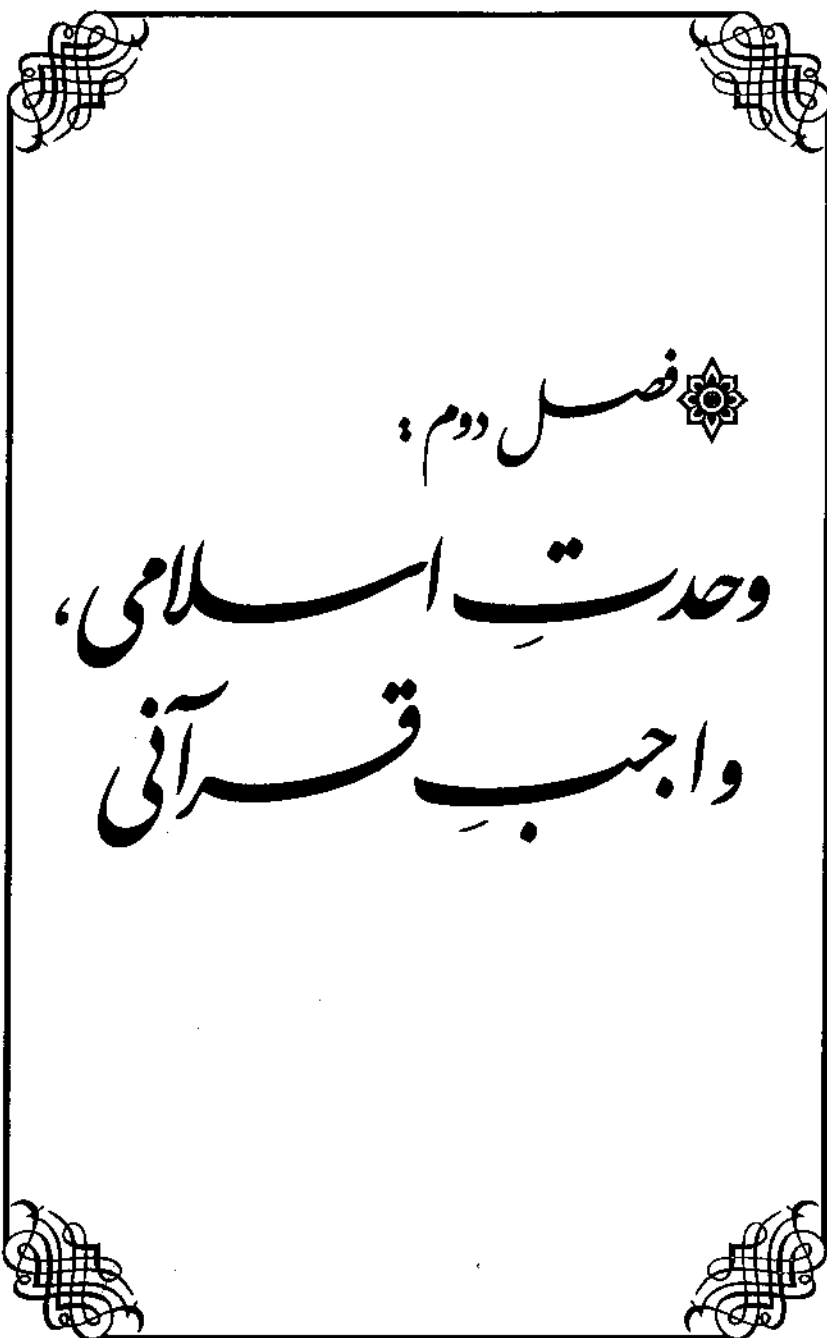
فصل دوم:

وحدتِ اسلامی، واجبِ قرآنی

وحدت ،اہم ترین قرآنی فریضہ

وحدت وہ اہم ترین فریضہ ہے کہ جسے قرآن نے متعدد اوامر، توصیفی، انشائی، خبری اور دیگر تعبیروں میں ذکر کیا ہے۔ تمام آسمانی کتب بالخصوص قرآن کریم نے تمام انسانوں کو بالعموم اور اہل ایمان کو بالخصوص وحدت و اتحاد کی دعوت دی ہے۔ اُمت قرآن کے آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھ سکتی ہے۔ ہم قرآن کا مطالعہ ثواب کیلئے تو کرتے ہی ہیں لیکن اُس میں غور نہیں کرتے کہ کہیں ثواب کم نہ ہو جائے۔ اگر تدبر کے ساتھ تلاوت کریں تو معلوم ہو جائے گا کہ ہم اس نقطہ کے بالمقابل کھڑے ہیں جس طرف قرآن بلا رہا ہے۔

وحدت قرآن کی نظر میں ان واجبات میں سے ہے کہ جن پر عمل کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے اور ترک کرنا جرم، حرام اور باعث ورودِ جہنم ہے۔ جس طرح نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ اور بہت سارے واجبات اللہ تعالیٰ نے انسان کیلئے مقرر فرمائے ہیں اُنہی واجبات میں سے ایک اہم ترین واجب اُمت مسلمہ کے اندر اتحاد و اتفاق برقرار کرنا ہے۔ جس طرح نماز ترک کرنا گناہ ہے اسی طرح اتحاد و وحدت جیسا واجب ترک کرنا بھی گناہ و معصیت ہے۔

بعض واجبات ایسے ہیں جن کے ترک کرنے سے انسان کو جہنم ملتی ہے لیکن بظاہر دُنیا میں کوئی خسارہ حاصل نہیں ہوتا لیکن وحدت ایک ایسا واجب ہے کہ اگر انسان اسے ترک کرے تو نہ صرف موت کے بعد جہنم ملتی ہے بلکہ موت سے پہلے کی زندگی بھی جہنم بن جاتی ہے۔ اُمت نے جس دن سے اس واجب کو ترک کر دیا ہے تو گویا خود اپنے ہاتھوں سے جہنم بنائی ہے۔ اس قرآنی فریضہ کی متروکیت کی بناء پر آج ہم پوری دُنیائے اسلام اور خصوصاً پاکستان کے اندر امت کی اپنی بنائی ہوئی جہنم کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔

دعوت قرآن اور ہمارا رویہ

اُمت مسلمہ اگرچہ نام کے لحاظ سے بڑی باعظمت ہے کہ یہ قرآنی اور انبیاءؑ کا رکھا ہوا نام ہے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ نے اذنِ الٰہی سے اس اُمت کا نام اُمتِ مسلمہ رکھا تھا۔ حضرتِ ابراہیمؑ اور حضرتِ اسماعیلؑ جب خانہ کعبہ کی دیواروں کو بلند کر رہے تھے تو ساتھ ساتھ دعا کر رہے تھے:

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَکَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ أُمَّةً مُسْلِمَةً لَکَ......[1]

پروردگار ہم دونوں کو اپنا مسلمان اور فرمانبردار قرار دے اور ہماری اولاد میں بھی ایک اُمتِ مسلمہ پیدا کر......

لیکن اُمتِ مسلمہ کے ارکان، اصول اور بنیادیں اُمت کے اندر نظر نہیں آتیں یعنی قرآنی اصولوں کے بغیر اُمت مسلمہ نے مسلمہ بننے کی کوشش کی ہے۔ قرآن کریم نے مسلمانوں کو وحدت کی طرف دعوت دیتے ہوئے اُمت بننے کا حکم دیا ہے۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولٰئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○[2]

یعنی تم میں سے ایسی امت ہو جو لوگوں کو خیر کی دعوت دے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرے اور یہی لوگ نجات پانے والے ہیں۔ اس کے علاوہ قرآن مجید کی متعدد آیات وحدت کی تاکید کرتی ہیں۔ خود رسولِ اکرم ﷺ نے مدینہ جا کر پہلے ان میں آپس میں محبت والفت کے ذریعہ وحدت قائم کی پھر اس کے بعد دوسرے سلسلے شروع کئے۔ آپ ﷺ نے ان کے اندر موجود فرق کو مٹایا کیونکہ نسلیں، قومیں، رجحانات اور رنگ مختلف تھے لیکن وہ سب کچھ مٹا کر ان کو ایک امت قرار دیا اور قرآن کو رسول اللہ ﷺ کا یہ کام اتنا پسند آیا کہ جبرئیلؑ وحیِ الٰہی لے کر نازل ہوئے:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا......[3]

---

[1]......(سورۂ بقرہ، آیہ ۱۲۸) [2]......(سورۂ آلِ عمران، آیہ ۱۰۴) [3]......(سورۂ آلِ عمران، آیہ ۱۰۳)

اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ نہ ڈالو......

یعنی پیغمبر ﷺ کا یہ کام رکنا نہیں چاہئے۔ رسول اکرم ﷺ کی اس سیرت کو قرآن نے ایک حکم کی شکل دے دی۔ یہ کوئی آج کی بات نہیں ہے بلکہ ہمیشہ سے ایسے ہی رہنے کا حکم تھا۔ اگر ہم مذہبی ہیں تو مذہب سے مذہبی ہیں، بغیر مذہب کے مذہبی نہ بنیں۔ جیسا کہ آج اس ملک کے ناعاقبت اندیش حکمران مختلف ہتھکنڈوں کی مدد سے اس قوم کو کسی اور چیز کی طرف دھکیلنا چاہ رہے ہیں لیکن الحمد للہ قوم ان کے ہمراہ نہیں ہے۔ وہ یہ چاہتے ہیں کہ آپ بغیر اسلام کے مسلمان ہوں یعنی سیکولر۔ البتہ بعض لوگ جو دو چار جماعتیں پڑھ کر اپنے آپ کو بہت پڑھا لکھا متعارف کروانا شروع کر دیتے ہیں اور خود کو روشن فکر کہنا شروع کر دیتے ہیں ان کو یہ بہت اچھا لگتا ہے۔

ہمارے ایک دوست روشن فکروں کو محبت میں راشن فکر کہتے ہیں کہ بعض لوگ راشن فکر ہیں جو اسلام کے بغیر مسلمان ہونے کو پسند کرتے ہیں، یعنی ان کی زندگی میں کوئی اسلامی خصلت و عمل موجود نہ ہو لیکن اس کے باوجود خود کو مسلمان کہلوانا پسند کرتے ہیں۔ ان لوگوں نے اس طرزِ زندگی کا نام روشن اسلام رکھا۔ لبرل یعنی بغیر اسلام کے مسلمان ہونا۔ اگر آپ تابعِ قرآن ہیں تو قرآن پر عمل کر کے تابعِ قرآن بنیں گے۔ قرآن کو فقط گھروں میں رکھنے، قرآن کو مُردوں پر تلاوت کرنے اور قرآن سے فقط استخارے نکالنے سے ہم تابعِ قرآن نہیں بن جاتے۔ جب تک کہ قرآنی اصول ہماری زندگیوں میں نہ آجائیں، جب تک قرآنی اصول ہمارے صبح شام نہ بن جائیں، جب تک قرآنی اصول میری زندگی کا روزمرہ اور معمول نہ بن جائیں اس وقت تک ہم خود کو تابعِ قرآن کہنے کے حقدار نہیں ہیں۔

قرآن سب سے پہلے ہم سے وحدت و اتحاد اور الفت و محبت کا تقاضا کرتا ہے۔ ہم بہت سارے ایسے موضوعات کو اہمیت دیتے ہیں جو کم اہمیت رکھتے ہیں لیکن سب سے اہم موضوع وحدت ہے جس کی طرف سوچنا بھی گوارا نہیں کرتے۔ قرآن نے تفرقہ کی مذمت کے ساتھ ساتھ اس کے نقصانات کی طرف بھی توجہ مبذول کرائی ہے لیکن اس کے باوجود گویا تفرقہ آج اہم ترین واجب سمجھا جاتا ہے کہ ہر دوسرا واجب ترک ہوجائے پرواہ نہیں ہے لیکن تفرقہ ترک نہیں ہونا چاہئے۔ بالفاظِ دیگر جس دن تفرقہ نہ ڈالیں، اس کی طرف رُخ نہ کریں یا اس کے

بارے میں نہ سوچیں تو گویا دین کا حق ادا نہیں کیا درحالیکہ قرآن تفرقہ کی نہی کرتا ہے اور وحدت کی دعوت دیتا ہے۔

افسوس وصد افسوس کہ آج اُمتِ مسلمہ نے خدا، قرآن، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ائمہ علیہم السلام اور اولیاءِ دین کی تعلیمات کو پس پشت ڈال دیا ہے۔

نَبَذَ فَرِيقٌ مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ كِتَابَ اللَّهِ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ كَأَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ٥[1]

ایک گروہ نے کتابِ خدا کو پسِ پشت ڈال دیا جیسے وہ اسے جانتے ہی نہ ہوں۔

آیۂ واعتصموا کے لطیف نکات

آیۂ واعتصموا کے لطیف نکات

قرآن مجید میں خداوندِ عالم کا ارشاد ہے:

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا......[2]

اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ نہ ڈالو......

اس آیۂ مبارکہ میں خدا نے اُمت کو تباہی و بربادی سے بچانے اور اس کی بقاء کیلئے بہترین راہِ حل فراہم کیا ہے لیکن اُمت آج ان آیات کو فراموش کر بیٹھی ہے۔

......وحدت کا وجوب، حبل اللہ کے مصادیق اور رسی تھامنے کا طریقہ

ہمارے اُستادِ بزرگوار اُستادِ محترم و مکرم حضرت آیت اللہ جوادی آملی دام ظلہ العالی نے اس آیۂ کریمہ کے ضمن میں بہت سارے لطیف نکات ذکر فرمائے ہیں جن میں سے ایک نکتہ یہ بیان فرمایا کہ "وَاعْتَصِمُوا" امر ہے اور امر سے مراد وجوب ہے اور آیۂ کریمہ یہ فرما رہی ہے کہ اللہ کی رسی کو جمیعاً یعنی باہم مل کر تھام لو یعنی اس تمسک کے اندر آپ کی وحدت بھی مطلوب ہے۔ اطاعت کے ساتھ ساتھ آپ کی وحدت بھی درکار ہے۔

---

[1]......(سورۂ بقرہ، آیہ ۱۰۱) [2]......(سورۂ آلِ عمران، آیہ ۱۰۳)

جس طرح نماز سب پر واجب ہے اسی طرح وحدت بھی سب پر واجب ہے مثلاً ہمیں کہاں سے پتہ چلتا ہے کہ نماز فریضہ ہے؟ چونکہ قرآن مجید نے نماز قائم کرنے کا حکم دیا ہے۔ قرآن نے بہت سے مقامات پر اس فریضہ کی ادائیگی کی تاکید فرمائی ہے کہ

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ.....[1]

اور نماز قائم کرو......

''وَأَقِيمُوا'' امر یعنی آرڈر (Order) ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب سے یہ امر جہاں بھی آجائے اور کوئی ایسی چیز، کوئی قرینہ وغیرہ موجود نہ ہو کہ جو یہ بتائے کہ یہ فریضہ نہیں بلکہ مستحب ہے یا نفل ہے تو وہ فریضہ پر ہی دلالت کرتا ہے، یعنی اگر اللہ کی جانب سے امر آجائے تو یہ امر فریضے ہی کی نشاندہی کے لئے آتا ہے۔ امت کو فرائض بتانے کے لئے اوامر اور نواہی استعمال کئے جاتے ہیں، نہی یعنی روکنا اور یہ نواہی حرمت کے لئے آتے ہیں یعنی کسی چیز کو ممنوع قرار دینے کے لئے آتے ہیں۔ جس طرح سے ''وَأَقِيمُوا'' امر ہے اسی طرح سے ''وَاعْتَصِمُوا'' بھی امر ہے۔ جس طرح نماز پڑھنا واجب ہے اسی طرح اعتصام بحبل اللہ بھی واجب ہے لیکن حبل اللہ کا اعتصام جمیعاً ہے۔

روایات میں حبل اللہ کے مصادیق دین، قرآن و اہلبیت علیہم السلام ذکر کئے گئے ہیں۔ نام تین ہیں لیکن ان تینوں کی حقیقت ایک ہی ہے لہٰذا اگر آپ اطاعت کریں لیکن وحدت نہ ہو تو اس اطاعت کا کوئی فائدہ نہیں ہے اسی طرح اگر محبت کریں لیکن وحدت نہ ہو تو اس محبت کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

اللہ کی رسی کو تھامنے کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ میں اپنے گھر میں بیٹھ کر، آپ اپنے گھر میں بیٹھ کر اور کچھ گروہ اپنی اپنی مسجدوں میں بیٹھ کر اس رسی کو تھام لیں اور خوش ہوں کہ ہمارا تمسک قرآن یا اہل بیت علیہم السلام سے ہوگیا ہے۔ اگر

وحدت کا وجوب، حبل اللہ کے مصادیق اور رسی تھامنے کا طریقہ

---

[1]......(سورۂ بقرہ، آیہ ۱۱۰ & ۸۳، ۴۳)(سورۂ نساء، آیہ ۷۷)(سورۂ یونس، آیہ ۸۷)(سورۂ نور، آیہ ۵۶)(سورۂ روم، آیہ ۳۱)(سورۂ مزمل، آیہ ۲۰)

ساری دُنیا کے فرد فرد انفرادی طور پر یا گروہی شکل میں اللہ کی رسی کو تھام لیں تو اُستادِ بزرگوار فرماتے ہیں کہ اس آیت پر پھر بھی عمل نہیں ہوا چونکہ یہ آیۂ کریمہ فقط یہ نہیں کہہ رہی کہ اللہ کی رسی کو تھام لو۔

یہ آیہ فقط رسی تھمانے کے لئے نہیں آئی بلکہ سب کو ملانے کے لئے آئی ہے۔ ورنہ اگر کوئی اللہ کی رسی اپنی مسجد میں تھام لے، دوسرا اپنی مسجد میں تھام لے، تیسرا اپنے گھر میں تھام لے تو ہم نے اس آیہ پر عمل نہیں کیا ہے۔ پس اس آیت کا معنٰی صرف یہ ہی نہیں بنتا کہ خدا کی رسی سے اعتصام یا تمسک پیدا کرو بلکہ علماء اس کا معنٰی یہ کرتے ہیں کہ آپ پر واجب ہے کہ اللہ کی رسی کو جمیعاً، باہم اور ایک ساتھ مل کر تھامو اور آپس میں تفرقہ، نزاع و جھگڑا مت کرو کیونکہ یہ نزاع تمہیں نابود و ہلاک کر دے گی۔

لیکن آج امت قرآن کا اکثر حصہ بھول بیٹھی ہے اور اگر ان آیات کو پڑھتی بھی ہے تو استخارے کے طور پر استعمال کرتی ہے۔ "وَاعْتَصِمُوْا" کی آیت کھلنے پر کہتے ہیں کہ شادی کر سکتے ہو اور بعض تو استخارہ کر کے اس کی تشریح و توضیح بھی کرتے ہیں کہ چونکہ اس آیت میں حبل کا ذکر آیا ہے اور حبل کا معنٰی رسی ہے، رسی سے چیزیں باندھی جاتی ہیں اور عقد بھی رسی ہی کی طرح ہے لہٰذا شادی کیلئے بہت موزوں آیت ہے۔ جبکہ یہ آیت شادی کی نہیں بلکہ وحدت کی آیت ہے۔ شادی کیلئے قرآن میں دوسری بہت ساری آیات ہیں۔ قرآن نے اسی آیہ میں تفرقہ حرام قرار دیا ہے:

وَّلَا تَفَرَّقُوْا......

اور تفرقہ نہ ڈالو......

اس میں "لا" نہی ہے یعنی یہ ہمیں بتا رہا ہے کہ تفرقہ حرام ہے، جرم ہے، ممنوع ہے۔ امت کے اندر کسی بھی بہانے سے تفرقہ ڈالنا حرام ہے اور اتحاد و وحدت واجب ہے۔ قرآن نے نہ صرف تفرقہ کی شدید مذمت کی ہے بلکہ تفرقہ پھیلانے سے سختی سے روکا ہے۔ قرآن نے اور بھی بہت سی چیزوں سے منع کرتے ہوئے "لا" کا لفظ استعمال کیا ہے اور علماء اس سے یہی نتیجہ لیتے ہیں کہ وہ چیز حرام ہے۔ تفرقہ کا حرام ہونا کسی فقیہ و مجتہد کا استنباط، اجتہاد یا فتویٰ نہیں ہے بلکہ نصِ صریح قرآن ہے۔ "لَا تَفَرَّقُوْا" یعنی تفرقہ، فرقہ بازی، فرقہ واریت اور گروہ گروہ بننا حرام و ممنوع ہے۔

......الفت ووحدت، نعمتِ خدا

قرآن مجید نے لہجے اور تعبیریں بدل بدل کر اُمت کو اس نکتے کی طرف متوجہ کیا ہے۔ کبھی امر کا صیغہ استعمال کیا، کبھی وحدت کو نعمتِ خداوند تبارک وتعالیٰ کہا، کبھی الفت کو لطفِ پروردگار سے تعبیر کیا۔

خداوند تبارک وتعالیٰ نے اسی آیت کے ذیل میں مسلمانوں کو خطاب کر کے فرمایا:

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ أَعْدَآءً......[1]

اور تم اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے......

یاد کرو اُس دن کو جب تم آپس میں دشمن تھے، ایک دوسرے کے ساتھ دست بہ گریباں تھے، ایک دوسرے کے خون کے درپے تھے، ایک دوسرے کی گردنیں مارتے تھے، ایک دوسرے کا مال لوٹتے تھے، ایک دوسرے کی بے حرمتی وہتا کی کرتے تھے اور ایک دوسرے کو ناحق قتل کرتے تھے۔

......زمانۂ جاهلیت میں لوگوں کی حالت

اس زمانے میں جاہلیت کے مختلف اعمال، علائم اور رجحانات موجود تھے جن کی وجہ سے اسے جاہلیت کا زمانہ کہتے تھے۔ جاہلیت کی ایک واضح علامت یہ تھی کہ وہ لوگ چھوٹی چھوٹی باتوں پر آپس میں لڑتے جھگڑتے تھے۔ تاریخ میں لکھا ہے کہ دو قبائل کے درمیان چالیس سال تک جنگیں صرف ایک سانڈا (گوہ کی قسم کا جانور) کے شکار کی وجہ سے ہوئیں۔ سانڈا عربوں کی مرغوب غذا ہے۔ یہ چھپکلی کی طرز کا ایک صحرائی جانور ہے جسے اہلِ فارس ملخ کہتے ہیں۔ ایک آدمی اسی جانور کا شکار کر رہا تھا لیکن وہ سانڈا بھاگتا ہوا کسی دوسرے قبیلہ والے عرب کے خیمے میں چلا گیا۔ جب یہ شکاری اس کا تعاقب کرتا ہوا نیزہ لے کر اُس خیمے کے قریب گیا تو اُس شخص نے کہا کہ ہم قبائلیوں کی یہ روایت ہے کہ جو ہمارے یہاں پناہ لے لے ہم اس کو دشمن کے حوالے نہیں کرتے۔ شکاری نے کہا یہ

---

[1] ......(سورۂ آلِ عمران، آیہ ۱۰۳)

انسان نہیں بلکہ جانور ہے اور میرا شکار ہے۔ بہر حال تکرار کے نتیجہ میں ہاتھا پائی تک نوبت آ گئی اور پھر دونوں قبیلوں کے درمیان جنگ شروع ہو گئی جو چالیس سال تک جاری رہی۔ اس جنگ میں دونوں قبیلوں کے ہزاروں افراد مارے گئے اور ہزاروں بے گھر افراد پیدا ہوئے۔

اسی طرح یہ لوگ کبھی اونٹ پر لڑ پڑتے تھے اور کبھی اونٹ کی لید یعنی فضلے پر لڑ پڑتے تھے کیونکہ وہ اسے جمع کرتے تھے۔ ایک کہتا تھا کہ یہ ہمارے اونٹ کی ہے جبکہ دوسرا اسے اپنے اونٹ سے نسبت دیتا تھا۔ ایک کہتا تھا کہ یہ ہمارے خیمہ کے نزدیک ہے تو دوسرا کہتا تھا یہ ہمارے خیمہ کے نزدیک ہے۔

تفرقہ، ہلاکت کا دہانہ

......تفرقہ، ہلاکت کا دہانہ

اس قتل و غارت کے نتیجہ میں قریب تھا کہ یہ جہنم، مہلکہ و ہلاکت گاہ میں جا پڑتے۔ میں اپنے ذہن کی تحلیل و تجزیہ نہیں بتا رہا بلکہ قرآن مجید نے تفرقہ کو مہلکہ یعنی ہلاکت گاہ کہا ہے کہ جہاں پر کوئی چیز گر کر ہلاک ہو جاتی ہے۔

وَكُنتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا......[1]

تم آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ گئے تھے کہ اللہ نے تمہیں اس سے بچا لیا......

جب تم ان اختلافات، عداوتوں، جھگڑوں اور نزاع کے نتیجہ میں نابودی، تباہی، بربادی، ہلاکت و جہنم کے دہانے پر جا پہنچے تھے۔

ایسا ممکن نہیں ہے کہ برے لوگوں میں تفرقہ ہو تو ہلاک ہو جائیں لیکن اچھے لڑنے والے ہوں تو بچ جائیں گے۔ لوگ چاہے اچھے ہوں یا برے تفرقہ سب کو نابود کر دیتا ہے۔ اگر فرشتوں میں بھی تفرقہ ہو گا تو فرشتے بھی نابود ہو جائیں گے۔ چوروں اور ڈاکوؤں میں تفرقہ ہو جائے تو یہ چور ڈاکو بھی نابود ہو جائیں گے۔ اسی طرح

---

[1]......(سورۂ آلِ عمران، آیہ ۱۰۳)

اگر نمازیوں، روزہ داروں، حاجیوں اور عزاداروں اور اہل قبلہ کے اندر تفرقہ ہو تو یہ لوگ بھی ختم ہو جائیں گے۔ اگر کسی گھر، گلی، محلہ، شہر اور ملک میں تفرقہ ہو تو یہ بھی تباہ ہو جائیں گے۔ حتیٰ اگر دنیاداروں کے اندر تفرقہ ہو تو وہ دنیا سمیت نابود ہو جائیں کیونکہ تفرقہ ہلاکت گاہ ہے۔

......وحدت، ذریعۂ نجات و باعث عزت

اس وقت خدا نے فرمایا کہ ہم نے اپنی نعمت تمہارے اوپر نازل کی۔ وہ نعمتِ عظمیٰ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں یعنی خدا نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ سے نکال کر یثرب بھیجا تا کہ یہ قوم جو نابودی کے دہانے پر پہنچی ہوئی ہے اس کو نجات دیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں کس طرح نجات دی؟

فَاَلَّفَ بَيۡنَ قُلُوۡبِكُمۡ فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِهٖۤ اِخۡوَانًا......[1]

تو اللہ نے تمہارے دلوں میں اُلفت ڈالی اور اس کی نعمت سے تم آپس میں بھائی بھائی بن گئے......

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدا کے اذن وحکم سے تمہارے دلوں میں الفت قائم کی۔ اس طرح جب ان لوگوں میں نعمتِ وحدت برقرار ہوگئی تو لوگ نابودی و بربادی سے بچ گئے۔ اس عظیم نعمت نے اُمت کو سب سے بڑا فائدہ یہ دیا کہ یہ جو آپس میں دشمن تھے اب بھائی بھائی بن گئے لہٰذا اب یہ عزت، کرامت، شرافت، شخصیت ومقام پاگئے۔

عزت، کرامت، شرافت وشخصیت اُن چیزوں سے حاصل نہیں ہوتی جنہیں آج کل ہم معاشرہ میں اپنی عزت بڑھانے کیلئے استعمال کرتے ہیں۔ اچھے کپڑے خرید کر پہن لینے سے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جتنا قیمتی کپڑا ہوگا اتنی ہی زیادہ ہماری عزت ہوگی۔ اگر قیمتی کپڑوں سے عزت زیادہ بنتی ہے تو پھر جولاہے اور درزی کی عزت سب سے زیادہ ہونی چاہئے کیونکہ انہوں نے ہی قیمتی کپڑا بُنا اور سیا ہے۔ قیمتی کپڑے پہن کر، بڑی بڑی ڈگریاں لے کر، پیسوں، مال، خاندان، حسب ونسب، قبیلے، نژاد اور قومیت سے عزت حاصل نہیں ہوتی۔ صرف ایک چیز کے نتیجہ

---

[1]......(سورۂ آلِ عمران، آیہ ۱۰۳)

میں انسان کو عزت و شرف حاصل ہوسکتا ہے اور وہ وحدت ہے۔

پیامبر اکرم ﷺ نے انہیں اس جاہلیت کے زمانے سے باہر نکالا اور ان کی تربیت کی۔ یہاں تک کہ ایک وقت وہ بھی آ گیا کہ ان لوگوں کی تعریف میں پیامبر اکرم ﷺ پر خدا نے وحی نازل کی کہ

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ......[1]

محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت گیر اور آپس میں مہربان ہیں......

یہ لوگ آپس میں اتنے رحیم و مہربان ہوگئے کہ اب نہ صرف یہ کہ سانڈے کے آنے جانے پر نہیں لڑتے تھے بلکہ بڑے بڑے مسائل پر بھی آپس میں دست بہ گریباں نہیں ہوتے تھے۔ یہ رسالت پیامبر ﷺ کا معجزہ تھا کہ انہیں جہالت، ضلالت مبین و ہلاکت سے نکال کر ہدایت و کرامت کے راستہ پر لے آئے۔

اطاعتِ خدا و رسول ﷺ کی شرط امت کے ساتھ محبت

قرآنِ مجید نے پیروانِ قرآن و نبی اکرم ﷺ کیلئے بہت کھول کر اور صاف صاف بیان کیا ہے کہ

وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ......[2]

اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو......

لیکن اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کے ساتھ ساتھ تمہیں ایک کام اور بھی کرنا ہے۔ یعنی اُن کے اوامر مان کر یہ نہ سمجھنا کہ آپ نے اللہ و رسول ﷺ کی اطاعت کا حق ادا کر دیا ہے بلکہ اگر حق ادا کرنا ہے تو اُس کیلئے یہ قانون بھی ہے:

وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِیْحُکُمْ......[3]

اور آپس میں نزاع نہ کرو ورنہ ناکام رہو گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی......

---

[1]......(سورۂ فتح، آیہ ۲۹) [2]......(سورۂ انفال، آیہ ٤٦) [3]......(سورۂ انفال، آیہ ٤٦)

یعنی آپس میں جھگڑا مت کرو۔ یہاں نہی کی گئی ہے اور جس چیز سے خدا، رسولِ خدا ﷺ، اہل بیتِ رسول ﷺ اور قرآنِ خدا روک دیں وہ چیز حرام و ممنوع ہو جاتی ہے۔ یعنی اللہ و رسولؐ کی اطاعت کرو لیکن اس کی ایک شرط بھی ہے اور وہ شرط یہ ہے کہ اس اطاعت کے ساتھ ساتھ آپس میں نزاع، جھگڑا اور تفرقہ نہ کرو۔

اطاعتِ رسول ﷺ کیلئے فقط نعتِ رسولؐ کافی نہیں ہے۔ فقط یہ کہہ دینا کہ میں رسولؐ کا غلام ہوں، رسول اللہ ﷺ کے اوپر جان قربان کرتا ہوں کافی نہیں ہے۔ تمہیں اس وقت مطیع خدا اور رسول ﷺ سمجھا جائے گا جب تم آپس میں جھگڑا نہ کرو۔

اگر رسول ﷺ سے محبت ہے تو رسول ﷺ کے ماننے والوں سے بھی محبت کریں۔ یہ دین کا بھی قانون ہے اور فطرت و عقل کا بھی کہ دوست کے دوست سے بھی دوستی ہوتی ہے۔ جب ہم اور آپ محبِ رسولؐ ہیں تو ہمیں ایک دوسرے سے بھی محبت ہونی چاہیئے۔ ایسی محبت قابلِ قبول نہیں ہے کسی کو رسول اللہ ﷺ سے محبت ہو اور محبِ رسول ﷺ سے نفرت ہو۔ اُمتِ رسول ﷺ سے محبت کیے بغیر محبتِ رسول ﷺ کا دم بھرنا جھوٹ ہے۔ اسلام محبت کا دین ہے اور محبت آپس میں قربت پیدا کرتی ہے۔ اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کے ساتھ یہ نہیں کہا گیا کہ اس کے بعد تم جنت پہنچ جاؤ گے۔ بیشک آپ اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کا دم بھرتے رہیں لیکن آپ کو اطاعت کا ڈھنگ بھی آنا چاہیے اور یہ سلیقہ قرآن نے بیان کیا ہے کہ

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا......

اللہ کی اطاعت گھر میں بیٹھ کر، مسجد میں بیٹھ کر، دلوں کو مسلمانوں کی نفرت سے بھر کر، اہل قبلہ کے ساتھ دشمنی رکھ کر اور دوسرے مسلمانوں سے دور ہو کر نہیں ہوتی۔ اسی طرح رسولؐ کی اطاعت فقط روضہ رسول ﷺ کی جالی چومنے، زیارت کرنے اور ذکرِ رسول ﷺ سے نہیں ہو جاتی بلکہ رسولؐ کی اطاعت کی شرط یہ ہے کہ آپ اُمتِ رسولؐ سے بھی محبت کریں، مخلوقِ خدا سے بھی محبت کریں۔ ایسا نہیں ہوسکتا کہ رسولؐ کے نام لیوا کے ساتھ دشمنی کریں اور پھر دعویٰ محبتِ رسولؐ و دعویٰ پیروی رسولؐ کریں۔

اس آیہ مبارکہ کے مطابق آپس میں نزاع اور لڑائی جھگڑا نہ کرنا اسی طرح اطاعتِ خدا اور رسول ﷺ

کی بنیادی شرط ہے جس طرح نماز کے ساتھ اس کی کچھ بنیادی شرائط ہوتی ہیں، مثلاً نماز کیلئے یہ حکم دیا گیا ہے کہ پہلے قبلہ رخ کھڑے ہو جائیں، تکبیرۃ الاحرام کہیں، سورۂ حمد پڑھیں، رکوع وسجود کریں وغیرہ وغیرہ اس کے بعد یہ عبادت تمام ہو جائے گی لیکن اس کے لئے یہ شرط بھی رکھی گئی ہے کہ طہارت بھی ساتھ ہو۔ اگر طہارت کے بغیر صبح سے شام تک سجدے کرتے رہیں تو یہ عبادت واطاعت شمار نہیں ہوتے۔ نجاست کے ساتھ اگر رکوع وسجدے کرتے رہے تو ان کو رکوع نہیں بلکہ جھکاؤ، تھکاوٹ وخستگی اور سجدے نہیں بلکہ ٹکریں کہیں گے۔ جس طرح امیر المومنین علیہ السلام نے بعض لوگوں کے متعلق فرمایا تھا کہ یہ روزہ تو رکھتے ہیں مگر انہیں روزے میں فقط بھوک اور فاقہ نصیب ہوتا ہے جبکہ تقویٰ نصیب نہیں ہوتا۔ فاقہ اور روزہ الگ الگ چیزیں ہیں بالکل اسی طرح جیسے طہارت کے ساتھ نماز اور طہارت کے بغیر نماز میں فرق ہے۔

اسی طرح اللہ کی جو بھی اطاعت کرنی ہے اس کی شرط یہ ہے کہ جھگڑا ونزاع نہ کریں۔ اگر نماز، روزہ وحج بغیر جھگڑے انجام دیئے تو یہ اطاعت ہوں گے لیکن اگر ان کے ساتھ جھگڑا کیا تو یہ اطاعت شمار نہیں ہوں گے، یہ عبادتیں بے خاصیت ہو جائیں گی اور آپ کی ساری محنتیں ضائع ہو جائیں گی کیونکہ آپ شرط پوری نہیں کر سکے۔ اس کا دوسرا اثر یہ ہوگا کہ شکست کھا جائیں گے۔ اگر حق پر ہیں تو بھی شکست کھا جائیں گے اور اگر حق پر نہیں ہیں تو بھی شکست کھا جائیں گے۔

......نزاع و جھگڑے کا نقصان

قرآن کہہ رہا ہے کہ دعویٰ پیروی کی شرط یہ ہے کہ آپس میں جھگڑا ونزاع مت کرو کیونکہ جھگڑے کے بالآخر کچھ اثرات اور نتیجے ہیں چاہے کوئی کسی سے بھی جھگڑا کرے، دو انسان، دو مومن، دو کافر، الغرض کسی بھی دو مومن یا غیر مومن کے درمیان جھگڑا ہوا تو اس جھگڑے، نزاع اور تفرقہ کا اثر یہ ہوگا کہ ضعف، کمزوری اور سستی پیدا ہو جائے گی۔ دو بھائیوں کی عزت اُس وقت ہے جب اُن کے درمیان اُخوت کا رشتہ برقرار ہو۔ اگر خدانخواستہ دو بھائی ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں تو دونوں کی عزت چلی جاتی ہے۔ معاشرہ دونوں کی عزت نہیں کرتا اور

دونوں کمزور ہو جاتے ہیں۔اس لئے قرآن نے صریحاً فرمایا کہ نزاع مت کرو،

فَتَفْشَلُوْا......۱

ورنہ ناکام رہو گے......

شکست کھا جاؤ گے، فشل ہو جاؤ گے، رسوا و ذلیل ہو جاؤ گے اور تمہاری عزت، آبرو اور شان و شوکت جاتی رہے گی۔اگر تم کسی بھی بہانہ سے تقسیم ہو گئے تو اس کا نتیجہ فشل ہے یعنی تم ضعف، کمزوری، شکست، ذلت، زبونی اور خواری کا شکار ہو جاؤ گے اور اتنے پست اور گھٹیا ہو جاؤ گے کہ کوئی بھی تمہیں خاطر میں نہیں لائے گا۔آج ڈنمارک جیسا پاکستان کے ایک ضلع کے برابر ملک بھی ایک ارب مسلمانوں سے نہیں ڈرتا کیونکہ اسے معلوم ہے کہ یہ ایک ارب لا الہ الا اللہ تو پڑھتے ہیں لیکن جمیعاً نہیں پڑھتے کیونکہ ان میں وحدت نہیں بلکہ تفرقہ ہے۔

وحدت سب سے اہم فریضہ ہے

تمام مذاہب نے ذکر کیا ہے کہ اگر دو واجب آپس میں ٹکرا رہے ہوں تو انسان اُس واجب کو ادا کرے جس کی اہمیت زیادہ ہے۔دو واجبات کے ٹکراؤ کی صورت میں اس واجب کو چھوڑ سکتا ہے کہ جس کی اہمیت کم ہے۔وحدت ایک ایسا واجب ہے جو کسی دوسرے واجب کے ساتھ ٹکراتا نہیں ہے حتیٰ کسی مستحب کے ساتھ بھی نہیں ٹکراتا۔لیکن اگر ہم فرض بھی کر لیں کہ یہ فریضۂ وحدت و اتحاد کسی دوسرے فریضہ کے ساتھ ٹکرا رہا ہے تو تمام فرقوں کے علماء و مجتہدین کے مطابق اُس واجب کو اہمیت دی جائے جو قوی تر ہے اور جس کو ترک کرنے کا نقصان زیادہ ہے لہٰذا اگر ہم آج واجبات کی فہرست بندی کریں تو اُمت مسلمہ کیلئے اس وقت سب سے بڑا واجب وحدت و اتحاد ہے۔

آج ہر زن و مرد کے اوپر سب سے اہم واجب وحدت و اتحادِ امت ہے۔گھریلو، علاقائی، شہری، ملکی،

۱......(سورۂ انفال، آیہ ٤٦)

بین الاقوامی الغرض ہر سطح پر وحدت سب سے بڑا واجب ہے۔ ولی امر مسلمین رہبر مسلمین حضرت آیت اللہ خامنہ ای دام ظلہ العالی اور امام خمینیؒ کا قول آپ کی خدمت میں نقل کر رہا ہوں کہ آج اتحاد و وحدتِ اسلامی امت کے اندر اہم ترین واجب ہے۔ اس وحدت کو محفوظ رکھیں کیونکہ وحدت نہ ہونے کے نتیجہ میں دشمنانِ دین اُمت مسلمہ اور معاذ اللہ اسلام کو نابود کرنے کے در پے ہیں اور امت کے اختلاف و تفرقہ کا فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔

قرآنی حکم، تفرقہ والوں کی شباہت سے گریز

خداوندِ عالم کی نظر میں تفرقہ اس قدر قبیح جرم ہے کہ وہ تفرقہ میں مبتلا لوگوں اور تفرقہ ڈالنے والے لوگوں کی شباہت اختیار کرنے سے بھی سختی سے منع فرماتا ہے۔ خداوند تبارک وتعالیٰ نے تمام مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝[1]

اور خبردار ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے تفرقہ پیدا کیا اور واضح نشانیوں کے آجانے کے بعد بھی اختلاف کیا کہ ان کیلئے عذابِ عظیم ہے۔

یعنی نہ تفرقہ کرو اور نہ اُن کی مانند بنو کہ جنہوں نے تفرقہ کیا ہے۔ اُن کے نزدیک بھی نہ جاؤ، اُن جیسے اوصاف و حالات بھی اختیار نہ کرو کہ جن قوموں نے آپس میں تفرقہ کیا ہے۔

تمام مکاتیبِ فقہ کہ جن کے ہاں باقاعدہ مدون فقہی واجتہادی نظام موجود ہے ان سب کے اندر ظاہری حلیے سے متعلق باتیں موجود ہیں اور ہونی بھی چاہئیں چونکہ روایاتِ نبوی ﷺ میں بھی ان کا تذکرہ ہے، مثلاً اپنا ظاہری حلیہ کفار و مشرکین کی طرح نہ بناؤ، غیر مسلم سے اپنی مشابہت بھی پیدا نہ کرو۔ اپنا حلیہ اس طرح سے نہ بناؤ کہ کوئی آپ کے بارے میں کہے کہ یہ فلاں کافر کی مانند لگتا ہے۔ ایسا لباس نہ پہنو کہ جس سے آپ کی غلط

---

[1]......(سورۂ آلِ عمران، آیہ ۱۰۵)

لوگوں کے ساتھ مشابہت ومماثلت پیدا ہو جاتی ہو، یہ بھی محکمات میں سے ہے حتیٰ ایسی عادات، اطوار وطور طریقے بھی نہ اپناؤ جس سے تمہاری مشابہت کسی غلط آدمی، قوم، قبیلے وطبقے سے بن جاتی ہے جبکہ تم خود غلط نہیں ہو اور تمہارا باطن پاک ہے۔ اس لیے قرآن نے نہ صرف تفرقہ کو ممنوع قرار دیا بلکہ تفرقہ میں مبتلا لوگوں کی شباہت اختیار کرنے سے منع فرمایا کہ نہ ان کی مشابہت اختیار کرو اور نہ ان کی مانند بنو کہ جو لوگ تفرقہ میں پڑے ہوئے ہیں یا جنہوں نے یہ کام کیا ہوا ہے۔

آج ہمارے ملک کے اندر بہت ساری چیزیں رواج پکڑ گئی ہیں درحالیکہ نہ وہ ہمارے کلچر کی ہیں، نہ ہماری سرزمین کی ہیں اور نہ ہی ہمارا دین، آئین وشریعت ان چیزوں کی اجازت دیتی ہے لیکن ہم نے مختلف ماڈل دوسروں سے لے لیے اور آج جن کی وجہ سے ہم بہت ساری مشکلات ومسائل کا شکار بھی ہیں۔

ان چیزوں میں سے ایک تحزب ہے یعنی پارٹیاں بنانا اور پھر دین، معاشرے، سیاست، مسلک، مذہب، رشتے اور روابط کو بھی پارٹی کے مفادات کے تابع بنانا۔ یہ ایک ایسا نمونہ تھا جو ہمارے دین اور کلچر کا نہیں تھا بلکہ مغرب سے آیا تھا۔ ہم نے اس کو اپنایا تو آج ان مسائل ومشکلات میں سب کے سب مبتلا بھی ہیں اور ان کو محسوس بھی کر رہے ہیں کہ یہ شباہت ہے۔ جن لوگوں کو خداوند تبارک وتعالیٰ نے رد کیا ہے، تکذیب کی ہے، جھٹلایا ہے آپ ان کے ساتھ اپنی مشابہت بھی نہ بننے دو۔ یعنی ہم دل سے بھی تفرقہ نہ ڈالیں اور کوئی ایسا تاثر بھی نہ دیں کہ جس سے ہماری شباہت اہلِ تفرقہ کے ساتھ بنتی ہو۔

اخوت، مومن بننے کی قرآنی شرط

قرآنِ کریم میں حکمِ خداوند تبارک وتعالیٰ ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ......[1]

[1]......(سورۂ حجرات، آیہ ۱۰)

مومنین تو بس آپس میں بھائی بھائی ہیں......

مومنین آپس میں برادری اور بھائی چارے کے رشتے میں منسلک ہیں۔ اُخوت ایک ماں باپ سے پیدا ہونے کو نہیں کہتے بلکہ اُخوت کا معنٰی مماثلت ہے یعنی ایک جیسا ہونا، ہم پلہ و برابر ہونا ہے۔ انسان فقط چند عبادتیں کر کے اپنے آپ کو مومن نہ سمجھنے لگے بلکہ وہ مومن کی دیگر شرائط پر بھی پورا اُترتا ہو۔ مومن بننے کیلئے مومنین کے ساتھ اُخوت اور بھائی چارہ بھی برقرار کرنا پڑتا ہے۔ من گھڑت اور خودساختہ ایمان اللہ کی بارگاہ میں قابلِ قبول نہیں ہے۔

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۝[1]

اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کا خواہاں ہوگا وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور ایسا شخص آخرت میں خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔

جو بھی اسلام کے علاوہ دین لے کر آیا وہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ اللہ نے دین کی شرائط رکھی ہیں کہ تم خدا پرستی، اتباعِ رسولؐ، اتباعِ ائمہؑ، مودتِ آلِ رسولؐ، اور پیرویٔ قرآن کے ساتھ ساتھ آپس میں اُخوت اور برادری کے رشتے میں منسلک ہو جاؤ۔ یا اللہ اور یا رسولؐ کہنا اُسے فائدہ دے گا جو یا اللہ اور یا رسولؐ کہنے والوں سے محبت بھی کرے اور ان کے ساتھ رشتۂ اُخوت میں منسلک ہو جائے۔ پس مومن ہونے کیلئے کچھ ارکان ہیں کہ جن کے بغیر انسان مومن نہیں ہو سکتا اور ان میں سے ایک رکن اُخوت ہے۔

......اُخوت، مومنین کا قرآنی رشتہ

کچھ رشتے ایسے ہیں جو ہم آپس میں برقرار کر لیتے ہیں مثلاً لین دین سے، شادی بیاہ سے، بزنس (Business) سے، نسب کے حوالے سے یا علاقے کے حوالے سے، لیکن یہ سارے رشتے ہمارے

---

[1]......(سورۂ آلِ عمران، آیہ ۸۵)

اپنے بنائے ہوئے رشتے ہیں۔ خداوندتبارک وتعالیٰ نے مومنین کا فقط یہ رشتہ ذکر نہیں کیا کہ وہ آپس میں سسر داماد ہوتے ہیں، بھانجے بھتیجے ہوتے ہیں۔ خدا نے یہ نہیں کہا کہ مومن وہ ہوتے ہیں جو آپس میں چچا بھتیجے ہوں بلکہ فرمایا:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ......

مومنین تو بس آپس میں بھائی بھائی ہیں......

لفظ ''اِنَّمَا'' حصر اور انحصار کیلئے ہے یعنی مومنین فقط آپس میں بھائی ہیں۔ یہ رشتۂ اُخوت رکھتے ہیں اور جو رشتۂ اُخوت رکھتے ہوں اُن کے شایانِ شان نہیں ہے کہ وہ آپس میں تفرقہ، نزاع اور لڑائی جھگڑا کریں۔

ہمارے آپس میں بہت سارے رشتے ناتے ہیں مثلاً سماجی رشتے، اجتماعی رشتے، سیاسی رشتے، نسبی رشتے، سببی رشتے، علاقائی رشتے اور قومی و برادری کے رشتے مثلاً چودھری فیملی، شیخ فیملی، راجہ فیملی، راجپوت فیملی وغیرہ وغیرہ۔ یہ رشتے، قومی، سماجی وقبائلی رشتے ہیں جو ہم نے خود برقرار کرلئے ہیں جبکہ مومن چاہے کسی بھی نسل و قبیلہ کا ہو وہ دوسرے مومن کا بھائی ہوتا ہے۔ ہم اپنے بنائے ہوئے رشتوں کو بڑی اہمیت دیتے ہیں لیکن قرآنی اور الٰہی روابط کو ذرا بھی اہمیت نہیں دیتے۔ قرآنی رابطہ سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے جس کے مطابق مومنین آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ جب وہ آپس میں اخوت برقرار کریں گے تو مومن کہلانے کے مستحق ہیں۔ مومن، مومن کے ساتھ نفرت نہیں کرسکتا۔ قرآن نے مومنوں کی دعا ذکر کی ہے:

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا......[1]

پروردگارا! ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لاچکے ہیں اور ہمارے دلوں میں ایمان لانے والوں کیلئے کوئی عداوت نہ رکھ......

یعنی اے پروردگارا! ہماری بھی مغفرت فرما اور ہمارے ان بھائیوں کی بھی مغفرت فرما جو ایمان میں ہم

---

[1] (سورۂ حشر، آیت ۱۰)

پر سبقت رکھتے ہیں۔اے پروردگارا! کسی مسلم و مومن کی نفرت میرے دل میں نہیں ڈالنا۔وہ دل آلودہ و ناپاک ہے جس کے اندر کسی مسلمان و مومن کی نفرت موجود ہو اس دل کو اصلاح، تطہیر و پاکیزگی کی ضرورت ہے۔نفرت دشمنِ خدا، دشمنِ دین، دشمنِ مسلمان اور دشمنِ مومن سے کریں۔خداوند تبارک و تعالیٰ نے بھی فرمایا ہے کہ ان سے نفرت کریں اور ان سے خدا اور رسولِ خدا ﷺ کو بھی نفرت ہے۔

......نہج البلاغہ میں انسانی رشتہ کا احترام

ہمیں تعلیم دی گئی ہے کہ حتیٰ وہ لوگ جو آپ کے ہم مذہب نہیں، آپ کے دین کو قبول نہیں کرتے بلکہ سرے سے اسلام کو بھی قبول نہیں کرتے لیکن انسانیت میں آپ کے ساتھ شریک ہیں ان سے بھی انسانی رشتہ استوار کریں۔اس حکم میں وہ گروہ مستثنیٰ ہے جو دشمنِ دین و محاربِ دین ہے بلکہ ان کیلئے اسلام نے الگ دستور دیا ہے۔ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن تک حق کی صدا پہنچی ہی نہیں یا اُن کی سمجھ میں نہیں آئی یا کسی اور وجہ سے وہ مسلمان نہیں ہوئے لیکن ان کے ساتھ بھی آپ کو انسانی اور بشری رشتہ رکھنا ہے۔امیر المومنین علیہ السلام نے جب جنابِ مالک اشتر ؓ کو مصر کا والی مقرر کر کے بھیجا تو ساتھ ایک خط بھی لکھا۔یہ مکتوب بنامِ عہد نامہ مالک اشترؓ نہج البلاغہ میں موجود ہے اور ایک تاریخی و با اہمیت دستاویز ہے۔

بعض علمائے سیاست یعنی جنہوں نے سیاست کو پڑھا اور پڑھایا ہے اور اُس کے اوپر اظہارِ نظر بھی کیا ہے حتیٰ اُن میں سے بعض مسلمان بھی نہیں ہیں انہوں نے امیر المومنین علیہ السلام کے اس مکتوب کو حکمرانی کے اصولوں اور ریاستی اصولوں میں اہم دستاویز قرار دیا ہے۔بعض لوگوں کی تجویز تو یہ تھی کہ اس دستاویز کو یو این او (UNO) کیلئے مشترکہ سیاسی آئین و اصول قرار دیا جائے۔سیاستدانوں کی بات نہیں ہو رہی کیونکہ سیاستدانوں میں اکثر کو سیاست کا علم نہیں ہوتا۔دین و سیاست دو ایسے گراؤنڈ ہیں کہ جن کا کوئی دروازہ نہیں ہے لہٰذا جب بھی کوئی سروس سے ریٹائر ہوتا ہے تو فوراً یا دین میں آجاتا ہے یا سیاست میں یا دین و سیاست دونوں میں آجاتا ہے اور پھر سب کیلئے مشکلات پیدا کر دیتا ہے۔پہلے خود مسلمان اس دستاویز کو پڑھیں اور سمجھیں پھر اس کو دُنیا کیلئے پیش کریں

کیونکہ دنیا انہی اصولوں کی محتاج ہے۔

اُس عہد نامہ میں حضرتؑ نے جنابِ مالک اشترؓ کو لکھا کہ آپ کو کس طرح حکومت کرنی ہے اور لوگوں کے ساتھ آپ کا رویہ کیسا ہونا چاہیئے؟ کون کون سے طبقات کا آپ کو سامنا کرنا پڑے گا؟ مثلاً کچھ آپ کے دینی بھائی ہوں گے، کچھ آپ کے دین میں مخالف ہوں گے اور کچھ ایسے ہوں گے جو غیر مسلم ہوں گے۔ مخالفین کے بارے میں فرمایا کہ اُن کے ساتھ رواداری سے کام لینا ہے۔ اقتدار بہانہ نہ بن جائے کہ اپنے مذہبی مخالفوں کو کچلنا تیری سیاست ہو جائے۔

امیر المومنین علیہ السلام کو امام بلافصل اور خلیفہ چہارم مان لینے سے حق ادا نہیں ہوتا۔ اگر امام مانتے ہو تو اُن کی امامت کو بھی سمجھو اور اگر خلیفہ مانتے ہو تو اُن کے طرزِ خلافت کو بھی سمجھو۔ آیا یہ ننگ نہیں ہے کہ علمائے اسلام بیٹھے رہیں اور یو این او (U.N.O.) کا جنرل سیکریٹری تمام مذاہب کو ایک دوسرے کے ساتھ رواداری سے پیش آنے کا درس دے؟ امیر المومنین علیہ السلام نے اقتدار میں آنے کے بعد اپنے مخالفین کو نہیں کچلا حالانکہ بہت سارے مخالفین تھے لیکن کسی سے انتقامی کاروائی نہیں کی۔ جنگ جمل، جنگ صفین و جنگ نہروان اس وجہ سے نہیں ہوئیں کہ وہ امیر المومنین علیہ السلام کو مانتے نہیں تھے بلکہ اس وجہ سے ہوئیں کہ وہ خود مقابلے میں اُتر آئے اور جنگ کا آغاز انہوں نے کیا۔ امیر المومنین علیہ السلام درحقیقت وہاں پر اپنا دفاع کر رہے تھے مگر یہ لوگ حدودِ خدا کو پائمال کرتے تھے اور پہل کرتے ہوئے حق کے خلاف کھل کر جنگ پر آگئے۔ جن لوگوں نے امیر المومنین علیہ السلام کی بیعت نہیں کی تھی بعد میں انہوں نے حجاج ابن یوسف کے جوتے پر ہاتھ رکھ کر بیعت کی۔ جب انسان رہبرِ حق کا اتباع نہیں کرتا تو خدا اُس کو کسی ظالم کے پاؤں پر ڈال دیتا ہے۔

ایک مشہور شخصیت نے امیر المومنین علیہ السلام کی بیعت نہیں کی تھی لیکن امیر المومنین علیہ السلام نے بھی انہیں نہیں چھیڑا۔ جب عبدالملک کا زمانہ آیا تو اس نے ایک دہشت گرد حجاج ابن یوسف کو مومنین کو کچلنے کیلئے مقرر کیا۔ یہ شخص جس نے امیر المومنین علیہ السلام کی بیعت نہیں کی تھی سو سال سے زیادہ کی عمر میں جب پہنچ گیا تھا۔ اُس وقت اسے خیال آیا کہ مرنے سے پہلے پہلے ولی امر کی بیعت کرنا ضروری ہے لہٰذا گھر سے اپنے ولی امر کی بیعت کرنے کیلئے روانہ ہوا۔

عبدالملک ابن مروان اُس وقت دمشق میں تھا اور یہ مدینہ میں۔ لہٰذا یہ مدینہ میں اُس کے والی کے پاس گیا تا کہ اُس کے ہاتھ پر بیعت کرلے۔ اس وقت مدینہ میں خلیفہ کا نمائندہ حجاج ابن یوسف تھا۔ یہ تاریخی دہشت گرد وہاں بیٹھا شراب پی رہا تھا اور دوسرے ہاتھ میں کوئی اور چیز پکڑ کے کھا رہا تھا۔ حجاج ابن یوسف نے کہا کہ ابھی میرے ہاتھ فارغ نہیں ہیں تم میرے پاؤں پر بیعت کرلو۔ یہ اُٹھ کر آگے بڑھا اور حجاج ابن یوسف کے پاؤں پر بوسہ دے کر اس کی بیعت کی۔ آج بھی بعض نام نہاد اہل فکر، نائب امام ولی فقیہ کے ہوتے ہوئے بش، ٹونی بلیئر اور فوجی جرنیلوں کے جوتے پر بوسہ دے آتے ہیں اور وہاں جانے پر ان کو کوئی قباحت محسوس نہیں ہوتی لہٰذا وہی تاریخ آج بھی دہرائی جارہی ہے۔

امیرالمومنینؑ نے مالک اشترؒ کو ذمی غیر مسلموں سے متعلق فرمایا کہ اُن کا بھی تیرے ساتھ رشتہ ہے۔ اگرچہ ان کا تیرے ساتھ دینی رشتہ نہیں ہے لیکن وہ انسانی رشتے میں تیرے ساتھ شریک ہیں۔ اُن کے انسانی رشتے کا تمہیں احترام کرنا ہے اور اُن کے حقوق کا دفاع بھی کرنا ہے۔

ایمان اور ذمہ داریاں لازم و ملزوم

ایمان انسان کے اوپر بہت ساری ذمہ داریاں ڈال دیتا ہے اور اس کو پابند کر دیتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ

اَلدُّنیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَ جَنَّةُ الْکَافِرِ......[1]

یعنی دُنیا مومن کیلئے زندان ہے اور کافر کیلئے جنت۔

سجن جیل کو کہتے ہیں چونکہ انسان وہاں پابند اور جکڑا ہوا ہوتا ہے، وہ ہر کام نہیں کرسکتا، ہر جگہ نہیں جاسکتا، ہر طرف نہیں دیکھ سکتا اور دُنیا کافر کیلئے جنت ہے۔ کافر کے وارے نیارے ہیں چونکہ کسی چیز کی پابندی نہیں ہے۔

---

[1]......(تفسیر المیزان-علامہ محمد حسین طباطبائیؒ)(تفسیر نمونہ،المولف : جمعی از فضلا)

مومن ہوکر بھی اگر کوئی ایمان کی پابندیاں قبول نہ کرے تو وہ ان آیات کے زمرے میں شامل ہے کہ

أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَفْعَلُ ذٰلِكَ مِنكُمْ إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرَدُّونَ إِلَىٰ أَشَدِّ الْعَذَابِ......[1]

کیا تم کتاب کے کچھ حصے پر ایمان لاتے ہو اور کچھ حصے سے کفر اختیار کرتے ہو؟ پس تم میں سے جو ایسا کرے اس کی سزا دنیاوی زندگی میں رسوائی کے سوا کیا ہو سکتی ہے؟ اور آخرت میں (ایسے لوگ) سخت ترین عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے......

نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّيُرِيدُونَ أَنْ يَّتَّخِذُوا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيلًا ○[2]

ہم بعض پر ایمان لائیں گے اور بعض کا انکار کریں گے، وہ اس طرح کفر و ایمان کے درمیان ایک راہ نکالنا چاہتے ہیں۔

مذکورہ بالا آیت کے بعد خدا فرماتا ہے:

أُولٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ○[3]

ایسے لوگ حقیقی کافر ہیں اور ہم نے کافروں کیلئے ذلت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے۔

پس ایمان اپنے ساتھ ذمہ داریاں لاتا ہے۔ آج ہر مذہب و فرقہ کے لوگ مختلف چیزوں کا بہانہ بنا کر مثلاً سیاسی پناہ، امیگریشن اور اسٹوڈنٹ ویزے کے نام پر دھڑا دھڑ پاکستان چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ پاکستان کے ایک بڑے صحافی نے اپنی کتاب کے پہلے جملے میں لکھا ہے کہ ہر پاکستانی کی دیرینہ قلبی آرزو یہ ہے کہ ایک دفعہ اُسے امریکہ کا ویزہ مل جائے۔ زیارات کا ویزہ ملے تو کوئی مبارک نہیں دیتا لیکن اگر امریکہ کا ویزہ لگ جائے تو سب ایک دوسرے کو مبارک باد دیتے ہیں۔ جب یہ لوگ باہر چلے جاتے ہیں تو وہاں ان پر کچھ چیزوں کی پابندیاں عائد کی جاتی ہیں لہٰذا یہ اُن پابندیوں کو قبول بھی کرتے ہیں اور اُن پر عمل بھی کرتے ہیں۔

---

[1]......(سورۂ بقرہ، آیہ ۸۵) [2]......(سورۂ نساء، آیہ ۱۵۰) [3]......(سورۂ نساء، آیہ ۱۵۱)

اگر کوئی ان پابندیوں کو قبول نہ کرے تو یہ ممالک انہیں اپنے ملک سے باہر نکال دیتے ہیں۔اسی طرح ایمان بھی اپنے ہمراہ پابندیاں لاتا ہے لہٰذا اگر کوئی ایمان کی حدود میں داخل ہونے کیلئے اُن پابندیوں کو نہ قبول کرے اور نہ ان پر عمل کرے تو پھر اپنے آپ کو مومن سمجھنا خام خیالی ہے۔انسان اتنا ہی مومن ہے جتنا ایمان کی لائی ہوئی پابندیوں کو قبول کرتا ہے اور ان پر عمل کرتا ہے۔وہ جس حد تک اُن پابندیوں کو عبور کرتا ہے اس حد تک دائرۂ ایمان سے باہر ہو جاتا ہے۔ایمان کی پابندیاں فراوان ہیں۔سورۂ مومنون اور روایات بھری ہوئی ہیں کہ ایمان کیا کیا پابندیاں عائد کرتا ہے۔

جب آپ کو گاڑی چلانے کا لائسنس دیا جاتا ہے تو ساتھ ہی پابندیاں بھی عائد کردی جاتی ہیں کہ اگر گاڑی چلانی ہے تو قانوناً آپ کو بہت سی چیزوں کی پابندی کرنی ہوگی مثلاً اسپیڈ لمٹ کی پابندی کرنی پڑے گی، پارکنگ کے اصولوں کی پابندی کرنی پڑے گی، گاڑی کی مینٹیننس (Maintenance) کی پابندی کرنی پڑے گی اور دیگر ٹریفک قوانین کی پابندی کرنی پڑے گی ورنہ لائسنس کینسل ہو جائے گا اور آپ کو گاڑی چلانے کا حق نہیں ملے گا۔ان پابندیوں کے ذریعہ آپ خود کو بھی آسودہ رکھیں گے اور دوسروں کو بھی آسودہ رکھیں گے۔

اگر ہم ایمان کی پابندیوں کو قبول کئے بغیر مومن بن جائیں تو لبرل وسیکولر ہیں۔لبرل ڈرائیور اس کو کہتے ہیں کہ جس کے پاس لائسنس ہو لیکن وہ کسی قانون کا پابند نہ ہو۔جو دو سو ساٹھ کی اسپیڈ سے گاڑی چلائے، فٹ پاتھ پر گاڑی دوڑائے، روڈ پر الٹی سمت گاڑی چلائے، ٹریفک سگنلز اور اشاروں کی پابندی بھی نہ کرے اور اُس کو کوئی پوچھنے والا نہ ہو اور اگر کوئی پوچھے تو وہ شور مچائے کہ یہ کیسا ملک اور قانون ہے کہ آزادی سے گاڑی چلانے پر بھی پابندی ہے، زبان کھولنے اور اظہارِ نظر پر بھی پابندی ہے۔لبرل ازم کا مطلب یہی ہے کہ میں ڈرائیور ہوں لیکن ڈرائیونگ کی پابندیاں قبول نہیں کرتا۔لبرل مسلمان ومومن وہ ہے جو ایمان کی ساری حدیں پھلانگ کر اور توڑ کر بھی مومن ہی رہتا ہے۔

ایمان کی پابندیوں کو جاننے کیلئے مطالعہ ضروری ہے۔چونکہ ہم صرف سننے پر اکتفا کرتے ہیں یعنی عہد کیا ہوا ہے کہ ہم نے دین کو پڑھنا نہیں ہے بلکہ صرف سننا ہے اور جو سنا ہے اس پر عمل نہیں کرنا۔اتنی عہد کی پکی قوم اور

کہیں مشاہدہ میں نہیں آئی۔ یہ عہد توڑ دیں اس میں حرج نہیں ہے۔ تھوڑے دن کیلئے سننے پر اکتفا نہ کریں بلکہ تھوڑا سا مطالعہ بھی کریں۔ قرآن، تفسیر اور روایاتِ معصومین علیہم السلام کا مطالعہ کریں کہ ایمان ہم پر کون کون سی پابندیاں عائد کرتا ہے۔

عموماً جب لڑکیوں کی شادیاں ہوتی ہیں تو ماں لڑکی کو تعلیمات دیتی ہے کہ تو نے ساس کی کوئی بات نہیں سننی، سسر کو منہ نہیں لگانا اور شوہر کو اپنے قبضہ میں کرنا ہے، جس طرح جن بوتل میں بند کرنا ہوتا ہے اسی طرح تو نے شوہر کو بند کرنا ہے۔ وہ اُسے یہ تعلیم نہیں دیتی کہ میری بیٹی تو اب زوجہ بن گئی ہے اور رشتہ زوجیت اپنے ساتھ کچھ پابندیاں بھی رکھتا ہے لہٰذا تجھے اُن پابندیوں کا خیال رکھنا پڑے گا۔ ہمارے ایک دوست کی شادی ہوئی تو کچھ عرصہ بعد ناچاقیاں شروع ہوگئی۔ جب اُن سے پوچھا کہ پریشان کیوں رہتے ہو؟ تو کہنے لگے کہ ہماری شادی کے تیسرے مہینے سے ہی نزاع شروع ہوگئی تھی اور اب وہ نزاع عملی شکل اختیار کر گئی ہے۔ وہ نزاع یہ ہے کہ ہم دونوں میں سے شوہر کون ہو اور بیوی کون بنے؟! وہ چاہتی ہے کہ وہ شوہر ہو اور میں بیوی بنوں اور میرا یہ ارادہ ہے کہ میں شوہر بنوں اور وہ بیوی۔ ہمارے اندر ابھی یہ جنگ جاری ہے لہٰذا دیکھیں کہ کون جیتتا ہے۔

اس سلسلہ میں والدین اولاد کی تربیت کریں۔ اگر جہیز نہ بھی دے سکیں تو اس سے وہ مرے گی نہیں لیکن اگر چاہتے ہیں کہ آپ کی بیٹیاں خوشحال زندگی بسر کریں تو اُنہیں یہ تعلیم دیں کہ اب تم بیوی بن گئی ہو اور اس رشتے کی کچھ پابندیاں ہوتی ہیں جن کا تمہیں خیال رکھنا ہوگا۔ اسی طرح ہر رشتہ وتعلق اپنے ہمراہ کچھ پابندیاں لے کر آتا ہے اور ہمارے معاشرے کی ساری مشکلات اس میں ہیں کہ ہم لبرل (Liberal) ہوگئے ہیں۔ جس طرح پہلے مولویوں نے اندھیرے والا اسلام پھیلایا ہوا تھا اسی طرح جرنیل نے آکر روشن اسلام پھیلایا۔ پہلے مولویوں نے اس طرح کا تاریک اسلام پھیلایا ہوا تھا کہ ایمان کا مطلب ہے سانس بھی نہ لو، تمہیں اصلاً دیکھنے، سننے اور بولنے کی اجازت بھی نہیں ہے لیکن جرنیل نے روشن اسلام کے نام پر ساری پابندیاں ہٹا دیں۔ انہوں نے کہا کہ کوئی پابندی نہیں ہے حتیٰ عورتوں کے کپڑے پہننے پر بھی پابندی نہیں ہے۔ انگلینڈ کے دورے پر انہوں نے اپنی زوجہ کا ہاتھ پکڑ کر کھڑا کر کے یہ کہا کہ یہ مسلمان خاتون کا بہترین نمونہ ہے اور حجاب اس زمانے میں مسلمان عورتوں کیلئے شرمندگی

کا باعث ہے کہ اس زمانے میں بھی پردہ کر رہی ہیں۔ اکیسویں صدی میں بھی مسلمان پردے کی بات کر رہے ہیں۔

ہم قرآن ثواب کیلئے پڑھتے ہیں لیکن اگر سمجھ کر پڑھیں تو ثواب ڈبل (Double) ہو جاتا ہے۔ آج کل لوگ جعلی طریقوں سے ڈبل کے چکر میں ہوتے ہیں جیسے ایک ڈبل شاہ جیل میں ہے۔ آپ کسی ڈبل شاہ کے پاس نہ جائیں بلکہ اگر قرآن پر غور کریں تو ثواب کئی گنا زیادہ بڑھ جاتا ہے۔

مومن کیلئے ایک پابندی یہ ہے کہ وہ دوسرے مومن کے ساتھ ہر حال میں رشتۂ اُخوت میں رہے اگرچہ دوسرا اس برادری کا پاس نہ کرتا ہو۔ یہی تو پابندی ہے ورنہ اگر اینٹ کا جواب پتھر سے دینا ہوتا تو پھر کوئی مشکل نہیں تھی۔ اگر کوئی آپ کو سلام نہیں کرتا تو پابندی یہ ہے کہ آپ بڑھ کر اُس کو سلام کریں۔ حتیٰ یہاں تک فرمایا گیا کہ اگر کسی بھائی نے آپ کے ساتھ کسی کام میں زیادتی کی ہے تو اس سے پہلے کہ وہ آپ سے معذرت کرنے آئے آپ اس کو معاف کرنے کیلئے اس کے پاس پہلے پہنچ جائیں اور اس کیلئے مغفرت کی دعا کریں۔ بعض بھائی زیادتی بھی کرتے ہیں اور مسائل بھی کھڑے کرتے ہیں چونکہ سارے بھائی عالم وآگاہ اور پابند و باشعور نہیں ہوتے۔ گھروں کے اندر بھی ایسا ہی ہوتا ہے کہ کچھ بھائی ایسے ہوتے ہیں جو ذہنی طور پر تھوڑے مشکلات کا شکار ہوتے ہیں، جن کا دماغی توازن درست نہیں ہوتا یا سوجھ بوجھ درست نہیں ہوتی لہٰذا اپنی سوجھ بوجھ نہ ہونے کی وجہ سے بسا اوقات اُلٹے کام بھی کرتے ہیں تو کیا ہم اُن کو گھر سے نکال دیتے ہیں؟! یا اُن کو گلے لگاتے ہیں، اُن پر زیادہ رحم آتا ہے اور اُن کا زیادہ خیال رکھتے ہیں؟!

اسی طرح کچھ مسلمان بھائی ایسے ہیں جو ہمارے حق میں زیادتی کرتے ہیں، تہمت و بہتان باندھتے ہیں لیکن اُس کے باوجود چونکہ وہ خدا کی وحدانیت کا اقرار کرتے ہیں، رسولؐ کا کلمہ پڑھتے ہیں یا اُس امامؑ و مولاؑ کو مانتے ہیں جس کی ہم پیروی کرتے ہیں، اُن اہل بیت علیہم السلام سے محبت کرتے ہیں جن سے ہم محبت کرتے ہیں یا اُس قرآن کا دم بھرتے ہیں جس قرآن کو ہم بھی قبول کرتے ہیں تو اس کیلئے دل میں احترام بڑھ جانا چاہئے۔ اگر کوئی ہندو شاعر جو خدا، رسولؐ، قرآن، دین اور امامت و قیامت کو نہیں مانتا صرف امام حسینؑ کی مدح میں ایک شعر لکھ دیتا ہے تو لوگ اُس کی بے احترامی نہیں کریں گے بلکہ ہمارے اندر سے اُس کیلئے تحسین کے جذبات نکلتے ہیں کیونکہ

انہوں نے ہماری ایک مقدس ہستی کی تعریف کی ہے۔تو جو صرف امام حسینؑ کی تعریف میں چند کلمے کہے اس کیلئے ہمارے دل میں احترام بڑھتا ہے چونکہ جس شخصیت کا اُس نے احترام کیا ہے وہ میری محبوب شخصیت ہے، تو جو خدا، رسول اللہؐ، قرآن واہل بیتؑ کو مانتا ہے آیا میں اُس کیلئے اپنے دل میں کوئی احترام نہ رکھوں؟!

اخوت، رکن اسلام

اُخوت واتحاد اصولِ دین میں سے ہے البتہ اُس معنٰی میں نہیں جو اصول وفروع کی اصطلاح میں استعمال ہوتا ہے بلکہ اس روایت کے مطابق کہ

بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ، عَلَی الصَّلَاةِ، وَالزَّکَاةِ، وَالصَّوْمِ، وَالْحَجِّ، وَالْوِلَایَةِ، وَلَمْ یُنَادَ بِشَیْءٍ کَمَا نُوْدِیَ بِالْوِلَایَةِ......[1]

اسلام کی بنیاد پانچ ارکان پر ہے۔

۱)نماز ۲)زکوٰۃ ۳)روزہ ۴)حج ۵)ولایت

اور جتنی تاکید ولایت کے اوپر کی گئی ہے کسی اور رکن کے اوپر نہیں کی گئی۔

اسی طرح احادیث میں دوسرے امور بھی دین کے ارکان ہیں مثلاً امر بالمعروف ونہی عن المنکر رکن دین ہے۔امام کے فرمان کے مطابق اگر امر بالمعروف ونہی عن المنکر نہ ہوتو دین ختم ہوجائے گا جیسا کہ ہم اپنی سوسائٹی(Society) میں اس کے اثرات دیکھ رہے ہیں۔ظاہر ہے کہ چھت بغیر ستون کے ناپائدار ہوتی ہے۔

مولانا رومؒ کے بقول:

ہر کہ او بی سر بجنبد دُم بود
جنبشش چون جنبش کژدم بود......[2]

اخوت، رکن اسلام

---

[1]......(اصولِ کافی، الجزء۲، صفحہ ۱۵)
[2]......(مثنوی معنوی، بہ تصحیح :رینولد نیکلسون، دفتر چهارم، صفحہ ۶۱۳)

یعنی سر کے بغیر جو چیز ہلتی ہے وہ بچھو ہو سکتی ہے کیونکہ بچھو کی دُم سر کے کٹ جانے کے باوجود ہلتی رہتی ہے۔آج نئی نسل دین سے اسی لئے متنفر ہے اور دین سے بچنے کیلئے ہاتھ جوڑتی ہے کیونکہ دین کی موجودہ حالت ارکانِ دین پر استوار نہیں ہے۔آج ہر ایک نے بغیر ستونوں کے دین بنایا ہوا ہے۔کسی کا دین ہوئی کے دوش پر ہے تو کسی کا دین ہوس کے دوش پر۔اگر ہم دین کی بنیاد ارکانِ دین پر استوار کرتے تو اسلامی سوسائٹی (Islamic Society) کا آغاز ہی وحدت کی بنیاد پر ہوتا کیونکہ وحدت دین کا بنیادی رکن اور قرآنی اصل و بنیاد ہے۔

سیرتِ رسول ﷺ میں اُخوت کا عملی درس

رسولِ اکرم ﷺ نے مسلمین کے درمیان وحدت کو واجبات میں سے قرار دیا ہے۔قرآن اسی آیہ میں وحدت پر مزید تاکید کرتے ہوئے فرماتا ہے:

فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ......[1]

لہٰذا اپنے بھائیوں کے درمیان اصلاح کرو......

رسول اللہ ﷺ نے یہ اخوت مومنین کے اندر برقرار فرمائی۔سیرتِ طیبہ پیامبر اکرم ﷺ میں جس چیز پر بہت زیادہ تاکید اور اصرار نظر آتا ہے وہ اُخوت ہے۔قرآنِ مجید کے فرمان کی روشنی میں پیامبر اکرم ﷺ نے یہ اُخوت ہر موقع پر برقرار فرمائی۔مدینہ جانے سے پہلے شرط رکھی کہ جب تک اوس و خزرج کے اندر اخوت نہیں ہوگی نبیؐ کا قدم تمہاری بستی میں نہیں پڑے گا اور جب پیامبر اکرم ﷺ مہاجرین کے ہمراہ مدینہ چلے گئے تو وہاں کے مقامی لوگوں یعنی انصار کے ساتھ دوسرا کام یہ کیا کہ ان کے اور مہاجرین کے درمیان اُخوت برقرار کی۔آپؐ نے ہر مہاجر کو ہر انصاری کا بھائی بنایا تاکہ ان کے درمیان رشتۂ اُخوت برقرار ہو۔وہی جنگجو جو پہلے ایک دوسرے کے جانی، خونی اور جھگڑالو دشمن تھے انہیں پیامبر اکرم ﷺ نے اتنا شعور عطا کیا کہ آپس میں اخی بن گئے اور

[1]......(سورۂ حجرات، آیہ ۱۰)

بھائی چارے کے رشتے میں منسلک ہو گئے۔

آج ہم بیٹھ کر جشن میلاد مناتے ہیں اور آرزو و تقاضا کرتے ہیں کہ حضورﷺ ایک نظر کرم ہم پر بھی کیجئے۔ رسول اکرمﷺ وہاں نظر کرم نہیں کرتے جہاں پر اوس وخزرج آپس میں برسرِ پیکار ہوں بلکہ نظرِ کرم اُس طرف آتی ہے جہاں پر وحدت و اتفاق موجود ہو۔ عام نگاہِ کرم تو ہوتی ہے چونکہ خدا نے انہیں کریم بنا کر بھیجا ہے۔ کریم کہتے ہی اُسے ہیں کہ جس کے فیض اور نگاہ کے اندر کوئی بخل، تنگ دلی و تنگ نظری موجود نہ ہو۔ اُن کی نظر کرم عام ہے اور تمام عالمین کیلئے ہے لیکن جب تک ہم تفرقہ چھوڑ کر خدا کے دین کے ناصر و حامی نہ بن جائیں اُس وقت تک ہم پر نظرِ کرم نہیں پڑ سکتی۔ اگر ہم حکومت بنا بھی لیں لیکن اُخوت نہ ہو تو ایسی حکومت کا کوئی فائدہ نہیں ہے، مسجد بنا بھی لیں لیکن اُس مسجد کے اندر نماز پڑھنے والے ایک دوسرے سے محبت نہ کرتے ہوں تو ایسی مسجد کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

آپﷺ نے نماز جماعت و جہاد بعد میں شروع کئے پہلے کہا کہ آپس میں رشتۂ اُخوت سے منسلک ہو جاؤ۔ اگر یہ اُخوت حاصل نہ ہوتی تو نہ وہ جنگ و جہاد ہوتے اور نہ وہ فتوحات ہوتیں۔ پیامبر اکرمﷺ نے مدینہ جا کر ایک الٰہی و قرآنی معاشرہ تشکیل دینے کیلئے سب سے پہلا قدم اُخوت و وحدت کا اُٹھایا۔ اسی طرح تعلیمات و سیرت ائمہ اطہار علیہم السلام میں سب سے زیادہ نمایاں اور برجستہ چیز اُخوت و وحدت ہے لیکن آج مسلمان اخوت، محبت، الفت اور وحدت کی بجائے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہیں۔ جنہیں قرآن نے بھائی کہا ہے وہ ایک دوسرے کے دشمن ہیں اور مسلمانوں کی آپس میں دشمنی قرآنِ کریم کی لعنت کا مورد ہے۔

لعنت سے مراد

قرآن مجید نے بعض اعمال کی شدید مذمت کی ہے۔ لعنت کا معنٰی مذمت ہے اور یہ رحمت کی ضد ہے۔ لعنت گالی نہیں ہے بلکہ بددعا ہے۔ لعنت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ پروردگار اپنی رحمتیں، نعمتیں، توفیقات اور سارے اسباب و وسائل جو کسی عبد کو دیتا ہے وہ سب اُس ملعون سے لے لے۔ ملعون یعنی محروم کہ جس سے خدا نے سب

کچھ لے لیا ہو اور اُسے اپنے حال پر چھوڑ دیا ہو۔

رحمتِ خدا جس کے شامل ہو جائے اسے مرحوم کہتے ہیں چاہے وہ زندہ ہو یا مردہ۔ لیکن عام طور پر اُردو کے اندر مرحوم کا لفظ مردوں کے ساتھ مخصوص ہے چونکہ زندوں کو توقع ہی نہیں ہوتی کہ رحمت اُن کے بھی شاملِ حال ہو سکتی ہے۔ ملعون انسان رحمت و توفیقاتِ الٰہی سے محروم ہوتا ہے یعنی جسے خداوند تبارک و تعالیٰ اپنے حال پر چھوڑ دیتا ہے۔ نہج البلاغہ میں امیر المومنینؑ نے ایک خطبہ کے ضمن میں بیان فرمایا کہ زمین کے اوپر سب سے بدترین مخلوق دو قسم کے لوگ ہیں:

رَجُلٌ وَكَلَهُ اللّٰهُ اِلٰى نَفْسِهٖ......[1]

ایسا مرد جسے خدا نے اس کے حال پہ چھوڑ دیا ہے،

وَ رَجُلٌ قَمَشَ جَهْلًا، مُوْضِعٌ فِيْ جُهَّالِ الْاُمَّةِ......

اور دوسرا وہ ہے جس نے جہالت بٹور لی ہو اور لوگوں کے اندر عالم بن گیا ہو درحالیکہ عالم نہ ہو،

قَدْ سَمَّاهُ اَشْبَاهُ النَّاسِ عَالِماً وَ لَيْسَ بِهٖ......

کچھ انسان نما چہروں نے اُسے عالم کہنا شروع کر دیا ہو اور وہ بھی عالم بن گیا ہو درحالیکہ عالم نہ ہو۔

ایسے شخص کے احکامات اور فتووں سے اُمت کے اندر فتنے و شبہات پیدا ہوتے ہیں۔ یہ دو مخلوقات خدا کے ہاں سب سے مبغوض و بدترین مخلوقات ہیں۔

ہمیں دین کی طرف سے یہ دُعا تعلیم دی گئی ہے کہ

رَبِّ لَاتَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ اَبَداً......[2]

یعنی اے میرے رب مجھے پلک جھپکنے کی حد تک بھی میرے اپنے حال پر نہیں چھوڑنا، بلکہ ہماری زمام اپنے اختیار میں رکھنا اور اگر ہم بہکنا چاہیں تو ہمیں بہکنے نہ دینا۔

---

[1]......(نہج البلاغہ، خطبہ ۱۷)　　[2]......(الکافی-الکلینیؒ، الجزء ۲، صفحہ ۷۸۵)

قطع رحمی، قرآن کی لعنت کا مورد

قرآن مجید کی ان مذمتوں میں سے جنہیں لعنت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے ایک مورد یہ ہے کہ

وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ۝[1]

اور جسے خدا نے جوڑنے کا حکم دیا ہے اسے کاٹ دیتے ہیں اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جو حقیقتاً خسارہ والے ہیں۔

وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ۝[2]

اور جن سے تعلقات کا حکم دیا گیا ہے ان سے قطع تعلقات کر لیتے ہیں اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں ان کے لئے لعنت اور بدترین گھر ہے۔

جو لوگ اُن چیزوں کو توڑ دیتے ہیں جن کو جوڑنے کا حکم اللہ نے دیا ہے وہ قرآن کی نظر میں خسارہ اٹھانے والے اور لعنتی لوگ ہیں یعنی یہ محروم لوگ ہیں، یہ فرد ہوں تو بھی محروم ہیں، اگر کوئی خاندان ہو تو وہ بھی ملعون خاندان ہے مثلاً ایسا خاندان جس کے اندر صلۂ رحمی نہ ہو ملعون خاندان ہے۔

قطع رحم محرمات و گناہانِ کبیرہ میں سے ہے۔ روایات میں ہے کہ جو شخص قطع رحم کرتا ہے اُس کی عمر کم ہو جاتی ہے یعنی محروم از عمر ہو جاتا ہے، اُس کی زندگی میں برکت نہیں رہتی۔ ممکن ہے کہ اس کے پاس بہت پیسے ہوں لیکن اُس پیسوں کے اندر برکت نہیں ہوتی جبکہ صلۂ رحمی کرنے سے عمر بڑھ جاتی ہے۔ رشتے توڑنا حرام ہے انہیں نہ توڑیں۔ زیادتیاں ہوتی رہتی ہیں لیکن اُن کی تلافی کے راستے بھی موجود ہیں۔ رشتے سے مراد صرف عقدِ نکاح والا رشتہ نہیں ہے بلکہ دوسرے رشتے بھی شامل ہیں یعنی بہن بھائی کا رشتہ، بھائی بھائی کا رشتہ، ماں بیٹے کا رشتہ، باپ بیٹے کا رشتہ، باپ بیٹی کا رشتہ، خالہ بھانجے کا رشتہ، پھوپھی بھتیجے کا رشتہ۔ یہ سارے رشتے جو اللہ نے بنائے ہیں انہیں توڑنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ ہم نے نہیں بلکہ اللہ نے بنائے ہیں۔ ہمیں سماج، کلچر اور تہذیب و تمدن

---

[1] ……(سورۂ بقرہ، آیہ ۲۷)

[2] ……(سورۂ رعد، آیہ ۲۵)

نے بھائی نہیں بنایا بلکہ اللہ نے بھائی بنایا ہے لہٰذا جب کوئی یہ رشتہ توڑتا ہے تو وہ اللہ کے ساتھ جنگ کر رہا ہے۔ اس لئے کہا گیا ہے کہ قطعِ رحم حرام ہے۔ قطع رحم آج عبادت سمجھ کر کیا جاتا ہے اور بڑے فخر سے کہتے ہیں کہ میں تو اپنے منحوس بھائی کا منہ تک نہیں دیکھتا کیونکہ وہ میری روٹی کھا کر چلا گیا اور مجھے روٹی نہیں کھلائی۔ اگر وہ زیادتی بھی کرے تو بھی تیرا بھائی ہے اور قطع رحم کی اجازت نہیں ہے۔ خداوند تعالیٰ نے ان لوگوں پر لعنت کرتے ہوئے فرمایا:

أُولٰئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ۝

ان کے لئے لعنت اور بدترین گھر ہے۔

یعنی جو لوگ ایسی چیزیں توڑتے ہیں جن کے جوڑنے کا خدا نے حکم دیا ہے تو اُن پر اللہ کی لعنت ہے۔ ہر وہ چیز جس کے جوڑنے کا حکم اللہ نے دیا ہے اُسے توڑنا حرام ہے۔ اللہ نے رشتہ داروں کے ساتھ رشتے توڑنے کا نہیں بلکہ جوڑنے کا حکم دیا ہے۔

......ٹوٹے ہوؤں کو جوڑنا، کارِ نبوت

مولانا رومؒ نے ایک حدیث کا مضمون شعر کی زبان میں نقل کیا ہے۔ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کا واقعہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے بڑے ارجمند اور جلالی نبیؑ ہیں۔ آپؑ کو خداوند تعالیٰ نے سب سے زیادہ معجزے عطا فرمائے اور قرآن میں سب سے زیادہ تذکرہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کیا گیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک دن مصر یا کنعان کے پہاڑوں پر گئے تو دیکھا کہ وہاں ایک چرواہا بھیڑیں چرا رہا ہے۔ وہ چرواہا پڑھا لکھا اور خداشناس نہیں تھا۔ اس کی بھیڑیں ٹھنڈے اور میٹھے پانی کی نہر سے سیراب ہو رہی تھیں اور چراگاہ میں سبزہ چر رہی تھیں۔ وہاں اُس کو خدا یاد آ گیا اور اُس نے مناجات شروع کیں کہ خدایا! اتنا اچھا سبزہ ہے، اتنی بہترین چراگاہ ہے، صاف وشفاف ٹھنڈے پانی کا چشمہ ہے اور میری بھیڑ، بکریاں یہاں پر چر رہی ہیں لیکن تیری بھیڑ، بکریاں یہاں نہیں ہیں۔ اگر تیری بھیڑ، بکریاں بھی یہاں ہوتیں تو میں انہیں بھی چراتا۔ پھر میری اور تیری بھیڑ، بکریاں یہاں پر ایک ساتھ چرتیں۔ پھر مولانا رومؒ نے نقل کیا ہے کہ اس نے کہا اے خدایا! اگر تو یہاں ہوتا تو اس ٹھنڈی

ٹوٹے ہوؤں کو جوڑنا، کارِ نبوت

چھاؤں میں بیٹھ کر میں معاذ اللہ تیرے بالوں میں کنگھی کرتا، تیری جوئیں نکالتا، ظاہر ہے کہ بھیڑ، بکریوں کے ساتھ چرواہوں کے سروں میں جوئیں پڑ جاتی ہیں، معاذ اللہ چرواہے کا تصور کردہ خدا بھی ایسا ہی ہے جیسا وہ خود ہے۔ یعنی اس کو خدا سے ایک ہمدردی محسوس ہوئی جس کے نتیجہ میں وہ اس طرح کی باتیں کر رہا تھا کہ اگر میری آپ تک رسائی ہوتی تو میں معاذ اللہ آپ کے بالوں میں کنگھی کرتا، آپ کے جوتے سیتا اور ان پر پیوند لگاتا وغیرہ وغیرہ۔

چرواہا اپنی مناجات میں مگن تھا کہ پیچھے سے حضرت موسیٰؑ آگئے کہ جن کے اوپر تورات اُتری، جن کو علمِ لدنی حاصل ہے، جو معصوم ہیں، جن کا خدا سے ڈائرکٹ رابطہ ہے۔ کہاں موسیٰؑ کی معرفت اور کہاں چرواہے کی؟! جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چرواہے کی مناجات سنیں تو بڑا غضب ناک ہو کر اس کو ڈانٹا کہ جاہل، نادان یہ کیا مغلظات و مزخرفات ہیں جو تم زبان سے ادا کر رہے ہو؟! وہ ڈر کر کھڑا ہو گیا اور کہا میں گانا نہیں گا رہا تھا بلکہ خدا کی بارگاہ میں مناجات کر رہا تھا۔ کہا یہ کیسی مناجات ہیں، خدا جسم نہیں رکھتا ہے، تو اتنا نادان واحمق ہے کہ تجھے یہ بھی نہیں پتہ کہ خدا ایسا نہیں ہے، تجھے یہ باتیں نہیں کہنی چاہئے تھیں۔ پھر اس سے کہا کہ تیرا خدا کے بارے میں تصور ٹھیک نہیں ہے۔ اس سخت سرزنش کے بعد وہ متوجہ ہو گیا اور روتے ہوئے کہا کہ اس کے بعد ایسا نہیں کروں گا۔ اس کا دل ٹوٹ چکا تھا حتیٰ وہ اپنی بھیڑ، بکریوں کو وہیں چرتا چھوڑ کر چراگاہ سے بہت دور چلا گیا۔

جب وہ موسیٰ علیہ السلام کی نظروں سے اوجھل ہو گیا تو خدا نے موسیٰ علیہ السلام پر یہ وحی نازل کی کہ موسیٰ علیہ السلام آیا سب لوگوں سے آپ کی توقع یہ ہے کہ ان کے پاس موسیٰؑ جیسی معرفت ہو؟! ہر ایک انسان تو موسیٰ نہیں ہوتا! موسیٰؑ تو بس ایک ہے! وہ چرواہا ہے، اُس پر وحی نہیں اُترتی، اُس کی معرفت آپ کے درجے کی نہیں ہے، وہ اپنی سوچ اور ذہن کے مطابق خدا کے ساتھ راز و نیاز کر رہا تھا اور خدا کو یاد کر رہا تھا۔ وہ خدا سے نزدیک ہونا چاہ رہا تھا لیکن اسے خدا کی صحیح پہچان نہیں تھی۔ تیرا کام اُس کو مجھ سے دور کرنا نہیں تھا بلکہ میرے نزدیک بندے کو نزدیک تر کرنا تھا۔ اے موسیٰؑ تو نے اپنے گمان کے مطابق میری بارگاہ میں آنے والے ایک بندہ کو دور کر دیا ہے، تو نے میرے بندے کا دل توڑ دیا ہے!!

وہیں پر مولانا رومؒ نے حدیث کا ترجمہ یوں بیان کیا:

وحی آمد سوی موسیٰ از خدا
بندۂ ما را ز ما کردی جدا
تو برای وصل کردن آمدی
نی برای فصل کردن آمدی......[1]

اے موسیٰؑ ہم نے تجھے وصل کرنے کیلئے بھیجا تھا فصل کرنے کیلئے نہیں بھیجا تھا، یعنی ہم نے تجھے جوڑنے کیلئے بھیجا تھا توڑنے کیلئے نہیں بھیجا تھا۔ اے موسیٰؑ ہم نے تجھے نبی بنا کر بھیجا ہے اور نبیوں کا کام توڑنا نہیں جوڑنا ہوتا ہے! اسے خدا کی بارگاہ سے بھگانا تیرا کام نہیں تھا بلکہ تیرا کام اُسے اگلے باب و مرحلہ میں داخل کرنا تھا۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اس چرواہے کی تلاش میں نکلے اور اُس کو ڈھونڈ لیا۔ وہ ایک جگہ بیٹھا رو رہا تھا اور توبہ کر رہا تھا کہ خدایا غلطی ہوگئی ہے اور اب ایسی غلطی نہیں کروں گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ بندۂ خدا تیرے بارے میں وحی نازل ہوئی ہے۔ تو نے جو کچھ کیا بہر کیف وہ جہالت کی وجہ سے کیا لیکن تجھے معرفت حاصل کرنی چاہیے۔ وہ پھر معذرت کرنے لگا اور کہا کہ موسیٰؑ آپ نے مجھے زندہ و ہوشیار کر دیا۔ اب وہ ساری باتیں ختم ہوگئیں کیونکہ آپ نے مجھے متوجہ کر دیا ہے کہ میں صحیح تصور نہیں رکھتا۔ حضرتِ موسیٰ علیہ السلام نے جتنے جتن کئے کہ وہ باتیں دوبارہ شروع کرے لیکن اس نے شروع نہیں کیں کیونکہ اُس کا دل ٹوٹ چکا تھا۔ چرواہا حضرت موسیٰؑ کے ساتھ جانے کیلئے بھی راضی نہ تھا اور کہہ رہا تھا کہ اب میں معرفتِ خدا حاصل کرنے کے بعد اور جیسا آپ چاہتے ہیں ویسا بن کر آؤں گا۔

یہ آیاتِ کریمہ یہی بتا رہی ہیں کہ خدا نے انبیاء علیہم السلام کو بکھرے دانوں کو پرونے کیلئے بھیجا ہے نہ کہ پروئی ہوئی تسبیحوں کو کھول کر بکھیرنے کیلئے۔ تمام انبیاء علیہم السلام نے سب سے پہلے قوموں کو مرکز کی طرف بلایا ہے کہ

---

[1]......(مثنوی معنوی، دفتر دوم: عتاب کردن حق تعالیٰ با موسیٰ علیہ السلام از بھرآن شبان، صفحہ ۲۶۷)

يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ......[1]

اے قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے......

اگر سب اللہ کی طرف آجائیں تو ایک ہوسکتے ہیں۔ یہ آئیڈیالوجیکل اور فطری وحدت ہے۔ دین نے اس فطرت کو ذرا اور کھول دیا ہے چونکہ خدا پرستی و توحید فطرتِ انسان کے اندر موجود ہے۔

......جڑے ہوؤں کو توڑنا، کارِ سامری

ٹوٹے ہوؤں کو جوڑنا نبوت کا کام ہے اور جڑے ہوؤں کو توڑنا سامری کا کام ہے۔ حضرت موسیٰؑ جب چالیس دن بعد پردۂ غیبت سے لوٹ کر آئے تو عجیب منظر دیکھا کہ سامری نے گوسالہ بنایا ہوا تھا اور ساری اُمت ہارون کو چھوڑ کر سامری کے پیچھے گوسالہ پرستی میں مصروف تھی۔ ایک حجتِ خدا چالیس دن کیلئے پردۂ غیبت میں چلا جائے تو سامری پیدا ہو جاتا ہے تو کیا نبی کریم ﷺ کا جانشین جو بارہ سو سال سے پردۂ غیبت میں ہے اُس کی اُمت میں سامری پیدا نہیں ہوں گے؟! کیا وہ امت کو ایک دوسرے سے نہیں توڑیں گے۔ سامریوں کا کام ہی اُمتوں کے اندر اختلاف ڈالنا، اُمتوں کو اپنے رہبروں سے دور کرنا اور اُمتوں کو ہارونوں سے دور کرنے کیلئے بچھڑوں کے پیچھے لگانا ہے۔ ایسی قومیں بہت بیوقوف ہیں کہ جنہیں موسیٰؑ کی بات سمجھ نہیں آتی لیکن سامری کی بات سمجھ میں آجاتی ہے اور موسیٰؑ کے معجزے سمجھ میں نہیں آتے لیکن سامری کے شعبدے سمجھ میں آجاتے ہیں۔

جڑے ہوؤں کو توڑنا، کارِ سامری

......صلۂ رحمی اور اس کے موارد

جن چیزوں کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہوا ہے اُن میں سے ایک چیز عزیزوں، رشتہ داروں، اعزاء و اقرباء کا آپس میں رشتے برقرار رکھنا اور ان کو نہ توڑنا ہے یعنی ان قرابتداروں کے ساتھ قرابت کو باقی رکھنا مثلاً بہن

---

[1] ......(سورۂ اعراف، آیہ ۵۹،۶۵،۷۳&۸۵)(سورۂ ہود، آیہ ۵۰،۶۱&۸۴)(سورۂ مومنون، آیہ ۲۳)

بھائی، ماں بیٹے، باپ بیٹے، دو بھائیوں اور دیگر اعزاء کے رشتے چونکہ یہ سماجی وقراردادی رشتے نہیں ہیں بلکہ یہ رشتے اللہ نے برقرار کئے ہیں اور جب حکمت خدا سے برقرار ہوئے ہیں تو ہم اپنی غلطیوں اور نااہلیوں سے ان رشتوں کو توڑنے کا حق نہیں رکھتے، کیونکہ قرآن نے ہمیں صلۂ رحم کا حکم دیا ہے۔ صلہ رحم رشتہ داروں کے آپس میں روابط کو کہتے ہیں۔ صلۂ رحمی یعنی رشتہ دار، اقرباء واعزاء جو کسی رشتے میں منسلک ہوں اُن کا اس رشتے کا پاس وخیال رکھنا اور اُن کے حقوق کا ادا کرنا، چاہے وہ مادی ومالی حقوق ہوں یا معنوی حقوق۔

انہی اُمور میں سے ایک امر تمام مسلمین ومومنین کے ساتھ ہمارا ارتباط ہے لیکن اسلام کے یہ احکامات فراموش شدہ ہیں۔ اپنے خاندان کے تعلق سے قوی رشتہ معاشرے کے اندر موجود مسلمین ومومنین کا آپس میں ارتباط ہے۔ ہمیں اس ارتباط کو توڑنے کا حق نہیں ہے اور اگر ہم نے توڑ دیا تو ایسے ہی ہے جیسے ہم نے قطع رحم کیا ہے چونکہ یہ بھی اُن اُمور میں سے ہے جن کو جوڑنے کا حکم خدا نے دیا ہے۔ درحقیقت جو بھی رشتہ داروں کو ایک دوسرے سے دور کرتے ہیں وہ سب سے بڑے مجرم ہیں اور اُس سے بڑے مجرم وہ ہیں جو اُمت کو مختلف افراد، طبقات اور گروہوں میں بانٹ دیتے ہیں، اُن کے اندر تفرقہ ڈالتے ہیں، اُن کے جسد میں رخنہ ڈالتے ہیں اور اُمت کو پارہ پارہ کرتے ہیں۔ دینِ قرآنی اگر ہماری زندگیوں کا معمول ہوتا تو ہمیں معلوم ہوتا کہ کون کون سی چیزیں جرم ہیں۔ آج ہم صلۂ رحمی کو کوئی اہمیت نہیں دیتے اور جرم وگناہ ہماری زندگیوں کا حصہ بن چکا ہے۔ ہم نے اس پر حساسیت ختم کردی ہے۔ گر کسی کا رشتہ کسی سے ختم ہوجائے یعنی بظاہر رفت وآمد ختم ہوجائے تو وہ سرے سے پریشان نہیں ہوتا بلکہ شکر خدا بھی کرتا ہے کہ جان چھوٹی اب اس کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا اور اس کا منہ نہیں دیکھنا پڑے گا۔ یہ گناہ کی بدترین حالت ہے کہ جب مجرم اس حالت میں پہنچ جائے کہ گناہ کرکے شکر خدا بھی کرے۔

قرآن کہتا ہے کہ ایک وہ وقت تھا جب مشرکین بہت بڑی تعداد میں تھے اور مسلمانوں کی تعداد تھوڑی سی تھی لیکن وہ مشرکین مسلمانوں سے کانپتے تھے، کیوں کانپتے تھے؟ اس لئے کہ یہ تھوڑے سے تھے لیکن ایک تھے۔ آج مسلمان بہت زیادہ ہیں لیکن ایک نہیں ہیں کیونکہ انہوں نے اُس چیز کو توڑ دیا جس کو جوڑنے کا خدا نے حکم دیا تھا۔ اللہ نے جس چیز کے جوڑنے کا حکم دیا تھا وہ وحدت واتحاد بین المسلمین ہے یعنی تمام اُمت مسلمہ کے اندر

اتحاد، شیعہ اور سنی کے اندر اتحاد، شیعہ اور شیعہ کے اندر اتحاد، سنی اور سنی کے اندر اتحاد، تمام گروہوں کے اندر اتحاد، اپنے شہر والوں کے ساتھ اتحاد، اپنے مختلف طبقات کے ساتھ اتحاد، علماء کا آپس میں اتحاد، علماء کا عوام کے ساتھ اتحاد، عوام کا آپس میں اتحاد، عوام کا علماء کے ساتھ اتحاد، سب کا مل کر پوری قوم کے ساتھ اتحاد اور قوم کا اُمت مسلمہ کے ساتھ اتحاد۔

وحدت، محتاجِ تفسیر

"وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا" کے ضمن میں کسی مفسر نے اُمت کیلئے وحدت کا عملی دستور و منشور ذکر نہیں کیا، کیوں ذکر نہیں کیا؟ اس لئے کہ ان کی نظر میں وحدت یا "مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ" کے پیغام کی اہمیت اتنی زیادہ نہیں تھی۔ آج دین کا یہ حصہ فراموش و متروک ہوگیا ہے۔ قرآن کی وہ آیات جو ہمیں وحدت کی طرف بلاتی ہیں اُن کے ضمن میں چنداں مواد موجود نہیں ہے حالانکہ عالمی و ملکی تناظر میں وحدت کی اہمیت اور زیادہ بڑھ چکی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رہبر معظم حضرت آیت اللہ خامنہ ای مدظلہ نے علمائے اسلام سے درخواست کی ہے اور حکم دیا ہے کہ اُمتِ مسلمہ کیلئے وحدت کا عملی منشور تدوین کیا جائے، کیونکہ وحدت مبہم ہے، وحدت کے اوپر غبار ہے، یہ صدیوں سے متروک موضوع ہے کہ جس پر کوئی کام نہیں ہوا ہے۔

جب رہبر معظم نے بیان فرمایا کہ وحدت کا منشور آمادہ کریں تو ہم نے وحدت کے منشور کی تدوین کیلئے علماء کی ایک میٹنگ طلب کی۔ جب اس میٹنگ میں علماء سے چاہا کہ وحدت کے اوپر کچھ مطبوعاتی اور علمی و تحقیقی مواد جمع کریں تا کہ اسے پبلش (Publish) کرسکیں لیکن مجھے اس وقت نہایت افسوس ہوا کہ جب بعض علماء نے کہا کہ وحدت کے اوپر قرآن کی چند آیتوں اور ایک دو حدیثوں کے علاوہ کوئی میٹر (Matter) موجود نہیں ہے۔

رہبر معظم نے فرمایا ہے کہ منشورِ وحدت اُمتِ مسلمہ کا تاریخی مطالبہ ہے، صدیوں سے اُمتِ مسلمہ علمائے اسلام سے وحدت کا منشور مانگ رہی ہے لیکن ہمیشہ درباری علماء نے وحدت کا منشور دینے کی بجائے تفرقہ کا فتویٰ دیا ہے۔ میں نے خود مکہ سے ایک سنی عالمِ دین کی ایک کتاب لی تھی جو کہ مصر کا رہنے والا ہے۔ رہبر انقلاب نے

جب وحدت کا نعرہ بلند کیا تو اس وقت سے ان کے اندر کھلبلی مچی اور اس نے دنیائے تسنن کو کہا کہ اے سنیوں! ہوشیار رہنا، خبردار رہنا یہ وحدت ایک سازش ہے۔ یہ سنیوں کو شیعہ بنانے کی سازش ہو رہی ہے۔ اسی طرح ایران میں ایک شیعہ نے بھی کتاب لکھی تھی جس میں کہا گیا تھا کہ وحدت شیعہ کو سنی بنانے کی سازش ہے۔

یہ ان کے آلۂ کار ہیں جن کو تفرقہ سے فائدہ پہنچ رہا ہے۔ اس قتل و غارت سے ان کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ اس زمین پر کوئی ایسا کوئی عقلمند موجود ہوگا جو یہ کہے کہ اس تفرقہ سے تشیع کو فائدہ ہو رہا ہے۔ نہ اس تفرقہ سے اسلام کو فائدہ ہو رہا ہے اور نہ تسنن و تشیع کو بلکہ فائدہ کسی اور کو ہو رہا ہے۔ اس تفرقہ کی جنگ کا واحد حل اتحاد ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ کی ذاتِ اطہر پوری اُمتِ مسلمہ کیلئے اسی طرح وحدت و اتحاد کا مرکز ہے جس طرح آپ ﷺ مرکزِ وحدتِ عالمین ہیں۔ اس جملے کی وضاحت انشاء اللہ اگلی فصل میں کی جائے گی۔

فصل سوم:

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مرکزِ وحدتِ عالمین

رسولِ اکرم ﷺ رحمتِ دو عالم

ربیع الاول میں ایامِ ولادتِ باسعادت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پورے عالمِ اسلام کیلئے جشن وسرور اور خوشی کے ایام ہوتے ہیں کیونکہ خداوند تبارک وتعالیٰ نے اپنا فیضِ اتم اور نورِ اعظم اس مبارک مہینہ کے اندر نازل فرمایا اور مسلمانوں کو رحمۃ للعالمین ﷺ جیسی نعمت عطا فرمائی۔ یہ ایسی نعمتِ عظیم ہے کہ جس سے مزید لاکھوں نعمتیں پھوٹ کر مسلمین ومومنین بلکہ پوری بشریت کے شاملِ حال ہوتی ہیں۔ خداوند تبارک وتعالیٰ نے پیغمبر اکرمؐ کو کئی القابات سے نوازا ہے اور قرآن مجید نے برجستہ طور پر آپ ﷺ کا ایک لقب ''رحمۃ للعالمین'' ذکر فرمایا ہے۔ یعنی رسول اکرم ﷺ مسلمین، مومنین، بشریت، زمین، آسمان، ستاروں، سیاروں، کہکشانوں، کیہانوں، ملائکہ، ان جیسی دیگر ملکوتی مخلوقات اور تمام عالمین کے لئے رحمت ہیں۔ خداوند تبارک وتعالیٰ نے عالمِ بشریت کو رسولِ کریم ﷺ کی صورت میں وہ نعمتِ عظمیٰ عطا فرمائی ہے کہ جس کے برابر کوئی اور نعمت نہیں ہے۔

ایامِ ولادتِ رسول ﷺ میں جوازِ وحدت

رسولِ اکرم ﷺ کی ولادت کی تاریخ زمانہ قدیم سے مسلمانوں میں موردِ بحث رہی ہے۔ علمائے اہلِ سنت بارہ ربیع الاول کو رسول اللہ ﷺ کا روزِ ولادت قرار دیتے ہیں، اسی طرح علمائے امامیہ میں سے بعض بزرگ شخصیات جیسے جنابِ شیخ طوسیؒ نے بھی بارہ ربیع الاول کو روزِ ولادت کے طور پر بیان کیا ہے لیکن علمائے شیعہ کی اکثریت تاریخ کے مستندات کی روشنی میں سترہ ربیع الاول کو یومِ ولادتِ باسعادت پیامبر اکرم ﷺ قرار دیتی ہے۔

تاریخِ ولادتِ رسول اکرم ﷺ کوئی عقیدتی مسئلہ نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ یہ تاریخی اختلاف دیگر اختلافات کی طرح مسلمانوں کے درمیان باعثِ اختلاف ہی رہتا لیکن خداوند تبارک وتعالیٰ نے امتِ مسلمہ کو

رہبرِ بابصیرت در رہبرِ آگاہ وشجاع ایک نعمت کی صورت میں عطا فرمایا، بت شکنِ زمان اور درد شناسِ اسلام و مسلمین حضرت امام خمینیؒ نے اتحاد کیلئے ایک حسین سلیقہ و رویہ اپناتے ہوئے اپنی خداداد صلاحیتوں والی بصیرت کی بنیاد پر تاریخ کے اس اختلاف کو بالائے طاق رکھ کر اسے مسلمین کے درمیان وحدت کے ایام سے منسوب کیا اور بارہ سے سترہ ربیع الاول کے ایام کو " ھفتۂ وحدتِ مسلمین " قرار دیا۔ اگرچہ نبی کریم ﷺ کی ولادت کے حوالے سے مختلف تاریخیں بیان کی گئی ہیں لیکن نبی ﷺ ایک ہیں لہٰذا اہمیت نہ بارہ (۱۲) تاریخ کی ہے اور نہ ہی سترہ (۱۷) کی بلکہ اہمیت اُس مولود کی ہے جو اس ماہِ مبارک میں تشریف لائے ہیں اور ان کا راستہ و تعلیمات کیا ہیں، اہم یہ ہے کہ وہ کہتے کیا ہیں، اپنی اُمت کو کس طرف بلاتے ہیں، اپنی اُمت کی سعادت کیلئے انہوں نے کون سا راستہ مقرر کیا ہے اور کس طرح اپنی اُمت کی نجات کا اہتمام کیا ہے۔

امام خمینیؒ نے انقلابِ اسلامی کے فوراً بعد ایامِ میلادِ باسعادتِ پیغمبر اکرم ﷺ کو بعنوان ہفتۂ وحدت منانے کا اعلان کیا تھا تا کہ ختمی مرتبت ﷺ کے ایامِ ولادت میں مومنین و مسلمین آپس میں مل بیٹھیں، ایک دوسرے کے ساتھ اخوت و بھائی چارہ اپنائیں، اپنے مسائل و مشکلات پر گفتگو کریں اور ان کا راہِ حل ڈھونڈیں۔ آپؒ نے پوری دنیائے اسلام کو دعوت دی کہ ان ایام کے اندر جہاں اپنی زبانوں، اذہان اور قلوب کو ذکرِ پیغمبر اکرم ﷺ سے معطر کر کے اپنے احساسات و عقیدت کا اظہار کرتے ہیں وہیں پر مقصدِ رسالت و نبوت کی طرف بھی توجہ فرمائیں۔

جن جن چیزوں میں ہمارے درمیان اختلاف موجود ہے اگر ہم غور کریں تو انہی اختلافی موضوعات کے اندر اتحاد کا پہلو موجود ہوتا ہے لیکن ہم اس کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ ہمارے گھریلو، معاشرتی، قومی اور مذہبی جھگڑوں کے اندر بھی اتحاد کا پہلو موجود ہوتا ہے۔ ہم اختلافی پہلوؤں کو اختلاف کی آنکھ سے دیکھتے ہیں لہٰذا ہمیں صرف اختلاف کا پہلو نظر آتا ہے مثلاً اس اختلاف کو کہ رسول اکرم ﷺ کی ولادت بارہ تاریخ کو ہوئی یا سترہ کو امام خمینیؒ نے الٰہی آنکھ والی بصیرت سے دیکھا لہٰذا اسی اختلافی موضوع کے اندر اُن کو اتحاد کا پہلو نظر آ گیا۔ پس اگر کوئی الٰہی و خدائی فقیہ ہو تو وہ امت کے اختلاف کو بھی نقطۂ اتحاد میں بدل دیتا ہے۔ اس وقت سے آج تک امتِ

مسلمہ کے درمیان مختلف سطوح پر اتحاد کیلئے کوششیں جاری وساری ہیں۔ہم امامِ راحلؒ سے الہام لیتے ہوئے اپنے تمام اختلافات کو اتحاد میں بدل سکتے ہیں اور اتحاد میں بدلنے کیلئے سب سے موزوں ہستی اور ایام یہی ایام ہیں جو ذاتِ گرامی پیامبر اکرم ﷺ سے منسوب ہیں۔

وحدت سے متعلق غلط فہمی کا ازالہ

ایامِ میلادِ پیامبر اکرم ﷺ میں ہفتۂ وحدت کا اعلان کرنا سیاسی واجتماعی ٹیکٹک اور وقتی ضرورت کا نام نہیں ہے اور نہ ہی یہ ضعف و کمزوری کا نتیجہ ہے۔ہوسکتا ہے کہ کسی کے ذہن میں یہ بات آئے کہ چونکہ جو آدمی، گروہ یا پارٹی حالتِ اقتدار میں ہو وہ وحدت کا نعرہ نہیں لگاتی لیکن چھوٹی جماعتیں جو دبی ہوئی ہوں یا جن کو اقتدار نہ ملتا ہو وہ وحدت کی زیادہ کوشش کرتی ہیں تاکہ اکثریت کے ساتھ مل کر وہ بھی کسی مقام و منزلت تک جا پہنچیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ وحدت ایک قرآنی والٰہی اصل ہے۔وحدت اکثریت واقلیت اور تمام مومنین ومسلمین کیلئے اقدار دینی، اقدار الٰہی واقدار قرآنی میں سے ہے۔یعنی اس سے پہلے کہ اُمت مسلمہ کا عنوان شیعہ یا سنی بنے قرآن نے پہلے ہی وحدت کی تلقین کی تھی۔بلکہ اس سے پہلے کہ پیامبر اکرم ﷺ اس دُنیا میں تشریف لائیں اور مبعوث بہ نبوت ہوں قرآن نے وحدت کا تذکرہ کیا اور اس کی ضرورت کو بیان کیا۔

جس طرح عدالت کسی ٹیکٹک کا نام نہیں ہے اسی طرح وحدت بھی ٹیکٹک نہیں بلکہ الٰہی اقدار میں سے ہے اور بشریت کی ضرورت ہے۔جسمانی ضرورتوں سے پہلے انسان کو عدالت کی ضرورت ہے جیسا کہ پاکستانی مطبوعات میں عموماً مولا علی علیہ السلام کے اس قول کو کثرت سے نقل کیا جاتا ہے کہ

اَلْمُلْکُ یَبْقیٰ مَعَ الْکُفْرِ وَ لَایَبْقیٰ مَعَ الظُّلْمِ......[1]

---

[1]......(التفسیر الصافی،المؤلف : الفیض الکاشانی،الجزء۳،صفحہ ٤٤)(روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی،المؤلف : شھاب الدین محمود ابن عبدالله الحسینی الألوسی،الجزء۸،صفحہ ٤٠٦)

یعنی حکومت کفر سے تو چل سکتی ہے لیکن ظلم کے ساتھ نہیں چل سکتی۔ بشر کی بنیادی ضرورت ہونے کی بنا پر دین نے اس کو اقدار الٰہی وانسانی میں گردانا ہے اور اسی زمرے میں وحدت بھی آتی ہے۔ وحدت کا تذکرہ عام طور پر اخلاقیات میں بھی کیا گیا ہے اور اس سے متعلق فقہی احکام بھی موجود ہیں لیکن بنیادی طور پر وحدت اسلامی آئیڈیالوجی کی بنیادوں میں سے ہے۔ موجودہ حالات کے تناظر میں نہیں بلکہ قرآنی تناظر میں وحدت کا موضوع بہت اہمیت کا حامل ہے۔

رسولِ اکرم ﷺ باعث وحدت دو عالم

رسولِ اکرم ﷺ نقطۂ وحدتِ عالمین ہیں۔ سبھی مسالک کے علماء اس مطلب کو قبول کرتے ہیں اور اہلِ فلسفہ نے خصوصیت کے ساتھ اس مطلب کو دلیل و برہان کے ساتھ بیان کیا ہے۔

......بولیاں مختلف، مراد ایک

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ خداوند تبارک وتعالیٰ نے اس عالَم کو دو حصوں میں خلق ہے۔ ان دو حصوں کے نام علماء، فلاسفہ، اہل عرفان، اہل تصوف، اہل سیر وسلوک، محدثین، فقہاء، وحی، روایات اور شریعت کی الگ الگ زبانوں واصطلاحوں میں بیان کئے گئے ہیں۔ کبھی ان کو دنیا وآخرت، کبھی عالم غیب وشہادت، کبھی جہانِ مادّہ و مجرّد اور کبھی عالم ملک وملکوت کہا گیا ہے۔

ہر مکتب یا ہر تفکر کی اپنی خاص زبان ہوتی ہے لیکن جب یہی باتیں زبان ناشناس تک پہنچتی ہیں تو وہ زبان نہیں سمجھتا اور انکار کرنا شروع کر دیتا ہے یا اُس کو وحشت ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ ہر قوم و قبیلے کو ایک اصطلاح (Terminology) اور بولی دی گئی ہے تا کہ وہ اپنی زبان میں بات کرے۔ آپؒ فرماتے ہیں:

ہر کسی را سیرتی بنہادہ ام

هر کسی را اصطلاحی داده‌ام[1]

پھر فرماتے ہیں:

هندوان را اصطلاح هند مدح

سندیان را اصطلاح سند مدح

یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے ہر کسی کو الگ سیرت دی ہے اسی طرح سب کو الگ الگ بولی بھی دی ہے۔ ہندیوں کو ہندی اصطلاح دے دی اور سندھیوں کو سندھی اصطلاح۔ اسی طرح عربوں کو عربی بولی دے دی اور فارسوں کو فارسی بولی۔

مولانا رومؒ نے زبان ناشناسوں کا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ

چار کس را داد مردی یک درم

آن یکی گفت این به انگوری دهم

آن یکی دیگر عرب بد گفت لا

من عنب خواهم نه انگور ای دغا

آن یکی ترکی بد و گفت ای گزم

من نمی خواهم عنب خواهم عُزم

آن یکی رومی بگفت این قیل را

ترک کن خواهیم استافیل را

در تنازع آن نفر جنگی شدند

که ز سرّ نامها غافل بدند

---

[1] ......(مثنوی معنوی، دفتر دوم: عتاب کردن حق تعالیٰ با موسیٰ علیہ السلام از بهر آن شبان، صفحه ۲۶۷)

مشت بر هم می زدند از ابلهی

پر بدند از جهل و از دانش تهی

صاحب سری عزیزی صد زبان

گر بدی آنجا بدادی صلحشان

آگے جا کر مولانا رومؒ فرماتے ہیں:

مرغ جانها را چنان یکدل کند

کز صفاشان بی غش و بی غل کند

مشفقان گردند همچون والدهٔ

مسلمون را گفت نفسی واحدهٔ

نفس واحد از رسول حق شدند

ورنه هر یک دشمن مطلق بدند......[۱]

ماجرا یہ تھا کہ چار آدمیوں کو ایک شخص نے ایک درہم دیا۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ میں اس سے انگور لوں گا۔ دوسرا عرب تھا: اس نے کہا کہ میں انگور نہیں بلکہ عِنَب لوں گا۔ ان میں سے ایک ترک تھا: اس نے کہا کہ میں عنب نہیں بلکہ عُزُم لوں گا۔ ان میں سے ایک رومی تھا: اس نے کہا کہ ان باتوں کو چھوڑو مجھے استافیل چاہئے۔ اس پر وہ چاروں آپس میں لڑ پڑے چونکہ ان ناموں کی حقیقت سے غافل تھے۔ وہ بے وقوفی کی وجہ سے ایک دوسرے کو مارنے لگے کیونکہ علم سے خالی اور جہل سے بھرے ہوئے تھے۔ وہاں ایک رازدان اور سب زبانیں سمجھنے والا آ گیا اور اس نے ان کے درمیان صلح کرا دی۔ اس نے کہا کہ میں اس ایک درہم سے تم چاروں کی آرزو

۱......(مثنوی معنوی، دفتر دوم، منازعت چهار کس جهت انگور که هر یکی به نام دیگر فهم کرده بود آن را، صفحه ۳۳۹-۳۳۷)

پوری کردوں گا۔ الغرض جب ان چاروں نے اپنی اپنی زبان میں بات بتادی تو وہ سب زبانوں کا جاننے والا انگور خرید لایا۔ اب ہر ایک خوش تھا کہ میری بات مانی گئی ہے چونکہ وہ اپنی اپنی زبان میں انگور ہی مانگ رہے تھے لیکن ایک دوسرے کی بولی نہ سمجھنے کی وجہ سے اختلاف و جھگڑا شروع کر دیا تھا۔

مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ ایسا زبان سمجھنے والا مختلف دلوں کو ایک کر دیتا ہے اور ان کے اندر سے کھوٹ و ملاوٹ دور کر دیتا ہے۔ مشفق لوگ ماں کی طرح ہوتے ہیں جو مسلمانوں کو نفسِ واحدہ کہتے ہیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دم سے سب مسلمان نفسِ واحدہ ہیں ورنہ ایک دوسرے کے جانی دشمن ہوتے۔

پس بہت سارے اختلافات اس وجہ سے بھی ہیں کہ لوگ زبان نہیں سمجھتے۔ اہل معرفت واہل عرفان کی اپنی خاص اصطلاحات ہیں لیکن بعض نادان یا نافہم جو ان کی زبان سے آشنا نہیں ہیں اختلاف شروع کر دیتے ہیں۔ بقول شیخ سعدیؒ:

رہ عقل جز پیچ در پیچ نیست
بر عارفان جز خدا ہیچ نیست
توان گفتن این با حقایق شناس
ولی خردہ گیرند اہل قیاس
کہ پس آسمان و زمین چیستند
بنی آدم و دام و دد کیستند؟......[1]

یعنی یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہم بامعرفت کے ساتھ تو بات کر سکتے ہیں لیکن بے معرفت کا کیا کریں؟ بے معرفت کو بات سمجھ میں نہیں آتی۔ ایسے بے معرفت فراوان موجود ہیں جو اہل اللہ کی زبان نہیں سمجھتے اور نہ سمجھنے کی وجہ سے اُن پر خردہ گیری، اعتراض واشکال کرتے ہیں۔ ان دوعوالم کے عرفانی نام بھی ہیں کہ جن میں سے ایک کو

---

[1]......(کلیات سعدی، بر اساس نسخہ محمد علی فروغی، صفحہ ۲۸۰)

''فیضِ اقدس'' اور دوسرے کو''فیضِ مقدس'' کہتے ہیں۔ اہل معرفت'' عالمِ علم'' اور'' عالمِ عین'' کی تعبیر بھی استعمال کرتے ہیں۔ سب کی زبانیں مختلف ہیں لیکن مقصود ایک ہے۔

......عوالم کے قرآنی نام اور عالمِ غیب سے مراد

اگر آپ اس نکتہ کو سمجھنے میں کامیاب ہوگئے تو آپ پر بہت سارے نکات کھل جائیں گے۔ بہرحال خداوند تبارک وتعالیٰ نے ایک عالم بنایا ہے جسے قرآن کی زبان میں عالمِ غیب کہتے ہیں۔ غیب اوجھل چیز کو نہیں کہتے بعض اوقات سننے میں آتا ہے کہ منبر سے بھی غیب کی یہ تعریف کرنا شروع کر دیتے ہیں کہ جو آنکھوں سے اوجھل ہو یا دیوار کے پیچھے ہو اُس کو غیب کہتے ہیں۔ اوجھل چیز کو غیب نہیں کہتے بلکہ اُس کیلئے عربی میں الگ لفظ ہے۔ عالمِ غیب یعنی غیر جسمانی عالم، Non-Materialistic، جس کے اندر مادّہ نہ ہو۔ غیر جسمانی حقیقت کی دُنیا کو قرآن نے عالمِ غیب کہا ہے۔ جس کی معرفت سے انسان مقامِ تقویٰ پر جا پہنچتا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں آیا ہے:

ذٰلِکَ الْکِتَابُ لَارَیْبَ فِیْهِ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَo الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ......[1]

یعنی تقویٰ کا پہلا قدم ایمان برغیب ہے اور ایمان برغیب معرفت برغیب کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ غیب کی معرفت اُس وقت ہوتی ہے کہ جب انسان غیب کا مشاہدہ کرے۔ اگر اُسے غیب کا معنٰی ہی نہ آتا ہو تو ظاہر ہے پھر غیب سے کوئی آشنائی بھی نہیں ہوتی۔ اُردو زبان میں کہتے ہیں کہ جو بھی آئندہ کی اوجھل خبریں دے وہ غیب گوئی کر رہا ہے، جو بات کسی کو معلوم نہ ہو اور کوئی بتا دے تو کہتے ہیں یہ غیب جانتے ہیں مثلاً آپ کوئی چیز جیب میں چھپا کر لائیں اور کوئی بغیر دیکھے بتا دے تو اُسے کہتے ہیں کہ یہ غیب جانتا ہے۔ یہ غیب نہیں ہے بلکہ یہ سب عالمِ شہادت ہے۔ قرآن نے دوسرا لفظ عالمِ شہادت کا استعمال کیا ہے یعنی جسمانی دُنیا خواہ وہ اوجھل ہو یا ہماری نظروں کے سامنے ہو اس کو عالمِ شہادت کہتے ہیں۔ پس قرآن کے مطابق عالمِ شہادت اور عالمِ غیب دو عالم ہیں۔

....

[1]......(سورۂ بقرہ، آیہ ۳-۲)

عوالم کے قرآنی نام اور عالمِ غیب سے مراد

......عالمِ ملک و ملکوت اور کثرت

اسی طرح انہیں عالمِ ملک وملکوت بھی کہا جاتا ہے۔عالمِ ملک یعنی جہانِ مادّہ کہ جس کے اندر زمین وآسمان، کہکشائیں، ستارے اور سیارے شامل ہیں اور عالمِ ملکوت یعنی عالمِ غیر مادّی وعالمِ باطن۔انسان عالمِ مادہ و عالمِ غیر مادہ دونوں سے تعلق رکھتا ہے لیکن چونکہ ہم اپنے آپ کو بھی زیادہ نہیں جانتے اس وجہ سے تشویش میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔انسان کا جسم ملک ہے اور روح ملکوت ہے اور ہر چیز کا ملک وملکوت بہ یداللہ ہے یعنی خداوند تبارک و تعالٰی کے اختیار میں ہے۔

علماء کے بقول ان دونوں عوالم میں کثرت ہے۔آپ جہاں آنکھ اُٹھائیں وہاں کثرت ہی کثرت نظر آتی ہے۔یہاں انسان، جانور، پرندے، درخت اور ستارے اتنے زیادہ ہیں کہ جو گننے میں نہیں آتے۔پہلے کہتے تھے کہ ستارے گننے میں نہیں آتے لیکن اب ممکن ہے لوگ ستارے گن لیں لیکن آدمی گننے میں نہیں آتے۔دنیا میں موجود ڈھائی سو سے زائد ممالک میں جدھر دیکھیں مخلوق ہی مخلوق نظر آتی ہے خصوصاً ہندوستان اور چین کی آبادی دیکھ کر انسان حیران ہو جاتا ہے۔نباتات، جمادات، حیوانات، حشرات الغرض ہر طرف کثرت ہی کثرت ہے۔ اسی طرح عالمِ غیب میں بھی کثرت ہی کثرت ہے مثلاً ملائکہ اور وہ مخلوقات جن کو ہم جانتے بھی نہیں ہیں۔صحیفۂ سجادیہ میں ملائکہ کے مختلف طبقات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ان کے علاوہ بھی بہت سی غیر جسمانی مخلوقات پائی جاتی ہیں، جیسے بیان ہوا کہ شیخ سعدیؒ کہتے ہیں:

رہ عقل جز پیچ در پیچ نیست
بر عارفان جز خدا ہیچ نیست

یعنی اگر عقل کے ذریعہ اس عالم کو سمجھنا چاہو تو الجھ جاؤ گے اور معاملہ پیچیدہ ہو جائے گا لیکن عرفاء سے جا کر پوچھو تو وہ کہتے ہیں کہ اس عالم میں فقط خدا ہے باقی کچھ بھی نہیں ہے۔پھر شیخ سعدیؒ کہتے ہیں:

توان گفتن این با حقایق شناس
ولی خردہ گیرند اہل قیاس

یہ بات حقیقت شناس آدمی کو تو بتائی جاسکتی ہے کہ خدا ہے باقی کچھ بھی نہیں ہے لیکن یہ اہل قیاس، یہ دلیل دینے والے اور عقل کے ذریعہ عالم کو سمجھنے والے اعتراض شروع کردیں گے،

کہ پس آسمان و زمین چیستند
بنی آدم و دام و دد کیستند؟

پھر یہ زمین و آسمان کیا ہے، یہ بنی آدم کیا ہے؟ یہ چرند پرند کیا ہیں؟ یہ ساری کثرت کیا ہے؟ آپ کہتے ہو کہ صرف خدا ہے اور کچھ بھی نہیں ہے ہمیں تو خدا کے علاوہ بھی بہت کچھ دکھائی دیتا ہے۔ پھر آپ خود ہی فرماتے ہیں:

همه هر چه هستند از آن کمترند
که با هستیش نام هستی برند......[1]

یہ سب ہیں لیکن اگر غور سے دیکھو تو آپ کو حقیقت نظر آجائے گی کہ یہ کثرت ہے۔

......عالمِ کثرت کو وحدت کی ضرورت

خداوند تبارک وتعالیٰ نے یہ عالمِ کثرت بنایا ہے لیکن اس عالمِ کثرت کو ایک نکتۂ اتحاد و وحدت کی ضرورت ہے۔ اب یہاں علماء ایک نکتہ بیان کرتے ہیں کہ کثرت چاہے وہ عالمِ شہادت کی کثرت ہو یا عالمِ غیب کی علمی و فلسفی نکتۂ نگاہ سے اس وقت تک پیدا نہیں ہوسکتی جب تک اس کثرت کو کوئی بنیاد و سہارا نہ ملے۔ اہل معرفت و اہل دانش بھی دلیل و برہان کے ذریعہ اس مطلب کو قبول کرتے ہیں کہ کثرت کو جب تک وحدت میسر نہ آئے تو کثرت نہ پیدا ہوسکتی ہے اور نہ باقی رہ سکتی ہے۔

حدیثِ قدسی میں ارشاد ہے کہ اے نبی ﷺ!

[1]......(کلیات سعدی، بر اساس نسخه محمد علی فروغی، صفحه ۲۸۰)

عالمِ کثرت کو وحدت کی ضرورت

لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ......[1]

اگر آپؐ نہ ہوتے تو میں کبھی بھی اس زمین و آسمان اور کائنات کو خلق نہ کرتا۔ اور اگر نبیؐ کے بغیر یہ کائنات خلق ہوجاتی تو کیا اتفاق رونما ہوتا؟ یہ کائنات باقی نہ رہ سکتی، کیونکہ اس کائنات کو آپس میں مرحبط کرنے والی ہستی موجود نہ ہوتی۔ اگر یہ کثرت نکتۂ وحدت میں نہ پروئی جائے تو کثرت نہیں رہ سکتی مثلاً تسبیح کے دانوں کو اگر دھاگہ میں نہ پرویا جائے نہ ملے تو تسبیح وجود میں نہیں آسکتی یا موتیوں کو دھاگے میں نہ پرویا جائے تو ہار یالاکٹ وجود میں نہیں آسکتا کو۔ دھاگے کے بغیر یہ کثیر دانے بکھر جائیں گے اور پھر گم ہوجائیں گے لہٰذا اگر یہ باقی رہنا چاہتے ہیں تو انہیں ایک لڑی میں منسلک رہنا چاہیئے۔ یہ عالمِ کثرت مثلِ تسبیح ہے۔ اگر کثرت کے یہ سارے دانے پراگندہ ومنتشر ہوں اور انہیں وحدت کا دھاگہ نہ ملے تو بکھر کر نیست و نابود ہوجائیں گے۔ وہ وحدت کون سی ہے؟! وہ وحدت نقطۂ توحید ہے یعنی جب تک وحدانیتِ خدا اس کثرت کے اندر نہ آجائے یہ کثرت باقی نہیں رہ سکتی۔ لہٰذا تمام کثرت کو ہلاکت و نابودی سے بچانے کیلئے انہیں نقطۂ اتحاد و وحدت کی ضرورت تھی جس کیلئے اللہ تعالیٰ نے خلیفۂ خدا کو خلق کیا۔ خلیفۂ خدا اس پورے عالم کثرت کو نکتۂ وحدت سے متصل رکھتا ہے اور ان دانوں کو بکھرنے نہیں دیتا۔ اس لئے معصومین علیہم السلام کی روایات میں یہ مطلب موجود ہے کہ

لَوْلَا الْحُجَّةُ لَسَاخَتِ الْأَرْضُ بِأَهْلِهَا.[2]

یعنی اگر حجتِ خدا زمین پر نہ رہے تو زمین اپنے اہل سمیت تباہ و برباد ہوجائے گی۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

لَوْ أَنَّ الْإِمَامَ رُفِعَ مِنَ الْأَرْضِ سَاعَةً لَمَاجَتْ بِأَهْلِهَا كَمَا يَمُوجُ الْبَحْرُ بِأَهْلِهِ......[3]

عالم کثرت اور وحدت کی ضرورت

---

[1]......(مرآة العقول فی شرح أخبار آل الرسولؐ - العلامة المجلسیؒ، الجزء۲، صفحه ۱۲۱)

[2]......(مستدرك سفينة البحار، المؤلف : العلامة آية الله الشيخ علی النمازی، الجزء۵، صفحه ۲۷۸)(کلیات فی علم الرجال)

[3]......(الکافی-الکلینیؒ، الجزء۱، صفحه ۱۷۹)(کمال الدین وتمام النعمة -ابی جعفر محمد بن علی بن الحسین بن بابویه القمیؒ)

یعنی اگر امام کو زمین سے ایک لحہ کیلئے اٹھالیا جائے تو زمین اپنے اہل کو بہالے جائے گی جیسا کہ سمندر اپنے اہل کو بہا کر لے جاتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمانِ نورانی ہے:

لَوْ بَقِيَتِ الْأَرْضُ بِغَيْرِ اِمَامٍ لَسَاخَتْ......[1]

یعنی اگر زمین میں امام نہ رہے تو زمین تباہ و برباد ہو جائے گی۔

اگر اس عالم میں خدا کی حجت نہ ہو تو یہ عالم اپنے باسیوں سمیت تباہ و فنا ہو جائے گا۔ حجت فقط اس لئے نہیں چاہیے کہ ہم اس کے پیچھے نماز پڑھ کر ثوابِ دارین حاصل کریں یا وہ ہمیں جنت میں لے جائے۔ سب سے پہلے حجتِ خدا کی فلسفی ضرورت ہے کہ اگر حجتِ خدا نہ ہو تو عالمِ غیب و عالمِ شہادت دونوں ختم ہو جائیں گے۔

جس طرح قرآنِ مجید نے فرمایا کہ

لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا......[2]

اگر زمین و آسمان کے اندر وحدانیتِ خدا نہ ہوتی، ایک خدا نہ ہوتا تو سب نابود ہو جاتے یعنی توحید کی وحدت نے ان سب کو باقی رکھا ہوا ہے۔ وہ توحید نائبِ خدا، خلیفۂ خدا و حجتِ خدا کے ذریعے سارے عالم کو باقی رکھے ہوئے ہے۔ اس لئے اہلِ معرفت انسانِ کامل یا خلیفۂ خدا کو "کونِ جامع" کے نام سے پکارتے ہیں یعنی وہ عالم جو تمام کثرات، تمام کمالات اور تمام جہانوں کو اپنے اندر سمیٹ کر رکھتا ہے۔ درحقیقت جہان کے نظام کا جو سلسلہ قائم ہے اور شمس و قمر وغیرہ جو اپنے نظام پر چل رہے ہیں یہ درحقیقت اُس حجتِ خدا و نائبِ خدا کی وجہ سے چل رہے ہیں جسے خداوند تبارک و تعالیٰ نے فرشتوں کے ہوتے ہوئے خلق کیا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

اَلْحُجَّةُ قَبْلَ الْخَلْقِ وَمَعَ الْخَلْقِ وَبَعْدَ الْخَلْقِ......[3]

---

[1]......(الکافی -الکلینیؒ)(علل الشرایع -الشیخ الصدوقؒ)   [2]......(سورۂ انبیاء، آیہ ۲۲)

[3]......(الکافی -الکلینیؒ، الجزء ۱، صفحہ ۲٦٤)

حجت خدا مخلوق سے پہلے ہے، مخلوق کے ساتھ ہے اور مخلوق کے بعد ہے......

یعنی تمام مخلوق سے پہلے، مخلوق کے ساتھ اور بعد میں بھی حجت کی ضرورت ہے چونکہ مخلوق کا دارومدار درحقیقت حجت خدا پر ہے۔

فرشتوں کے سوال کا خاطر خواہ جواب

کوئی انسان دین کو اُس وقت تک نہیں پہچان سکتا جب تک رسولِ دین کو نہ پہچانتا ہوں۔ حضرت آدمؑ کی خلقت کے وقت جب خداوند تبارک وتعالیٰ نے فرشتوں کو مطلع کیا کہ

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً......[1]

میں زمین پر اپنا نائب وخلیفہ بنا رہا ہوں تو فرشتے فوراً بول پڑے کہ آپ ایسی مخلوق بنا رہے ہیں جو زمین پر فساد وخونریزی کرے گی۔ خداوند تعالیٰ نے نہ اُن کو جھٹلایا اور نہ اُن کی تائید کی بلکہ فرمایا کہ

اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۝ [2]

میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے......

یعنی درمیان میں ایک نکتہ ہے جو تمہیں معلوم نہیں ہے۔

جتنی جس کی معرفت ہو اُسی حد تک بیان فرمایا ہے۔ اسی طرح اگر آپ نے یہ معلوم کرنا ہے کہ امامؒ نے ایامِ میلادِ رسولِ اکرم ﷺ میں ہفتۂ وحدت کا اعلان کیوں کیا تو ہمیں امام خمینیؒ کی چند کتابیں پڑھنی پڑیں گی۔ اُن کے سیاسی خطبات کا مطالعہ کرنا پڑے گا اور امامؒ کی ایک بہت بنیادی کتاب ''مصباح الھدایۃ'' کا مطالعہ کرنا پڑے گا پھر ہمیں ان دونوں کے اندر ربط معلوم ہو جائے گا۔ وہاں یہ نکتہ امامِ راحلؒ نے بیان کیا ہے البتہ دوسرے علماء نے بھی ذکر کیا ہے جسے میں عام الفاظ میں درج کرنے کی کوشش کرتا ہوں تا کہ ان اصطلاحات

---

[1]......(سورۂ بقرہ، آیہ ۳۰)　[2]......(سورۂ بقرہ، آیہ ۳۰)

اور ٹرمینالوجیز (Terminologies) سے ذہن مشوش نہ ہو جائیں۔

فرشتوں والا سوال ہر ایک کے ذہن میں ہے کہ خلیفہ کیوں بنا رہے ہیں؟ نائب کیوں بنا رہے ہیں؟ کیا ضرورت ہے اس کو خلق کرنے کی؟ مولود ربیع الاولؐ کو کیوں خلق کیا؟ اور ہر ایک اپنی معرفت کی حد تک جواب دیتا ہے۔ کسی کا جواب یہ ہوگا کہ رسولؐ ہمیں عباداتِ سکھانے آئے، کسی نے کہا ہمیں شریعت دینے آئے، کسی نے جواب دیا ہمیں ہدایت دینے آئے، یہ سارے مقاصدِ بعثتِ انبیاءؑ ہیں۔ فرشتوں نے یہ بھی کہا کہ جب ہم تسبیح و تقدیس کر رہے ہیں تو ہماری موجودگی میں اپنا نائب بنانے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی۔ اس وقت خداوند تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

اِنِّیۡۤ اَعۡلَمُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۝

اے فرشتو! بیچ میں ایک ایسی مرموز اور راز کی بات ہے جو تمہیں معلوم نہیں ہے۔ جب اُس نکتہ سے پردہ اُٹھے گا تو نہ صرف تمہیں معلوم ہو جائے گا بلکہ تم اُس کے سامنے تسلیم بھی ہو جاؤ گے۔ وہ یہی نکتہ تھا کہ خداوند تبارک وتعالیٰ نے دو قسم کے موجود پیدا کئے ہیں مادی اور غیر مادی، جسمانی اور غیر جسمانی، عالمِ شہادت وغیب، عالمِ ملک و ملکوت اور تم تسبیح و تقدیس کرتے ہو لیکن پیدائشِ خلقت اور بقاءِ جہان کیلئے کافی نہیں ہو بلکہ خلقت و بقاءِ جہان کیلئے مجھے ایک ایسے موجود کی ضرورت ہے جو دو عالم کو متحد رکھ سکے اور حلقۂ اتصال بن سکے۔ یعنی عالم ملک وملکوت کی کثرت کا سہارا بھی بن سکے، انہیں آپس میں جوڑ بھی سکے اور اُن کا آپس میں رابطہ بھی برقرار کر سکے۔ اُس حقیقت کا نام خداوند تبارک وتعالیٰ نے حقیقتِ محمد یہ ﷺ رکھا ہے۔ وحی کو لوگوں تک پہنچانا اور احکام کو بیان کرنا رسالت کا ایک شعبہ ہے۔ درحقیقت انسانِ کامل، خلیفۂ خدا اور نائبِ خدا کا کام زمین کے اوپر خدا کے اذن سے اس کثرت کا سہارا بننا ہے تاکہ یہ ملک وملکوت باقی رہ سکے۔

یہ کام فرشتے سے نہیں لیا جاسکتا۔ خداوند تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر ہم نے انسانیت کی ہدایت کیلئے فرشتہ بھیجنا ہوتا تو پہلے اُس کو مرد و انسان بناتے پھر انسانیت کیلئے بھیجتے۔ کیوں؟ اس لئے کہ فرشتہ تکویناً اتحادِ جہان کا معیار نہیں ہے یعنی عالمِ تکوین، عالمِ ہستی، جہانِ غیب اور جہانِ شہادت فرشتے کی وجہ سے باقی نہیں ہے بلکہ حجتِ خدا کی وجہ

سے باقی ہے۔ لہٰذا پہلے فرشتے چیں بجبیں ہوئے کہ جب ہم تقدیس، تجمید و تسبیح کررہے ہیں، سبحان اللہ، الحمدللہ کہہ رہے ہیں تو اس کی کیا ضرورت ہے لیکن جب خداوند تعالیٰ نے اُس کے مقام و منزلت کی ایک جھلک انہیں دکھائی تو وہی فرشتہ نہ صرف چپ ہوگیا بلکہ اس نے اُس مقام کو سجدہ کیا۔ چونکہ اب فرشتے کو بھی معلوم تھا کہ اگر یہ نہ ہوا تو زمین و آسمان کیا بلکہ ہم بھی باقی نہیں رہ سکتے۔

حجتِ خدا کی معرفت ضروری

ایسا نہیں ہے کہ حجتِ خدا کی ضرورت فقط فقہی احکام بتانے کی حد تک ہے۔ اگر آپ عام لوگوں سے حجتِ خدا کے بارے میں سوال کریں تو وہ کہتے ہیں کہ شہر کا ڈسپلن (Discipline) چلانے، ثواب وجزا دلانے، جنت بھجوانے اور حوریں ملوانے کیلئے کوئی موجود ہو لیکن جب ایک نائب شناس، خلیفہ شناس، حجت شناس سے پوچھیں تو وہ کہتا ہے کہ اگر حجتِ خدا نہ ہو تو زمین و آسمان فنا ہو جائیں گے، حجتِ خدا نقطۂ اتحادِ زمین و آسمان ہے، وہ نقطۂ اتحادِ عوالم ہے یعنی تمام عوالم کو ایک نقطۂ وحدت میں منسلک کرنے والا۔ رسولِ اکرم ﷺ عوالمِ غیب و شہادت میں تکویناً نقطۂ اتحاد ہیں جسے حقیقتِ محمدؐیہ کہا جاتا ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ خلیفۂ الٰہی، حجتِ خدا، انسانِ کامل، باعث بقاءِ زمین و آسمان اور باعثِ بقاءِ عالمِ شہادت و غیب ہیں۔

لہٰذا حجت شناس عالم حضرت امام خمینیؒ نے ایامِ ولادتِ رسولِ اکرم ﷺ کو ''ہفتۂ وحدت'' کے عنوان سے منانے کا جو اعلان کیا وہ ٹیکٹک (Tactic) نہیں ہے بلکہ معرفت ہے اور اس کی جڑیں دین کی شناخت کے اندر موجود ہیں۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ انسان دین کو پہچان لے لیکن رسولِ دین کی معرفت نہ ہو، اور رسولِ دین کی معرفت فقط اُن فقہی احکام سے حاصل نہیں ہوتی جو رسول اللہ ﷺ نے بیان کئے ہیں یعنی رسول اللہ ﷺ نے کہا نماز پڑھو اور ہم نماز پڑھنا شروع کردیں تو اس نماز پڑھنے سے ثواب ضرور ہوتا ہے لیکن نماز میں درجہ اُس وقت پیدا ہوتا کہ جب انسان کو پتہ ہو کہ جو رسول حکمِ نماز لے کر آیا ہے اس کا مقام کیا ہے۔ اس لئے تعلیماتِ دین کے اندر یہ سکھایا گیا ہے اور ہمیں بھی اس کو درست سیکھنے کی ضرورت ہے کہ اگر زمین کے اوپر حجتِ خدا نہ ہو تو یہ عالم اپنے

باسیوں سمیت تباہ و برباد ہو جائے گا۔

روح، باعثِ وحدتِ اعضاءِ بدن

پراگندگی، انتشار، افتراق، جدائی اور دشمنی کثرت کی تباہی کا موجب ہے۔ مثلاً ہمیں انسانی جسم بظاہر ایک نظر آتا ہے لیکن غور سے دیکھیں تو یہ ایک نہیں ہے بلکہ بظاہر بھی ایک نہیں ہے۔ اعضاء مختلف ہیں۔ ان اعضاء کے اندر بھی کثرت ہی کثرت ہے یعنی ہڈیاں، رگیں، خون، چربی، غدود اور گوشت وغیرہ پائے جاتے ہیں۔ گوشت بھی ایک قسم کا نہیں ہے بلکہ اُس کے بھی مختلف حصے ہیں جن میں چھوٹے چھوٹے سیلز (Cells) ہیں اور اُن سیلز کے اندر بھی اربوں مختلف جینز (genes) ہیں۔ ایک انسانی جسم نے یہ ساری کثرت سمیٹی ہوئی ہے۔ جب تک یہ کثرت متحد نہ ہو انسان زندہ نہیں رہ سکتا اور انسانی جثہ کی یہ وحدت روح کی رہینِ منت ہے۔ جب تک روح جسم کے ساتھ ہے یہ ساری کثرت ایک جگہ رہتی ہے۔ یہ بلینز خلیات اور سارے اعضاء و جوارح اُدھر جاتے ہیں جدھر روح کا ارادہ ہوتا ہے لیکن جس دن نقطۂ افتراق آتا ہے یعنی روح بدن کو چھوڑ جاتی ہے تو یہ خلیات بھی ایک دوسرے کو خیرباد کہنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ کثرت الگ ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ اسی لئے آپ کہتے ہیں کہ اب اس کو دفن کر دو۔ روح کے بغیر جسم کی کائنات باقی نہیں رہ سکتی۔

دین کا حکم ہے کہ جب مومن کو دفن کر دیں تو پھر اُس کی قبر نہ کھولیں۔ قبر کھولنا حرام ہے۔ اس کی ایک حکمت یہ ہے کہ قبر کھولو گے تو اُس کے بدن کا جو حشر ہو رہا ہے وہ تمہیں نظر آ جائے گا اور یہ درست نہیں ہے کہ مومن کے بدن کا حشر کسی کو نظر آ جائے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ایمان کی علامت یہ ہے کہ مرنے کے بعد بھی بدن سلامت رہے۔ بعض لوگوں نے معیارات بنالئے ہیں کہ پکا مومن وہ ہے کہ جس کی قبر کھودو تو کفن بھی میلا نہ ملے۔ یہ ایمان کی علامت نہیں ہے چونکہ جسم مومن کا ہو یا غیر مومن کا اسے بالآخر پراگندہ و منتشر ہو کر مٹی میں ملنا ہے۔ بڑے اتقیاء کے اجسام کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوگا جیسے دوسروں کے اجسام کے ساتھ ہوگا چونکہ جسم انسان کی حقیقت نہیں ہے بلکہ روح انسان کی حقیقت ہے۔ روح کے بغیر جسم مٹی بن جاتا ہے لہٰذا اس مٹی کو مٹی میں دفن کر دیں۔ پس جسم کی تمام

کثرت قبر میں الگ الگ ہونا شروع ہوجاتی ہے کیونکہ ان سب کو ایک نقطہ پر رکھنے والی روح ان سے الگ ہوگئی ہے۔

نبی و امام روحِ کائنات

بدن کی بقاء روح کی رہینِ منت ہے اور اُمت کی بقاء امام و حجتِ خدا کی رہین منت ہے۔ اس لئے روایات میں آیا ہے کہ اُمت کے اندر حجتِ خدا کا وہی مقام ہے جو بدن کے اندر روح کا مقام ہے۔ امام اور نبی روحِ کائنات ہے لہٰذا یہ کائنات روح کے ذریعہ باقی ہے۔ اس لئے فرشتہ کے ذریعہ یہ کائنات نقطۂ اتحاد پر باقی نہیں رہ سکتی لہٰذا نبی و امام ہی مبعوث ہوگا کہ وہ آئے اور اس اُمت کو متحد رکھے۔ اس وجہ سے خداوند تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا کہ لوگ ایک اُمت تھے لیکن ان کے اندر افتراق پیدا ہوا تو خدا نے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث کیا اور سب سے بڑھ کر خاتم الرسل پیامبر اکرم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو نقطۂ اتحادِ جہانِ تکوین بھی ہیں اور نقطۂ اتحادِ جہانِ تشریع بھی ہیں۔ یہ وہ وجودِ مبارک اور وجودِ نازنین ہے جس کے گرد زمین و آسمان بھی جمع ہیں اور حکم دیا گیا ہے کہ سماج و اُمت بھی جمع ہو۔ اسی کے نورانی محور کے گرد معاشرے قائم ہوں اور پروان چڑھیں۔

جس طرح سے ہمارے اعضاء کو روح نے یکجا کر کے رکھا ہوا ہے۔ اگر روح بدن سے نکل جائے تو بدن کے یہ سارے اعضاء خود بخود الگ ہوجائیں گے اور انہیں کاٹنے، چیرنے، پھاڑنے اور نوچنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ روح ضامنِ وحدتِ کائناتِ بدن ہے۔ امیر المومنین علیہ السلام سے یہ شعر منسوب ہے کہ جس میں آپؑ فرماتے ہیں:

اَتَزْعَمُ اَنَّکَ جِرْمٌ صَغِیْرٌ وَ فِیْکَ انْطَوَی الْعَالَمُ الْاَکْبَرُ......[1]

اے انسان! کیا تو گمان کرتا ہے تو چھوٹا سا ذرہ ہے؟! نہیں، بلکہ تیرے اندر خداوند تبارک وتعالیٰ نے

---

[1]......(پیام امام امیر المومنین علیہ السلام-آیت اللہ العظمیٰ مکارم شیرازی مدظلہ)(نفحات الولایۃ فی شرح نہج البلاغۃ)

عالمِ اکبر سمویا ہوا ہے۔ تو پوری کائنات ہے لیکن یہ کائنات کس طرح سے باقی و منظم ہے؟ ہاتھ اور مغز کے اندر ہم آہنگی، آنکھ اور ہاتھ کے اندر ہم آہنگی، کان اور مغز کے اندر نظام کس طرح سے چل رہا ہے؟ یہ سب کے سب روح کے رہینِ منت ہیں۔

خداوند تبارک وتعالیٰ نے صرف کائناتِ بدن نہیں بنائی بلکہ کائناتِ بدن کو باقی رکھنے کیلئے روح بھی بنائی ہے۔ اگر یہ چھوٹی کائنات روح کی محتاج ہے اور روح کے بغیر یہ کثرت، یہ اجزاء واعضاء باقی نہیں رہ سکتے تو آپ یقین جان لیں کہ یہ عظیم کائنات، ستارے، کہکشانیں، کیہانیں، زمین اور اس کی معدنیات، آسمان، سمندر بلکہ ملائکہ، مجردات اور غیر مادّی موجودات بھی روح کے بغیر باقی و برقرار نہیں رہ سکتے اور اس کائنات کی روح کا نام حقیقتِ محمدؐیہ ہے۔ جس طرح قرآنِ مجید میں ہے کہ

لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا......[1]

اگر ایک خدا نہ ہوتا تو یہ کائنات باقی نہ رہ سکتی۔ اسی طرح سے اگر اس وحدانیت کا مظہر نہ ہوتا تو یہ کائنات باقی نہ رہ سکتی۔

اس طرح خداوند تعالیٰ نے فرمایا کہ

لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ......[2]

اے نبیؐ! اگر تیری ذات نہ ہوتی تو یہ زمین و آسمان بھی نہ ہوتے،

یہ سادہ سا جملہ اگر کسی حکیم، فیلسوف یا عارف کے ہاتھ آجائے تو وہ ہمیں بتائے گا کہ ظاہراً اس سادہ سے جملے کے اندر ایک کائنات کے برابر معرفت بھری ہوئی ہے۔ جب تک انسان مقامِ پیامبر اکرم ﷺ کو نہیں پہچانے گا وہ نبیؐ کا پیروکار نہیں بن سکتا۔ نبیؐ کی منزلت تب سمجھ آئے گی کہ جب انسان کو معلوم ہو جائے کہ خداوند

---

[1]......(سورۂ انبیاء، آیہ ۲۲)   [2]......(بحار الأنوار العلامة المجلسیؒ، الجزء ۱٦، صفحہ ٤٠٦) (الموضوعات، المولف: رضی الدین الحسن بن محمد بن الحسن بن حیدر العدوی العمری القرشی الصغانی الحنفی)

تبارک وتعالٰی نے نبیؐ کو مبعوث فرما کر انسانوں پر کتنا بڑا احسان کیا ہے۔ پروردگار کا یہ بھی فرمان ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ○[1]

ایمان والوں پر اللہ نے بڑا احسان کیا کہ ان کے درمیان انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو انہیں اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاکیزہ کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے جبکہ اس سے پہلے یہ لوگ صریح گمراہی میں مبتلا تھے۔

خداوند تبارک وتعالٰی نے اس طرح تم پر اپنی عظیم نعمت نازل کی ہے کہ تمہارے اندر اپنا نبیؐ مبعوث کیا ہے۔ اس سے بڑی نعمت تمہارے اندر موجود نہیں ہے کیونکہ اگر یہ نبیؐ نہ ہوتا تو انسان بھی نہ ہوتا، آدمؑ بھی نہ ہوتے اور یہ کائنات بھی نہ ہوتی۔ یہ سب کچھ بطفیلِ حقیقتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔

بعثتِ انبیاءؑ اور بقاءِ عالمِ تکوین و تشریع

وحدت کے بغیر کسی چیز کی بقاء ممکن نہیں ہے اور یہ قانون نہ صرف عالمِ تکوین میں کارفرما ہے بلکہ عالمِ تشریع میں بھی نافذ العمل ہے۔ الٰہی دستورات وقوانین مثلاً قرآن، آسمانی کتابوں اور شریعت کو عالمِ شریعت یا عالمِ تشریع کہتے ہیں۔ موجودات ومخلوقات مثلاً انسان، زمین وآسمان، نباتات، جمادات، حیوانات اور حشرات کا تعلق عالمِ تکوین سے ہے۔ یعنی موجودات کو تکوین اور قوانین کو تشریع کہتے ہیں۔ جس طرح تکوین کی بقا وحدت کی رہینِ منت ہے اسی طرح تشریع کی بقا کا انحصار بھی وحدت پر ہے۔

انسان کو دو پہلوؤں سے مرکز ونکتۂ اتحاد کی ضرورت ہے۔ پہلے اپنی تکوینی بقا کیلئے اُس کو انسانِ کامل و خلیفۂ خدا کی ضرورت ہے اور پھر اپنی تشریعی بقا یعنی اپنا سماج ومعاشرہ بنانے کیلئے وحدت کی ضرورت ہے۔ یہ تکوینی

---

[1]......(سورۃ آل عمران، آیہ ۱٦٤)

بعثتِ انبیاءؑ اور بقاءِ عالمِ تکوین و تشریع

مخلوق تشریع کے او پر عمل پیرا ہو کر اپنا سماجی واجتماعی وجود بنا سکتی ہے۔ اگر اس معاشرے کو وحدت، اتحاد و یگانگت نہ ملے تو سوسائٹی باقی نہیں رہ سکتی۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ تکوین تو خلیفۂ خدا کا رہینِ منت ہو اور تشریع ہم اپنے کلچر، رسومات و آباء کے رہین قرار دیں۔

جس طرح پروردگار نے عالمِ تکوین کا حلقۂ اتصال و نقطہ اتحاد ذاتِ گرامی پیامبر اکرم ﷺ کو قرار دیا اسی طرح انسانوں کیلئے ایک اور عالم بھی بنایا ہے اور وہ عالم عالمِ تشریع ہے، چونکہ انسان شریعت و قانون اور اللہ کے دین کا محتاج ہے اور اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ جو لوگ دین کے بغیر زندگی گزار رہے ہیں وہ انسانی زندگی میں زندہ نہیں ہیں بلکہ غیر انسانی حیات بسر کر رہے ہیں۔

مشہور فیلسوف و دانشور ابنِ سینا کہ جس کو شرق و غرب دونوں مانتے ہیں اور ان کی عظمتِ فلسفی و دقتِ عقلی کے سامنے خاضع ہیں بہت بڑے شہیر و نابغہ انسان ہیں۔ واقعاً بو علی سینا ایک عجوبۂ دہر اور فوق العادہ انسانی صلاحیتوں کے حامل ہیں۔ انہوں نے بشری معاشرے کی ہر طرح سے خدمات انجام دی ہیں مثلاً طب، جامع علومِ فلسفی، ریاضی، فلکیات، منطق، طبیعات و ارضیات کے علوم میں خدمات انجام دی ہیں اور بہت ساری گتھیاں کہ جن کو سلجھانے میں شاید بہت صدیاں لگ جاتیں اس نابغہ روزگار نے سلجھا کر انسان کو دے دیں۔ اس ابنِ سینا کا یہ فرمانا ہے کہ انسان کی بقا کیلئے دل، دماغ اور خون سے زیادہ ضروری دینِ خدا ہے۔ اگر دین نہ ہو تو انسان زندہ نہیں رہ سکتا اور اگر کوئی زندہ ہے تو وہ حیاتِ انسانی نہیں ہے۔

پس تشریع اور قانون کے نظام کو بھی ایک حلقۂ اتصال و وحدت کی ضرورت ہے، چنانچہ قرآن کے مطابق لوگ ایک امت تھے پھر ان میں اختلاف رونما ہوا تو اللہ نے قرآن میں فرمایا:

فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ.....[1]

یعنی پھر اللہ نے انبیاء علیہم السلام کو مبشرین و منذرین بنا کر بھیجا۔ خداوند تبارک و تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو دین،

---

[1]......(سورۂ بقرہ، آیہ ۲۱۳)

شریعت اور آسمانی کتابیں عطا کیں تا کہ انسانوں کو تفرقہ اور اختلاف سے نکال کر اُمتِ واحدہ بنادیں۔ خدا نے جس کو نقطۂ اتحادِ تکوین بنایا تھا اُسی کو نقطہ اتحادِ تشریع بنادیا ہے۔

نعمتِ رسول ﷺ کی قدردانی

خداوند تبارک وتعالیٰ نے وجودِ مبارک پیغمبر اکرم ﷺ کے برابر کوئی اور نعمتِ عظمیٰ عالمین کو عطا نہیں فرمائی لہٰذا اس نعمت کیلئے ایک ادب یہ ہے کہ اہل ایمان جب بھی بارگاہِ خدا میں شکر کریں تو ساتھ ہی اس عظیم نعمت پر بھی شکر بجالائیں کہ پروردگارا! تیرا شکر کہ تو نے ہمیں محمدِ مصطفیٰ ﷺ جیسا نبی عطا فرمایا جو رحمتوں کا منبع ہے اور جس کے وجود سے رحمتیں پھوٹتی ہیں، تیرا شکر کہ تو نے ہمیں آلِ محمدؑ جیسا قرآنی خاندان اور قرآن جیسی کتاب عطا فرمائی ہے۔

اگرچہ ہم اس نبیؐ کی رحمتوں کے قدردان نہیں ہیں بلکہ اس سے آشنا بھی نہیں ہیں کہ وجودِ مبارک پیغمبر اکرم ﷺ سے ہمیں کون کون سی نعمتیں عطا ہوئی ہیں۔ ہم نعمتوں کے بارے میں بہت سادہ واقع ہوئے ہیں اور چھوٹی چھوٹی چیزوں کو نعمت سمجھتے ہیں لیکن اصلی نعتوں کو نعمتوں کے زمرے میں ہی شمار نہیں کرتے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اچھے کپڑے، اچھا گھر، اچھی گاڑی، اچھی صحت، اچھی دولت یا اچھی اولاد مل جائے تو یہ نعمت ہے اگرچہ اس میں شک نہیں ہے کہ یہ ساری خداوندِ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں لیکن نسبتاً چھوٹی نعمتیں ہیں۔

دعاؤں میں نعمتوں کی قدردانی

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ انسان اپنی ہمت سے پہچانا جاتا ہے۔

قَدْرُ الرَّجُلِ عَلٰی قَدْرِ هِمَّتِهِ......[1]

[1]......(نہج البلاغہ، کلماتِ قصار ٤٧)

انسان کی جتنی ہمت ہوا تنی ہی اس کی قدر و قیمت ہے......

جو جتنا بلند ہمت ہوگا اتنا ہی بڑا انسان ہوگا اور جتنا کم ہمت ہوگا اتنا ہی چھوٹا ہوگا۔ ہمت یعنی عزم و ارادہ۔ عزم وارادہ کا اندازہ دعاؤں کے ذریعہ بھی لگایا جاسکتا ہے کہ انسان اللہ سے مانگتا کیا ہے۔ اسی لئے ہمیں یہ ادب سکھایا گیا ہے کہ اگر تم بڑا انسان بننا چاہتے ہو تو بڑے انسانوں کی دعائیں خدا کی بارگاہ میں پیش کرو۔ لہٰذا آپ بارگاہِ خدا میں ائمہ معصومین علیہم السلام سے منقول دعائیں مثلاً دعائے کمیلؒ، دعائے ابوحمزہ ثمالیؒ اور دعائے مبارک عرفہ پیش کریں جو بہت عظیم اور جلیل القدر دعا ہے، عموماً رواج یہ ہے کہ مومنین اسے ذی الحجہ کی نو تاریخ کو پڑھتے ہیں لیکن اسے سال میں ایک دن پڑھنا کافی نہیں ہے بلکہ جب بھی فرصت ہو اس دعا کو ترجمہ کے ساتھ پڑھیں تا کہ ہمیں پتہ چلے کہ نعمتیں ہوتی کیا ہیں؟ اور نعمتوں کی قدردانی کیا ہوتی ہے؟ سید الشہداء علیہ السلام بارگاہِ خداوند تبارک وتعالیٰ میں عرض کرتے ہیں کہ

لَمْ تُخْرِجْنِیْ لِرَاْفَتِکَ بِیْ وَلُطْفِکَ لِیْ وَ اِحْسَانِکَ اِلَیَّ فِیْ دَوْلَةِ اَئِمَّةِ الْکُفْرِ الَّذِیْنَ نَقَضُوْا عَهْدَکَ وَکَذَّبُوْا رُسُلَکَ لٰکِنَّکَ اَخْرَجْتَنِیْ لِلَّذِیْ سَبَقَ لِیْ مِنَ الْهُدٰی الَّذِیْ لَهٗ یَسَّرْتَنِیْ وَفِیْهِ اَنْشَاْتَنِیْ......

یعنی اے پروردگار! تو نے اپنی مہربانی، لطف اور احسان فرماتے ہوئے مجھے کافر بادشاہوں کے دورِ حکومت میں پیدا نہیں کیا جنہوں نے اپنے عہد و پیمان کو توڑا اور تیرے رسولوں کو جھٹلایا، بلکہ تو نے مجھے اس زمانے میں پیدا کیا کہ پہلے ہی سے ہدایت میرے لئے میسر کر دی تھی اور اس میں میری نشوونما کی......

اے پروردگار! تیری ان نعمتوں کا شکر جو تو نے مجھے میری ولادت سے پہلے عطا فرمائیں، اور وہ کیا نعمتیں تھیں؟ فرمایا کہ اس سرزمین پر جہاں حسینؑ ابن علی علیہ السلام کو دنیا میں آنا تھا پہلے تو نے اپنا نبیؐ مبعوث فرمایا، اس نبیؐ نے آکر اس سرزمین کو کفر و شرک سے پاک کیا، وہاں حکومتِ اسلامی کا پرچم لہرایا اور تیرے نظام کی حکومت چلی پھر تیرے رسول ﷺ کی حکومت کے سائے میں حسینؑ ابن علی علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ یہ وہ نعمت ہے جو عام لوگوں کو سمجھ میں نہیں آتی۔ آج کل کوشش یہ ہوتی ہے کہ شادی کے بعد ویزہ حاصل کیا جائے تا کہ بچہ امریکہ و یورپ میں

پیدا ہوا اور اسے وہاں کی نیشنلٹی (Nationality) مل جائے یعنی ایک اسلامی سرزمین سے اٹھا کر کفر کی سرزمین میں لے جانے کو اپنے لئے نعمت سمجھتے ہیں۔ جبکہ حسینؑ ابن علیؑ کیا فرماتے ہیں؟! کہ اے پروردگار! تو میری ولادت کو تاخیر میں ڈالتا رہا کیونکہ ابھی وہ زمین اس قابل نہیں بنی تھی کہ جہاں پر حسینؑ دنیا میں آسکے پھر جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے صدقے میں اس زمین کو آمادہ کیا تو حسینؑ کی ولادت ہوئی۔ یہ سب رسول ﷺ کے وجود کی نعمتیں ہیں اور ہمیں صرف توجہ کی ضرورت ہے۔

جب رسول اللہ ﷺ کی رحلت ہوئی تو امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ پروردگار! مخلوق کے لئے تیری رحمت کا سب سے بڑا ذریعہ اس دنیا سے اٹھ گیا ہے۔ اسی طرح امامِ زمانہؑ سے منقول دعائے افتتاح جو رمضان میں پڑھتے ہیں اس دعا کے آخر میں ہے کہ

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَشْکُوْا اِلَیْکَ فَقْدَ نَبِیِّنَا وَغَیْبَةَ وَلِیِّنَا......[1]

اے پروردگار! ہم تیری بارگاہ میں شکوہ کرتے ہیں کہ آج تیرا بھیجا ہوا نبیؐ ہمارے درمیان نہیں ہے، اور اے پروردگار! ہم تیری بارگاہ میں شکوہ کرتے ہیں کہ ہمارے امام، مولا اور تیرے ولی غائب ہیں اور ہماری دسترس سے باہر ہیں۔

لیکن ہمارے شکوے یہ ہوتے ہیں کہ آٹا نہیں مل رہا، چینی نہیں مل رہی، بجلی نہیں ہے، چولہا نہیں جل رہا، گرمی زیادہ ہے، نوکری نہیں مل رہی، ویزہ نہیں مل رہا اور ایڈمشن نہیں مل رہا۔ امامؑ فرماتے ہیں کہ اگر اللہ کی بارگاہ میں سب سے بڑا شکوہ کرنا ہے تو یہ شکوہ کرو کہ اے پروردگار! ہماری سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ آج ہم تیرے رسول ﷺ کا چہرۂ نورانی نہیں دیکھ سکتے۔ اس امت کیلئے یہ سب سے بڑی مصیبت ہے۔ خداوند تبارک وتعالیٰ نے وجودِ مبارکِ پیغمبر اکرم ﷺ کے ذریعہ سب کو فراوان نعمتیں عطا کی ہیں چاہے جو انہیں نہ بھی مانتا ہو چونکہ

---

[1]......(اقبال الأعمال)(البلد الأمين-آية اللّه الشيخ ابراهيم بن علي العاملي الكفعميؒ)(جمال الأسبوع)(مصباح المتهجد)

دعاؤں میں نعمتوں کی قدردانی

اللہ کا یہی قانون ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ جو خدا کو مانتا ہے اسے رزق دیتا ہے اور جو نہیں مانتا اسے رزق نہیں دیتا لیکن ساتھ ہی فرمایا کہ جب تم نعمتوں کا شکر کرو گے تو میں اُن سے یہ شکر قبول بھی کروں گا۔

شکر سے مراد

عموماً ہم عادتاً زبان سے نعمتوں کا شکر ادا کر دیتے ہیں مثلاً کھانا کھانے کے بعد بعض لوگ تکیہ کلام کے طور پر کہہ دیتے ہیں کہ خدایا تیرا شکر ہے لیکن معنٰی کی طرف متوجہ بھی نہیں ہوتے کہ ہم کہہ کیا رہے ہیں؟ دراصل شکر عمل کا نام ہے اور یہ جو زبان سے شکر اللہ کہتے ہیں یہ اظہارِ شکر ہے خود شکر نہیں ہے جیسے اگر کسی کے پاس علم ہو اور وہ اس علم کا زبان سے اظہار کرے تو یہ علم نہیں ہوتا بلکہ علم کا اظہار ہوتا ہے یا اگر کسی کے پاس مال و دولت ہو اور وہ اس مال و دولت کا زبان سے اظہار کرے تو یہ اظہارِ مال ہے جبکہ خودِ مال کوئی اور چیز ہے۔ اسی طرح شکر الگ چیز ہے اور شکر کا اظہار الگ چیز ہے۔ انسان کو چاہئے کہ وہ شاکر بنے اور اس شکر کا بارگاہِ خدا میں اور دوسروں کے سامنے اظہار بھی کرے تاکہ شاکرین میں سے شمار ہو جاؤ۔ انسان شاکرین میں اس وقت شمار ہوتا ہے یا شکرِ نعمت اس چیز کا نام ہے کہ خدا نے جس مقصد کے لئے نعمت عطا فرمائی ہے اسے اسی مقصد میں بروئے کار لایا جائے۔

ورنہ اگر انسان کے پاس وہ چیز موجود ہو لیکن اسے اس مقصد کے لئے کام میں نہ لایا جائے تو اسے شکر نہیں کہتے مثلاً عینک ایک نعمت ہے اور اگر کوئی کسی کو عینک دے اور یہ اس عینک کو سنبھال کر گھر میں رکھ دے تو یہ شکر ادا کر رہا ہے کیونکہ یہ عینک اس وقت نعمت ہے کہ جب انسان اسے لگا کر دیکھے چونکہ یہ دیکھنے کے لئے وسیلہ ہے۔ اسی طرح اگر خداوند تبارک و تعالیٰ نے کسی کو مال دیا ہے تو مال کا شکر یہ نہیں ہے کہ اسے بینک میں رکھ دے یا ڈولے میں ڈال کر زمین میں دبا دے بلکہ مال کا شکر یہ ہے کہ اسے عیاشی اور اسراف کے بجائے راہِ خدا میں انفاق کرے۔ اگر انسان مال کو ذخیرہ کر لے اور بروئے کار نہ لائے تو یہ شکرِ نعمت نہیں ہے۔ جوانی طاقت و ولولہ کا زمانہ ہے اور شکرِ جوانی یہ ہے کہ اس طاقت کو اسی مقصد کے کام میں لائے جس مقصد کے لئے خدا نے یہ نعمت عطا کی ہے۔ اگر کوئی جوانی کو صرف بلے مارنے اور اوٹ پٹانگ کاموں میں ضائع کر دے تو یہ شکرِ جوانی نہیں بلکہ کفرِ جوانی ہے۔ علم کا

شکر یہ ہے کہ انسان علم کو عمل میں ڈھالے اور اس علم کو دوسروں تک پہنچائے ورنہ علم کو اپنے سینے میں محفوظ کر کے نہ خود اس پر عمل کرے اور نہ دوسروں تک پہنچائے تو یہ کفرانِ علم ہے۔

نعمتِ رسول ﷺ کی معرفت اور طریقۂ شکر

نعمتِ رسول ﷺ کی معرفت اور طریقۂ شکر

خداوند تبارک وتعالیٰ نے ہمیں وجودِ مبارک پیغمبر اکرم ﷺ کی صورت میں رحمتِ عظیمہ ونعمتِ عظمیٰ عطا فرمائی ہے۔ اس نعمت کا ایک شکر تو یہ ہے کہ ہم زبان سے کہیں کہ پروردگارا! تیرا شکر ہے کہ تو نے رسول ﷺ جیسی نعمت ہمیں عطا فرمائی اور اس ہستیِ مقدس کے طفیل مزید لاکھوں نعمتیں عطا فرمائی ہیں لیکن مہم یہ ہے کہ اب اس کو شکرِ عملی کرنا ہے۔ شکرِ نعمت کسی چیز کو اس کے مقصد کے لئے کام میں لانے کو کہتے ہیں لہٰذا پہلے ہمیں اس نعمت کا مقصد معلوم ہونا چاہئے کہ خدا نے یہ نعمت ہمارے درمیان کس لئے بھیجی ہے؟! زمین، آسمان، نور، ہوائیں، آکسیجن، پانی اور رزق نعمتیں ہیں اور ہمیں ان نعمتوں کو کام میں لانا ہے لیکن یہ اسی وقت ممکن ہے کہ جب ہمیں نعمتوں کا مقصدِ خلقت معلوم ہو جائے۔ قرآن مجید پیغمبر اکرم ﷺ اور دیگر انبیائے کرام کی بعثت کا مقصد بیان فرما رہا ہے کہ ہم نے یہ انبیاء علیہم السلام کس مقصد کے لئے بھیجے تھے؟ قرآن کا ارشاد ہے:

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ إِلَّا الَّذِيْنَ أُوْتُوْهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ......[1]

(فطری اعتبار سے) سارے انسان ایک امت تھے (ان میں اختلاف رونما ہوا) تو اللہ نے انبیاء علیہم السلام کو مبشرین و منذرین بنا کر بھیجا اور ان کے ساتھ برحق کتاب نازل کی تاکہ لوگوں کے اختلافات کا فیصلہ کریں اور اصل اختلاف صرف بغاوت وتعدی کی بناء پر انہی لوگوں نے کیا جنہیں کتاب دی گئی تھی حالانکہ ان کے پاس صریح نشانیاں آچکی تھیں......

---

[1]......(سورۂ بقرہ، آیہ ۲۱۳)

لوگوں کے درمیان فطری طور پر وحدت تھی لیکن بعد میں لوگوں میں تفرقہ پڑ گیا اور یہ ایک دوسرے کے دشمن بن گئے۔ یہ لوگ قوموں، قبیلوں، طبقوں، دھڑوں، گروہوں، ٹولیوں، رنگوں، نسلوں، نژادوں، علاقوں، مناسبتوں، جاگیروں، پیشوں، عقیدوں اور اسی طرح حسب ونسب اور مال ومنال کی وجہ سے تقسیم در تقسیم ہوتے چلے گئے تا اینکہ اس تقسیم اور تفرقہ نے انہیں ہلاکت تک پہنچا دیا۔ اس وقت خداوند تبارک وتعالیٰ نے انہیں ہلاکت سے نکالنے کے لئے ایک اور نعمت عطا فرمائی اور وہ نعمت بعثتِ مقدس انبیاء کرام علیہم السلام ہے۔

خداوند تبارک وتعالیٰ نے انبیاء کو اس مقصد کے تحت مبعوث فرمایا کہ وہ وحدتِ فطری جو لوگوں کے اندر تفرقہ، جھگڑے اور نزاع کی وجہ سے ختم ہوگئی تھی اس منتشر مخلوق کے اندر دوبارہ وحدت ایجاد اور قائم کریں۔ وحدت واتحاد انبیاء علیہم السلام کا بڑا اعالی وشامخ مقصدِ بعثت ہے۔ حضرتِ آدم علیہ السلام سے لے کر رسولِ خاتم ﷺ تک سب کے سب انبیاء علیہم السلام انسانوں کے اندر وحدت واتحاد برقرار کرنے کے لئے مبعوث ہوئے ہیں۔ اگر ہم اس نعمت سے ہزاروں فائدے اٹھائیں لیکن اس کام میں استعمال نہ کریں کہ جس کیلئے ہمیں یہ نعمت ملی ہے تو ہم نے اس نعمت کا شکر ادا نہیں کیا۔

جس طرح ہم دیگر چیزوں سے بہت سارے کام لیتے ہیں لیکن وہی کام نہیں لیتے جس مقصد کے لئے وہ نعمتیں ہمیں دی گئی ہیں اسی طرح ہم اس نعمت سے اس کے مقصد کے سوا ہر کام لیتے ہیں۔ لہٰذا اگر ہم بارگاہِ خدا میں پیغمبر اکرم ﷺ کو وسیلہ قرار دیں اور ان سے توسل کریں کیونکہ یہ بڑا محترم اور مقدس ومقرب وسیلہ ہے، اس وسیلے کو اللہ کی ذات رد نہیں کرتی اور پیغمبر ﷺ وآلِ پیغمبر علیہم السلام کا واسطہ دے کر ہم خداوند تبارک وتعالیٰ سے صحت، دولت، سلامتی، امنیت، اولاد، گھر، بنگلہ، کوٹھی اور پراپرٹی (Property) مانگ لیں اور خدا ہمیں عنایت بھی کردے تو پھر بھی ہم نے نعمتِ نبوت کا شکر ادا نہیں کیا ہے، اس لئے کہ قرآن فرماتا ہے کہ جس مقصد کے لئے ہم نے نبی مبعوث فرمایا تھا اس مقصد میں تم نے استفادہ نہیں کیا۔ اس نعمت کا شکر اس وقت ادا ہوسکتا ہے کہ جب انسان پیغمبر اکرم ﷺ، قرآن وآلِ پیغمبر علیہم السلام اور دین ومذہب کے نام پر آپس میں مل بیٹھیں۔ درحقیقت یہ مل بیٹھنا شکرِ نبوت ہے ورنہ اگر تفرقہ کیا، دوریاں اختیار کیں اور لڑائی جھگڑے کئے تو یہ کفرانِ نعمتِ نبوت ہے۔

کفرانِ نعمت کا قرآنی نمونہ

قرآن نے اس کفرانِ نعمت کا نمونہ بھی پیش کیا ہے۔ خداوند تبارک وتعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تاکہ بنی اسرائیل کو فرعون کے ستم سے نجات دے کر عزت وکرامت عطا کریں کہ جو فرعون کے مظالم کے سبب پسماندہ، غلام، پست ورسوا ہو چکے تھے۔ حضرتِ موسیٰ علیہ السلام جب فرعون کو غرق کر کے بنی اسرائیل کو آزاد سرزمین پر لے آئے تو اب قوم نے موسیٰ علیہ السلام سے فائدہ اٹھانا شروع کیا۔ پہلے فرمائش کی کہ اپنے خدا سے کہو ہمارے لئے من وسلویٰ نازل کرے۔ من وسلویٰ یعنی تیار غذا، پکی پکائی غذا، جس میں کمانا بھی نہیں پڑتا، خریدنا بھی نہیں پڑتا، پکانا بھی نہیں پڑتا، دھونا بھی نہیں پڑتا بلکہ فقط اٹھا کر کھانا پڑتا ہے لیکن اس سست اور مفت خور قوم کے اندر اتنی سکت بھی نہیں تھی کہ پکی پکائی غذا کو اٹھا کر کھالے کیونکہ یہ بھی ان کے لئے زحمت تھی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ خدا میں توسل کیا کہ پروردگارا! میری خاطر اس قوم کے اس مطالبہ کو پورا فرما اور انہیں من وسلویٰ عطا فرما۔ لہٰذا من وسلویٰ نازل ہونا شروع ہوگیا اور انہیں تین ٹائم بغیر زحمت ومشقت کے پکی پکائی غذا مل جاتی تھی۔ بعض سوچتے ہوں گے کہ اے کاش! ہم اُس زمانے میں ہوتے تو پکی پکائی چیزیں ہمیں مل جاتیں تاکہ نہ بل آتا اور نہ پیسے دینے پڑتے لیکن یہ لوگ شکرِ خدا کریں گے کہ ہم بنی اسرائیل میں سے نہیں تھے کیونکہ بنی اسرائیل نے کچھ عرصہ من وسلویٰ کھایا اور پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اب ہم ایک ہی کھانا کھا کھا کر اکتا گئے ہیں، ہم سے مزید من سلویٰ نہیں کھایا جاتا بلکہ اب ہمیں اور متنوع کھانے چاہئیں۔ ہمیں ساگ، مولی، شلغم، پیاز یعنی زمین سے اگنے والی چیزیں چاہئیں۔ یہ اتنی ناقدر، ناشناس اور جاہل قوم تھی کہ کہنے لگی:

يَا مُوسَى لَن نَّصْبِرَ عَلَىٰ طَعَامٍ وَاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنبِتُ الْأَرْضُ مِن بَقْلِهَا وَقِثَّائِهَا وَفُومِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا......[1]

اے موسیٰ! ہم ایک ہی قسم کے طعام پر ہرگز صبر نہیں کر سکتے تو آپ ہمارے لئے اپنے رب سے دعا

---

[1]......(سورۃ بقرہ، آیہ ٦١)

کریں کہ ہمارے لئے زمین سے اُگنے والی چیزیں فراہم کرے جیسے ساگ، ککڑی، گیہوں، مسور اور پیاز......

انہوں نے یہ نہیں کہا کہ فَادْعُ لَنَا رَبَّنَا یعنی ہمارے پروردگار سے کہو بلکہ کہا کہ رَبَّکَ یعنی جا کر اپنے خدا سے کہو۔ اب ہمارے گھروں میں چولھے جلنے چاہئیں، مہک ہونی چاہئے، ہم اپنی مرضی کا کھانا پکا کر کھائیں گے لہٰذا اب خدا سے کہو کہ ہمارے لئے کھیت ہموار کرے اور کھیتی باڑی کا انتظام کرے۔ حضرتِ موسیٰ علیہ السلام کو یہ باتیں بہت ناگوار گزریں اور کہا کہ تم بڑی احمق قوم ہو کہ جو اعلیٰ کو ادنیٰ سے بدل رہے ہو۔ کسی بھی زمانے میں کوئی یہ کام کرے تو وہ بے وقوف وسفیہہ ہے اور انبیاء علیہم السلام ایسے انسانوں کی مذمت کرتے ہیں۔ جب کسی قوم کو یہ پتہ نہ ہو کہ اللہ کا بھیجا ہوا رسول، نمائندہ و رہبر کس مقصد کے لئے آتا ہے تو وہ قوم اس رہبر کے ساتھ بنی اسرائیل جیسا سلوک کرتی ہے۔

اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کی نجات کیلئے بھیجا تھا لیکن انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں ٹوکری تھما دی کہ اے موسیٰ علیہ السلام! معاذ اللہ منڈی جایئے اور ہمارے کچن کا سامان لے آیئے۔ پس جو قوم بھی نبی، امام و رہبر کی معرفت نہ رکھتی ہو وہ اس سے فقط اپنی خواہشات پوری کرواتی ہے۔ آج ہم بھی اپنے ائمہ علیہم السلام و رہبروں کے ساتھ یہی کرتے ہیں۔ جب زیارتوں پر جاتے ہیں تو دعا کرتے ہیں تو ہم بھی وہی خیار اور چھوٹی چھوٹی چیزیں مانگتے ہیں۔ غور کرنا چاہئے کہ ہم کن ہستیوں کو کن کاموں کے لئے استعمال کر رہے ہیں؟ اور خدا نے انہیں کیوں بھیجا تھا؟!

رحمت سے مراد

رحمت سے مراد

سرورِ دوعالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام عالمین کے لئے رحمت ہیں۔ ہم رحمت کو بہت سادہ سمجھتے ہیں مثلاً کبھی بیمار کو شفا مل جائے تو کہتے ہیں کہ یہ رحمت ہے، بھوکے کو روٹی مل جائے تو کہتے ہیں یہ رحمت ہے، اگر بچے سے پوچھا جائے کہ رحمت کیا ہوتی ہے تو وہ کہتا ہے کھلونا، اگر خواتین سے پوچھیں کہ رحمت کیا ہوتی ہے تو وہ کہتی ہیں چوڑیاں، اگر ایک جوان سے کہیں کہ رحمت کیا ہوتی ہے تو وہ کہتا ہے موبائل، اگر کسی بڑے سے کہیں کہ رحمت

کیا ہوتی ہے تو وہ کہتا ہے کہ پیسے۔ جس کی جتنی سوچ ہو اس کی رحمت بھی اتنی ہی ہے۔ ہر ایک کے ذہن میں رحمت کا ایک خاص تصور ہے۔ کسان کیلئے بارش رحمت ہے، اینٹوں کے بھٹہ والے کیلئے دھوپ رحمت ہے۔ یعنی فیکٹری والے، بازار میں کام کرنے والے، گھر میں بیٹھے ہوئے، پڑھے لکھے اور ان پڑھ لوگوں کے نزدیک رحمت کا تصور مختلف ہے جبکہ پروردگار عالم جو منبعِ رحمت ہے اس کے نزدیک رحمت کچھ اور ہے۔ خداوند تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ اصل رحمت وہ ہے جس کے نتیجہ میں اور جس کے طفیل یہ زمین، کھیت، بیج، فصل اور خود کسان بھی باقی ہے۔ یہ اصلی رحمت ہے۔ اگر یہ رحمت موجود ہوئی تو یہ سارا زمانہ رحمت کا زمانہ ہے لیکن اگر یہ رحمت نہ ہوتی تو کوئی اور رحمت نہ ہوتی۔ رحمت کو سمجھنے کے لئے انسان کو معرفت کی ضرورت ہے بغیر معرفت کے انسان کو رحمت کا اندازہ نہیں ہوسکتا۔ سب سے بڑی رحمت وہ ہے جس کے ذریعہ کسی ہستی کو بقاء ملتی ہے۔ دو عالم کا وجود میں آنا بھی ایک رحمت ہے اور وجود میں آکر باقی رہنا بھی ایک رحمت ہے اور عالمین کی یہ دونوں رحمتیں رحمۃ للعالمین ہی کے ذریعہ سے ہیں۔

خداوند تبارک وتعالیٰ نے انہیں اس لئے نہیں بھیجا کہ فقط ہمیں امر ونہی کریں، احکام، حرام وحلال کی تعلیم، وسیلۂ نجات بننا اور شفاعت کرنا نہیں ہے بلکہ یہ رسالت کے مختلف شعبے ہیں۔ شفاعت کی نوبت ہی اس وقت آتی ہے کہ جب کوئی پہلے پیدا ہوا ہو پھر جوان ہوا ہو، جوان ہو کر اس نے اعمال انجام دیئے ہوں، پھر مرنے کے بعد محشر میں خدا کے سامنے اٹھایا گیا ہو، اس کا حساب کتاب کیا گیا ہو اور اس حساب کتاب میں کچھ کمی رہ گئی ہو تو اب اس کمی کے لئے شفاعت کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس لحاظ سے تو بہت دیر میں رسول ﷺ کی ضرورت پڑے گی حالانکہ رحمت وہ ہوتی ہے کہ جس کی پہلے دن سے ہی ضرورت ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ......[1]

---

[1]......(تفسیر المیزان، المولف: العلامۃ الطباطبائیؒ)(روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، المولف: شہاب الدین محمود بن عبد اللہ الحسینی الألوسی)

رحمت سے مراد

اے نبی ﷺ اگر آپ نہ ہوتے تو میں نہ زمین پیدا کرتا اور نہ ہی آسمان۔ میں نے یہ سب آپ ﷺ کے طفیل پیدا کیا ہے اور آپ ﷺ رازِ دو عالم ہیں۔

رحمت کے مصادیق اور طلب رحمت کی ضرورت

رحمت کے مصادیق مختلف ہیں۔ اگر ہم کینسر کے مریض سے کہیں کہ ہم آپ کو اس وقت سونا اور زرِ کثیر دیتے ہیں تو وہ کہتا ہے کہ یہ رحمت نہیں ہے، بدہضمی کے شکار مریض سے کہتے ہیں کہ ہم آپ کو اچھے کھانے پکا کر دیتے ہیں تو وہ کہتا ہے یہ رحمت نہیں ہے، شوگر کے مریض سے کہتے ہیں کہ ہم آپ کو مٹھائیاں دیتے ہیں تو یہ اس کے لئے رحمت نہیں ہیں، سب کے لئے مٹھائی رحمت ہے لیکن شوگر کے مریض کے لئے مٹھائی اس کی بقاء میں رکاوٹ اور باعثِ ہلاکت ہے۔ چونکہ رحمت وہ ہے جس کے ذریعہ سے وہ پیدا ہوا ہو اور پیدا ہو کر جس کے ذریعہ اسے بقاء ملتی ہو۔ مریضوں کیلئے دوا رحمت ہے اگر چہ وہ کڑوی ہی کیوں نہ ہو اور لذیذ ترین کھانے اگر چہ شیریں ہی کیوں نہ ہوں رحمت نہیں ہیں۔ ہر معاشرہ، ہر قوم اور ہر سوسائٹی کیلئے بھی ایسی ہی چیز رحمت ہے۔

اُمتوں کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ ہمیں کون سا خطرہ درپیش ہے اور اس وقت کس رحمت کی ضرورت ہے؟ ہم اللہ سے دعائیں کم مانگتے ہیں اور تجاویز و مشورے زیادہ دیتے ہیں۔ جیسے عادت ہوگئی ہے کہ مریض کی عیادت کے لئے جاتے ہیں تو عیادت کم کرتے ہیں جبکہ اس کو پریشان زیادہ کرتے ہیں۔ مثلاً جب مریض کے پاس جا کر بیٹھتے ہیں اور اس سے پوچھتے ہیں کہ آپ کو کیا ہوا؟ تو وہ کہتا ہے کہ میری بائیں پسلی میں درد ہو رہا ہے۔ یہ کہتا ہے کہ اوہ یہ تو بہت ہی خطرناک ہے۔ ہمارے ماموں کو بھی یہی تکلیف تھی اور وہ دوسرے دن ہی مر گئے تھے۔ مریض کے سامنے یہ باتیں نہ کریں بلکہ اس کو حوصلہ دیں کہ گھبرائیں نہیں انشاء اللہ خدا آپ کو شفاء دے گا اور بھی بہت سارے مریض تھے جو اس بیماری میں مبتلا تھے لیکن وہ ٹھیک ہوگئے ہیں لہٰذا آپ بھی ٹھیک ہو جائیں گے۔ بعض تو گولیاں جیب میں ڈال کر جاتے ہیں اور مریض کو کھلا کر بھی آتے ہیں یعنی جسے دیر سے مرنا ہے وہ جلدی مر جائے اسی طرح اللہ سے دعائیں کم مانگتے ہیں لیکن اپنی آراء زیادہ پیش کرتے ہیں مثلاً خدایا!

مجھے اولادِ نرینہ عطا فرما! ، یہ تو دعا نہیں ہے بلکہ مشورہ ہے۔ دعا یہ ہوتی ہے کہ خدایا! مجھے نیک اور صالح اولاد عطا فرما۔ اگر چہ وہ صالح اولاد بیٹا ہو یا بیٹی بلکہ اس سے بھی بہتر معرفت کی دعا یہ ہے کہ خدایا جو میرے لئے خیر ہے وہ عطا فرما، کیونکہ مجھے نہیں معلوم کہ میرے لیے خیر کیا ہے لیکن تو جانتا ہے۔ چونکہ وہ ہمارا رب ہے لہٰذا ہماری تجاویز پر زیادہ توجہ نہیں کرتا ورنہ اگر وہ ہماری ساری تجاویز مان لے تو ہمارا حشر کچھ اور ہو جائے۔ اللہ سے رحمت مانگنی چاہیے۔ آج امت کو اس رحمت کی ضرورت ہے جس کے ذریعہ سے امت کی بقاء، عزت، احترام اور سرفرازی برقرار رہ سکے۔ لیکن امت کی جو حالت ہو گی اسی کی مناسبت سے اس کو رحمت بھی عطا ہو گی۔

سب سے عظیم رحمت، ذاتِ رسول اکرم ﷺ

اگر ہم دونوں عالمین میں خداوندِ عالم کی رحمتوں پر غور وفکر کریں تو نمایاں طور پر جو رحمت سب سے زیادہ مقدم نظر آئے گی وہ ذاتِ گرامی حضرتِ محمد مصطفیٰ ﷺ ہے۔ یہ وہ رحمت ہے جو باعثِ تخلیق اور باعثِ بقاءِ دو عالم ہے۔

کلامِ الٰہی میں خداوند تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ......[1]

یعنی رسول اللہ ﷺ نے خدا کے اذن وحکم سے تمہارے دلوں میں الفت قائم کی۔ یہاں خداوند تبارک وتعالیٰ نے صدرِ اسلام کے مسلمین کو اسی نعمت ورحمت کی یاد دہانی کروائی کہ یاد کرو تم جب آپس میں دشمن تھے، تمہارے مابین تفرقہ تھا اور اس اختلاف نے تمہیں نابودی کے دہانے تک پہنچا دیا تھا تو اس وقت خداوند تبارک وتعالیٰ نے اپنی عظیم نعمت تمہارے شاملِ حال فرمائی اور وہ نعمت رسولِ گرامی ﷺ کی صورت میں تھی۔

ولادتِ باسعادت سرورِ دو عالم ﷺ کے ہم پلہ و ہمسر کوئی دوسری مناسبت نہیں ہے۔ یہ نورِ عظیم

---

[1]......(سورۂ آلِ عمران، آیہ ۱۰۳)

خداوند تبارک وتعالیٰ نے بشریت کی ہدایت کیلئے زمین پر اُتارا ہے جس کی نورانیت قیامت تک موجود رہے گی۔آپؐ تمام عالمین کیلئے رحمت بھی ہیں اور رحمت کا وسیلہ وذریعہ بھی۔ عالمین پر رحمتیں رسول کریم ﷺ کے وسیلۂ رحمت کے طفیل نازل ہوتی ہیں چاہے کوئی ان کی معرفت رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو۔ذاتِ گرامی پیغمبر اکرم ﷺ ایسی نعمت نہیں ہے جو فقط ایک انفرادی نعمت کا درجہ رکھتی ہو بلکہ ذاتِ گرامی پیغمبر اکرم ﷺ وہ نعمت ورحمت ہے کہ جس کے وجودِ مبارک سے نعمتوں اور رحمتوں کا ایک سیلاب اُمنڈ کر اُمت کے شاملِ حال ہوتا ہے۔خدا کی جانب سے اگر فرشتوں کو بھی کوئی رحمت ملتی ہے تو وہ وجودِ مبارک پیامبر اکرم ﷺ کے طفیل ملتی ہے بلکہ اس عالم میں موجود ہر ذرے کو پیامبر اکرم ﷺ کے وجودِ نازنین کے ذریعہ سے ہی رحمت نصیب ہوتی ہے۔آج اگر انسانیت اور خصوصاً اُمتِ مسلمہ کے اوپر اللہ کی کچھ نعمتیں ہیں تو یہ اسی وجودِ نازنین وہستیٔ مقدس کے طفیل ہیں۔ان نعمتوں میں سے ایک نعمتِ عظمیٰ جو آپ ﷺ کے وجودِ مبارک سے میسر آئی ہے وہ نعمتِ اتحاد ووحدت ہے۔دراصل قرآن کے مطابق تمام انبیاءؑ کا مقصدِ بعثت وحدت ہے۔انشاءاللہ فصلِ چہارم میں انبیاءؑ کے مقصدِ بعثت کو وضاحت کے ساتھ درج کیا جائے گا۔
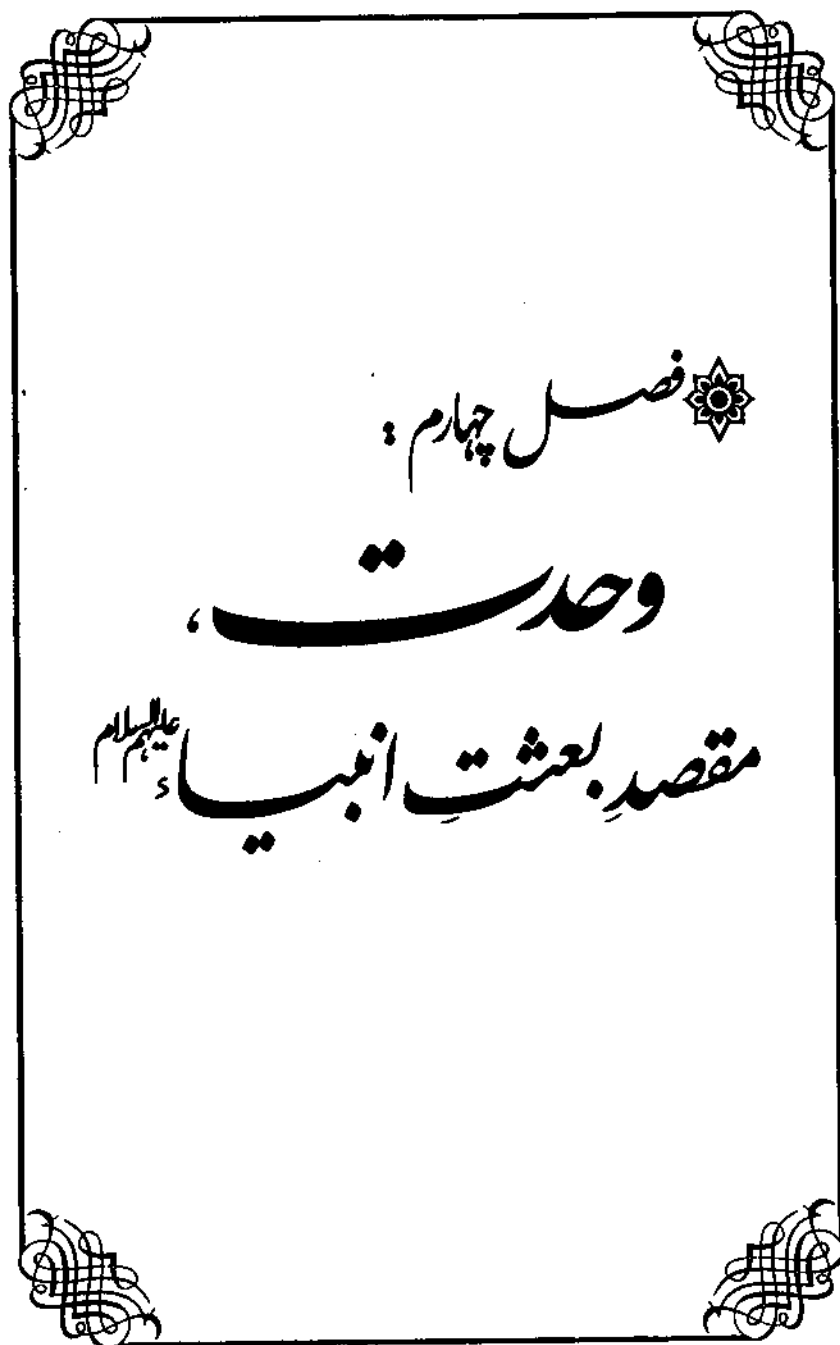
فصل چہارم:

وحدت،

مقصدِ بعثتِ انبیاء علیہم السلام

سببِ بعثت انبیاء علیہم السلام

خداوند تبارک وتعالیٰ نے انسان کی سعادت اور نجات کے لئے انتہائی خوبصورت اور جامع نظام مقرر فرمایا ہے۔ دین، انسانی ہدایت کے لئے اسی الٰہی جامع نظام کا دوسرا نام ہے، خداوند تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام ورسل علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اور آسمانی کتب نازل کیں۔ حیات بشری کے لئے اصول وضوابط اور حدود کو مقرر کیا، انسانی زندگی کو خطرے میں ڈالنے والے عوامل کی نشاندہی فرمائی اور ان کا مقابلہ کرنے کے لئے انسان کو مناسب آگاہی اور معرفت عطا فرمائی ہے۔ خداوند تعالیٰ نے انسانی سعادت اور نجات کے اصولوں میں سے وحدت کو ایک بنیادی ضابطہ کے طور پر ذکر فرمایا ہے اور اختلاف وتفرقہ کو انسان کی ہلاکت کا سبب قرار دیا ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام اور رسلِ الٰہی علیہم السلام کی کوششیں سب سے زیادہ لوگوں کو خدا پرستی اور وحدت کی طرف دعوت دینے میں انجام پائی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ہم نے انبیاء علیہم السلام اسی لئے مبعوث کئے ہیں تا کہ انسانوں کے درمیان وحدت برقرار کریں یعنی قرآن نے نبوت، رسالت، امامت، وحی، قرآن، شریعت، کتبِ آسمانی اور جبرئیل علیہ السلام کے نزول کا مقصد ایک جملہ میں ذکر کیا ہے:

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ إِلَّا الَّذِيْنَ أُوْتُوْهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ......[1]

(فطری اعتبار سے) سارے انسان ایک امت تھے (ان میں اختلاف رونما ہوا) تو اللہ نے انبیاء علیہم السلام کو مبشرین ومنذرین بنا کر بھیجا اور ان کے ساتھ برحق کتاب نازل کی تا کہ لوگوں کے اختلافات کا فیصلہ کریں

---

[1]......(سورۂ بقرہ، آیہ ۲۱۳)

اوراصل اختلاف صرف بغاوت وتعدی کی بناء پر انہی لوگوں نے کیا جنہیں کتاب دی گئی تھی حالانکہ ان کے پاس صریح نشانیاں آچکی تھیں......

یعنی لوگ فطری طور پر رشتۂ وحدت میں منسلک تھے لیکن تدریجاً کچھ ایسے اسباب واختلافات پیدا ہوئے کہ جن کی وجہ سے یہ وحدتِ فطری ختم ہوگئی۔ سورۂ مبارکہ یونس میں اس حصے کو بیان کیا گیا ہے:

وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا......[1]

اور سب انسان ایک ہی امت تھے پھر اختلاف رونما ہوا......

اس اختلاف، انتشار اور پراگندگی کے نتیجہ میں بشریت ایک بہت بڑے خطرے کے دہانے پر جا کھڑی ہوئی۔ ایسا خطرہ جو انسانی نسل کو مٹا سکتا تھا چنانچہ ان لوگوں کو بقاء کی ضرورت تھی اور بقا اتحاد میں مضمر ہے لہٰذا خداوند تبارک وتعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو بعنوانِ مبشر ومنذر مبعوث کیا تا کہ اُن کے اختلافات ختم کر کے اُنہیں دوبارہ وحدت کی طرف لائیں۔ انبیاء علیہم السلام فطری وحدت کے ساتھ ساتھ الٰہی و آئینی وحدت لے کر آئے اور اس کیلئے خدا نے انہیں کتاب، شریعت، آسمانی دین اور احکام کے ساتھ مبعوث کیا کیونکہ بشریت کو بہت بڑا خطرہ لاحق ہو چکا تھا۔

بعض خطرات ایسے ہیں جو کسی ایک فرد، ایک گھرانے یا ایک شہر کو درپیش ہوتے ہیں لیکن کچھ خطرے ایسے ہیں جو اگر خدانخواستہ دامن گیر ہو جائیں تو اُمت مسلمہ سمیت پوری نوع بشر کو غرق کر سکتے ہیں۔ خداوند تبارک وتعالیٰ کے فرمان کے مطابق تفرقہ اور اختلاف اُنہی خطرات میں سے ہے جو پوری نوعِ بشر کو ہلاک و نابود کر سکتا ہے۔ تفرقہ کو قرآن مجید نے نابودی کی کھائی اور ہلاکت کا گڑھا قرار دیتے ہوئے اسے سورۂ آلِ عمران، آیہ ۱۰۳ میں ''شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ'' کہا ہے یعنی جہنم اور ہلاکت وتباہی کا دہانہ۔ لہٰذا قرآن نے اُمت مسلمہ کو اس خطرے سے ہوشیار رہنے کیلئے فراوان تاکید کی ہے۔ کہیں پر نہی کی ہے:

لَا تَفَرَّقُوْا......[2]

---

[1]......(سورۂ یونس، آیہ ۱۹)

[2]......(سورۂ آلِ عمران، آیہ ۱۰۳)

تفرقہ نہ ڈالو......

اور کہیں پر مذمت کی ہے:

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا......[1]

اور خبردار ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے تفرقہ پیدا کیا......

یعنی جو لوگ تفرقہ ڈالتے ہیں یا متفرق ہو گئے ہیں اُن کی طرح نہ بن جانا۔

قرآن نے سراہا ہے کہ تم بہترین اُمت ہو، تم اُمت وسط ہو اور تمہیں خیرِ اُمت بننا ہے ورنہ تفرقہ تمہیں نابود کر دے گا۔

فطرت و طبیعت میں عدم توازن، مشکلات کا سبب

سب انسانوں میں فطرتِ بشری موجود ہے۔ قرآن مجید میں ارشادِ الٰہی ہے:

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا......[2]

یہ دین وہ فطرتِ الٰہی ہے جس پر اس نے انسانوں کو پیدا کیا ہے......

کیونکہ فطرت انسان کو وحدت کی طرف لے جاتی ہے۔ ہم سب کے وجود میں یہ کشمکش ہے کہ اللہ نے ہمیں فطرت کے ساتھ ساتھ طبیعت بھی دی ہے جیسے روح بھی دی ہے اور جسم بھی، مغز بھی دیا ہے اور پیٹ بھی، معدہ بھی دیا ہے اور کھوپڑی بھی۔ ہم صبح و شام کھوپڑی اتنی نہیں بھرتے جتنا معدہ بھرتے ہیں۔ اگر انسان تھوڑا سا وقت نکال کر کھوپڑی زیادہ پُر کرتا تو آج اتنی مشکلات نہ ہوتیں۔ ہم نے سارا وقت معدہ بھرنے میں لگا دیا۔ خالی کھوپڑی سے مشکلات پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہیں چنانچہ صدرِ اسلام میں جبکہ مسلمانوں کے پیٹ خالی ہوتے تھے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ان کے لئے این جی اوز (NGOs) نہیں بنائی تھیں کہ کسی نہ کسی طرح ان کے

---

[1]......(سورۂ آلِ عمران، آیہ ۱۰۵)　[2]......(سورۂ روم، آیہ ۳۰)

پیٹ بھر دیں، بلکہ رسول اللہ ﷺ نے پہلے اُن کے اذہان بھرے کہ اگر فقیر ہوں تو بھی نہ لڑیں اور امیر ہو جائیں تو بھی نہ لڑیں۔ اگر کھوپڑی بھری ہوئی ہو تو پھر آدمی یہ نہیں دیکھتا کہ اب میں فقیر ہوں یا امیر بلکہ اسے معلوم ہوتا ہے کہ مجھے کیا کام کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا۔

ان مشکلات کے سبب وہ فطرت مختلف ادیان، اقوام اور قبیلوں میں بٹ گئی اور انسان ہر بہانے سے تقسیم ہوتا چلا گیا۔ یہ وہ وقت تھا کہ جب انسان قرآن ہی کے فرمان کے مطابق تقسیم در تقسیم، تفرقہ اور انتشار کا شکار ہوتے ہوئے ہلاکت اور تباہی کے دہانے تک جا پہنچا یعنی قریب تھا کہ نسلِ انسانی تفرقہ کے نتیجہ میں روئے زمین سمٹ جاتی لیکن خداوند تبارک وتعالیٰ نے انسان پر اپنا فضل وکرم اور لطف نازل فرمایا اور سلسلہِ انبیاءؑ ورسلؑ کا آغاز کیا:

فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ......

آیہ کریمہ یہ بیان فرما رہی ہے کہ تمام انبیاءؑ کا مقصدِ بعثت درحقیقت پوری بشریت کے اندر وحدت برقرار کرنا ہے تاکہ وہ وحدتِ فطری جو اختلافات کے نتیجہ میں ختم ہو چکی تھی اُس کی طرف لوگوں کو دوبارہ لوٹائیں اور ان کو نجات دیں۔

ہدایت و نجاتِ بشر محورِ تعلیماتِ انبیاءؑ

انبیاءؑ کا مقصدِ اصلی ہدایتِ بشر ہے اور ہدایتِ بشر کا نقطۂ مرکزی نجاتِ بشر ہے۔ بشر کو مہلکوں اور ہلاکت گاہوں سے نجات کے طریقے بتانے کا نام ہدایت ہے۔ اگر ہم پورے دین وشریعت کی تفسیر، جزئیات اور تفصیل میں تحقیق کریں تو فقط یہی مقصود سامنے آتا ہے۔ دین وشریعت میں جو عبادتوں، ریاضتوں، خدمتِ خلق، ایک دوسرے کے ساتھ احسان ونیکی، اخلاقیات، تقویٰ وپرہیزگاری کی طرف دعوت دی گئی ہے تو یہ بشریت کی دنیوی واخروی ہلاکتوں سے نجات کیلئے ہے۔ موت سے پہلے اور بعد میں انسان کو بہت سے مہلکے درپیش ہیں لہٰذا ان سے بچانے کے لئے دین، شریعت اور وحی کا سلسلہ شروع ہوا اور ساتھ ہی اس آئین کو نافذ کرنے والے

اولیائے دین علیہم السلام وانبیائے کرام علیہم السلام کو بھی مبعوث فرمایا۔ پس قرآن کی گواہی کے مطابق تمام انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد وحدت ہے۔ باالفاظِ دیگر اگر قرآن سے پوچھیں کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء علیہم السلام کیوں مبعوث ہوئے؟ تو جواب آتا ہے کہ لوگ ایک اُمت تھے لیکن جب اس اُمت واحدہ میں اختلاف آگیا تو اس اختلاف کو ختم کرنے کیلئے خداوند تبارک وتعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام مبعوث فرمائے۔

بشریت کی تقسیم کے اسباب

اختلافات نے بشریت کو جغرافیائی اور غیر جغرافیائی طور پر تقسیم کر دیا تھا اور وہ لوگ رنگ ونسل وغیرہ کی بنیاد پر گروہوں، قبیلوں، قوموں اور ٹولیوں میں بٹ گئے تھے۔ جن وجوہات کی بنا پر اُن میں اختلاف پیدا ہو گیا تھا ان میں سے چند چیدہ چیدہ اسباب درج ذیل ہیں:

......جغرافیائی اور رنگ ونسل کی بنیاد پر تقسیم

انسانی نسل پھیلتے پھیلتے مختلف علاقوں میں جا بسی۔ کوئی گرم علاقوں میں گیا تو کوئی ٹھنڈے علاقوں میں، کچھ لوگ پہاڑی علاقوں میں گئے تو کچھ میدانی علاقوں میں، کچھ لوگ استوائی علاقوں میں آباد ہوئے تو کچھ قطبی علاقوں میں، جغرافیائی تاثیرات کے نتیجے میں انسان کا رنگ مختلف ہو جاتا ہے لیکن انسانوں نے اسی رنگت کو اختلاف وجھگڑے کا بہانہ قرار دیا۔ جن لوگوں کے رنگ سفید تھے وہ ایک الگ نسل بن گئے، جن کے رنگ گندمی ہوئے وہ کوئی اور قوم وقبیلہ بن گئے اور جن کے رنگ جغرافیائی تاثیرات کی وجہ سے سیاہ ہو گئے وہ الگ قوم شمار ہونے لگے۔

......پیشہ ورانہ تقسیم

پھر انسانی ضرورتوں کے پیش نظر لوگوں نے مختلف پیشے اپنانے شروع کئے۔ مختلف چیزیں تقاضا کرتی

تھیں کہ انسان جداگانہ پیشے اختیار کرے لہٰذا اسی انسان نے جو قرآن کے مطابق ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں،

يَـٰٓأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً......[1]

لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک ذات سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بکثرت مرد وعورت (روئے زمین پر) پھیلا دیئے......

سورۂ انعام، آیہ ۹۸، سورۂ اعراف، آیہ ۱۸۹ اور سورۂ زمر، آیہ ۶ میں بھی خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک حقیقتِ واحدہ سے پیدا کیا ہے یعنی ایک ماں باپ سے پیدا کیا ہے۔ جب خدا نے ان سے عورتوں اور مردوں کی کثرت ایجاد کر کے زمین میں پھیلا دی تو ایک ماں باپ کی اولاد میں پیشوں کے لحاظ سے فرق آتا گیا۔ جس نے جو کام شروع کیا وہی اس کی قوم بن گئی مثلاً ایک باپ کے دس بیٹے تھے تو ایک نے بال کاٹنے شروع کیے، دوسرے نے جوتا بنانا شروع کیا، تیسرے نے کپڑا بُننا شروع کیا، چوتھے نے سبزی اُگانا شروع کی، پانچویں نے پڑھانا شروع کیا، چھٹے نے بھینسیں رکھ لیں، ساتویں نے گھر بنانے کا کام شروع کیا وغیرہ اور اس طرح یہ دس بھائی دس قوموں میں تقسیم ہو گئے۔ ان پیشوں کو انسانوں نے قوموں میں تبدیل کر دیا حالانکہ یہ قومیں نہیں بلکہ پیشے تھے۔ خداوند تبارک وتعالیٰ نے تمام انسانوں کو ایک فطرتِ الٰہیہ پر مفطور مخلوق بنایا ہے لیکن اس فطرت کے اوپر جب غبار پڑتا گیا اور دوسری چیزوں کے اثرات آتے گئے تو آہستہ آہستہ انسان وحدتِ فطری سے دور ہوتے گئے اور قوموں، قبیلوں و گروہوں میں تقسیم ہوتے چلے گئے۔

......خواہشات، طبقات، ذات پات اور اموال کی بناء پر تقسیم

خواہشاتِ انسانی بھی اس فطری وحدت کو ختم کرنے کا مؤثر سبب بنیں۔ ہر انسان نے اپنی خواہشات و

[1]......(سورۂ نساء، آیہ ۱)

رجحانات کی تکمیل کیلئے الگ راستہ اختیار کرنا شروع کیا۔ پھر انسانی معاشرے میں طبقاتی بنیادوں پر خطرناک تقسیم وجود میں آئی جس نے فطری وحدت کو توڑ کر رکھ دیا۔ اسی طرح ذات پات کے لحاظ سے لوگوں نے خود کو دوسروں سے ممتاز کرنا شروع کیا تو ان میں وحدت کا ختم ہونا لازمی امر بن گیا۔ آدمؑ وحواؑ کی اولاد کے اندر ایک اور تقسیم یہ ہوئی کہ انہیں مال کی ضرورت تھی لیکن یہ پیسہ بجائے اس کے کہ ان کی ضروریات کی تکمیل کا ذریعہ بنتا آہستہ آہستہ انسان کی طبقاتی شناخت کی علامت بنتا چلا گیا یعنی جس کے پاس زیادہ پیسہ ہے وہ ایک طبقہ، جس کے پاس تھوڑا پیسہ ہے وہ دوسرا طبقہ اور جس کے پاس بالکل پیسہ نہیں ہے وہ تیسرا طبقہ۔

اس طرح یہ آپس میں مختلف وجوہات کی بنا پر تقسیم در تقسیم ہوتے گئے اور ایک دوسرے کے اوپر برتری کا احساس جتلانے لگے لہٰذا اس ناسور کو ختم کرنے کیلئے خداوند تبارک وتعالیٰ نے انبیاءؑ کو مبعوث کیا۔ انہیں آسمانی کتابیں دیں، وحی نازل کی، ہدایت عطا کی، علمِ خاص عطا کیا، صفاتِ عالیہ ایجاد کیں، شجاعت وعصمت عطا کی اور فوق العادۃ کمالات وفضائل سے متصل فرمایا تا کہ انسانوں کے اندر جو فطری وحدت ٹوٹ چکی ہے اُس کو دوبارہ برقرار کریں اور انہیں دوبارہ اُمتِ واحدہ بنادیں تا کہ یہ امت اس مقام تک پہنچ جائے جو خداوند تبارک وتعالیٰ کا پسندیدہ مقام ہے یعنی اُمتِ وسطیٰ۔

وحدت کیلئے انبیاءؑ کی فطرت سے ہم آہنگ آئیڈیالوجی

انبیاءؑ رنگ ونسل میں بٹے ہوئے ان لوگوں کو ایک کرنے کے لئے آئے۔ اب آیا انبیاءؑ ان کی زبانیں ایک کردیں گے؟ انبیاءؑ زبانیں ایک کرنے کے لئے نہیں آئے کہ سب عربی بولیں بلکہ اس لئے آئے کہ جو بولی بولتے ہو بولتے رہو کیونکہ بولیاں اظہار کا ایک ذریعہ ہیں ان سے کوئی نہ کٹ سکتا ہے نہ جڑ سکتا ہے۔

آیا انبیاءؑ ایسی کریم ایجاد کریں گے جس سے سب کے رنگ ایک جیسے ہوجائیں گے؟ انبیاءؑ اس لئے نہیں آئے کہ سب نسلیں اور شجرے ختم کر کے انہیں ایک نسل اور ایک شجرہ بنادیں، قرآن نے فرمایا ہے کہ ہم نے خود جان بوجھ کر ان کے قبائل بنائے ہیں، کیوں بنائے ہیں؟ قرآن فرماتا ہے:

يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا......[1]

اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا پھر تمہیں قومیں اور قبیلے بنادیا تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو......

اگر ایسی کریم ایجاد ہو جائے جو سب کا رنگ ایک جیسا کر دے تو لوگ پہچانے نہیں جائیں گے۔ جیسے ایک واقعہ ہے کہ چائنہ کے کسی ہوٹل میں چند پاکستانی بیٹھے ہوئے چائنہ کے باشندوں کو دیکھ کر ہنس رہے تھے اور دوسری ٹیبل پر چائنیز بھی ان پاکستانیوں کو دیکھ کر ہنس رہے تھے۔ جب چائنہ کے ایک باشندے نے ان سے پوچھا کہ آپ لوگ کیوں ہنس رہے ہیں تو پاکستانی نے جواب دیا کہ آپ سب چائنیز ہمیں ایک جیسے لگ رہے ہو، اور آپ لوگ کیوں ہنس رہے ہیں؟! تو چائنیز نے کہا کیونکہ آپ سب داڑھی مونچھوں والے بھی ہمیں ایک جیسے لگتے ہو۔ یہ اختلاف ضرور ہے لیکن اس اختلاف کو تقسیم کا ذریعہ نہیں بنانا۔ مختلف رنگ، زبانیں، مختلف قومیں ہونا ضروری ہے لیکن یہ سب کچھ اس لئے نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے ہم تقسیم ہو جائیں بلکہ یہ پہچان و شناخت کیلئے ہے۔ فرض کریں کہ باپ یہاں رہتا ہے اور بیٹا انگلینڈ میں رہتا ہے، بیٹے کو سندھی نہیں آتی اور باپ کو انگریزی نہیں آتی تو کیا یہ باپ بیٹا نہیں رہیں گے؟ دونوں کو پتہ ہے کہ یہ زبان ہم میں فاصلے نہیں ڈال سکتی۔

انبیاءؑ کی لائی ہوئی اس وحدت کو ''وحدتِ الٰہی''، ''وحدتِ دینی''، ''وحدتِ اسلامی''، ''وحدتِ آسمانی'' یا ''وحدتِ قرآنی'' کے ناموں سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ یہ وحدت جو انبیاءؑ نے خدا کی طرف سے ماموریت کے طور پر لوگوں کے اندر ایجاد کرنا شروع کی وہ فطری وحدت سے ہٹ کر تھی البتہ اس کے اندر تمام فطری خصوصیات و اصول بھی موجود تھے لیکن فطرت کے ساتھ ساتھ اس وحدت میں آئیڈیالوجی (Ideology) بھی شامل تھی۔ یعنی اب اس وحدت کی بنیاد فقط فطرت نہیں ہے کیونکہ فطرت آلودہ ہو چکی ہے اس لئے ضروری ہے کہ آئیڈیالوجی بھی ساتھ ہو جو دوبارہ ان کو آپس میں متحد و متفق کرے۔ البتہ وہ آئیڈیالوجی جو فطرت کے مطابق ہے

[1]......(سورۂ حجرات، آیہ ۱۳)

اور جس کے سارے اصول فطری ہیں۔ اسلام فطری دین ہے اور اس میں انسان پر کوئی چیز زبردستی ٹھونسی نہیں گئی۔ جو کچھ فطرت کا تقاضا ہے وہی دینِ اسلام لے کر آیا ہے۔ اس وحدت کی بنیاد الٰہی، دینی و آسمانی تعلیمات پر استوار ہے۔ انبیاءؑ نے اسلام کو آئیڈیالوجی، نظریہ اور ضابطۂ حیات کے طور پر انسانوں کے سامنے پیش کیا ہے کہ اس نظریہ کے تحت آپس میں متحد ہوں۔ دین و شریعت کا مقصد در حقیقت یہی تھا کہ بکھرے ہوئے، پراگندہ و منتشر انسانوں کو وحدت کی لڑی میں پرو کر متحد کر دیں۔

وحدت کیلئے انبیاءؑ کی قرآنی روش

دراصل انسانوں کے مابین انبیاءؑ، ائمہ ہدیٰؑ، اولیائے خدا اور مبلغینِ دین کی ذمہ داری لوگوں کو اُس فطری اور دینی وحدت و اتحاد کی طرف واپس لانا ہے۔ قرآن نے ساتھ ہی یہ بھی بیان فرمایا کہ انبیاءؑ نے یہ کام کیسے کرنا ہے؟ ان کی روش و طریقہ کیا ہوگا؟ اس کیلئے بیان فرمایا کہ ہم نے انبیاءؑ کو مبشر اور منذر قرار دیا ہے۔ قرآن چونکہ کتابِ ہدایت ہے لہٰذا اس بات پر ایمان لانا ضروری ہے۔ قرآن نے اپنا تعارف کرواتے ہوئے فرمایا:

ذٰلِکَ الْکِتَابُ لَارَیْبَ فِیْهِ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَo[1]

یہ ہدایت کی کتاب ہے۔ ہمیں ہدایت کی کتاب سے ہدایت کی توقع رکھنی چاہئے اگرچہ آج ہم نے ہدایت کے علاوہ بھی قرآن کے دیگر کثیر مصارف نکال لئے ہیں۔ کچھ چیزیں تو قرآن نے پہلے ہی بتا دیں کہ یہ کام قرآن سے نہیں کرنا مثلاً قرآن پر قسمیں نہ کھاؤ، قرآن کے ذریعہ کسی کو دھوکہ نہ دو اور قرآن کے ذریعہ اپنے جھوٹ پر پردہ نہ ڈالو۔ قرآن کا بنیادی پیغام ہدایت ہے۔ ہدایت کا مطلب یہ ہے کہ اس میں انسان کی ساری ضروریات اور مشکلات کیلئے راہِ حل موجود ہو۔ وہ چیز ہدایت نہیں ہو سکتی جس کے پاس کسی چیز کی راہِ حل نہ ہو۔ مشکلات اور

[1]......(سورۂ بقرہ، آیہ۲)

مسائل کا حل دراصل ان کے پاس ہے جن کو خداوند تبارک وتعالیٰ نے دین وہدایت کا منبع قرار دیا ہے، یعنی انبیاءؑ، رسلؑ، آسمانی کتابیں اور اہلبیتؑ ہدایت کا منبع ہیں اور ہدایت کا ایک پہلو یہ ہے کہ اس میں ہماری تمام مشکلات کا حل موجود ہو۔ نہ کہ اس طرح موجود ہو جیسے سیاسی پارٹیوں، وعدہ دینے والے سیاسی گروپوں اور شخصیات کے پاس ہوتا ہے۔ جو مشکل کو نہ سمجھتے ہوں اور ان کے پاس مشکل کا راہِ حل نہ ہو تو وہ ہادی نہیں ہو سکتے۔ قرآن کہتا ہے:

فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ......

تو اللہ نے انبیاءؑ کو مبشرین ومنذرین بنا کر بھیجا......

خدا نے انبیاءؑ کو مبشر اور منذر اس لئے بنایا تاکہ ابشار اور انذار کے ذریعہ اُمت کے اختلافات کو ختم کر کے بشریت وانسانیت کی صفوں کے اندر دوبارہ وحدت برقرار کریں۔ البتہ انبیاءؑ نے دین، شریعت اور وحی کی مدد سے اُن کے اندر وحدت ایجاد کرنی ہے یعنی شرعی، دینی و آئینی وحدت جس کو آج کی زبان میں آئیڈیالوجیکل وحدت (Ideological Unity) کہہ سکتے ہیں۔ ایسی نظریاتی وحدت جس کا مرکز ومحور مکتب ہو۔ اس میں صرف فطری اصول نہ ہوں بلکہ وحی کی تعلیمات بھی شامل ہوں۔ انبیاءؑ قرآن، تورات، انجیل، زبور اور دیگر صحفِ الٰہی لے کر آئے تاکہ انسان کو وحدت کے رشتے میں منسلک کر دیں۔ پس وحدت ایک چال کا نام نہیں ہے۔ اگر قرآن ودین کا مطالعہ کیا جائے تو بخوبی معلوم ہو جائے گا کہ وحدت اسلامی مکتب کی بنیادوں میں سے ہے البتہ فراموش شدہ ہے۔ وحدت برقرار کرنے کیلئے خداوند تبارک وتعالیٰ نے انبیائے عظامؑ کیلئے جو عنوان اور لقب ذکر کیا ہے وہ مبشر ومنذر ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے ان عنوانات کی وضاحت کی ضرورت ہے۔

مبشر و منذر کے معانی کی وسعت اور غلط فہمی

قرآنِ مجید کے جتنے ترجمے میں نے دیکھے ہیں اُن سب کے مطابق مبشر ومنذر کو خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا کہتے ہیں۔ جنت اور اُس کے لوازمات مثلاً حور العین، غلمان، دودھ اور شہد کی نہروں، درختوں اور فروٹ کہ جن کیلئے یہ ساری زحمتیں ہیں ان کی خوشخبری دینے والا مبشر ہے۔ عموماً ہم جنت میں بھی مخصوصاً حور کی بات

کرنے والے کو مبشر کہتے ہیں گویا اس کے علاوہ اور کوئی بات خوشخبری ہی نہیں ہے۔ اور منذر یعنی جہنم، عذاب، آگ کے لپکتے شعلوں، غلیظ کھانوں، پیپ، خون، کھولتے پانی، ناگ، اژدھے، سانپ اور بچھو سے ڈرانے والا۔ یعنی انبیاءؑ ایک رات حوروں کی باتیں کرتے ہیں اور دوسری رات سانپ وبچھو کی۔ جس دن سانپ وبچھو کی باتیں کریں اُس دن منذر ہوتے ہیں اور جس دن حور کی بات کریں اُس دن مبشر ہوتے ہیں۔ حالانکہ مبشر ومنذر کے معانی اس سے کہیں زیادہ وسعت رکھتے ہیں۔ یہ معانی موت کے بعد کیلئے ہیں لیکن انبیاءؑ ہماری موجودہ زندگی کیلئے بھی مبشر ومنذر ہیں۔ ایک مولانا مجلس پڑھ رہے تھے لیکن لوگ انہیں داد نہیں دے رہے تھے تو انہوں نے اپنے مخاطبین سے کہا کہ اگر تم اس موضوع پر داد نہیں دو گے تو میں موت کی مجلس شروع کردوں گا کیونکہ مجھے وہ مضمون بھی آتا ہے۔ یہ دھمکی ہے نہ کہ ڈرانا۔

بہشت اور جہنم انسان کی ہدایت کے لئے ہیں نہ کہ بہشت اور جہنم اصل ہیں اور انسان جنت کے لئے ہے۔ خدا نے جنت انسان کے لئے بنائی ہے نہ کہ ہم جنت کے لئے نہیں ہیں۔ لیکن یہاں معاملہ الٹ ہو گیا ہے اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم جنت کے لئے ہیں۔ گویا اگر ہم جنت پہنچ گئے تو مقصدِ حیات پورا ہو گیا۔ اسی طرح مجرم جہنم کے لئے نہیں ہیں بلکہ جہنم مجرموں کے لئے ہے۔ مجرم جیلوں کے لئے پیدا نہیں ہوتے بلکہ جیل مجرموں کے لئے بنائی جاتی ہیں۔

بعض مبلغ ایسی تبلیغ کرتے ہیں کہ لوگوں کی حوروں کی وجہ سے رال ٹپکتی رہے اور وہ سجدے پہ سجدے کریں تا کہ ہر سجدے کے بدلے میں کئی حوریں ملیں۔ ایک مولانا منبر کے اوپر بتا رہے تھے کہ پہلا روزہ رکھو تو ایک ہزار حوریں، دوسرا روزہ رکھو تو دو ہزار حوریں، تیسرا روزہ رکھو تو تین ہزار حوریں، چوتھا روزہ رکھو تو چار ہزار حوریں، اس طرح جب دسویں روزے پر پہنچے تو سامعین میں سے ایک بندہ جو نیچے حساب لگا رہا تھا وہ گھبرا گیا اور کہنے لگا مولانا اتنی سنبھالیں گے کیسے؟!

انبیاءؑ صرف اس لئے نہیں آئے کہ ہمارے سامنے حوروں یا جہنم کی باتیں کرتے رہیں۔ امیر المومنینؑ فرماتے ہیں کہ جنت اور جہنم کے تذکرے سے وہ ہدایت پاتے ہیں جنہیں خدا تک معرفت لے کر نہیں آتی کیونکہ

مبشر ومنذر کے معانی کی وسعت اور غلط فہمی

جن لوگوں کو معرفت خدا تک لے آئے ان کیلئے جنت وجہنم کوئی معنیٰ نہیں رکھتے۔خود امیر المومنینؑ فرماتے ہیں:

مَا عَبَدْتُکَ خَوْفًا مِنْ نَارِکَ وَلَا طَمَعًا فِیْ جَنَّتِکَ وَلٰکِنْ وَجَدْتُکَ اَھْلًا لِلْعِبَادَةِ فَعَبَدْتُکَ......[1]

میں نے تیرے جہنم کے خوف سے اور جنت کی لالچ میں تیری عبادت نہیں کی لیکن تجھے عبادت کا اہل پایا تو تیری عبادت کی......

یعنی لالچ اور ڈر کی عبادت نہیں کرتا بلکہ معرفت کی عبادت کرتا ہوں۔

آیا اگر انبیاءؑ ہر محفل ومجلس میں جنت کی خوشخبری اور جہنم کی بدخبری سنائیں تو کیا اس سے وحدت وجود میں آسکتی ہے؟! بشیر ونذیر کا یہ معنیٰ جچتا بھی نہیں ہے کہ لوگ ایک اُمت تھے پھر اُن میں تفرقہ پڑا تو ہم نے انبیاءؑ کو بشیر ونذیر بنا کر مبعوث کیا، یعنی ان تفرقہ ڈالنے والوں کو خوشخبریاں سنائیں کہ جتنا تفرقہ ڈالیں گے اس کے بدلے میں اتنی حوریں اور نہریں ہیں اور جو تفرقہ نہیں ڈالے گا اسے جہنم میں ڈالا جائے گا۔ابشار وانذار فقط جنت اور جہنم کے قصے، جنت کی خوشخبریوں یا وعدہ وعید کو نہیں کہتے بلکہ پہلے یہ انسان کی موجودہ زندگی سے متعلق ہے اور بعد میں موت کے بعد کی زندگی سے متعلق ہے۔موت کے بعد کے ابشار اور انذار کی نوبت بعد میں ہے۔انبیاءؑ ہمیں اس زندگی کے اندر ابشار اور انذار کیلئے تشریف لائے۔ذیل میں ابشار وانذار اور ان کے متعلقات سے متعلق تھوڑی وضاحت درج کرتے ہیں۔

ابشار، بشیر و مبشر

ابشار، بشیر و مبشر

ابشار یعنی مایوسی سے نکال کر اُمید کی طرف لانا، اُمت کے سامنے مقصدیت کو پیش کرنا اور اُس مقصد کو پانے کیلئے ان کی حوصلہ افزائی کرنا۔اگر اُمتوں کے حوصلے ٹوٹ جائیں اور وہ مایوس ہو جائیں تو یہ کہیں بھی نہیں پہنچ سکتیں۔

---

[1]......(مستدرک نہج البلاغہ)(بحار الانوار۔علامہ مجلسیؒ ،الجزء۶۷،صفحہ ۲۳۴)

بشیر کا معنٰی فقط خوشخبری سنانے والا نہیں ہوتا بلکہ بشیر اس شخص کو کہتے ہیں جو مایوس قوموں کو مایوسی سے نکال کر امید تک لے آئے۔ ایسا نہ ہو کہ جب حالات خراب ہو جائیں، دشمن نے محاصرہ کر لیا ہو، ہر طرف دشمن ہی دشمن ہو تو ساری قوم مایوس ہو کر ہتھیار ڈال کر بیٹھ جائے کہ ہم تو کچھ بھی نہیں کر سکتے لہٰذا اس وقت قوم کو بشیر کی ضرورت ہوتی ہے۔ بشریت کو دو خطرے ایسے لاحق ہیں جن میں بشریت ہلاک ہو جاتی ہے۔ ایک مایوسی اور ایک وہ خطرے جو سیلابی و آتش فشانی حالت رکھتے ہیں اور انسان کو ڈبو دیتے ہیں جیسے تفرقہ۔ پس بشیر یعنی مایوس قوموں کو امید کی کرن دکھانے والا، قوموں کو مایوسی کی حد تک نہ پہنچنے دینے والا اور ان کو نجات کا راستہ بتانے والا، دنیا کے اندر نجات کا راستہ بتانے والا، عزت و کرامت کا راستہ بتانے والا، اتحاد و وحدت کا راستہ بتانے والا اور کامیابی و ترقی کا راستہ بتانے والا۔

اسی طرح مبشر بشارت دینے والے کو کہتے ہیں لیکن وہ بشارت جو تفرقہ کی مشکل حل کر سکے۔ امت کا تفرقہ ہلاکت کی طرف سفر ہے۔ جس قوم کو حالات، مسائل، ظالمانہ نظام، ستم گاروں اور آمروں نے مایوس کر دیا ہو اس مایوسی کی حد تک پہنچی ہوئی قوم کو اُمید دلانے والا مبشر کہلاتا ہے۔ چونکہ مایوسی کے بعد ہلاکت ہے اور اُمید سے انسان کی نجات ہے۔

اگر ایک عام آدمی بھی مایوس ہو جائے تو اسے کوئی نجات نہیں دے سکتا۔ اگر کوئی فرد مایوس ہو جائے تو وہ خودکشی کر لیتا ہے اسی طرح اگر کوئی معاشرہ مایوس ہو جائے تو وہ بھی خودکشی کر لیتا ہے۔ اس خودکشی سے بچانے کے لئے مبشر کی ضرورت ہے۔ اگر ایک بچہ کسی مشکل امتحان میں دو مرتبہ فیل ہو کر مایوس ہو جائے کہ میں پاس نہیں ہو سکتا تو اس کو اس کو کوئی بھی پاس نہیں کرا سکتا چاہے وہ بچہ کتنا ہی ذہین کیوں نہ ہو۔ جو آدمی زندگی میں ترقی و کامیابی سے مایوس ہو چکا ہو اسے کوئی ترقی و کامیابی نہیں دلا سکتا۔ مایوسی ہلاکت ہے۔ اسی لئے قرآن مجید نے فرمایا:

قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ...... [1]

---

[1]......(سورۂ زمر، آیہ ۵۳)

کہہ دیجئے: اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا......

آدمی کتنا ہی گناہ کار و معصیت کار ہو جائے لیکن رحمتِ خدا سے مایوس نہ ہو۔ اگر قومیں مایوس ہو جائیں تو ان قوموں کو کوئی بھی نہیں بچا سکتا۔ اکثر حالات ایسے ہیں جو انسان کو نقطۂ یاس تک پہنچا دیتے ہیں مثلاً کمزوریاں، فقر، فاقہ، محرومیتیں انسان کے اندر مایوسی پیدا کر دیتی ہیں۔ مایوس انسانوں کی سوچ بھی مایوسی کی ہو جاتی ہے۔ مایوس انسان باتیں بھی مایوسی کی کرتے ہیں اور راستے بھی مایوسی کے تلاش کرتے ہیں۔ مایوسی کا آخری انجام خودکشی ہے۔ اس وقت مغربی دنیا اور یورپ میں خودکشی بہت زیادہ ہے۔ اس کی وجہ بڑی یہی ہے کہ وہاں لوگ بہت جلدی مایوس ہو جاتے ہیں کیونکہ ان کی دنیا و آخرت صرف پیسہ ہی ہے۔ جب ان پر سارے مادی راستے بند ہو جاتے ہیں تو وہ مایوسی کی حد پر جا پہنچتے ہیں۔ چونکہ ان کے اندر معنویت اور اللہ و آخرت پر ایمان نہیں ہے لہٰذا جونہی مایوس ہوتے ہیں فوراً خودکشی کر لیتے ہیں۔ آئے دن اپنے ملک میں بھی ایسے لوگ ملتے رہتے ہیں۔ مثلاً جو لوگ کوئی بڑا رسک (Risk) لے لیتے ہیں یا کاروبار شروع کرتے ہیں اور پھر اس کاروبار میں ان کو نقصان ہوتا ہے، وہ دیوالیہ ہو جاتے ہیں اور دوبارہ پاؤں پر کھڑے ہونے کی کوئی امید نظر نہیں آتی تو خودکشی کر لیتے ہیں۔ اسی طرح اگر قومیں حالات یا ظالم و ستم گار حکمرانوں کی وجہ سے مایوس ہو جائیں تو انہیں مایوسی سے نکالنا سب سے بڑا کام ہے۔

ہدایت فقط وعظ و نصیحت کا نام نہیں ہے بلکہ مایوس لوگوں کو مایوسی سے نکالنے اور ان کے اندر امید کی کرن پیدا کرنے کا نام بھی ہے۔ یعنی انہیں یہ بتانا کہ اے لوگو! اگرچہ اس وقت حالات تمہارے موافق و سازگار نہیں ہیں، اس وقت تم کسی پوزیشن میں نہیں ہو لیکن اس کے باوجود چونکہ خدا موجود ہے لہٰذا خدا پر توکل رکھتے ہوئے مایوس نہیں ہونا۔ خداوند تبارک و تعالیٰ نے بھی وعدہ دیا ہے کہ ہم تمہیں آزمائیں گے لیکن ان آزمائشوں میں کبھی یاس تک نہیں پہنچنا ورنہ تمہیں کوئی بھی نجات نہیں دے سکتا۔

......غیبت امامؑ کا فائدہ

بعض اوقات لوگ پوچھتے ہیں کہ امامِ غائب کا فائدہ کیا ہے؟ بسا اوقات جن کا ایمان نہیں ہے وہ بھی پوچھتے ہیں اور سوال کرنے میں کوئی عیب نہیں ہے۔ اگر کسی کو غیبتِ امام کا فلسفہ نہیں معلوم یا سمجھ نہیں آرہا تو اس کے ذہن میں سوال اٹھتا ہے اور جو بات سمجھ میں نہیں آتی اس کا سوال کیا جائے۔ اُمت ہزاروں مشکلات میں ہے اور امام غیبت میں تو اس امامت کا فائدہ کیا ہے؟ امامؑ اس لئے غائب نہیں ہوئے ہیں کہ کوئی ٹریولنگ ایجنسیاں بنا کر امامؑ سے ملاقات کروائے یا بعض لوگ یہ کہیں کہ جمعرات کو ہمارے ہاں آجانا ہم ملاقات کروائیں گے۔ یہ آنکھ مچولی نہیں ہے بلکہ نظامِ خدا ہے۔ سوال یہ ہے کہ امامؑ کے غائب ہونے کا کیا فائدہ ہے؟ اگر پیدا ہی نہ ہوتے تو کیا ہوتا اور اب جبکہ پیدا ہو کر غائب ہیں تو کیا فائدہ ہے؟ چونکہ اہل سنت کی اکثریت بھی مہدویت کی قائل ہے لیکن وہ یہ کہتے ہیں کہ ابھی مہدیٔ آخرالزمان پیدا نہیں ہوئے بلکہ وہ موعود ہیں۔ وہ مہدیٔ موعود کے قائل ہیں لیکن ہم مہدیٔ موجود کے قائل ہیں۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ اگر پیدا ہو چکے ہیں اور اُمت سے دور ہیں تو اس کا فائدہ کیا ہے؟

علماء نے اس کے جوابات تفصیل سے ذکر کئے ہیں۔ ان کے ساتھ ساتھ ایک جواب یہ بھی ہے کہ فائدہ وہی ہے جو قرآن نے ذکر کیا ہے کیونکہ جب امام موجود ہو اگرچہ اس سے دور ہو پھر بھی اُمت کی اُمید کا سہارا ہے۔ جس قوم کا امام موجود ہو تو اگرچہ اس تک رسائی نہ بھی ہو تو بھی یہ قوم کبھی بھی مایوس نہیں ہوتی چاہے حالات کتنے ہی دشوار ہو جائیں، کتنی ہی سختیاں آجائیں، کتنے ہی مصائب نازل ہو جائیں، کتنی ہی محرومیتیں ہو جائیں، کتنے ہی شکنجے دیئے جائیں، کتنی ہی آفتیں اور بلائیں نازل ہوں۔ جس قوم کا امام موجود ہو اور قوم کو انتظار ہو کہ وہ ایک دن ظہور کر کے اس دنیا پر عدل کی حکومت برقرار کرے گا اور اگر میں اپنے فرائض پر عمل کروں تو وہ ظہور بھی کر سکتا ہے تو وہ قوم واُمت کبھی بھی مایوس نہیں ہوتی۔ یہی اُمتوں کی بقا کا راز ہے۔

جن قوموں اور معاشروں کو زمانے کے حالات، اتفاقات، روزگار، ظالمین وستم گار مایوس کر دیں ان کو یاس سے اُمید کی طرف فقط خلیفہ وحجتِ خدا لا سکتا ہے۔ مایوسی ہلاکت ہے لہٰذا ایسی قوم کبھی بھی ہلاک نہیں ہو سکتی لیکن ایک بہت بڑا خطرہ پھر بھی موجود ہے اور وہ تفرقہ ہے۔ تفرقہ بھی ہلاک کر دیتا ہے۔ قرآن نے اس خطرے سے

آگاہ کردیا ہے لیکن ہم قرآن کی طرف کم رجوع کرتے ہیں۔ قرآن سے صرف استخارے نکال لیتے ہیں یا ثواب کے لئے مردوں پر پڑھ دیتے ہیں۔ ہمارے مرحومین جو قبرستانوں میں دفن ہیں وہ سارے اب حافظِ قرآن ہو چکے ہوں گے کیونکہ جتنا قرآن ان کی قبروں پر جا کر پڑھا گیا ہے تو اب ان سب کو حافظِ قرآن ہو جانا چاہئے۔ زندوں کو قرآن کا کچھ پتہ نہیں ہے لیکن مرحوم کے لئے آئے دن انتظام واہتمام کرتے ہیں۔ اگر قرآن کی طرف آئیں اور اسے کھول کر پڑھیں تو ہم تفرقہ کے موضوع سے غفلت نہیں کریں گے۔

منذر، انذار و نذیر

منذر عربی زبان میں ڈرانے والے کو نہیں کہتے بلکہ عرب اُس شخص کو منذر کہتے ہیں جو جنگ میں فوج کے آگے اونچی مچان پر بیٹھا ہوتا ہے اور دشمن کے لشکر کی حرکات وسکنات کو زیرِ نظر رکھ کر اپنی فوج کو مطلع کرتا ہے۔ دراصل قرآن نے فوجی اصطلاح استعمال کی ہے۔ فوج میں ایک شخص یا گروپ (Group) مچان بنا کر اگلے محاذ پر بیٹھا ہوتا ہے یا کسی چوٹی پر دوربین لے کر بیٹھا ہوتا ہے اور اُس کے پاس اسلحہ وبندوق نہیں ہوتی لیکن وہ اپنے لشکر کو دشمن کے متعلق باخبر رکھتا ہے۔ اُس کی نگاہ دشمن کی حرکات وسکنات، تعداد، اسلحوں، منصوبوں اور سازشوں پر ہوتی ہے۔ وہ گولی نہیں چلاتا اور اُس کو حق بھی نہیں ہوتا بلکہ وہ صرف اُن کو دیکھتا ہے اور اپنے لشکر کو باخبر رکھتا ہے۔ جس لشکر کے پاس یہ شعبہ نہ ہو وہ کوئی جنگ نہیں جیت سکتا چونکہ اُسے دشمن کے بارے میں کوئی خبر نہیں ہوتی۔ عموماً اس شعبہ کو او پی (OP;Observation Post) کہتے ہیں اور یہ کام انجام دینے والا وائرلیس پر اپنے لشکر کو آگاہ کرتا رہتا ہے۔ جنگ کا سارا دارومدار اسی پر ہوتا ہے۔

جو قوم دشمن کی فوج اور حرکات وسکنات سے آشنا نہ ہو وہ اپنا دفاع نہیں کر سکتی۔ اُمتوں کی حیات اس کے بغیر ممکن نہیں ہے یعنی ایسا آگاہ وبابصیرت انسان جو بالا و اعلیٰ اُفق پر بیٹھا ہو اور جو کچھ اُمت اپنے روزمرہ مسائل کی وجہ سے نہیں سمجھ سکتی وہ اُن مسائل کو بھی درک کرتا ہو۔ اسے معلوم ہو کہ اس اُمت کے دشمن کون ہیں، اُن دشمنوں کے نقشے، سازشیں اور طریقۂ واردات کیا ہے اور پھر اُمت کو اس کے بارے میں مطلع کرے۔

انبیاؑ کو خدا نے نذیر بنایا ہے۔قوموں کو چونکہ بڑے بڑے خطرات درپیش ہیں۔جن قوموں کے دشمن موجود ہوں ان کیلئے خطرے بھی موجود ہوتے ہیں اور جو دشمنوں سے غافل ہوجائیں انہیں خطروں سے کوئی بھی نہیں بچاسکتا یعنی جنہیں یہ معلوم نہ ہو کہ ہمارا مخالف لشکر کتنا بڑا ہے؟ اس کے پاس کتنا اسلحہ ہے؟ وہ کتنی تیاری کررہے ہیں؟ کیاارادہ رکھتے ہیں؟ وہ قوم اپنا دفاع نہیں کرسکتی۔اوپی کے فرائض انجام دینے والے کا کام جنت و جہنم کی باتیں کرنا نہیں ہے بلکہ وہ قوموں کو خطرے بتاتا ہے کہ تمہاری کمین گاہ میں کون سا دشمن ہے؟ اس کی نفری کتنی ہے؟اس کی تیاری کتنی ہے؟اوراب تم پروار کرنے کے لئے کیا منصوبہ بنایا ہے؟

جس قوم کا اوپی (OP) شعبہ سو جائے وہ فوج کتنی ہی طاقتور کیوں نہ ہو لیکن دشمن کی زد میں آجاتی ہے۔اس شعبہ سے تعلق رکھنے والے افراد کہتے ہیں کہ جنگ جیتنے کا آدھا دارومدار اسی شعبہ پر ہوتا ہے، آدھی جنگ یہ لڑتا ہے اور آدھی جنگ باقی لشکر لڑتا ہے۔جس قوم کی کمین میں فراوان خطرے ہوں لیکن اسے ان خطروں سے آگاہ کرنے والا کوئی موجود نہ ہو تو وہ نہ چاہتے ہوئے بھی خطروں کے دامن میں جاپڑتی ہے۔اس ملک کے ناعاقبت اندیش حکمران جو اپنے گمان کے مطابق خود کو عقلِ کُل سمجھتے ہیں انہوں نے سالہا سال کے تجربے سے بتادیا ہے کہ اُنہیں شاید دن اور رات میں بھی تمیز نہیں ہے۔یہ ان کی ناعاقبت اندیشی کا نتیجہ ہے کہ آج اس ملک کی ہر گلی میں خون بہہ رہا ہے، ہر گھر میں ماتم ہورہا ہے، ہر تیسرا بچہ یتیم ہوگیا ہے، ہر تیسری خاتون بیوہ ہونے کو ہے، ہر محلے میں بم بلاسٹ ہورہے ہیں، ہر مسجد نا امن ہوگئی ہے، ہر عبادت گاہ کا چین صلب ہوگیا ہے، کوئی شخص اس ملک کے اندر آسودہ نہیں ہے۔ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ یہ خطروں سے آگاہ کرتے نہ کہ ہمیں خطروں کی طرف دھکیل کرلے جاتے۔یہ قوم کو خطروں میں غرق کرکے اب خود بچنے کی کوشش کررہے ہیں۔پس منذر کا مطلب ہے خطروں سے آگاہ کرنے والا انسان یعنی دشمن کی چالوں اور منصوبوں سے آگاہ کرنے والا انسان جو اپنی قوم وملت کو خطروں کے مقابلے کیلئے تیار کرے اور انہیں راہ حل بتائے۔

اسی طرح انذار ڈرانے کو نہیں کہتے بلکہ ڈرانے کیلئے عربی زبان میں دوسرا لفظ استعمال ہوتا ہے۔عربی لغت میں خطروں سے آگاہ کرنے کو انذار کہتے ہیں یعنی امتوں اور قوموں کو کیا خطرے درپیش ہیں؟ اس وقت کون

ان کی کمین گاہ میں کیا بیٹھا ہوا ہے؟ ان کا دشمن کون ہے؟ اُس کی دشمنی کس نوعیت کی ہے؟ اور اُس کی چالیں و حربے کیا ہیں؟

غافل قوموں کو دشمن کے خطروں سے آگاہ کر کے راہِ حل بتانے والے کو نذیر کہتے ہیں۔ عام لوگ کو فرصت نہیں ہوتی کہ اپنے دشمن کی پیچیدہ سازشوں کو سمجھ سکیں کیونکہ روزمرہ کے مسائل انسان کو اتنا مشغول کر لیتے ہیں کہ وہ بے خبر ہو جاتا ہے حتیٰ اپنی زندگی کے مقصد و ہدف سے بے خبر ہو جاتا ہے۔ آج ملک کے اندر بجلی، گیس، آٹے چینی اور دواؤں کا بحران اور مہنگائی جان بوجھ کر پیدا کی گئی ہے تاکہ آپ روزمرہ کی مشکلات سے باہر نہ آئیں اور جو آدمی روزمرہ کی مشکلات میں ہو وہ کبھی بھی اپنے دوررس مقاصد کے بارے میں سوچتا بھی نہیں ہے چونکہ اس کو پیٹ اجازت نہیں دیتا کہ وہ کل کی سوچے۔ جس کے بچے کو اسکول کا داخلہ میسر نہ ہو، جس کو رہنے کے لئے چھت میسر نہ ہو، جس کے تن پر کپڑا نہ ہو، جو اپنی بیٹی کا عزت و آبرو کے ساتھ گھر آباد نہ کرا سکے اور اس کے ساتھ ہم اگر وحدت کی باتیں کریں، سماج کی باتیں کریں، عزت کی باتیں کریں، کرامت و شرف کی باتیں کریں تو اس کو یہ باتیں سمجھ نہیں آتیں۔ روزمرہ کی مشکلات انسان کو سب کچھ فراموش کروا دیتی ہیں اسی لئے جان بوجھ کر قوموں کو روزمرہ کی مشکلات میں رکھا جاتا ہے۔

پس جو قوم مشکلات میں گھر کر یا نعمتوں میں مست ہو کر غافل ہو جائے اور اسے دشمن کا خیال ہی نہ رہے تو اس قوم کو نذیر کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک غفلت یہ ہے کہ ہم لوگ روزمرہ کے معمولات میں غرق ہو جاتے ہیں مثلاً خواتین کی گھر میں کیا روٹین (Routine) ہوتی ہے؟! صبح اٹھنا، پکانا، کھلانا، برتن دھونا، پھر پکانا۔ کئی سال اسی طرح گزر جاتے ہیں اور اس روٹین میں کوئی فرق نہیں آتا۔ مرد حضرات ڈیوٹی یا دکان پر جاتے ہیں۔ ان کا کام صبح اٹھنا، دکان پر جانا، شام کو دکان بند کر کے پھر گھر میں آنا، گھر میں رات گزار کر صبح پھر دکان پر جانا ہوتا ہے۔ خواتین کی ساری عمر کچن میں گزر جاتی ہے اور حضرات کی ساری عمر دکان اور گھر کے درمیانی راستے میں۔ نہ ان کو کچن میں پتہ چلتا ہے کہ میرا دشمن کون ہے؟ اور نہ ان کو دکان اور گھر کے درمیان پتہ چلتا ہے کہ میرا دشمن کون ہے؟ یہ غافل ہو جاتے ہیں لہٰذا اس غفلت سے نکالنے کے لئے انہیں نذیر کی ضرورت ہوتی ہے۔

دشمن اور اس کے حربوں کی پہچان کیلئے انبیاءؑ کی تربیت

قرآن نے انبیاءؑ کو دشمن کے بارے میں آگاہ کیا ہے۔قرآن کا اصلی موضوع یہ ہے کہ ہر نبی سے فرمایا گیا کہ آپ کے مقابلے میں دشمن موجود ہے اور وہ دشمن خاموش، ساکت اور غافل نہیں ہے بلکہ آگاہ و بیدار دشمن ہے لہٰذا دشمن کے حربوں سے آگاہی اور اس سے نبرد آزما ہونے کیلئے خداوند تبارک وتعالیٰ نے انبیاءؑ کو خاص صفات سے متصف کیا۔انہیں علمِ لدنّی جیسا غیر معمولی علم عطا کیا، ان پر آسمانی کتابیں نازل کیں اور سب سے بڑھ کر عصمت جیسی عظیم فضیلت عطا کی کہ جس کی وجہ سے وہ غلطی، خطا، گناہ، بھول چوک، سہو، نسیان اور غفلت نہیں کرتے۔لیکن ان صفات سے متصف کرنے کے باوجود انبیاءؑ کیلئے عملی تربیت بھی ضروری تھی تا کہ انہیں شیطان کے ہتھکنڈوں، حیلوں، چالوں اور حربوں کا علم بھی ہو جائے۔فرشتوں کو ان سب باتوں کا علم نہ تھا چنانچہ جب خدا حضرت آدمؑ کو خلق کر رہا تھا تو انہوں نے سوال کر دیا:

أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ......[1]

کیا تو زمین میں ایسے کو خلیفہ بنائے گا جو اس میں فساد پھیلائے گا اور خون ریزی کرے گا؟......

خداوند تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

إِنِّيٓ أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ[2]

مجھے ایک ایسی بات پتہ ہے جو تمہیں نہیں معلوم۔فرشتوں کو حضرت آدمؑ کی خلقت کا راز معلوم نہیں ہو سکا۔اس وقت خداوند تبارک وتعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو علم وآگہی عطا کی،

وَعَلَّمَ ءَادَمَ الْأَسْمَآءَ كُلَّهَا......[3]

اور (اللہ نے) آدم کو تمام نام سکھا دیئے......

جتنی چیزیں آدمؑ اور نسلِ آدم کے لئے ضروری تھیں وہ سب خدا نے حضرت آدمؑ کو تعلیم دے دیں۔

---

[1]......(سورۂ بقرہ، آیہ ۳۰) [2]......(سورۂ بقرہ، آیہ ۳۰) [3]......(سورۂ بقرہ، آیہ ۳۱)

......حضرت آدمؑ کیلئے تربیتی مرحلہ

اگر چہ خداوندِ عالم نے حضرت آدمؑ کو سارے حقائق و اسماء کی تعلیم دے دی لیکن یہ تعلیم ابھی کافی نہیں تھی بلکہ ایک اور مرحلہ رہتا تھا۔ اس مرحلے کو طے کرنے کے لئے آدمؑ سے کہا کہ ہم نے آپ اور آپ کی زوجہ کیلئے ایک رہائش گاہ بنائی ہے۔

یٰآدَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُکَ الْجَنَّۃَ ......[1]

اے آدمؑ! تم اور تمہاری زوجہ جنت میں قیام کرو......

آپ کچھ دنوں کیلئے یہاں پر رہیں کیونکہ آپ کو ابھی تھوڑی سی معرفت اور چاہئے۔ پہلے مرحلے میں جو معرفت ہم نے دی ہے یہ آپ کیلئے کافی نہیں ہے۔ یہ فرشتوں کے سامنے مسجود بننے کیلئے اور فرشتوں کے تسلیم ہونے کے لئے تو کافی ہے لیکن آدم اور نسلِ آدم کے زمین پر اتر کر زندگی بسر کرنے کیلئے کافی نہیں ہے۔ کچھ صفات ایسی ہوتی ہیں کہ اگر وہ انسان کے اندر پیدا ہو جائیں تو وہ فرشتوں سے برتر ہو جاتا ہے۔ مولانا حالی نے کہا ہے:

فرشتے سے بہتر ہے انسان بننا
مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ

فرشتے سے بہتر ہے کہ انسان بنیں کیونکہ فرشتہ بننا آسان ہے۔ اگر آپ ایک خانقاہ بنالیں اور اس میں بیٹھ کر اندر اور باہر سے تالا لگا دیں کہ نہ باہر سے کوئی آئے نہ اندر سے کوئی جائے۔ نہ کوئی محرم ہو نہ نامحرم، کوئی ہو ہی نہیں جس کو آپ گالی دیں، جس پر تہمت لگائیں، جس پر بہتان باندھیں، جس کی غیبت کریں، جس کو برا بھلا کہیں تو آپ فرشتہ بن جائیں گے۔ بند کمرے میں بیٹھ کر انسان فرشتہ بن سکتا ہے لیکن انسان نہیں بن سکتا۔ انسان بننے کیلئے آپ کو معاشرے میں رہنا پڑے گا۔ انسان بننے کیلئے گھر میں بیوی بچوں کے پاس رہنا پڑے گا۔ انسان غاروں میں بیٹھ کر غیبت نہ کرنے سے فرشتہ بنتا ہے لیکن بازاروں میں رہ کر غیبت نہ کرنے سے انسان بنتا ہے۔

---

[1]......(سورۂ بقرہ، آیہ ۳۵)(سورۂ اعراف، آیہ ۱۹)

حضرت آدمؑ کیلئے تربیتی مرحلہ

چنانچہ اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا:

یٰآدَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُکَ الْجَنَّۃَ ......

اے آدمؑ! ہم نے آپؑ کیلئے ایک اور مرحلہ رکھا ہے کیونکہ آپؑ کو کچھ اور چیزیں سکھانا ضروری ہیں۔ وہ یہ کہ اس رہائش کے اندر کچھ چیزیں اچھی ہیں اور کچھ مضر ہیں۔ آپؑ کو اچھے، برے اور مضر و مفید کی تعلیم دینا بھی ضروری ہے لہٰذا کہا کہ یہاں تم دونوں جتنا مرضی ہے کھاؤ لیکن

وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ......[1]

اس درخت کے قریب نہ جانا۔ یہی معرفت دینا ضروری تھی کہ جس زمین پر جا رہے ہو وہاں ساری چیزیں اچھی نہیں ہیں بلکہ کچھ نقصان دہ چیزیں بھی ہیں۔ یہ نہ ہو کہ جو چیز بھی سبز نظر آئے اس کو کھاتے جاؤ بلکہ کچھ سبز چیزیں مضر بھی ہیں۔ چین میں کہتے ہیں کہ جو چیز رینگتی ہے وہ حلال ہوتی ہے۔ وہاں حلال ہونے کے لئے یہ ایک ہی شرط ہے، جیسے ہمارے ہاں تو جانور حلال ہونے کے لئے بہت ساری شرطیں ہیں لیکن ان کے ہاں ہر ہلنے والی چیز حلال ہے چاہے وہ ہوا سے بھی ہلتی ہو لہٰذا وہ سانپ، چوہا اور مینڈک بھی کھا جاتے ہیں۔ اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام سے کہا کہ ہر ہلنے والی چیز مفید نہیں ہے بلکہ کچھ چیزیں مضر ہیں۔ لہٰذا ہم آپ علیہ السلام کو یہاں پر یہ معرفت دینے کیلئے رکھیں گے تا کہ زمین پر تجربہ لے کر جاؤ۔

......دشمن کی پہچان ضروری امر

ایک اور ضروری معرفت آدمؑ کو اسی جگہ اور بھی درکار تھی تا کہ وہ زمین پر زندگی بسر کر سکیں اور وہ یہ تھی کہ اے آدمؑ! خیال رکھنا:

اِنَّ الشَّیْطَانَ لَکُمَا عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ۝[2]

---

[1]......(سورۂ بقرہ، آیہ ۳۵)(سورۂ اعراف، آیہ ۱۹)　[2]......(سورۂ اعراف، آیہ ۲۲)

یہ ابلیس تم دونوں کا کھلا دشمن ہے۔ہم نے تمہیں اس رہائش گاہ میں اس لئے رکھا تھا کہ زمین پر تم اکیلے نہیں ہو بلکہ تمہارا دشمن بھی موجود ہے۔ آدمؑ کی دشمن حواؑ نہیں ہیں اور حواؑ کا دشمن آدمؑ نہیں ہیں بلکہ دونوں کا ایک مشترکہ دشمن شیطان ابلیس ہے۔ اگر آدمؑ کو اس رہائش گاہ پر نہ رکھتے اور وہ زمین پر آجاتے تو شاید یہ آپس میں دشمن ہوجاتے جیسے ابھی اولادِ آدمؑ میں یہ جھگڑا شروع ہے۔ مرد کہتے ہیں کہ عورتوں نے انسان کو جنت سے نکلوایا یعنی حضرت آدمؑ کو جنابِ حواؑ نے اکسایا کہ اس درخت سے کھاؤ اور انہوں نے بھی عورت کے کہنے پر کھالیا اور پھر جنت سے نکلنا پڑا۔ یہ باتیں اگر اس وقت ہوتیں تو میاں بیوی میں جھگڑا و دشمنی ہوجاتی چونکہ خدا نے انسان کے اندر نفرت و دشمنی رکھی ہے لیکن اس لئے نہیں کہ عورتیں مردوں کی دشمن بن جائیں اور مرد عورتوں کے بلکہ یہ دشمنی اس لئے تھی تاکہ آدمؑ اور حواؑ دونوں مل کر اپنے مشترکہ دشمن سے دشمنی کریں۔

سب سے پہلے اس دشمن کی پہچان ضروری ہے۔ حضرت آدمؑ سے کہا گیا کہ ہم نے تجھے اس باغ یا اس ٹمپریری رہائش گاہ (Temporary Residence) میں اس لئے ٹھہرایا ہے تاکہ تو زمین پر رہنے کے قابل ہوجائے۔ آپ کے لئے اتنی knowledge,Awareness,Consciousness اور Wakefulness کافی نہیں ہے کہ آپ کو یہ پتہ چل جائے کہ میرا خدا کون ہے؟ ملائکہ کون ہیں؟ بلکہ زمین پر رہنے کیلئے اس سے زیادہ آگہی چاہئے۔ وہ آگہی یہ ہے کہ تجھے اپنا دشمن بھی معلوم ہونا چاہئے لہٰذا اس ٹمپریری رہائش گاہ میں رکھ کر آدمؑ کو دشمن پہچنوایا گیا کہ یہ وارد کیسے ہوتا ہے؟ واردات کیسے کرتا ہے؟ اور تجھے کہاں سے بہکائے گا؟ اسی طریقے سے اولادِ آدمؑ کو بھی دشمن سے غافل نہیں ہونا چاہئے۔

......دشمن کی پہچان سے مراد

دشمن کی پہچان کا مطلب یہ نہیں کہ ہمیں اس کا نام معلوم ہو، آدمؑ کہیں کہ پروردگار اشکر یہ ہمیں پتہ چل گیا کہ شیطان ہمارا دشمن ہے اور اس کا نام ابلیس ہے۔دشمن کی اتنی سی معرفت کافی نہیں ہے بلکہ ڈیٹیلڈ (Detailed) معرفت چاہئے۔ تفصیلی معرفت سے مراد یہ نہیں کہ ہے کہ شیطان کا جد کون تھا، اس کا نانا

کون تھا؟ جیسے بعض لوگ سوال بھی کرتے ہیں کہ شیطان کا باپ کون تھا؟ شیطان کی ماں کون تھی؟ شیطان کی بیٹیاں کتنی ہیں؟ بلکہ تفصیلی معرفت و پہچان یہ ہے کہ شیطان کا طریقۂ واردات کیا ہے؟ اس کی دشمنی کا طریقہ کیا ہے؟ اس کے پھیلائے ہوئے جال کون کون سے ہیں؟ اس کو سازشوں اور مکاریوں کا بہترین موقع کب اور کیوں ملتا ہے؟ وہ انسان کی کن کمزوریوں سے فائدہ اٹھاتا ہے؟ اس کو کامیابی کب اور کیوں نصیب ہو جاتی ہے؟

......شیطان کا طریقۂ واردات

اللہ کو یہ بھی بتانا مقصود تھا کہ ابلیس تمہارا دشمن ہے اور یہ بھی کہ ابلیس دشمنی کرتا کیسے ہے؟ اس نے حضرت آدم علیہ السلام سے کہا کہ مجھے اس باغ کے اندر ایک ایسا درخت معلوم ہے کہ اگر تم وہ درخت کھالو تو تمہیں کبھی بھی موت نہیں آئے گی۔ ہر انسان کے اندر یہ آرزو ہوتی ہے کہ میں کبھی نہ مروں حتیٰ موت کے وقت بھی آرزو ہوتی ہے کہ نہ مروں۔ جو چیز اٹل ہے انسان اسی سے بھاگتا ہے۔ شیطان انسانی خواہشات کے دروازے پر بیٹھا ہوتا ہے۔ اسے پتہ چل گیا ہے کہ میری اور آپ کی خواہش کیا ہے؟ وہ انسانوں کو خواہشوں سے پکڑ کر اپنے راستوں پر ڈال دیتا ہے۔ آدمؑ کے اندر یہ خواہش موجود تھی کہ مجھے موت نہ آئے اور شیطان نے یہ خواہش پڑھ لی۔

فَأَزَلَّهُمَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا فَأَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ ......[1]

پس شیطان نے ان دونوں کو وہاں سے پھسلا دیا پھر جس (نعمت) میں وہ دونوں قیام پذیر تھے اس سے نکلوا دیا......

شیطان نے دونوں کو بہکا دیا۔ یہی تجربہ کروانا مقصود تھا کہ شیطان اور آدمؑ کی مڈھ بھیڑ اور ملاقات ہو جائے۔ شیطان تو آدمؑ کو پہچانتا ہی ہے لیکن حضرت آدمؑ بھی شیطان کو پہچان لیں۔ ایک دفعہ دشمن کی دشمنی کا مزہ چکھ لیں تا کہ پتہ چل جائے کہ یہ کتنا زہریلا اور خطرناک دشمن ہے۔

---

[1]......(سورۃ بقرہ، آیہ ٣٦)
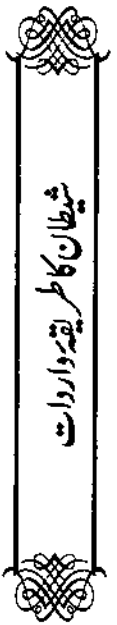
اولادِ آدم ہو یا خودِ آدمؑ یہ معرفت ضروری ہے کہ کون دشمن ہے؟ اور اس کا طریقۂ واردات کیا ہے؟ خدا نے انبیاءؑ کو انہی کاموں کے لئے مبعوث کیا کہ یہ انسان جو فطری وحدت سے ہٹ کر تفرقے میں جا پڑا ہے اسے تفرقہ سے دوبارہ وحدتِ دینی، وحدتِ الٰہی اور وحدتِ آسمانی کی طرف لاتا ہے۔

تیاری بقدر کام کی نوعیت و اہمیت

بشریت کی نجات کیلئے انبیاءؑ کی صورت میں جو عظیم تیاری انجام پائی اس کی نوعیت سے اس کام کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ انسانیت کو کتنا عظیم خطرہ درپیش ہے۔ اس تیاری کی اہمیت کا اندازہ اس مثال سے لگا سکتے ہیں کہ ہم کسی نہ کسی کام کے لئے مختلف افراد کو مارکیٹ بھیجتے رہتے ہیں مثلاً کسی کو سبزی خریدنے کے لئے، کسی کو گوشت خریدنے کے لئے، کسی کو الیکٹرک کی چیز خریدنے کے لئے لیکن بعض کام ایسے ہیں جن کے لئے ہم بچے بھی بھیج دیتے ہیں مثلاً انڈے یا ٹماٹر خریدنے کیلئے بچے کو بھی بھیج دیتے ہیں۔ حالانکہ بچوں میں غلطی و خطا کا احتمال ہوتا ہے کہ ممکن ہے وہ کھیل میں لگ جائیں لیکن ہم اتنی پرواہ نہیں کرتے کیونکہ انڈے یا ٹماٹر کی اتنی اہمیت نہیں ہے کہ اس کیلئے ہم کسی خاص آدمی کو تیار کر کے بھیجیں۔ اسی طرح کچھ کام ایسے ہیں جن کے لئے آپ کسی اَن پڑھ آدمی کو بھی بھیج دیتے ہیں کہ مارکیٹ سے فلاں چیز خرید کر لے آؤ اور وہ لے بھی آتا ہے۔ اَن پڑھ ہونے کی وجہ سے بسا اوقات اس سے خطا و غلطی بھی ہو جاتی ہے۔

لیکن اگر آپ نے کسی آدمی کو اعلیٰ پوسٹ کیلئے باہر ملک بھیجنا ہے تو اس کے لئے پہلے اس کو خاص تعلیم دیتے ہیں، خاص صلاحیت پیدا کرنے کیلئے اس کی تربیت کرتے ہیں مثلاً پہلے اسے پی ایچ ڈی کراتے ہیں پھر کسی اعلیٰ ادارے میں لے جاتے ہیں۔ جیسے آج کل سائنس کا زمانہ ہے اور آئے دن سائنسدان خلاء اور چاند پر جا رہے ہیں لیکن آیا جو لوگ پیاز، ٹماٹر خریدنے جاتے ہیں انہیں چاند یا کسی سیارے پر تحقیق کیلئے بھیجا جا سکتا ہے؟!

اگر ہم نے کسی بچے کو چاند پر بھیجنا ہے تو پہلے اس بچے کو سائنس و ٹیکنالوجی کے علوم پڑھائیں گے، بہت ساری مہارتیں سکھائیں گے اور ممکن ہے اس میں بیس سال لگ جائیں پھر اس کے بعد آپ اس کو ماموریت پر بھیج

سکتے ہیں۔ یہ تیاری بتاتی ہے کہ اب آپ اس کو معمولی دکان پر نہیں بھیج رہے بلکہ زمین سے باہر کسی بڑے کام کے لئے بھیج رہے ہیں۔ لہٰذا تیاریاں دیکھ کر ذہن میں سوال اٹھتا ہے کہ کیوں اور کس لئے اتنی بڑی تیاری ہو رہی ہے؟!

چنانچہ جب فرشتوں نے خدا سے سوال کیا کہ اے پروردگار! آدمؑ کو بنانے کا مقصد کیا تھا؟ اسے کیوں پیدا کیا؟! پروردگارا! پہلے تو ہم یہ پوچھ رہے تھے کہ انسان کیوں بنا رہا ہے لیکن اب انسانوں میں بھی یہ خاص شخصیات کیوں بنا رہا ہے؟ جو خطائیں، غلطیاں، گناہ اور بھول چوک نہ کریں بلکہ معصوم ہوں اور ہر قسم کے نقص اور عیب سے بری ہوں۔ ایسی ہستیوں کو کس کے لئے بنا رہا ہے؟ اور کون سی ماموریت ان کے ذمہ لگائی جا رہی ہے؟ تو خداوند تبارک وتعالیٰ نے جواب دیا: جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔

میں اس لئے ان خاص شخصیات کو تیار کر رہا ہوں، ان کو اپنا مخصوص علم دے رہا ہوں، ان میں عصمت و فضائل پیدا کر رہا ہوں، ان میں جرأت، شجاعت و دلیری ڈال رہا ہوں کیونکہ ان سے وہ کام لینا ہے جو فرشتے انجام نہیں دے سکتے۔ وہ کون سا کام ہے؟ وہ کام اس نسل کو ہلاکت سے نجات دلانا ہے کہ جس نسل کو میں نے اپنا نائب و خلیفہ بنا کر زمین پر بھیجا تھا وہ اپنے ہاتھوں سے خود کو ہلاک کر رہی ہے لہٰذا اس کو نجات دلانے کیلئے ان شخصیات کی ضرورت ہے۔

میڈیا کا کام، خناسیت صبح و شام

ہم سمجھتے ہیں کہ ہمیں فقط بارشوں، سیلابوں، طوفانوں، زلزلوں، جراثیموں اور بیماریوں کا خطرہ درپیش ہے لیکن خدا حضرت آدم علیہ السلام کو خلق کرنے کے بعد فرماتا ہے کہ اے آدمؑ! تیرے لئے بڑا خطرہ شیطان ہے:

اِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ٥

یہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے اور تمہیں رسوا کر دے گا۔ یہ فقط تیری جان کا دشمن نہیں بلکہ ایمان کا بھی دشمن ہے یعنی دُنیا و آخرت کا دشمن ہے۔

ان خطروں سے ہمیں کون آگاہ کرے گا؟ اگرچہ میڈیا کے مالکان کا دعویٰ یہ ہے کہ ہم نے یہ

میڈیا بشریت کو آگاہ کرنے کیلئے بنایا ہے کیونکہ آگاہی حقِ بشر ہے۔ لیکن درحقیقت یہ آگاہی نہیں بلکہ قرآن کے مطابق خناسیت کا کام انجام دے رہے ہیں۔ ہمیں اس خناس سے خدا کی پناہ مانگنی چاہئے کیونکہ پیامبر اکرم ﷺ معصوم عن الخطاء ہیں لیکن اس کے باوجود خدا نے انہیں حکم دیا کہ

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ o مَلِكِ النَّاسِ o اِلٰهِ النَّاسِ o مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ o

اے نبیؐ! اپنے پروردگار کے پاس خناس کے شر سے پناہ لیں۔ خناس کون ہے؟

الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ o

جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے۔ اس کا تعلق دونوں گروہوں سے ہے۔

مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ o

ہم فقط جن اور ابلیس کے خناس کو خطرہ گردانتے ہیں لیکن یہ دو ٹانگوں اور الٹی کھوپڑی والا خناس ابلیس سے زیادہ خطرناک ہے۔ اس وقت میڈیا نے وسوسے ڈالنے، اُمتوں کو بہکانے، حق کے اوپر پردہ ڈالنے، ظالموں اور آمروں کے کاموں کی توجیح پیش کرنے اور مظلوموں کا حق ظالموں کو دینے کا رول (Role) اپنایا ہوا ہے۔ یہ درحقیقت خناس کا رول ہے۔ اس لئے خدا نے میڈیا کے بجائے انبیاءؑ کو مبلغ دین بنایا کہ جو جھوٹ نہیں بولتے، غلط بیانی نہیں کرتے، تکذیب نہیں کرتے، اپنے مفادات کو نظر میں نہیں رکھتے اور فتنہ ساز پروپیگنڈہ نہیں کرتے بلکہ فقط خدا کی خاطر تبلیغ دین کرتے ہیں اور لوگوں کو اصلی خطروں سے آگاہ کرتے ہیں۔ میڈیا ہمیں مصنوعی خطرے بنا کر بنا کر ڈراتا ہے۔ دور کی چیزوں کو نزدیک اور نزدیک کی چیزوں کو دور کر کے دکھاتا ہے۔ نان ایشوز کو ایشوز بنا کر پیش کرتا ہے۔ فقط آٹا، چینی اور پٹرولیم کو اصلی خطرہ ظاہر کر کے پیش کرتا ہے کہ جس سے امت کانپ رہی ہے۔ اگر خداوند تبارک و تعالیٰ امتوں کو آگاہ کرنے کیلئے منذر کا اہتمام نہ کرتا تو دشمن اُن کی بے خبری اور غفلت سے فائدہ اُٹھا کر انہیں نابود کر دیتا۔

زمانۂ غیبت میں منذر کی ضرورت

جب رسول موجود ہوتو وہ قوموں کو خطروں سے آگاہ کرتا ہے۔ جب رسول نہ ہوں تو امامِ منصوص من اللہ کا کام بھی یہی ہے۔ اگر معصوم پردۂ غیبت میں چلا جائے اور یہ کہہ کر جائے کہ آپ خدا سے شکوہ کرو،

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَشْكُوْا اِلَيْكَ فَقْدَ نَبِيِّنَا وَغَيْبَةَ وَلِيِّنَا......[1]

اے پروردگار امشکل آپڑی ہے، مشکل یہ ہے کہ تیرا نبی جو نذیر تھا، خطروں سے آگاہ کرنے والا تھا وہ آج موجود نہیں ہے اور اے پروردگار رسولؐ کے بعد جو تو نے سلسلۂ ولایت وامامت برقرار کیا تھا اس کی آخری کڑی تیری حکمت ودانائی اور تیرے رمز سے پردۂ غیبت میں ہے، آج ہمارے دشمن موجود ہیں لہٰذا ہم کیا کریں؟ آیا غیبتِ کبریٰ کے زمانے میں بشیر ونذیر کی ضرورت نہیں ہے؟ آج بھی ضرورت ہے۔ رسول کا فریضہ ہے کہ اپنے بعد اُمت کو اپنے حال پر چھوڑ کر نہ جائیں چونکہ یہی تو جھگڑا ہے کہ کچھ مسلمان کہتے ہیں رسولؐ اُمت کو اپنے حال پر چھوڑ کر چلے گئے۔ امامیہ کہتے ہیں کہ یہ رسولؐ کے لئے ممکن نہیں ہے کہ اُمت کو اپنے حال پر چھوڑ کر چلے جائیں۔

جب موسیٰ علیہ السلام چالیس دن کے لئے پردۂ غیبت میں گئے تو اپنے بعد ہارون کو چھوڑ کر گئے لیکن وہ جو بارہ سوسال سے پردۂ غیبت میں ہے کیا اُمت کو اپنے حال پر چھوڑ کر چلا گیا ہے؟! وہ اپنے حال پر چھوڑ کر نہیں گئے بلکہ اُمت کے لئے سرپرست ورہبر مقرر کر کے گئے ہیں اور اس کی شرائط بتا کر گئے ہیں۔ رہبر کی شرائط میں ہے کہ وہ اُمت کو مایوسی سے بھی نکال سکتا ہو اور خطروں سے بھی آگاہ کر سکتا ہو۔ الحمدللہ آج اُمتِ مسلمہ کو اور بالخصوص تشیع کو خداوند تبارک وتعالیٰ نے یہ نعمت دی ہے۔ افسوس کی بات تو یہ ہے کہ امت نے رحلتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نہ جانشینِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قدر دانی کی اور نہ ہی غیبتِ کبریٰ کے بعد جن کو امامؑ چھوڑ کر گئے ان کی قدر دانی کی۔

---

[1]......(اقبال الأعمال)(البلد الأمين-آية الله الشيخ ابراهيم بن على العاملى الكفعميؒ)(جمال الأسبوع)(مصباح المتهجد)

رہبرِ انقلاب آیۃ اللہ خامنہ ای مدظلہ منذرِ عصرِ حاضر

انبیاءؑ اپنے زمانوں میں اپنا عہد نبھا کر گئے پھر اُن کے جانشین اپنا عہد نبھا کر چلے گئے لیکن آج زمانۂ غیبتِ امامؑ میں اُمتِ مسلمہ کو ضرورت ہے کہ کوئی آگاہ و بابصیرت انسان ہو جو اس قوم کو خطروں سے آگاہ کرے۔ آج الحمدللہ خداوند تبارک وتعالیٰ نے عصرِ غیبتِ کبریٰ میں اُمتِ مسلمہ کے اوپر اپنی نعمت تمام کردی ہے اور رہبرِ معظم حضرت آیۃ اللہ خامنہ ای مدظلہ کی صورت میں ہمیں ایک منذر عطا کیا ہے جس نے پوری اُمتِ مسلمہ کو مخاطب کر کے کہا کہ اس وقت اُمتِ مسلمہ کے بارے میں استکباریت و شیطانی طاقتوں کا مشترکہ پلان یہ ہے کہ ان کے اندر تفرقہ کو ہوا دے کر انہیں نابود کیا جائے۔ پہلے استعماری تفکر تھا کہ ہم خود جا کر اپنے ہاتھوں سے اس اُمت کو ہلاک کریں لیکن اُس تفکر کے بارے میں وہ خود کہتے ہیں کہ اس سے ہمارے فوجیوں کا نقصان بھی ہوتا ہے، ہماری گولیاں بھی ضائع ہوتی ہیں، ہمارا ٹائم بھی ویسٹ ہوتا ہے اور ہمیں مشکلات بھی پیش آتی ہیں لہٰذا اب ان کا تفکر یہ ہے کہ ہم وہی مقاصد حاصل کریں لیکن ہمارا پائی پیسے کا بھی کوئی نقصان نہ ہو۔ اس مقصد کے حصول کیلئے انہوں نے بہترین طریقہ تفرقہ چنا ہے کہ اس اُمت کی کمزوریوں سے فائدہ اُٹھایا جائے، مذہبی اختلافات اُمتِ مسلمہ کی کمزوری ہیں لہٰذا ان اختلافات کو ہوا دے کر تفرقہ بنانا چاہیے۔

آج جبکہ سارے مل بیٹھ کر فقط اپنی شخصیت، اپنی ذات، اپنے کنویں اور اپنے محدود حلقہ کے اندر دبے ہوئے سوچ رہے ہیں ایسے حالات میں یہ رہبر اپنی آفاقی نگاہوں کے ذریعہ اس اُمت کو بیدار بھی کر رہا ہے اور متحد ہونے کیلئے بھی بار بار کہہ رہا ہے۔ یہ امت کی امید بھی بڑھا رہا ہے اور دشمن کی کمین میں بیٹھے ہوئے خطرے سے بھی آگاہ کر رہا ہے کہ اس وقت دشمن کا ناپاک ترین حربہ امت کو تفرقہ میں مبتلا کر کے نابود کرنا ہے۔

......رہبر اور میئر کا فرق

امت کو رہبر اسی لئے چاہیے کہ وہ بیرونی خطرات کا مشاہدہ کرے اور امت کو ان کی گزند سے محفوظ رکھے۔ رہبر اور میئر میں فرق ہوتا ہے۔ میئر کا کام شہر کا نظم ونسق سنبھالنا، ٹریفک کا نظام ٹھیک کرنا اور شہر میں صفائی

کرواتا ہے۔ اس کام کیلئے ایڈمنسٹریشن (Administration) کی ضرورت ہوتی ہے لیکن خداوند تبارک وتعالٰی نے جہاں پر ہمیں حکم دیا ہی کہ آپ اپنے لئے ایڈمنسٹریٹر رکھیں وہاں ایک رہبر کی ضرورت پر بھی زور دیا ہے۔امت بغیر امام کے نہیں چل سکتی چونکہ امام اُمت کی بصیرت اور دماغ ودل ہوتا ہے۔رہبر وہ نہیں ہوتا جو اُمت کے دوش پر بوجھ بنا ہوا ہو بلکہ رہبر وہ ہوتا ہے جو اُمت کو نجات کے راستے بتائے اور نجات عطا کرے۔رہبر کی شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ جو چیزیں اُمت کو صاف نظر نہیں آتیں وہ اُس کو نظر آرہی ہوتی ہیں۔

مقصدِ بعثتِ انبیاءؑ کی حفاظت

پس قرآنِ مجید کے مطابق وحدت مقصدِ بعثتِ نبوت ورسالت ہے لہٰذا ایامِ ولادتِ انبیاءؑ اور بالخصوص سرورِ انبیاء واشرف الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ایامِ ولادت کیلئے بہترین عنوان ''وحدتِ امت'' ہے۔خداوند تبارک وتعالٰی نے تمام انبیاءؑ کو مبشر ومنذر بنا کر بھیجا ہے اور خصوصیت کے ساتھ ذاتِ گرامی پیامبر اکرم ﷺ کیلئے بشیر ونذیر کی صفت ذکر کی ہے چونکہ امت کو تفرقہ اور نزاع کی وجہ سے نابودی وہلاکت کا بہت بڑا خطرہ درپیش ہے۔پیغمبر اکرم ﷺ ہمیں خطروں سے بھی آگاہ کر گئے اور ہمارے اندر امید کی کرن بھی زندہ کر گئے۔آج سب سے بڑی امید یہی ہے کہ ہم پیغمبر ﷺ، آلِ پیغمبرؑ اور قرآن سے متمسک رہیں۔جب تک مسلمانوں کے پاس یہ متاع ہے انہیں کوئی نہیں مٹا سکتا۔ہمیں چاہئے کہ وحدت جو مقصدِ بعثتِ انبیاءؑ ہے اس کا ہر حال میں دفاع کریں کیونکہ وقتی طور پر ہمارے بعض بے خبر، نادان اور بیوقوف افراد دشمن کی چال میں آ کر اپنی قوم کے اندر تفرقہ ڈالتے ہیں اور دوسروں کے مقدسات کی توہین کرتے ہیں۔دشمن نے سیکھ لیا ہے کہ جب مسلمان مسلمان کے مقدسات کی توہین کرتا ہے تو میں ان سب کے مشترک مقدسات کی توہین کروں گا جس سے شیعہ وسنی نہیں بلکہ پوری اُمتِ مسلمہ کا دل جلے گا لہٰذا اس نے رسول اللہ ﷺ اور قرآن کی توہین کی۔

جس محفل ومجلس میں فقط ہدیۂ عقیدت ہی پیش نہ ہو بلکہ مقصدِ بعثت نبوت بھی بیان ہو رہا ہو اور اس پر عملاً اقدام ہو رہا ہو تو یہ مقصدِ رسالت اور اس کی حفاظت کا ایک عملی تجسم ہے۔پیامبر اکرم ﷺ کو سب سے زیادہ خوشی و

سرور اُس وقت حاصل ہوتی ہے کہ جب وہ اپنی نبوت ورسالت، اپنی آلؑ کی قربانیوں، صحابہؓ کی جانفشانیوں اور اپنی عمر بھر کی زحمتوں ومحنتوں کا نتیجہ عملی ہوتا دیکھتے ہیں لیکن جس مجلس ومحفل میں رسالت ونبوت کی زحمتوں کو پائمال ہوتا دیکھیں تو اگر چہ ہدیہ عقیدت فراوان پیش کیا جائے لیکن یہ قلب نورانیٔ پیغمبر اکرم ﷺ کیلئے سب سے زیادہ پریشانی کا باعث ہے لہٰذا جس جگہ بھی رسولِ اکرم ﷺ کی مناسبت سے مجلس ومحفل منعقد کی جائے وہاں اسلامی وحدت کو مدنظر رکھیں کیونکہ وحدت مقصدِ بعثتِ انبیاءؑ ہے۔ تفرقہ انبیاءؑ کی محنتوں کو پائمال کرنے کا سبب بنتا ہے لہٰذا پہلے ہمیں تفرقہ اور کے نقصانات واسباب کے تفصیلی جائزے کی ضرورت ہے تا کہ اس کا سدِ باب کیا جاسکے۔ انشاءاللہ آئندہ فصل میں تفرقہ اور کے نقصانات واسباب کو تفصیل سے بیان کیا جائے گا۔

فصل پنجم:

تفرقہ

اور اس کے

نقصانات و اسباب

وحدتِ الٰہی فرقہ بازوں کے نشانہ پر

قرآنِ کریم میں خداوند تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ إِلَّا الَّذِيْنَ أُوْتُوْهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهٖ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝[1]

(فطری اعتبار سے) سارے انسان ایک امت تھے (ان میں اختلاف رونما ہوا) تو اللہ نے انبیاء علیہم السلام کو مبشرین و منذرین بنا کر بھیجا اور ان کے ساتھ برحق کتاب نازل کی تا کہ لوگوں کے اختلافات کا فیصلہ کریں اور اصل اختلاف صرف بغاوت وتعدی کی بناء پر انہی لوگوں نے کیا جنہیں کتاب دی گئی تھی حالانکہ ان کے پاس صریح نشانیاں آچکی تھیں......

یہ آیہ ایک بہت اہم نکتہ کو آگے بڑھاتی ہے کہ بعد میں ایک ایسا طبقہ پیدا ہوا جو اس آسمانی وحدت کو توڑنے میں مشغول ہوگیا۔ یہ سرمایہ دار طبقہ نہیں تھا کہ جو طبقاتیت کی وجہ سے انسان کی فطری وحدت کو تقسیم کر رہا تھا بلکہ قرآن نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ تھے جنہیں کتاب کا تھوڑا بہت علم تھا مثلاً تورات وانجیل کا علم تھا۔ یعنی وہ آسمانی کتابیں جو خدا نے کسی قوم کے انبیاء علیہم السلام پر اتاریں اور کی تعلیمات کے نتیجہ میں جو وحدت برقرار ہوئی اس طبقہ نے اُس میں انتشار و تفرقہ ایجاد کرنا شروع کیا۔ اسی طرح جن کو قرآن کا تھوڑا بہت علم ہے وہ جان بوجھ کر اس کی تعلیمات کو توڑ مروڑ کر پیش کرتے ہیں، کتاب کے اندر تحریف کرتے ہیں، کتاب کی حقیقتوں کو چھپاتے ہیں، کتاب

---

[1]......(سورۂ بقرہ، آیہ ۲۱۳)

کی تعلیمات کو اپنے مقام سے ہٹا کر اپنی دلخواہ اور خود پسند باتوں پر منتہی کرتے ہیں۔ بعض لوگ اپنے ہاتھوں سے کچھ چیزیں لکھ کر کہتے ہیں کہ یہ خدا کی جانب سے ہیں۔ قرآن نے اُن پر لعنت بھی کی ہے اور ''ویل'' بھی بھیجی ہے۔ ''ویل'' یعنی مردہ باد۔ یہ نفرینِ قرآن ہے جسے ہم اپنی زبان میں بددُعا کہتے ہیں۔ یہ وہ چیزیں ہیں جو علماءِ دین کے طبقہ نے پیدا کیں یعنی بظاہر تو عالمِ دین کہلاتے ہیں کہ ان کو کتاب اور دینی منابع کا علم ہے لیکن درحقیقت دین سمجھ کر اُس پر عمل نہیں کرتے یا دین کی تبلیغ نہیں کرتے بلکہ دین کو اختلاف کا ذریعہ قرار دیتے ہیں۔ یعنی انبیاءؑ کے آنے کے بعد لوگوں میں اختلاف ختم ہوا اور لوگ پھر اُمتِ واحدہ بن گئے لیکن پھر ایک اور گروہ پیدا ہوا جنہوں نے اس سے بھی بدتر کام کیا اور وہ یہ کہ وہ دین، شریعت اور آسمانی کتابیں جو لوگوں میں تفرقہ ختم کرنے کیلئے آئی تھیں خود ان کتابوں اور دین کے اندر تفرقہ ڈال دیا۔

وحدتِ الٰہی کو توڑنے کی وجہ

انسانوں کی شکل میں کچھ شیاطین ایسے موجود ہیں خود دین کے اندر تفرقہ ڈال دیتے ہیں، جو مذہب کو تفرقہ کی وجہ بنا دیتے ہیں، جو آسمانی کتابوں اور شریعت کے اندر تفرقہ ڈال دیتے ہیں اور یہ اُن شیطانوں سے بڑے ہیں جو فطری مشترکات کے اندر تفرقہ ڈالتے ہیں۔ قرآن نے ان تفرقہ ڈالنے والے لوگوں کا تعارف کراتے ہوئے کہا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں زیغ، گمراہی اور ناپاکی ہے۔ سورۂ بقرہ کی آیہ ۲۱۳ کے ضمن میں خداوند تبارک وتعالیٰ نے یہ مطلب بھی بیان فرمایا کہ ہر نبی کے بعد دوبارہ اس آئینی، اسلامی اور الٰہی وحدت کو پارہ پارہ کرنے والے عوامل و اسباب پیدا ہوجاتے تھے کیونکہ انسانی تقسیم سے فرعون ونمرود جیسے ظالموں کو مفادات حاصل ہورہے تھے لہٰذا وہ انبیاءؑ کی کوششوں کو تحمل نہیں کرسکتے تھے۔ جب بھی کتاب خدا اور شریعت اہل ایمان کے اندر وحدت برقرار کرنے کیلئے آتی تھی تو کچھ لوگ اس کتاب، دین اور وحدت کے منشور کے اندر اختلاف و تفرقہ شروع کردیتے تھے۔ قرآن نے مختلف مقامات پر ان کے اختلاف وتفرقہ ڈالنے کے قبیح عمل کی نشاندہی کی ہے جن میں سے چند یہ ہیں:

وَمَا اخۡتَلَفَ فِيۡهِ اِلَّا الَّذِيۡنَ اُوۡتُوۡهُ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَتۡهُمُ الۡبَيِّنٰتُ بَغۡيًاۢ بَيۡنَهُمۡ......[1]

اور اصل اختلاف صرف بغاوت وتعدی کی بناء پر انہی لوگوں نے کیا جنہیں کتاب دی گئی تھی حالانکہ ان کے پاس صریح نشانیاں آچکی تھیں......

فَمَا اخۡتَلَفُوۡۤا اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَهُمُ الۡعِلۡمُ بَغۡيًاۢ بَيۡنَهُمۡ......[2]

پھر ان لوگوں نے علم آنے کے بعد آپس کی ضد میں اختلاف کیا......

وَلٰكِنِ اخۡتَلَفُوۡا......[3]

لیکن ان لوگوں نے اختلاف کیا......

وَمَا تَفَرَّقُوۡۤا اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَهُمُ الۡعِلۡمُ بَغۡيًاۢ بَيۡنَهُمۡ......[4]

اور یہ لوگ ان کے پاس علم آنے کے بعد صرف آپس کی سرکشی کی وجہ سے تفرقے کا شکار ہوئے......

قرآن نے اس کی علت ذکر کی کہ وہ لوگ محض طغیان، بغاوت، سرکشی، خواہشات، گمراہی اور ہویٰ وہوس کی وجہ سے اس وحدت کو دوبارہ پارہ پارہ کر دیتے تھے۔ انہوں نے فتنہ وفساد کی خاطر دین وشریعت کو دستاویز تفرقہ قرار دیا۔ یہ تفرقہ وہی ڈال سکتے ہیں جن کا سروکار آسمانی کتاب اور دین سے ہے۔ جو بظاہر متولیِ دین بن کر، دینی ٹائٹل چڑھا کر دین وکتابِ آسمانی میں تفرقہ ڈال رہے ہیں اور دین کی بنیاد پر لوگوں کو تقسیم کر رہے ہیں۔ اس طرح یہ مقصدِ بعثتِ انبیاء علیہم السلام یعنی وحدت کو نابود کر رہے ہیں۔ اس وجہ سے قرآن مجید نے تفرقہ کو حرام قرار دیا ہے اور تفرقہ ڈالنے والوں کی سخت ترین سرزنش کی ہے۔

انتظام و اهتمام سے خطرہ کی شدت کا اندازہ

لوگوں کے اندر ایک بہت بڑی مشکل جسے قرآن اور تاریخ نے بار بار ذکر کیا ہے وہ یہی تفرقہ اور

---

[1]......(سورۂ بقرہ، آیہ ۲۱۳) [2]......(سورۂ جاثیہ، آیہ ۱۷) [3]......(سورۂ بقرہ، آیہ ۲۵۳) [4]......(سورۂ شوریٰ، آیہ ۱۴)

اختلاف ہے۔ یہ مشکل اگر چہ کبھی کبھار سر اٹھاتی ہے لیکن انسانیت کیلئے بڑی خوفناک، تباہ کن، ویران گر اور ہلاک کرنے والی مشکل ہے۔ یہ اتنی ہلاک کنندہ اور ویران گر مشکل ہے کہ خداوند تبارک وتعالیٰ نے انسانوں کو اس مشکل سے نکالنے کے لئے شدید اہتمام کیا۔ بعض اوقات انتظامات واہتمامات سے یہ اندازہ بخوبی ہوجاتا ہے کہ مشکل کس درجہ کی ہے۔

اگر ہم کسی ایسے علاقے میں جائیں جہاں بہت بڑی سطح اور بہت بڑے پیمانے پر تیاریاں ہو رہی ہوں، لوگ جمع ہو رہے ہوں، پیسہ جمع ہو رہا ہو، بڑی تعداد میں گاڑیاں جمع ہو رہی ہوں، حفاظتی اقدامات بہت وسیع پیمانے پر انجام پا رہے ہوں تو یہاں پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ دیکھ کر ہی انسان کو اندازہ ہوجاتا ہے کہ اس شہر کے لوگوں کو ایک بہت بڑی مشکل کا سامنا ہے جس سے بچنے کیلئے اتنی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ اسی طرح خداوند تبارک وتعالیٰ نے انسان کو نجات دینے کے لئے جو اہتمام واقدامات کئے ہیں ان تیاریوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ مشکل کتنی بڑی ہے؟! کتنا بڑا بحران انسان کے دامن گیر ہونے والا ہے؟! کتنی بڑی مشکل اژدھے کی طرح منہ کھولے انسان کی طرف آرہی ہے اور اسے نگلنے کے لئے تیار ہے؟! مشکل کا آتش فشاں بشریت کو پگھلانے کیلئے پھٹنے والا ہے۔ انسانیت کی نجات کے لئے خداوند تبارک وتعالیٰ کی تیاریوں سے پتہ چلتا ہے کہ خطرہ کتنا عظیم ہے؟ اور کتنی بڑی مشکل آن پڑی ہے؟

تفرقہ، ہلاکت کا گڑھا

قرآن نے اس مشکل کو انہی الفاظ میں بیان کیا ہے:

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا...... [1]

---

[1]......(سورۂ آلِ عمران، آیہ ۱۰۳)

اور تم اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اللہ نے تمہارے دلوں میں اُلفت ڈالی اور اس کی نعمت سے تم آپس میں بھائی بھائی بن گئے، تم آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ گئے تھے کہ اللہ نے تمہیں اس سے بچالیا......

جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو خدا نے اپنے فضل و کرم سے تمہارے اندر الفت، مودت، محبت اور اخوت پیدا کی۔ یہ وہ ماحول تھا کہ جب تم ہلاکت کے گڑھے کے بالکل دہانے پر پہنچ چکے تھے۔

تفرقہ، ہلاکت کا گڑھا

پہاڑی علاقہ کے لوگ اس قرآنی مثال کو آسانی سے سمجھ سکتے ہیں کہ اگر انسان چٹان کے اوپر چلتا جائے اور آگے جا کر کئی سوفٹ گہرے درے، کھائی یا گڑھے میں گر جائے تو اس کی ہڈیاں چکنا چور ہو جائیں لیکن عین اس وقت کہ جب وہ گرنے کے قریب ہو کوئی اس کا ہاتھ تھام کر بچالے تو اس انسان کو بچانے والے کی رحمت و فضل کا احسان مند ہونا پڑے گا۔ بسا اوقات بچے کھیلتے کھیلتے چھت کے کنارے یا کسی ایسی جگہ چلے جاتے ہیں جو اتنی خطرناک ہوتی ہے کہ اگر ایک قدم آگے بڑھائیں تو نیچے جا گریں لیکن عین اسی وقت کوئی ان کا ہاتھ تھام کر نجات دے دیتا ہے تو یہ نعمت ہے۔ قرآن فرماتا ہے کہ یاد کرو تم جب تم ہلاکت، جہنم، بربادی و تباہی کے بالکل دہانے پر جا پہنچے تھے کہ ایک قدم اور اٹھاتے تو تباہ و ہلاک ہو جاتے لیکن وہیں پر خدا نے تمہیں تھام لیا اور نجات دی۔ وہ ہلاکت کا گڑھا تفرقہ تھا۔

قرآن مجید کی یہ آیت رسول اکرم ﷺ کی ہجرت سے قبل مدینہ کے حالات کے بارے میں ہے۔ یہ مدینہ کا نقشہ تھا کہ لوگ ہلاک کر دینے والی آتش فشاں کے بالکل دہانے پر جا پہنچے تھے۔ اس حد تک پہنچانے والی چیز کا نام تفرقہ تھا اور وہ نعمتِ عظمیٰ جو خداوند تبارک و تعالیٰ نے پیغمبرِ اکرم ﷺ کے ذریعہ ان مسلمین کے اوپر نازل فرمائی وحدت، اتحاد، الفت و اخوت تھی کہ جس کے ذریعہ انہیں نجات ملی۔ مدینہ میں اوس و خزرج نامی دو قبیلے آباد تھے اور ان میں تفرقہ پڑ گیا تھا جس کے نتیجہ میں یہ سالہا سال سے جنگ میں پھنک رہے تھے لیکن خداوند تبارک و تعالیٰ نے پیغمبر اکرم ﷺ کے ذریعہ ان کو نجات دی۔ بیمار ہو جانا، فقیر ہو جانا، وباء پھیل جانا، زلزلہ و سیلاب آ جانا اتنی بڑی مشکل نہیں ہے جتنی بڑی آفت تفرقہ ہے۔ چونکہ سیلابوں، زلزلوں اور بھوک سے بچانے کے لئے پروردگار

نے اتنا عظیم اہتمام نہیں کیا جتنا بڑا انتظام انسانوں کو تفرقہ سے نکالنے کے لئے کیا۔ ہمارے لئے بزرگوں نے بچوں یا بڑوں کے لئے جو کہانیاں اور چھوٹے چھوٹے افسانے لکھے ان کے اندر بھی یہی تعلیم دی ہے کہ تفرقہ انسان کو ہلاک کر دیتا ہے۔ تفرقہ سے ہلاک ہونا ایک مانی ہوئی مسلم چیز ہے۔

اختلاف اور تفرقہ میں فرق

البتہ اختلاف اور تفرقہ میں فرق ہے۔ اختلاف کا مطلب یہ ہے کہ میں اور آپ الگ الگ سوچتے ہیں، میری اور آپ کی رائے الگ الگ ہے۔ آراء کے مختلف ہونے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ جب خدا نے ہمیں سوچ کی صلاحیت الگ الگ دی ہے تو سوچ بھی الگ الگ ہوسکتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں اختلاف کی وضاحت یوں کی جاسکتی ہے کہ جس چیز پر کسی کا ایمان ہے وہ اس کے لئے محترم اور جس چیز پر کسی اور کا ایمان ہے وہ اس کے لئے محترم۔ وہ اس کی اعتقادی چیز کو نہ چھیڑے اور یہ اس کی اعتقادی چیز کو نہ چھیڑے، یہ اپنے مذہب کی تبلیغ کرے اور وہ اپنے مذہب کی تبلیغ کرے، یہ اپنے اولیاء کی پیروی کرے اور وہ اپنے اولیاء کی پیروی کرے، یہ جس کی ثناء کرتا ہے اس کو اس کی ثناء کرنے دو اور وہ جس کی ثناء کرتا ہے اسے اس کی ثناء کرنے دو۔ یعنی ایک فرقے کا اپنا نظریہ ہے اور دوسرے کا اپنا لہٰذا ان کیلئے ان کا نظریہ محترم اور ہمارے لئے ہمارا نظریہ محترم، ہمارا کام ان کے نظریئے پر حملہ کرنا نہیں ہے اور ان کا کام ہمارے نظریئے پر حملہ کرنا نہیں ہے۔ ان کا کام اپنے نظریئے پر عمل کرنا ہے اور ہمارا کام اپنے نظریئے پر عمل کرنا ہے۔ میرا یہ فریضہ ہے کہ میں اپنے مذہب کی تبلیغ کروں اور اس کا فریضہ ہے کہ وہ اپنے مذہب کی تبلیغ کرے۔ میں اس کے مقدسات کی بے حرمتی نہ کروں اور وہ میرے مقدسات کی بے حرمتی نہ کرے۔

سوچ اور نظریہ کا مختلف ہونا تفرقہ نہیں ہے بلکہ اس اختلاف کو دشمنی میں ڈھالنا، عداوت میں تبدیل کرنا، لڑائی جھگڑے میں بدلنا اور اختلاف کو ذریعہ قرار دے کر ایک دوسرے کی جان سے کھیلنا تفرقہ ہے۔ اگر ہمیں ایک ہی طرح سوچنا ہوتا تو اللہ ایک بندہ کو ذہن دے دیتا اور باقی سب کو بھیڑ، بکریوں کی طرح بنا دیتا کہ تمہارا کام

سوچنا نہیں ہے۔لیکن جب اللہ نے فرد فرد کو عقل دی ہے تو سوچنے اور فکر کرنے کیلئے دی ہے۔فکر کے مرحلہ میں ہر ایک اپنے اپنے طریقہ سے سوچتا ہے اور اس کا لازمی نتیجہ سوچ کا اختلاف ہے۔

اختلاف، صحیح رائے کے انتخاب میں معاون

لیکن سوچ کے اس اختلاف کو کوڑا و تازیانہ نہیں بنانا چاہئے بلکہ اختلاف درست راستوں کی تلاش، درست مقاصد کی نشاندہی اور غلط راستوں سے بچنے کیلئے ایک بہترین ذریعہ ہوتا ہے۔ایک آدمی کی سوچ میں بہت ساری خامیوں کا امکان رہ جاتا ہے لیکن دو آدمی مل کر سوچیں تو بیشک الگ الگ سوچ رہے ہوں لیکن دونوں کی سوچ ایک آدمی کی سوچ سے بہتر ہے۔اسی طرح جتنی تعداد بڑھتی جائے گی اتنے ہی افکار بڑھتے جائیں گے اور پھر انسان آسانی سے ان سارے افکار و آراء میں سے بہترین فکر منتخب کرسکتا ہے۔

مثلاً فرض کریں کہ ایک شخص کسی علاقہ میں اپنی سوچ کے مطابق لوگوں کی فلاح و بہبود کیلئے ویلفیئر کا کوئی کام کرنا چاہتا ہے لیکن ممکن ہے کہ وہ کوئی ایسا کام کردے جو اس علاقے کی بنیادی ضرورت نہ ہو جیسا کہ کچھ لوگ خدمتِ خلق کیلئے سینما بنادیتے ہیں یا کیبل نیٹورک شروع کردیتے ہیں اور پھر خوش بھی ہوتے ہیں کہ ہم نے مخلوق کیلئے کوئی خدمت انجام دی ہے درحالیکہ شاید یہاں پینے کا پانی، اسپتال یا تعلیم کی سہولتیں میسر نہ ہوں۔ایسے نمونے موجود ہیں مثلاً بعض اوقات ایک باشکوہ بلڈنگ بنی ہوئی نظر آتی ہے جو بیت المال سے بنی ہوتی ہے۔جب پوچھا جاتا ہے کہ یہ کیوں بنائی گئی تو جواب ملتا ہے کہ کسی نے سوچا تھا کہ یہاں یہ عمارت بننی چاہئے لہٰذا بنادی۔لیکن یہ عمارت قوم، معاشرے اور دین و مذہب کے کسی کام نہیں آتی کیونکہ خام افکار ہمیشہ خام ہوتے ہیں۔اگر مشورہ لیا جائے تو ہر آدمی اپنی الگ رائے دیتا ہے مثلاً ہر ایک اپنی اپنی سوچ کے مطابق یہاں پر اسپتال، اسکول، کنواں، روڈ، مسجد اور امام بارگاہ بنوانے کا مشورہ دے گا لیکن اس کے بعد انسان اس قابل ہوجاتا ہے کہ ان متفرق آراء میں سے بہترین رائے کو منتخب کرکے اُس پر عمل کرلے۔پس اختلاف رائے ایک اچھی چیز ہے بشرطیکہ اُس اختلاف رائے سے انسان ایک اچھی رائے تک پہنچے۔

مذاهب و اختلاف لازم و ملزوم

اختلاف مذاہب کالازمہ و جز ولاینفک ہے کیونکہ جہاں پر علم ہوگا مختلف آراء اور مختلف سوچیں ہوں گی وہاں اختلاف یقینی بات ہے۔اختلاف رائے کی حد تک اختلاف سے روکا نہیں گیا ہے بلکہ وہی اختلاف حق تک پہنچنے کا بہترین ذریعہ ہوتا ہے کہ انسان متعدد آراء میں سے بہترین رائے کا انتخاب کرے۔اسی مقصد کے شاہد کیلئے خداوند تعالیٰ کا حکم ہے کہ

فَبَشِّرْ عِبَادِ٥ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ أَحْسَنَهٗ أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ هَدَاهُمُ اللّٰهُ وَأُولٰئِكَ هُمْ أُولُوا الْأَلْبَابِ٥[1]

پس آپ میرے ان بندوں کو بشارت دے دیجئے۔جو بات کو سنا کرتے ہیں اور اس میں سے بہتر کی پیروی کرتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی ہے اور یہی صاحبانِ عقل ہیں۔

پس قرآن کے مطابق بہترین بندے وہ ہیں جو ہر قول سنتے ہیں لیکن ہر ایک کی اتباع نہیں کرتے بلکہ اُن ساری باتوں کو سننے کے بعد بہترین بات کا انتخاب کرتے ہیں۔بہترین بندے وہ نہیں ہیں جو بھیڑ چال چلتے ہیں۔جن کی سوچ پر کوئی انسان قدغن لگا دے اور کہے کہ اگر اس بارے میں سوچا بھی تو دین سے خارج ہوجائے گا مثلاً دو مختلف فرقوں کے لوگ آپس میں مل کر بیٹھیں تو بعض متعصب اور تنگ نظر مولوی فوراً فتویٰ دیتے ہیں کہ نکاح باطل ہو گیا ہے۔

ایک معنٰی کے مطابق کہا گیا ہے کہ ظاہر ہے بہترین کا انتخاب اُس صورت میں ہوتا ہے جب انسان بہت ساری باتیں سنے اور مختلف آراء موجود ہوں لہٰذا اس اختلاف میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ روایت میں بھی ہے کہ

إِخْتِلَافُ أُمَّتِيْ رَحْمَةٌ......[2]

مذاہب و اختلاف لازم و ملزوم

---

[1]......(سورۂ زمر، آیہ ۱۸-۱۷) [2]......(وسائل الشیعة، المولف : الفقیه المُحَدِّث الشیخ مُحمّد بن الحسن الحُر العاملیؒ، الجزء ۲۷، صفحه ۱۴۱)(أحكام القرآن، المؤلف: على بن محمد بن على، أبو الحسن الطبرى، الملقب بعماد الدين، المعروف بالكيا الهراسى الشافعى)

اس کا ایک معنٰی یہی کیا گیا ہے کہ اس طرح انسان مختلف آراء وتجاویز سے اصلی رائے یا حق کی رائے کو سن سکتا ہے۔ لیکن جب حق واضح ہو جائے تو اُس کے بعد اختلاف کا حق نہیں دیا گیا بلکہ اُس اختلاف کی مذمت کی گئی ہے۔ لیکن مسلمانوں نے اپنے اعتقادی وفروعی اختلاف سے ''احسن القول'' ڈھونڈنے کے بجائے اس اختلاف کو اپنا نکتۂ کمزور بنا کر دشمن کے ہاتھ میں دے دیا اور دشمنِ دین نے اختلاف کو اختلاف نہیں رہنے دیا بلکہ اُسے تفرقہ میں بدل دیا۔ اُس نے اس اختلاف کو ہوا دی اور تیل چھڑک کر دیا سلائی جلائی۔ اب اس تفرقہ کی آگ کو لگانے والے اور جلنے والے دونوں مسلمان ہیں۔ پہلے وہ خود آتے تھے اور گولی اُن کی ہوتی تھی لاش مسلمان کی لیکن آج گولی بھی مسلمان کی ہے اور لاش بھی مسلمان کی، قاتل بھی مسلمان اور مقتول بھی مسلمان ہے، نقصان کرنے والے اور نقصان اٹھانے والے دونوں مسلمان ہیں اور فائدہ دشمنِ اسلام اٹھا رہا ہے کہ جو تمام مذاہب کا مشترکہ دشمن ہے۔ جس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ وہ نہ شیعہ کا دوست ہے نہ سنی کا بلکہ دونوں کا مشترکہ دشمن ہے۔

اختلاف مذہب کا اندرونی مسئلہ ہے اور یہ دشمن کی طرف سے نہیں ہے۔ جہاں بھی ذہن، سوچ، تفکر، تدبر، رائے ہوگی وہاں نظر اور بصر میں اختلاف ہوگا لیکن اس اختلاف کو تفرقہ بنانا، دشمنی میں ڈھالنا، عداوت میں تبدیل کر دینا اور آگ روشن کر کے اس الاؤ میں تمام مسلمین اور مختلف فرقوں کو جلانا دشمن کا منصوبہ ہے۔ دشمن نے اختلاف کو ہوا دے کر اس سے شعلے بھڑکائے ہیں اور اس بھڑکتی آگ کا نام تفرقہ ہے۔

آمریت اور اس کا طریقۂ کار

حقیقت یہی ہے کہ بہترین رائے انسان کو مختلف آراء سے ملتی ہے اور جہاں ایک ہی رائے ہو تو یہ استبداد، آمریت اور ڈکٹیٹر شپ ہے۔ آمریت انسان کو کبھی بھی نتیجہ تک نہیں پہنچاتی ہے۔ پاکستان کے لوگوں نے آمریت کا مزہ چکھا ہوا ہے۔ آمریت نے نعرے لگائے تھے کہ اس ملک کو تیسری دُنیا سے نکال کر پہلی دُنیا میں لا کر کھڑا کریں گے۔ پہلے درجہ کی دُنیا یعنی ترقی یافتہ دُنیا، دوسری دُنیا یعنی ترقی پذیر دُنیا اور تھرڈ ورلڈ یعنی نہ ترقی یافتہ نہ ترقی پذیر۔ ان کا دعویٰ تھا کہ ہم پاکستان کو جاپان بنائیں گے یعنی پاکستان کو تیسری دُنیا سے نکال کر پہلی دُنیا میں

لے جائیں گے۔ جب پاکستان تیسری دُنیا کا حصہ تھا تو یہاں روٹی، بجلی، گیس ملتی تھی لیکن جب اس کو پہلی دُنیا میں لائے تو نہ آٹا ملتا ہے نہ بجلی وگیس موجود ہے۔ اگر اسی فارمولہ سے اسے پہلی دُنیا میں داخل کرنا تھا تو یہ قوم کب کی کھمبوں اور تاروں کو بیچ کر پہلی دُنیا کا حصہ بن چکی ہوتی۔ جس طرح امریکہ نے اعلان کیا تھا کہ ہم افغانستان کو ترقی دیں گے اور اتنی ترقی دیں گے کہ اسے جاپان بنا دیں گے۔ پھر اُس کے بعد اسے جاپان بنانا شروع کیا۔ اس کے بعد پاکستانی حکمرانوں کو شوق ہوا تو انہوں نے کہا کہ روٹ کے لحاظ سے افغانستان بعد میں آتا ہے اور پاکستان پہلے آتا ہے لہٰذا افغانستان سے پہلے ہمارا جاپان بنادو! جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب یہاں کوئی چیز میسر نہیں ہے۔

بھیڑ چال اور اندھی تقلید انسان کے شایانِ شان نہیں ہے۔ قرآن نہ سوچنے والوں اور فکر و تدبر نہ کرنے والوں کی سخت مذمت کرتا ہے۔ بعض جگہ پر کہا یہ لوگ سوچتے کیوں نہیں؟! یہ فکر کیوں نہیں کرتے؟! اور کہیں یہ فرمایا کہ

لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا أُولٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُوْنَ ۝ [1]

ان کے پاس دل ہیں مگر سمجھتے نہیں ہیں اور آنکھیں ہیں مگر دیکھتے نہیں ہیں اور کان ہیں مگر سنتے نہیں ہیں، یہ چوپایوں جیسے ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں اور یہی لوگ اصل میں غافل ہیں۔

چونکہ جانور بھی نہیں سوچتا اس لئے پست ہے لیکن جنہیں خدا نے عقل وخرد اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیت دی ہے وہ بھی نہ سوچیں تو ایسے لوگ یقیناً جانوروں اور مویشیوں سے پست تر ہیں۔

آمریت اور اس کا طریقۂ کار

آمریت کے طریقۂ کار کی وضاحت اردو کے دو محاوروں سے ہوتی ہے۔ یہ محاورہ کثرت سے استعمال ہوتا ہے کہ میری بات پتھر پر لکیر ہے۔ آمریت یہ کرتی ہے کہ ایک لائن کھینچ دیتی ہے اور اُمت سے کہتی ہے کہ آپ لکیر کے فقیر ہیں اور لکیر ہم نے کھینچ دی ہے۔ اُمت بھی لکیر کا فقیر بن کر اپنے لئے اعزاز سمجھتی ہے حالانکہ خدا نے

---

[1] ...... (سورۂ اعراف، آیہ ۱۷۹)

اسے عقل وخرد اور سوچنے سمجھنے کی صلاحیت دی ہے اور موجودات پر شرف، برتری اور کرامت عطا کی ہے لہٰذا اُس شرف وبرتری کا خیال رکھتے ہوئے انسان عقل، درایت، ہوش اور فراست سے کام لے تاکہ اچھے اور برے کی تمیز کر سکے اور حق وباطل کو پہچان کر بہترین راستہ تلاش کر سکے۔

عقل کے ہوتے ہوئے اختلاف کا بے ضرر ہونا

اختلاف صرف مذاہب میں موجود نہیں ہے بلکہ دفاتر، کاروبار، بزنس پارٹنرز، ٹیچرز، میاں بیوی، دو بھائیوں، باپ بیٹوں اور زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے افراد کے درمیان موجود ہے لیکن یہ اختلاف گھروں، دفاتر اور بزنس کو کیوں تباہ نہیں کرتا؟ اس لئے کہ عقلمندوں کے اندر اختلاف ہے۔ عقل ہوتے ہوئے اگر اختلاف ہو پھر کسی چیز کی پرواہ نہیں ہوتی۔ عظیم فیلسوف ونابغۂ روزگار انسان ابن سینا کا کہنا تھا کہ مجھے گائے سے بہت ڈر لگتا ہے کیونکہ خدا نے اس کو سینگ دیئے ہیں عقل نہیں دی۔ یعنی اس کو یہ نہیں پتہ کہ ان سینگوں کو کہاں استعمال کرنا ہے اس لئے گائے بہت ڈراؤنی چیز ہے۔

اہل فارس کے اندر ایک ضرب المثل موجود ہے کہ اگر دو عاقل ایک دھاگہ پکڑ کر سو سال کھڑے رہیں تو یہ دھاگہ کبھی بھی نہیں ٹوٹے گا بلکہ اگر ایک عاقل اور ایک بیوقوف ہو تو بھی نہیں ٹوٹے گا۔ یہ دھاگہ اسی وقت ٹوٹتا ہے جب دونوں بیوقوف ہوں۔ اگر دونوں عاقل ہوں گے تو دھاگہ نہیں کھینچیں گے، اگر ایک عاقل اور ایک بیوقوف ہو تو بیوقوف کھینچے گا لیکن عاقل ڈھیل دے گا، اس کا مقابلہ نہیں کرے گا اور انتقام نہیں لے گا، لیکن وہ دھاگہ ٹوٹ جاتا ہے جب دونوں بیوقوف ہوں۔ اس مثال کو اگر گھر پر پرکھیں تو جس گھر میں دو عقلمند بھائی رہتے ہوں وہاں اختلاف کے باوجود جھگڑا نہیں ہوگا، نفرت وکدورت نہیں ہوگی اور وہ گھر کبھی بھی تقسیم نہیں ہوگا۔ اگر ایک بھائی عاقل ہو اور دوسرا بیوقوف تو بھی ایسا ہی ہوگا کیونکہ عقل مند اپنی عقلمندی کی وجہ سے اس کی بیوقوفی کی تلافی کر دیتا ہے لیکن جھگڑا اُس وقت ہوتا ہے جب دونوں بیوقوف ہوتے ہیں۔

اختلاف اور تفرقہ کی گھریلو مثال

اختلاف اور تفرقہ کے فرق کو اس مثال کے ذریعہ بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ دو بھائیوں کا آپس میں اختلاف ہوسکتا ہے لیکن عموماً جب گھر میں کوئی نا عاقبت اندیش و نافہم عورت آجاتی ہے تو وہ سمجھ جاتی ہے کہ ان دو بھائیوں میں کسی مسئلہ پر اختلاف ہے اور پھر اس اختلاف کو تفرقہ بنا دیتی ہے یعنی وہ دو بھائیوں کو آپس میں دشمن بنا دیتی ہے اور ایک گھر کو آگ لگا دیتی ہے۔ اس کے برعکس باپ کو بھی پتہ ہے کہ میرے دونوں بیٹوں میں اختلاف ہے لیکن وہ کہتا ہے کہ اپنی اختلافی چیز کو اپنی حد تک رکھو اور اسے ہوا نہ دو، اختلاف کو تفرقہ نہ بناؤ بلکہ آپ میں اگر ایک چیز میں اختلاف ہے تو ہزار چیزوں میں اتفاق بھی ہے، وہ ہزاروں چیزیں تمہیں اُخوت کی طرف بلاتی ہیں اور یہ ایک چیز تمہیں تفرقہ کی طرف بلاتی ہے لہٰذا اخوت کا راستہ اپناؤ۔ یہ دشمن کی مہارت ہے کہ اگر اس کے ہاتھ میں کسی کی کمزوری آجائے تو وہ اس کو تفرقہ بنا دیتا ہے۔

اختلاف کی بجائے اشتراک پر توجہ

ایسے افراد، شخصیات، اہل سخن، اہل قلم واہلِ منبر پائے جاتے ہیں کہ جن کا کام فقط اس اختلاف کو تفرقہ بنانا ہے۔ یہ باقاعدہ عملی مہارت ہے۔ جہاں سوچ، دلیل، بات، بحث اور گفتگو ہے وہاں اختلاف بھی ہے۔ ایک گھر کے اندر دو بھائیوں کے اندر اختلاف موجود ہے، اگر دو پارٹنرز بزنس کر رہے ہیں تو ان کے اندر اختلاف موجود ہے لیکن ان میں اتنا شعور اور عقل موجود ہے کہ وہ اپنے اختلاف کو تفرقہ نہیں بننے دیتے۔ وہ ایک دوسرے کے دشمن نہیں ہوجاتے بلکہ اس اختلاف کو دلیل یا کسی بھی کے ذریعہ سے حل کرتے ہیں اور اگر حل نہ نکلے تو ہو تو کم از کم یہ طے کر لیتے ہیں کہ ہم نے اس اختلاف پر بات نہیں کرنی اور اس کو ہوا نہیں دینی۔

سنی و شیعہ کے درمیان دس فیصد اختلاف ہے تو نوے فیصد اشتراک بھی ہے کہ جس میں کوئی اختلاف نہیں۔ کیا خدا ایک نہیں ہے؟ کیا رسولؐ ایک نہیں ہے؟ کیا کتاب ایک نہیں ہے؟ کیا قبلہ ایک نہیں ہے؟ کیا قیامت پر اعتقاد ایک نہیں ہے؟ ہماری ہر چیز ایک ہے اور اگر فروع یا اصول کے جزوی اختلاف کو ہم قبول نہیں کر سکتے تو کم

ازکم اس اختلاف کو اپنے اندرونی حلقے کے اندر محدود کیا جا سکتا ہے اور جب آپس میں مل بیٹھیں تو اشتراک کی بات کریں۔اس وقت دنیا کو اندازہ ہو جائے گا کہ مسلمان کتنی بڑی پاور(Power) ہیں۔

جو شخص جس مذہب ورائے کو دلیل و برہان کے ذریعہ حق سمجھتا ہے اُس پر عمل کرے لیکن اسے دوسرے کے اوپر نہ ٹھونسے۔آپ کا کام یہ نہیں کہ اپنے مقدسات پر اس وقت اعتقاد رکھیں کہ جب دوسرے کے مقدسات پر کیچڑ اچھالیں گے۔قرآن کا کہنا ہے کہ کسی کے جھوٹے بت کو گالی مت دو ورنہ وہ تمہارے سچے خدا کو گالی دے گا۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ......[1]

اور اللہ کو چھوڑ کر جنہیں یہ پکارتے ہیں انہیں برا نہ کہو، مبادا وہ عداوت اور نادانی میں اللہ کو برا کہنے لگیں......

اور اگر میں نے کسی کے جھوٹے خدا کو گالی دی اور میری وجہ سے اس نے میرے سچے خدا کو گالی دی تو اس گالی دینے کا ذمہ دار میں بھی ہوں۔اگر آپ کسی کے مقدسات کو چھیڑیں اور جواباً وہ آپ کے مقدسات کی بے حرمتی کرے تو اس گناہ میں آپ بھی شامل ہیں۔ہم نہ ہی کسی کے مقدسات کی توہین کرنے کا حق رکھتے ہیں اور نہ ہی توہین کروانے کا حق رکھتے ہیں، نہ ڈائریکٹ (Direct) توہین کریں اور نہ ان ڈائریکٹ (Indirect) توہین کریں۔اگر آپ کسی کی گاڑی کا شیشہ توڑیں گے تو وہ لازماً آپ کی گاڑی کا شیشہ توڑے گا۔یہ شیشہ آپ نے خود تڑوایا ہے کیونکہ اگر آپ اس کو نہ مارتے تو وہ بھی آپ کو نہ مارتا۔

آتش گیر اختلاف مسلمانوں کی کمزوری

آج تک تفرقہ کا جتنا نقصان و خسارہ تشیع نے برداشت کیا ہے اتنا کسی اور نے برداشت نہیں کیا خصوصاً پاکستان میں اس کی جڑیں راسخ ہیں۔جیسے شیطان کو حضرت آدمؑ کی خواہش کا علم تھا لہٰذا اسی سے آکر پکڑا کہ اے

[1]......(سورۂ انعام،آیہ ۱۰۸)

آدمؑ! میں آپ کو ایسا درخت بتاتا ہوں جو کھا کر تم کبھی بھی نہیں مرو گے۔ یعنی دشمن قوموں کی کمزوریاں پکڑتا ہے۔ مسلمانوں کے اندر اختلاف ان کی کمزوری ہے۔ البتہ یہ اختلاف اگر اختلاف کی حد تک رہے تو مشکل نہیں ہے۔ اگر سب اپنے اپنے مذہب پر رہیں تو کوئی مشکل نہیں ہے جیسے ساری دنیا میں شیعہ اور سنی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ایران میں شیعہ اور سنی رہ رہے ہیں، وہاں شیعہ اپنے مذہب پر عمل کرتا ہے اور سنی اپنے مذہب پر عمل کرتا ہے۔ لیکن یہ اختلاف جب دشمن کے ہاتھ آ جائے تو پھر وہ اس اختلاف سے آگ پیدا کرتا ہے۔

اختلاف ماچس کی طرح ہوتا ہے۔ اگر یہ ماچس بچوں کے ہاتھ چڑھ جائے تو وہ گھر کو آگ لگا سکتے ہیں کیونکہ نادان ہیں لیکن یہی دیا سلائی اگر دشمن کے ہاتھ لگ جائے تو وہ اس سے پوری امت کو بھسم کر سکتا ہے۔ اختلاف کو تفرقہ میں بدلنے کیلئے غیر ملکی ایجنٹ دیا سلائی کا کام کرتے ہیں مثلاً کچھ عرصہ پہلے امریکی سفیر نیگرو پونٹے نے پاکستان آ کر یہی کام انجام دیا تھا۔ بی بی سی کے مطابق یہ وہ منحوس ڈپلومیٹ ہے کہ اگر یہ سرسبز اور لہلاتے چمن میں قدم رکھے تو اُس کو خشک بیابان میں تبدیل کر دیتا ہے۔ بی بی سی مسلمانوں کا ریڈیو یا سائٹ نہیں ہے بلکہ استعماری سائٹ ہے لیکن اس منحوس کی نحوست اُن پر بھی واضح تھی مثلاً ویت نام اور دیگر ممالک جا کر اس نے یہی کام کیا۔ اختلاف کمزوری ہے اور اس کمزوری کو دشمن نے سمجھ کر تفرقہ میں بدل دیا ہے لیکن آج پاکستان میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ فقط مذہبی اختلاف نہیں ہے۔

اسی طرح اختلاف خشک لکڑیوں کی مانند ہے۔ یہ خشک لکڑیاں اگر ہفتوں، مہینوں، سالوں بلکہ صدیوں تک بھی پڑی رہیں تو کوئی حادثہ رونما نہیں ہوتا لیکن اگر انہی خشک لکڑیوں کے اوپر تیل چھڑک کر دیا سلائی جلا دیں تو آگ کا بہت بڑا شعلہ بلند ہوتا ہے۔ دشمن جانتا ہے کہ ان کی مسجدیں، جمعے، امام بارگاہیں، خطیب، علماء اور فرقے سب ایک دوسرے کے خلاف ہیں لہٰذا دشمن نے یہی کام کیا کہ اختلاف جو خشک لکڑی کی طرح تھا اس پر تیل بھی چھڑکا اور آگ بھی دکھائی اور انہی شعلوں میں آج مسلمان جل رہا ہے یعنی ایندھن بھی مسلمان ہے اور اس میں جلنے والا بھی مسلمان ہے۔

آج مسلمان ایک ارب سے زیادہ جمعیت ہونے کے باوجود رسوائی اور ذلت کے ساتھ شیطانی اور

آتشِ گیر اختلاف مسلمانوں کی کمزوری

طاغوتی طاقتوں کے ہاتھوں یرغمال بنے ہوئے غلامی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ مسلمانوں کی زبوں حالی میں سب سے زیادہ حصہ اسی تفرقہ اور آپس کے اختلافات کا ہے۔ آج فلسطینی مسلمان ہو یا عراقی، لبنانی ہوں یا افغانی، کشمیری یا دنیا کے کسی بھی حصے میں آباد ہوں، جو کچھ برداشت کر رہے ہیں اور ان پر جو کچھ بیت رہا ہے وہ مسلمانوں کے اندر اختلاف اور تفرقہ کا نتیجہ ہے۔ دشمنانِ اسلام ہمیشہ سے مسلمانوں کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھاتے آئے ہیں اور آج پوری وقاحت کے ساتھ اسلام کے خلاف نئی صلیبی جنگ کا اعلان کر چکے ہیں۔ اسلام کا چار جانب سے محاصرہ ہو چکا ہے۔ ایک طرف سے صلیبی لشکر نے مسلمان ممالک پر چڑھائی اور قبضہ شروع کر دیا ہے تو دوسری طرف سے مسلمانوں کے مقدسات کی بے حرمتی زور و شور سے جاری ہے۔ سیکولرازم اور لیبرلرازم کے نام سے لادینیت کو مسلم معاشروں میں ٹھونسنے کی کوشش ہو رہی ہے اور سب سے بڑھ کر مسلمانوں کے اندر موجود اختلافات سے فائدہ اٹھا کر انہیں ایک دوسرے کے خلاف منحوس جنگ میں جھونک دیا ہے۔

تفرقہ کے مختلف پہلوؤں کے جائزے کی ضرورت

لہٰذا ہمیں تفرقہ کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ جو چیز امت کے دھڑے کو کاٹ دے اور امت کے حصے بخرے کر دے وہ تفرقہ ہے۔ فقہی لحاظ سے تمام مذاہبِ اسلامی کے نزدیک تفرقہ حرام ہے چونکہ نصِ قرآنی موجود ہے۔ اہلِ سنت کے فقہاء اس بات پر صراحت کرتے ہیں کہ تفرقہ حرام ہے اور شیعہ مجتہدین میں سے بھی آج تک کوئی مجتہد ایسا پیدا نہیں ہوا جس نے فقہی لحاظ سے تفرقہ کو جائز قرار دیا ہو بلکہ سب نے اسے حرام قرار دیا ہے۔

تفرقہ اخلاقی لحاظ سے بھی قبیح ہے اور قرآن، حدیث، سیرتِ رسول ﷺ، سیرتِ ائمہ طاہرین علیہم السلام اور سیرتِ اولیاء اللہ کے عمل میں بھی تفرقہ ممنوع ہے۔ معلوم نہیں کہ شیطان نے اولادِ آدمؑ کے لئے یہ ممنوعہ شجرہ کس طرح اتنا گوارہ بنا دیا ہے۔ شیطان نے خود کہا ہے کہ جو چیزیں اللہ نے حرام قرار دی ہیں میں انہیں تزئین و آرائش کے ساتھ بنا سنوار کر انسان کے سامنے پیش کروں گا۔

لَأُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَلَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ ۱

ان بندوں کے لئے زمین میں ساز وسامان آراستہ کروں گا اور سب کو اکھٹا گمراہ کروں گا۔

آج شیطان اور اس کے چیلے چپانڈے تفرقہ کو ہمارے لئے مزیّن کر کے پیش کرتے ہیں جس کی وجہ سے ہم ان کی طرف کھنچے چلے جاتے ہیں۔ اس طرح شیطان اُمت کو ٹکڑوں میں بانٹ دیتا ہے۔ آج ساری دنیا اپنے اپنے اہداف کے راستوں پر گامزن ہے لیکن ہم آپس میں دست وگریبان ہیں۔ تفرقہ نے امت کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا ہے اور اگر صرف اس کے نقصانات کا جائزہ لیا جائے تو یہ چشمِ غافل کو بیدار کرنے کیلئے کافی ہوگا۔

تفرقہ، شجرۂ ممنوعہ

شیطان نے حضرت آدمؑ کو جس طریقہ کی مدد سے نقصان پہنچایا تھا وہ قرآن مجید میں موجود ہے اور یہ آیہ کم وبیش سبھی نے پڑھی اور سنی ہوئی ہے کہ خداوند تبارک وتعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو اپنی حکمت کے تحت زمین پر اتارنے سے پہلے ایک باغ میں یا جس کو قرآن نے جنت تعبیر کیا ہے اس میں کچھ دن کے لئے رکھا۔ اب وہ باغ ہو یا جنت لیکن حضرتِ آدمؑ وحوّاؑ کو اللہ نے یہ حکم دیا کہ آپ اس جگہ سکونت اختیار کریں۔

يَآدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ ۲

اے آدمؑ! تم اور تمہاری زوجہ جنت میں قیام کرو......

یہاں ہم نے طرح طرح کے بڑے میٹھے پھل پیدا کئے ہیں ان سب سے استفادہ کرو،

وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا......۳

جتنا چاہتے ہو جی بھر کر کھاؤ۔ یہاں ہم نے آپ کیلئے بہت ساری چیزیں پیدا کی ہیں لہٰذا ان سے جتنا

۱......(سورۂ حجر، آیہ ۳۹) ۲......(سورۂ بقرہ، آیہ ۳۵)(سورۂ اعراف، آیہ ۱۹) ۳......(سورۂ بقرہ، آیہ ۳۵)

مرضی استفادہ کریں لیکن خیال رکھنا کہ اس درخت کے قریب نہ جانا،

وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ......۱

یہ ممنوعہ ہے اور اگر تم نے اس درخت کو چھو بھی لیا تو

فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ......۲

تم دونوں ظالمین میں شمار ہو جاؤ گے۔ حضرتِ آدمؑ کیلئے سارا باغ کھلا چھوڑ دیا گیا اور انہیں اجازت دے دی گئی لیکن ایک درخت ممنوع قرار دیا گیا۔ خدا کا فرمان تھا کہ اگر اس درخت کے قریب گئے تو ایسا نقصان اُٹھاؤ گے کہ جس کی کوئی تلافی نہیں کر سکو گے۔ لیکن شیطان کے بہکانے کے نتیجہ میں حضرتِ آدمؑ نے وہی شجرہ تناول کر لیا اور پھر نقصان بھی اٹھانا پڑا۔ سالہا سال حضرت آدمؑ بارگاہِ پروردگار میں گڑگڑاتے، روتے اور آہ و زاری کرتے رہے تا اینکہ خداوند تبارک وتعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی توبہ قبول کر لی۔ اسی طرح خداوند تبارک وتعالیٰ نے اس اُمت اور نسلِ آدمؑ کیلئے زمین پیدا کی پھر اس زمین کے اوپر مختلف نعمتیں اُگائیں اور اُگا کر ہمیں حکم دیا کہ

كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ......۳

اے مسلمان مرد و عورت! آپ ان پاکیزہ چیزوں میں سے جو مرضی ہے کھائیں لیکن

وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ......

خبردار! ''تفرقہ'' کے قریب نہ جانا کیونکہ یہ اُمت کیلئے ''شجرۂ ممنوعہ'' ہے۔ ورنہ تمہارا شمار بھی ظالمین میں سے ہو جائے گا اور اتنا نقصان ہوگا کہ تم سب مل کر بھی اس کی تلافی نہیں کر سکتے۔ یہ وہ شجرہ ہے جو تمہیں رسوا، بے آبرو اور ضعیف و کمزور کر دے گا۔

تفرقہ شجرۂ ممنوعہ

شیطان نے حضرتِ آدمؑ کو نقصان پہنچانے کی قسم نہیں کھائی تھی لیکن اس نے ابنائے آدمؑ یعنی مجھے اور

۱......(سورۂ بقرہ،آیہ ۳۵)(سورۂ اعراف،آیہ ۱۹) ۲......(سورۂ بقرہ،آیہ ۳۵)(سورۂ اعراف،آیہ ۱۹)

۳......(سورۂ بقرہ،آیہ ۵۷)(سورۂ بقرہ،آیہ ۱۷۲)(سورۂ اعراف،آیہ ۱۶۰)(سورۂ طٰہٰ،آیہ ۸۱)

آپ کو نقصان پہنچانے کی قسم کھائی ہے اور قسم بھی معمولی نہیں ہے۔ شیطان اپنی ہٹ کا پکا ہے وہ ہماری طرح نہیں ہے کہ قسمیں کھا کر توڑ دے۔ اس نے عزتِ خدا کی قسم کھائی ہے،

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ [1]

کہنے لگا: مجھے تیری عزت کی قسم ان سب کو بہکادوں گا......

میں اس آدمؑ کی اولاد کو بہکاؤں گا، انہیں نابود کروں گا اور ساری دنیا کے سامنے رسوا کردوں گا۔ جب اس نے بغیر قسم کھائے حضرتِ آدمؑ کو نقصان پہنچادیا تو کیا جب اولادِ آدمؑ کے بارے میں اس نے قسم کھائی ہوئی ہے تو اس کو پورا نہیں کرے گا؟!

شیطانِ بزرگ کا ورغلانا، مسلمانوں کا جھانسہ میں آنا

شیطان نے اپنے وعدہ کو پورا بھی کیا ہے۔ جس طرح شیطان نے حضرت آدمؑ کو شجرۂ ممنوعہ تک پہنچادیا تھا اسی طرح آج اولادِ آدمؑ کو تفرقہ کے شجرۂ ممنوعہ تک پہنچادیا ہے اور ہم نے اس کے بہکاوے میں آکر شجرہ تناول بھی کرلیا ہے۔ حضرتِ آدمؑ وحواؑ نے تو گڑگڑا کر توبہ کرلی تھی لیکن ہمیں اس توبہ کی توفیق ہی نصیب نہیں ہورہی ہے۔ ہمیں بہکانے والا شیطان جن والا شیطان نہیں بلکہ انسانی شیطان ہے۔ امام خمینیؒ فرماتے ہیں کہ امریکہ شیطانِ بزرگ ہے۔ مغربی تہذیب، ماڈی تفکر، یہودیت اور صیہونزم آج کے وہ شیاطین ہیں جو اولادِ آدمؑ کو تفرقہ کا ممنوعہ شجرہ کھلا رہے ہیں لہٰذا مسلمان نقصان اُٹھا رہا ہے۔ تفرقہ ڈالنے والے ہمیشہ حامی اور ہمدرد بن کر آتے ہیں۔ شیطان حضرت آدمؑ کے پاس دشمن بن کر نہیں آیا تھا بلکہ اس نے حضرت آدمؑ سے ہمدردی جتلائی کہ آپ کو خدا نے اس درخت سے روک دیا ہے حالانکہ یہ درخت ایسا ہے کہ جسے کھا کر کبھی موت نہیں آتی اور انسان بیمار نہیں پڑتا۔ اگر انسان کے اندر خواہش ہے تو شیطان فوراً وہی ممنوعہ درخت کھلا دیتا ہے۔

---

[1]......(سورۂ ص، آیہ ۸۲)

اسی طرح تفرقہ ڈالنے والے شیاطین بھی موجود ہیں اور وہ شیاطین بھی یہ نہیں کہتے کہ ہم آپ کو بانٹنے، تقسیم کرنے اور ضعیف وکمزور کرنے آئے ہیں بلکہ کہتے ہیں کہ ہم آپ کو جنت پہنچانے آئے ہیں۔ ہم آپ کو ایسا مذہب بتائیں گے، ایسے نعرے بتائیں گے، ایسے اعمال بتائیں گے کہ آپ ڈائرکٹ جنت جا پہنچیں گے۔ اس کیلئے آپ کو کرنا یہ ہے کہ مسلمان کو مسلمان کے خلاف اُکسانا ہے، کسی مسلمان کے دین ومقدسات کی بے حرمتی کرنی ہے، اُن کو بموں سے اُڑانا ہے اور گولیوں سے چھلنی کرنا ہے اور اُن کی عبادت گاہوں کو آگ لگانی ہے، ان کاموں سے آپ کو جنت ملے گی!۔ یہ شیطان کی جنت ہے۔ اللہ کی جنت میں انسان کسی ایک گناہ گار بے نمازی کو مار کر اگر چہ وہ مومن بھی نہ ہو تو جنت کا منہ نہیں دیکھ سکتا چہ جائیکہ کئی بے گناہوں کا قتل عام کرکے پھر بھی جنت کی آرزو رکھے۔ قرآن میں اللہ کا فرمان موجود ہے کہ

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا......[1]

جس نے کسی ایک کو قتل کیا جبکہ یہ قتل خون کے بدلے میں یا زمین میں فساد پھیلانے کے جرم میں نہ ہو تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کیا......

یعنی جس نے ایک نفس مارا اس نے پوری بشریت کو مارا ہے اور جو پوری بشریت کا قاتل ہو وہ کبھی بھی جنت کا منہ نہیں دیکھ سکتا۔ کچھ عرصہ پہلے یہ شیطانِ بزرگ ایک عربی ملک میں آیا اور اس کے ساتھ مل کر یہ بیان دیا کہ ہم عربوں کے ساتھ مل کر ایران کا مقابلہ کریں گے۔ ان عربوں کو شرم نہیں آئی کہ اسے یہ کہتے کہ ہمارا رشتہ تمہارے ساتھ زیادہ ہے یا ایران کے ساتھ؟ تم کہاں سے اٹھ کر ہمارے خیر خواہ وحامی بن گئے؟ تم وہ ہو جس نے اسرائیل کو ہماری سرزمینوں پر بسایا ہے، تم وہ ہو جس نے مسلمانوں میں تفرقہ ڈالا ہے۔ یہ تفرقہ ڈالنے کے لئے عالمی سطح کی شیطانی سازش ہے اور پاکستان اسی کی لپیٹ میں ہے۔ اسی شجرہ ممنوعہ نے مسلمانوں کو ذلیل، پست اور رسوا کردیا ہے جس کے بارے میں خدا نے کہا تھا کہ اس کے قریب نہ جانا ورنہ تم ظالمین میں سے ہو جاؤ گے۔ اسی

شیطانِ بزرگ کا دورِ غلامی، مسلمانوں کا مشترکہ دشمن (؟)

[1]......(سورۂ مائدہ، آیہ ۳۲)

شجرۂ ممنوعہ کے باعث مسلمان دنیا کے سامنے بے آبرو ہو گئے ہیں۔

ذلت ہر حال میں ناقابلِ قبول

سارے مذاہبِ اسلامی کے مطابق کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کا حکمِ اولی حرمت ہے لیکن انسان ایسے حالات سے دوچار ہو سکتا ہے کہ جب وہ حکمِ اولیٰ بدل کر حکمِ ثانوی کی طرف چلا جاتا ہے مثلاً اگر انسان بھوک سے مر رہا ہو اور اس کے پاس کھانے کے لئے کچھ بھی نہ ہو تو اس وقت تمام مذاہب نے اجازت دی ہے کہ اگر اس کی نجات مردار کھانے پر موقوف ہو تو وہ اتنی مقدار میں مردار کھا سکتا ہے کہ جس سے اپنی جان بچالے۔ امامیہ منابع میں وسائل الشیعہ جس میں فقہی روایات موجود ہیں وہاں ایسی روایات کا ایک مجموعہ موجود ہے کہ اگر انسان کو حلال غذا نہیں مل رہی اور اس کی جان خطرہ میں پڑ رہی ہے تو اس مجبوری، اضطرار، اکراہ و اضطراب یعنی ایمر جنسی کی حالت میں خداوند تبارک وتعالیٰ نے انسان کو اجازت دی ہے کہ خود کو ہلاکت سے نجات دینے کے لئے حرام غذا اتنی حد تک کھا سکتا ہے کہ اس کی جان بچ جائے۔ اس سے زیادہ نہ کھائے۔ انہی احادیث کی روشنی میں فقہاء نے فتویٰ بھی دیا ہوا ہے۔

ان احادیث کے اندر موجود ہے کہ اضطراب کی حالت میں سارے احکام کسی دوسری شکل میں تبدیل کر دیئے جاتے ہیں سوائے ایک چیز کے کہ خدا نے اس کا اِذن نہیں دیا ہے۔ کسی بھی مجبوری، اضطرار، اکراہ، اضطراب وایمر جنسی کی حالت میں خداوند تبارک وتعالیٰ نے انسان کو یہ اجازت نہیں دی کہ مومن اپنے آپ کو ذلت میں ڈال دے اور خود کو رسوا کرے۔ پس خداوند تبارک وتعالیٰ کا دین کہتا ہے کہ چاہے کتنی ہی بڑی مجبوری اور جان کا خطرہ کیوں نہ ہو لیکن ذلت قبول کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ یہ بات سیرتِ رسول اللہ ﷺ وائمہ اطہار علیہم السلام سے بھی ثابت ہے۔ خداوند تبارک وتعالیٰ نے انسان کو کرامت عطا کی ہے اور مومنین کو کرامت کے ساتھ ساتھ عزت بھی عطا کی ہے۔

قرآن کریم میں خداوند تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ......[1]

عزت خدا، رسول اور مومنین کے لئے ہے۔ یہ کرامت و شرفِ الٰہی مومن کیلئے عطیہ و ہدیۂ خدا ہے۔ مومن کو حق نہیں پہنچتا کہ اس عزت کو کسی بھی طریقہ سے ضائع کرے۔ ذلت وہ ممنوعہ شجرہ ہے کہ اگر مجبور و مضطر بھی ہو جائیں اور ہلاکت تک جا پہنچیں لیکن پھر بھی ذلت قبول کرنے کی اجازت نہیں ہے اور سب سے بڑی ذلت آور چیز امت کے اندر تفرقہ ہے کہ جس سے تمام طبقاتِ اُمت ذلت کا سامنا کرتے ہیں۔

وسائل کے باوجود مسلمانوں کی تذلیل و کمزوری کی وجہ

اگر ایک ارب مسلمان رسول اکرم ﷺ سے حقیقی عشق رکھتے ہیں تو انہیں اس عشق کا پاس بھی رکھنا چاہئے۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ محبت و عشق بھی رسوا ہو جاتے ہیں؟ ایک ارب کی آبادی رکھنے والا مسلمان کیوں ذلیل اور غلام ہو جاتا ہے؟ کیونکہ یہ ضعیف و کمزور ہے اور کمزور اس وجہ سے نہیں ہے کہ اس کے پاس قدرتی وسائل اور ٹیکنالوجی نہیں ہے۔ یہ ساری چیزیں مسلمانوں کے پاس موجود ہیں۔ آج پاکستان ذلت کے جس درجے پر کھڑا ہوا ہے اتنا ایٹم بم (Atomic bomb) بنانے سے پہلے نہیں تھا۔ ایٹم بم بنا کر بھی ذلت، ضعف اور رسوائی اس ملک کو گھیرے ہوئے ہے۔ حالانکہ ایٹم بم کا نام ہی لوگوں کو ڈرا دیتا ہے لیکن یہاں ایٹم بم سے اور زیادہ بزدلی پیدا ہوئی۔ اس کی وجہ ایک مثال کے ذریعہ درج کرتے ہیں: تاریخ اسلام میں کسی شہنشاہ کا واقعہ ملتا ہے کہ جس نے ایک بڑی مشہور تلوار کا ذکر سن رکھا تھا۔ یہ کسی ماہر جنگجو کی تلوار تھی اور بادشاہ کو بتایا گیا تھا کہ یہ تلوار ایک ہی وار میں تن کے دو ٹکڑے کر دیتی ہے۔ بادشاہ کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ یہ تلوار مجھے مل جائے۔ آخر کار اس نے اپنے سپاہیوں کے ذریعہ وہ تلوار منگوالی۔ شہنشاہ نے بھرے دربار میں تلوار آزمانی چاہی اور تربوز کو طشت میں رکھ کر پوری قوت سے تلوار چلادی لیکن پورا تربوز نہیں کٹا۔ بادشاہ طیش میں آ گیا اور کہنے لگا یہ وہ تلوار نہیں ہے جس کی ہم نے

---

[1]......(سورۃ منافقون، آیہ ۸)

شہرت سنی تھی یا ہم سے جھوٹ بولا گیا ہے۔ بالآخر بادشاہ نے اس تلوار کے بنانے والے کو دربار میں طلب کیا اور کہا کہ تم نے ہمارے ساتھ دھوکہ کیا ہے، یہ تلوار تو تربوز بھی نہیں کاٹ سکی۔ اُس نے جان کی امان پاکر کہا کہ سرکار تلوار تو وہی ہے لیکن اس کو بازو بھی چاہئے۔ اگر ایٹم بم بنالیا ہے تو اس کے لئے دل گردہ اور جگر بھی چاہیے پھر انسان کی عزت بنتی ہے۔ مسلمانوں کے پاس سب کچھ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے پاس تعلیم کی کمی ہے لیکن مغربی ممالک میں جاکر دیکھیں تو آپ کو بہترین انجینئر، بہترین سائنٹسٹ، بہترین ٹیچرز اور بہترین رائٹرز مسلمان ہی ملیں گے۔ دُنیا کے ہر شعبے میں مسلمان موجود ہیں لیکن ناکامی اور ذلت ورسوائی کی وجہ یہ ہے کہ ان سب چیزوں کے باوجود ضعیف وکمزور ہیں اور کمزوری کی بنیادی وجہ تفرقہ ہے۔

قرآن کا فرمان ہے:

وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ......[1]

اور آپس میں نزاع نہ کرو ورنہ ناکام رہو گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی......

جھگڑومت کہ اس جھگڑے کے نتیجے میں تم شکست کھاجاؤ گے اور ضعیف وکمزور ہوجاؤ گے۔ تمہاری شان وشکوہ اور عزت وآبرو جاتی رہے گی اور وہ آج ہو چکا ہے۔ ایک ارب مسلمان ہیں لیکن آج عزت وآبرو نہیں ہے۔ اس کی بہترین دلیل یہی ہے کہ ڈنمارک جیسا چھوٹا سا ملک ایک ارب مسلمانوں کی پرواہ نہیں کرتا اور مسلمان بے بس ہیں۔

ایک طرف اٹھاون اسلامی ممالک ہیں جن میں پاکستان جیسی ایٹمی طاقت، عرب اسٹیٹ جیسی تیل پیدا کرنے والی قوتیں، انڈونیشیاء جیسا پرجمعیت ملک اور ان کے اندر فوجیں بھی موجود ہیں، وہ فوجیں جو آج نیٹو دوسری دنیا پر چڑھائی کرنے کے لئے لے جاتے ہیں لیکن ان فوجوں، ایٹم بموں، پٹرولیم اور جمعیت سے ڈنمارک جیسا چھوٹا سا ملک نہیں ڈرتا کیونکہ اسے معلوم ہے کہ یہ ایک ارب فقط افراد ہیں، یہ امت نہیں ہیں، ان کے اندر

---

[1]......(سورۂ انفال، آیہ ٤٦)

اتحاد و تفاق نہیں ہے۔ اگر یہ دس ارب بھی ہو جائیں تو بھی ان کی کوئی ویلیو (Value) نہیں ہے لیکن اگر مسلمانوں کے دس ہزار افراد مل جائیں تو بہت بڑی تعداد ہے۔

اگر آج حقیقی اسلامی یونین ہوتی تو کسی کو رسول اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے کی جرأت نہ ہوتی اور وہ اسلامی ممالک کے اندرونی مسائل میں بیجا مداخلت نہ کرتے۔ آج کسی ملک کے اندرونی مسائل کے بارے میں کسی دوسرے ملک کو مداخلت کا حق نہیں دیا جاتا مثلاً ہولوکاسٹ (Holocaust) کے بارے میں ایک جملہ کہنے اور اظہارِ نظر کرنے پر اس وقت کئی سکالرز (Scholars) یورپ کی جیلوں میں پڑے ہوئے ہیں کیونکہ ان کے پیچھے یونٹی (Unity) موجود ہے۔ قرآن و رسول اکرم ﷺ کی شان میں جسارت کرنے والے گستاخ ممالک کی پشت پر کچھ شیطانی طاقتیں موجود ہیں جو آج اسلام کے وجود کو پارہ پارہ کر رہی ہیں۔ وہ مسلمانوں کے اندر گروہ بنا کر اور ان کے مقدسات کی توہین کروا کر انہیں آپس میں لڑوا رہی ہیں اور ایک دوسرے کا جانی دشمن بنا رہی ہیں۔

اگر دو ہزار مسلمان بھی مل جائیں تو ڈنمارک تو بہت چھوٹا ملک ہے اس ڈنمارک کی پشت پر بیٹھے ہوئے شیطان بھی جھک جائیں گے اور ان کی پیشانی بھی خاک میں رگڑ دی جائے گی۔ یہ میں مبالغہ نہیں کر رہا ہوں بلکہ وہ بات کر رہا ہوں جو ساری دنیا نے دیکھی ہے۔ آپ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ حزب اللہ کے دو ہزار جوان آپس میں متحد و متفق ہوئے، اللہ پر بھروسہ و توکل کیا اور اٹھ کر اس ملک کی پیشانی خاک میں رگڑ دی جو آہنی طاقت بنا ہوا تھا، جس نے سارے مسلمانوں کو ساٹھ سال سے ذلیل کیا ہوا تھا۔ دو ہزار جوان اگر اسرائیل کی ناک خاک میں رگڑ سکتے ہیں تو جس دن ایک ارب مسلمان متحد ہو گئے وہ دن اس زمین پر امریکہ کی موجودگی کا آخری دن ہوگا۔

لیکن المیہ یہ ہے کہ تفرقہ نے اُمتِ مسلمہ کو پستی کی گہری کھائی میں دھکیل دیا ہے۔ آج مسلمانوں کے پاس ٹیکنالوجی (Technology)، نیوکلیئر پاور (Nuclear power)، تیل کی ثروت، علمی ثروت، انسانی قوت، وسیع و عریض سرزمینیں، زرخیز خطے، معدنیات سے پر پہاڑ، سمندر اور وسیع و عریض دریا موجود ہیں لیکن تفرقہ کی وجہ سے عزت نہیں ہے۔ مسلمان ان کے علاوہ بھی بہت سارے ثروت کے منابع اپنے اختیار میں

وسائل کے باوجود مسلمانوں کی تذلیل و کمزوری کی وجہ

رکھتے ہیں کہ اگر چند دن کیلئے مغرب اور دیگر ممالک کی رسد کو کاٹ دیں تو اُن کیلئے جینا مشکل ہو جائے لیکن اس کے باوجود یہ ایک ارب مسلمان ذلت، رسوائی اور خواری کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ تفرقہ کی وجہ سے یہ پس ماندہ، عقب ماندہ اور ہر چیز میں دوسروں کے محتاج و دست نگر ہیں۔

مسلمانوں کی حالت، مانندِ سنگِ راہ

قرآن نے ہمیں مختلف تعبیروں سے تفرقہ سے منع کیا ہے مثلاً

وَأَطِيعُوا اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ......

اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو اور آپس میں نزاع نہ کرو ورنہ ناکام رہو گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی......

آپس میں جھگڑنا و الجھنا نہیں، ایک دوسرے کا دامن و گریبان نہیں پکڑنا، ایک دوسرے کے خلاف کبھی نزاع نہ کرنا اس لئے کہ تم رسوا ہو جاؤ گے، کمزور ہو جاؤ گے، شکست کھا جاؤ گے اور تمہاری عزت، آبرو، شرف، کرامت اور شان و شوکت ضائع ہو جائے گی۔ تمہیں کوئی خاطر میں بھی نہیں لائے گا۔ تم اس سنگِ راہ کی طرح بن جاؤ گے جس کو ہر ایک ٹھوکر مار کر گزر جاتا۔

سنگِ راہ کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی لیکن کچھ پتھر ایسے ہوتے ہیں کہ جن کی بڑی قدر و قیمت ہوتی ہے اور انسان اُن کو بوسے دیتے ہیں۔ حجر اسود بھی پتھر ہے اور سنگِ راہ بھی پتھر ہے لیکن حجرِ اسود اتنا عزیز ہے کہ اُس کو سب چومنے جاتے ہیں اور ایک دوسرے پر سبقت لیتے ہیں لیکن سنگِ راہ کو ٹھوکریں مارتے ہیں۔ اس کی وجہ سے یہ ہے کہ حجر اسود وہیں ہے جہاں اُس کو ہونا چاہیے تھا۔ اس کیلئے اللہ نے ایک مقام رکھا ہے اور یہ اپنی جگہ یعنی کعبہ کی دیوار میں ہے۔ اگر پتھر اپنی جگہ پر ہو تو انسان بھی اُس کو بوسہ دیتا ہے لیکن اگر پتھر اپنی جگہ پر نہ ہو اور اُٹھ کر راستے کا پتھر اور روڑا بن جائے تو سب اُس کو ٹھوکریں مارتے ہیں۔ انسان کی بھی یہی حیثیت ہے۔ انسان کو خدا نے مسلمان اور مومن پیدا کیا اور فرمایا کہ تیرا مقام کعبہ سے بھی بالاتر ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

اَلْمُؤْمِنُ اَعْظَمُ حُرْمَةً مِنَ الْكَعْبَةِ......[1]

یعنی مومن کا احترام کعبہ سے زیادہ ہے۔ جب کوئی کعبہ کی بے حرمتی نہیں کر سکتا تو مومن کی بھی بے حرمتی نہیں کر سکتا لیکن یہی مومن جب سنگ راہ بن جاتا ہے تو پھر ہر گزرنے والا اس کو لات مار کر گزرتا ہے اور یہ ٹھوکریں کھا کھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ در بدر پھرتا ہے۔ بقول شاعر:

کہوں کس سے میں کہ کیا ہے، سنگِ راہ بری بلا ہے

دراصل انہوں نے غالب کے اس مصرع پر پیروڈی لکھی تھی:

کہوں کس سے میں کہ کیا ہے، شبِ غم بری بلا ہے

کہتے ہیں کہ راستے کا پتھر بننا سب سے برا ہے کیونکہ انسان لوگوں کی ٹھوکریں کھاتا ہے۔

جس دن سے اس اُمت کے اندر تفرقہ پڑا ہے اُس دن سے اس نے عزت و شرف کا منہ نہیں دیکھا اور یہ دن بدن پست سے پست تر ہوتی چلی جارہی ہے۔ حتیٰ بعض غیر مسلم ممالک کی خواہش یہ ہے کہ مسلمان سرزمین کو روندنے میں ہمارا فوجی بھی شامل ہو جائے۔ ان میں ایسے چھوٹے چھوٹے ممالک بھی شامل ہیں کہ جن میں اگر آندھی بھی چلے تو وہ تباہ ہو جائیں لیکن انہوں نے بھی مسلمان سرزمینوں کو روندنے کیلئے اپنے فوجی بھیجے ہوئے ہیں۔ بعض ممالک ایسے ہیں جن کے صرف ایک دو فوجی عراق میں موجود ہیں۔ یہ وہ سرزمین ہے کہ جس کے اندر آلِ رسول ﷺ کے حرم ہیں۔ کربلا، نجف، سامرہ، کاظمین اور بغداد عراق کے اندر ہیں جن میں امامِ معصومؑ و جید ہستیاں مدفون ہیں اور اُس سرزمین کو روندنے کیلئے یہ ناپاک لوگ آئے ہوئے ہیں کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ یہ ایک ارب مسلمان تفرقہ کی وجہ سے سنگِ راہ بن گئے ہیں۔ اگر ان کو کوئی ٹھوکر مارے تو بھی کوئی نہیں پوچھنے والا، اگر کوئی ان پتھروں کو اُٹھا کر کنوئیں میں پھینک دے تو پھر بھی کوئی پوچھنے والا نہیں، اگر کوئی ان کو اُٹھا کر ابوغریب اور گوانتانامو بے جیل میں ڈال کر ان کی توہین کرے، ان کے کپڑے اُتار دے، ان کی ناموس کے ساتھ جو مرضی

....

[1]......(بحار الأنوار، المؤلف : العلامة الشيخ محمد باقر المجلسيؒ، الجزء ٧٠، صفحه ٣٢٣)

سے تجاوز کرے لیکن کوئی پوچھنے والا موجود نہیں ہے۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ انسان کب سنگِ راہ بن جاتا ہے؟ وہ سنگِ راہ اُس وقت بنتا ہے جب اپنا مقام چھوڑ دیتا ہے۔ جیسے ہی وہ اپنی شخصیت، مقام واحترام کھو بیٹھتا ہے تو سنگِ راہ بن جاتا ہے۔ آج مسلمان اس زمین کے اوپر تقریباً لگ سوا ارب کی تعداد میں موجود ہیں لیکن دنیا کی نظر میں سنگِ راہ بنے ہوئے ہیں۔ حتیٰ ڈنمارک جیسا چھوٹا سا ملک رسول اکرم ﷺ کی شان میں گستاخی کرتا ہے تو سوا ارب مسلمانوں کو اسی لئے خاطر میں نہیں لاتا کیونکہ مسلمان آج یورپ و امریکہ جیسی شیطانی طاقتوں کے سامنے سنگِ راہ بنے ہوئے ہیں۔ انہوں نے تفرقہ کی وجہ سے اپنا مقام کھو دیا ہے۔

بنی اسرائیل، تفرقہ کی عبرت کیلئے قرآنی نمونہ

بنی اسرائیل کے اندر ایک مشکل یہ تھی کہ ان میں تفرقہ تھا۔ قرآن نے بنی اسرائیل کو عبرت کے طور پر پیش کیا ہے لہٰذا بنی اسرائیل کا جگہ جگہ تذکرہ ہے کہ یہ کیا کرتے تھے؟ کیا سوچتے تھے؟ کس طرح سے انبیاء علیہم السلام کی نافرمانی کرتے تھے؟ اور آپس میں کیسے تھے؟ اسرائیل حضرت یعقوبؑ کا نام ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کے دو بیٹے تھے: ایک اسحٰقؑ اور ایک اسماعیلؑ۔ حضرت اسماعیلؑ سے جو سلسلہ شروع ہوا اس سے پیغمبر اکرم ﷺ اور آلِ نبیؐ شروع ہوئی اور حضرت اسحٰقؑ سے دوسرا سلسلہ شروع ہوا۔ جنابِ اسحٰقؑ کے بیٹے کا نام یعقوبؑ تھا۔ حضرت یعقوبؑ کے بارہ بیٹے تھے جن کا قرآن نے ذکر بھی کیا ہے یعنی یوسفؑ اور ان کے بھائی۔ جب ان بارہ بیٹوں کی اولاد چلی تو بنی اسرائیل کے اندر بارہ قبیلے بن گئے۔

یہ بارہ قبیلے آپس میں ایک ہی دادا کی اولاد تھے اور پھر ان میں نبی بھی مبعوث ہوتے رہے لیکن جیسے جیسے بنی اسرائیل کا سلسلہ آگے بڑھتا گیا یہ لوگ قبائلی اختلافات میں مبتلا ہوتے گئے۔ ان میں آپس میں تفرقہ، نزاع و جھگڑا تھا اور باہر فرعون جیسا دشمن موجود تھا تو یہ قوم کیسے نجات پاسکتی تھی؟ اس قوم کی نجات کا ایک ہی ذریعہ ہے کہ خدا کی طرف سے کوئی منسوب و مبعوث ہو اور اُن کو نجات عطا کرے۔ کس طرح سے نجات عطا کرے؟! وہ ان بارہ

قبیلوں سے یہ بیان کرے کہ تم بارہ قبیلے ہو لیکن تمہارا خدا ایک ہے، تمہارا جد ایک ہے، تمہارا دین ایک ہے، تمہاری نسل ایک ہے، تمہاری قیامت ایک ہے، تمہاری قوم ایک ہے۔ جو چیز تمہیں ہلاک کر رہی ہے وہ تمہارا تفرقہ ہے اور اس تفرقہ سے نجات کا تنہا ذریعہ اتحاد و وحدت ہے۔ لہٰذا حضرت موسیٰؑ ان بارہ قبیلوں کے اندر انتشار ختم کرنے، ان کو ایک پلیٹ فارم پر متحد کرنے اور ان کے ذریعہ فرعون کو غرق کر کے حکومتِ خدا برپا کرنے آئے تھے لیکن یہ بارہ قبیلے قدم قدم پر حضرت موسیٰؑ کے لئے مشکلات کا سبب بنتے گئے۔

جب حضرت موسیٰؑ ان کو بحرِ احمر یا نیل کے ساحل پر لے آئے کیونکہ دونوں طرح کے قول نقل کیے گئے ہیں اور شق بحر کیا تو پیچھے سے فرعون اپنی فوج کے ساتھ ان کے تعاقب میں آ گیا۔ منظر یہ تھا کہ بارہ قبیلے حضرت موسیٰؑ کے ساتھ سمندر کے کنارے کھڑے ہیں، پیچھے فرعون اور آگے سمندر ہے لیکن تفرقہ فرعون اور سمندر سے بھی بڑا غرق کرنے والا عامل ہے۔ انہوں نے اسی مقام پر پھر جھگڑا شروع کر دیا۔ حضرت موسیٰؑ نے ان کو سمجھایا بجھایا کہ یہ وقت جھگڑا کرنے کا نہیں ہے۔ اگر تم اس وقت جھگڑے تو فرعون تمہیں پائمال کر دے گا یا سمندر تمہیں غرق کر دے گا لیکن اس کے باوجود یہ الجھتے رہے۔ حضرت موسیٰؑ نے ان کو نجات دینے کے لئے معجزہ دکھایا اور اپنے عصا سے سمندر کو شق کر دیا لہٰذا وہ دو حصوں میں بٹ گیا۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں کہا کہ اب یہاں سے نکلو لیکن وہ یہاں سے آگے نہیں گئے۔ فرعون قریب آ پہنچا تھا لیکن انہوں نے پھر بھی کھلے سمندر کی خشکی میں قدم نہیں رکھا۔ ہر قبیلے کا یہ کہنا تھا کہ جس راستے سے دوسرا قبیلہ گزرے گا ہم وہاں سے نہیں گزریں گے چونکہ ہماری اس قبیلے سے دشمنی ہے۔ ان کے پاس بہت کم فرصت تھی، فرعون جیسی طاقت سر پر آن پہنچی ہے اور نبیؑ نے معجزہ دکھا کر نجات کا ایک راستہ کھول دیا ہے لیکن تفرقہ نے کھلا ہوا راستہ بھی بند کر دیا۔ حضرت موسیٰؑ نے بہت سمجھایا لیکن یہ اڑیل، اجڈ، ہٹ دھرم، لجوج ولدود قوم ضد کرتی رہی۔

قرآن نے بھی سورۂ بقرہ، آیہ ۲۰۴ میں ایسے لوگوں کیلئے ''اَلَدُّ الْخِصَامِ'' کا لفظ استعمال کیا ہے یعنی لدود و لجوج، ہٹ دھرم و اڑیل۔ بسا اوقات ہوتا ہے کہ بعض لوگوں کے اندر ہٹ دھرمی آ جاتی ہے کہ ہم کیوں کریں؟ میں کیوں اس کے پاس جاؤں؟ میں کیوں اس محفل میں بیٹھوں جہاں وہ بیٹھا ہے؟ میں اس کے سامنے

کیوں آؤں؟ میں اس کے سامنے کیوں جھکوں؟ میں اسے پہلے سلام کیوں کروں؟ اور اس کو ہم مردانگی سمجھتے ہیں جبکہ قرآن اس کو لجاجت اور لدود کہتا ہے۔ الد یعنی ہٹ دھرم، اڑیل اور ضدی لوگ۔ یہ مردانگی نہیں ہے کیونکہ ضدی ہونے سے مرد کے اندر مردانگی نہیں آتی بلکہ مردانگی جب آتی ہے کہ مرد حق واضح ہوجانے پر حق کے سامنے خاضع ہوجائے۔ مرد اس وقت نامرد ہوجاتا ہے کہ جب حق کے مقابلے میں آجائے۔

ہٹ دھرم و لجوج قومیں انبیاءؑ کا کام کتنا سخت کر دیتی ہیں؟! نبیؑ نے ان کیلئے سمندر میں ایک راستہ بنادیا لیکن حضرت یعقوبؑ کی اولاد بارہ ٹکڑوں میں بٹی ہوئی تھی لہٰذا ضد کرنے لگے کہ ہم بارہ راستوں سے گزریں گے۔ حضرت موسیٰؑ کو مجبوراً سمندر میں بارہ راستے بنانے پڑے۔ اس طرح وہ الگ الگ راستوں سے گزر کر سمندر پار پہنچ گئے اور نجات پاگئے لیکن پھر بھی تفرقہ ختم نہیں کیا۔ چونکہ انہیں معلوم تھا کہ فرعون کے ساتھ لڑنے کے لئے موسیٰؑ ہے اور ہمارا کام فرعون سے لڑنا نہیں بلکہ آپس میں لڑنا ہے۔ موسیٰؑ اپنے فریضے پر عمل کررہے تھے یہ اپنے فریضے پر۔ موسیٰؑ ان کو فرعون کے خلاف اٹھارہے تھے لیکن یہ چچازاد کزن ایک دوسرے کا گریبان پکڑے ہوئے تھے۔ بہرحال جب یہ لوگ فرعون کے ڈر سے بھاگتے ہوئے سمندر پار پہنچے تو انہیں پیاس لگ گئی۔ ایک جگہ پہنچ کر انہوں نے حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ موسیٰؑ ہمیں پیاس لگ رہی ہے اور پانی نہیں ہے۔ اگر وہ لوگ تھوڑا سا دائیں بائیں جاتے تو پانی مل ہی جاتا لیکن سست قوم جس کو یہ بھی پتہ نہ ہو کہ نبی کیوں آیا ہے؟ وہ پانی پڑا ہوا دیکھ کر بھی نبی سے کہتی ہے کہ ہمیں پانی پلاؤ۔ بجائے اس کے کہ یہ نبی کی خدمت کرتے اور خادم بنتے یہ الٹے مخدوم بن گئے۔ جیسے آج بہت ساری قومیں مخدوم کہلاتی ہیں۔ خادم یعنی جو دوسروں کی خدمت کرے اور مخدوم یعنی جو دوسرے سے خدمت کروائے۔ ساری قوم مخدوم بن گئی۔ پینے والے بارہ قبیلے تھے اور پلانے والا ایک نبی لہٰذا وہ کس طرح سے پلائے؟ قرآن نے ذکر کیا:

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ......[1]

---

[1]......(سورۂ بقرہ، آیہ ٦٠)

اور (اس وقت کو یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم کیلئے پانی طلب کیا تو ہم نے کہا: اپنا عصا پتھر پر مارو......

حضرت موسیٰ کی قوم پیاسی ہوئی تو موسیٰ کو تنگ کیا۔ حضرت موسیٰ کی پناہ بھی اللہ کے علاوہ اور کوئی نہیں تھی لہٰذا جب قوم ستاتی تھی تو آپ اللہ کی بارگاہ میں آتے کہ پروردگارا! آپ ہی نے ان کی طرف بھیجا ہے اب آپ ہی انہیں سنبھالیں، چنانچہ کہا: اب یہ پانی مانگ رہے ہیں لہٰذا میں ان کیلئے پانی کہاں سے لاؤں؟ پھر خدا نے حکم دیا کہ اے موسیٰ! جس عصا کے ذریعہ انہیں نجات دی تھی اسی سے ان کے لئے پانی بھی نکالو۔ حضرت موسیٰ نے عصا زمین پر مارا تو چشمہ نکل آیا۔ حضرت موسیٰ نے قوم سے کہا کہ آؤ پانی نکل آیا ہے اب آ کر اسے پیو۔ بنی اسرائیل کہنے لگے کہ جہاں سے کوئی دوسرا قبیلہ پانی پیئے گا ہم وہاں سے پانی نہیں پیئیں گے۔ ہم پیاسے مرجائیں گے لیکن دوسرے قبیلہ کی گھاٹ سے پانی نہیں پیئیں گے۔ حضرت موسیٰ پھر بارگاہِ پروردگار میں عرض گزار ہوئے اور کہا: اے پروردگارا! یہ لوگ ایک جگہ سے پانی پینے پر آمادہ نہیں ہیں، کیا کروں؟ خداوند تعالیٰ نے کہا کہ اے موسیٰ پھر عصا مار۔

فَانفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ......[1]

پس (پتھر پر عصا مارنے کے نتیجے میں) اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے اور ہر گروہ کو اپنے گھاٹ کا علم ہو گیا......

یعنی حضرت موسیٰ نے دوبارہ عصا مارا تو وہاں سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔ اس طرح بنی اسرائیل نے الگ الگ چشموں سے پانی پیا۔ پانی پینے کے بعد اب انہیں احساس ہوا کہ ہمیں بھوک بھی لگی ہوئی ہے کیونکہ پیاس کا غلبہ ہو تو بھوک کا احساس نہیں ہوتا۔ جب پیاس بجھ جاتی ہے تو بھوک چمک اٹھتی ہے۔ چنانچہ اب انہیں بھوک نے ستانا شروع کیا اور موسیٰ سے فرمائش کی کہ ہمارے لئے کھانے کا انتظام کرو۔ موسیٰ کو خدا نے اس قوم کے ذریعہ حکومتِ خدا برپا کرنے اور فرعون کو نابود کرنے کیلئے بھیجا تھا۔ اس قوم کی مدد سے موسیٰ نے دین اور دینی حدود

---

[1]......(سورۂ بقرہ، آیہ ٦٠)

کو قائم کر کے اس کی حفاظت کرنی تھی لیکن ایسی قوم ہاتھ آ گئی کہ موسیٰؑ اس قوم کی خدمت میں لگے رہے۔ کبھی پانی پلا رہے ہیں، کبھی کھانا کھلا رہے ہیں تو کبھی کوئی اور فرمائش پوری کر رہے ہیں۔

خداوند تبارک وتعالیٰ سے ان سے پوچھا کہ کیا کھاؤ گے؟ کہا: ہم پکا کر نہیں کھا سکتے بلکہ ہمارے لئے پکی پکائی غذا فراہم کریں۔ اگر ہمیں تندور کے سامنے ہی بیٹھنا ہوتا تو وہیں مصر میں ہی پکاتے رہتے۔ وہ موسیٰؑ پر بار بار احسان جتلاتے تھے کہ موسیٰؑ آپ نے کہا تھا تو ہم مصر سے نکل آئے ورنہ ہم وہاں سے نکلنے والے نہ تھے۔ وہاں ہماری اچھی خاصی نوکریاں لگی ہوئی تھیں، وہاں ہماری کمپنی تھی، دکان تھی اور آفس تھے۔ حضرت موسیٰؑ نے جب خدا سے کہا کہ پروردگارا! اب یہ پکا ہو کھانا مانگ رہے ہیں تو خداوند تبارک وتعالیٰ نے ان کے اوپر من وسلویٰ نازل کرنا شروع کر دیا۔ اس غذا کو وہ کچھ عرصے تک تناول کرتے رہے اور پھر کہنے لگے کہ اے موسیٰؑ! اب ہم پکی پکائی بھی نہیں کھاتے بلکہ اپنے خدا سے کہو کہ ہمارے لئے زمین سے اُگنے والی چیزیں فراہم کرے۔ اس وقت حضرت موسیٰؑ نے کہا کہ برا ہو تمہارا، لعنت ہو تم پر، تم وہ بے وقوف اور احمق قوم ہو کہ جو اعلیٰ کو ادنیٰ میں تبدیل کر رہے ہو۔ موسیٰؑ آئے کس لئے تھے اور انہوں نے موسیٰؑ سے فائدہ کیا لیا؟ جبکہ حضرت موسیٰؑ انہیں من وسلویٰ اور پیاز و ٹماٹر دینے نہیں آئے تھے۔

ایک دفعہ خدا نے کہا کہ اے موسیٰؑ! بنی اسرائیل سے کہو کہ گائے ذبح کریں۔ ہم نے تو ان کی ساری باتیں مان لیں اب ایک ہماری بھی مانیں۔ جب حضرت موسیٰؑ نے ان سے گائے ذبح کرنے کیلئے کہا گیا تو ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر کہنے لگے کہ یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ گائے ذبح کرنے کے معانی کیا ہوتے ہیں؟ کون سی گائے ذبح کریں؟ اس کا رنگ کیسا ہو؟ اس کی دم کیسی ہو؟ اس کی سُم کیسی ہو؟ اس کا سینگ کیسا ہو؟ وہ نر ہو یا مادہ؟ اس کا قد کتنا ہو؟ اتنے سوال اور حجتیں نکالیں کہ خداوند نے فرمایا: قریب تھا کہ یہ ذبح نہ کرتے اور معصیت کرتے لیکن حضرت موسیٰؑ نے اصرار کر کے ان سے گائے ذبح کروالی۔ جب یہ لوگ اپنے مطالبات منواتے تو خوب اصرار کرتے لیکن جب موسیٰؑ ان کو فرمانِ خدا سناتے تو یہ ٹال مٹول کرنا شروع کر دیتے۔

حضرت موسیٰؑ ان بارہ قبیلوں کا اختلاف وتفرقہ ختم کر کے انہیں ایک اُمت بنانے آئے تھے۔ سمندر میں

غرقابی اور فرعون کے ہاتھوں مارا جانا اتنی بڑی ہلاکت نہیں تھی جتنی بڑی ہلاکت وتباہی ان بارہ قبیلوں کے اندر تفرقہ کی شکل میں برآمد ہوئی تھی۔ اس قوم نے حضرت موسیٰ کے سمجھانے کے باوجود اتحاد و وحدت کے سوا سب کچھ کیا اور پھر تاریخ گواہ ہے کہ یہ بارہ قبیلے آج تک کیا کر رہے ہیں؟ وہی بنی اسرائیل جنہیں آج یہود و صہیونسٹ کہتے ہیں خود بھی متفرق ہیں اور دنیا کے اندر بھی تفرقہ ڈال رہے ہیں۔ تفرقہ ان کی خون کی رگوں میں موجود ہے۔ انہوں نے پوری دنیا بالخصوص مسلمانوں کے اندر تفرقہ ڈالنے کو اپنا دین و مذہب قرار دیا ہوا ہے۔ آج انہی یہود و صہیونسٹوں نے مسلمانوں کو تقسیم کر کے انہیں ایک دوسرے کا دشمن بنا دیا ہے۔ ان کے بارہ قبیلوں نے مسلمانوں کے اندر بارہ لاکھ قبیلے پیدا کر دئے ہیں اور ہر قبیلہ ایک دوسرے کا دشمن ہے۔

مسلمانوں میں بنی اسرائیلی بیماری کی سرایت

قرآن نے اس لئے بنی اسرائیل کا تذکرہ کیا تھا کہ اے قرآن کو ماننے والو! بنی اسرائیل کا ذکر پڑھو ایسا نہ ہو کہ ایک دن تم بھی بنی اسرائیل کی طرح بن جاؤ اور جس دن تم بنی اسرائیل کی طرح بن گئے تو ذلیل و رسوا ہو جاؤ گے۔ آج مسلمانوں کی رسوائی اسی چیز کا نتیجہ ہے۔ امام راحلؒ اپنے دردِ کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ اُمت مسلمہ کا صرف ایک چیز پر اتفاق ہے اور وہ چیز اختلاف ہے۔ کچھ چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن میں اختلاف کی گنجائش ہوتی ہے یعنی اختلاف کیا جا سکتا ہے لیکن کچھ چیزوں میں اختلاف کی کوئی گنجائش موجود نہیں ہوتی مثلاً کوئی تپتی دھوپ میں کہے کہ دن نکلا ہوا ہے تو اس میں اختلاف کی گنجائش نہیں ہے۔

بے جا اختلاف و اعتراض کیلئے قرآن نے بنی اسرائیل کا ایک نمونہ پیش کیا ہے جو اُن چیزوں میں بھی اشکال نکال لیا کرتے تھے جن میں گنجائش بھی نہیں ہوا کرتی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ اللہ فرماتا ہے ایک گائے ذبح کرو۔ یہ اتنا واضح، روشن اور شفاف حکم تھا کہ اس کے اندر کوئی ابہام، غبار اور اجمال نہیں پایا جاتا تھا لیکن بنی اسرائیل نے گائے کے بارے اتنے سوال اُٹھائے کہ جتنی گنجائش اس حکم میں موجود نہیں تھی۔ جب ذہن ٹیڑھا ہو جائے تو پھر وہ اُن چیزوں کے اندر بھی اختلاف نکال لیتا ہے جن کے اندر اختلاف کی گنجائش

نہیں ہوتی۔آج مسلمانوں میں یہی بیماری سرایت کرگئی ہے لہٰذا ان چیزوں میں بھی اختلاف ڈھونڈ رہے ہیں جہاں اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

آج مسلمانوں کے اختلاف سے یہی بنی اسرائیل، یہود وصہیونسٹ بخوبی فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ساٹھ سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے اور اسرائیل مسلمانوں کے قبلۂ اول پر قبضہ کئے ہوئے مسلمانوں کے مقدسات کی مسلسل توہین کررہا ہے۔عربوں نے مل کر اسرائیل کے خلاف تین جنگیں لڑیں تا کہ قبلہ آزاد کروائیں لیکن ہر جنگ کے نتیجہ میں اپنی مزید سرزمین اسرائیل کو دے بیٹھے۔آج سوریا، اردن، مصر اور دوسرے علاقوں کی کتنی سرزمین اسرائیل کے قبضہ میں ہے۔جب بھی انہوں نے فلسطین کو آزاد کرانا چاہا تو اپنے ملک بھی مٹھی بھر اسرائیلیوں کو دے بیٹھے۔مسلمانوں کی اتنی طاقت موجود تھی لیکن وہ اس کو شکست نہیں دے سکے کیونکہ کل تک تفرقہ کی جو بیماری بنی اسرائیل میں تھی آج وہی بیماری منتقل ہوکر مسلمانوں میں آگئی ہے۔

مسلمانوں کے اعمال قرآنی احکام کے منافی

قرآن کا فرمانا ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل کو عبرت کے طور پر تمہاری کتاب میں ذکر کیا ہے اور بنی اسرائیل کے تفرقہ کا ذکر کر کے ساتھ یہ بھی فرمادیا:

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا......[1]

اور خبردار ان لوگوں کی طرح نہ ہوجاؤ جنہوں نے تفرقہ پیدا کیا......

اسی طرح فرمایا:

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا......[2]

اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ نہ ڈالو......

---

[1]......(سورۂ آلِ عمران، آیہ ۱۰۵)　[2]......(سورۂ آلِ عمران، آیہ ۱۰۳)

سید الساجدین علیہ السلام جب شام کے سفر سے واپس مدینہ آرہے تھے تو غالباً راستے میں ہی کسی مقام پر بیان فرمایا کہ اگر بفرضِ محال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت کو حکم دے کر جاتے کہ میرے بعد میری آلؑ کو جتنا ہو سکتا ہے سب مل کر ستانا اور سب حکمِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرتے تو پھر بھی یہ لوگ اتنا نہ ستاتے جتنا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منع کرنے کے باوجود ستایا ہے۔ اُمت آج تک آلِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ستارہی ہے۔ اسی جملہ کے آئینہ میں یہ صورت بھی دکھائی دے رہی ہے کہ قرآن، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ائمہ اہل بیت علیہم السلام، صحابہؓ اور اولیاء وعلماءِ دین نے تفرقہ سے منع کیا ہے لیکن اس کے باوجود اتنا تفرقہ ہے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں کہہ کر گئے ہوتے کہ میرے بعد جتنا ممکن ہے تفرقہ کرو اور قرآن بھی کہتا کہ آپس میں ڈٹ کر تفرقہ کرو تو ہم قرآن وسنت کی پیروی کرتے ہوئے بھی اتنا تفرقہ نہ ڈالتے اور اتنا نہ لڑتے جتنا آج منع کرنے کی صورت میں لڑ رہے ہیں۔

اسی طرح ہمیں کہا گیا ہے کہ اپنا حلیہ مسلمانوں اور مومنوں والا بناؤ اور ساتھ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اُن لوگوں کی طرح اپنا حلیہ نہ بناؤ جو مسلم ومومن نہیں ہیں، ان کی طرح مشابہت بھی نہیں ہونی چاہئے یعنی قرآن کو نہ فقط وہ لوگ ناپسند ہیں بلکہ اگر کوئی اُن جیسا بنے تو وہ بھی خدا کو پسند نہیں ہے۔ خدا کو نہ تفرقہ پسند ہے اور نہ تفرقہ ڈالنے والے پسند ہیں بلکہ جو تفرقہ ڈالنے والوں کی مانند ہو جاتے ہیں وہ بھی ناپسند ہیں۔ چنانچہ ایک جگہ فرمایا کہ ''لَا تَفَرَّقُوْا'' اور دوسری جگہ فرمایا ''وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا''، لیکن آج المیہ یہ ہے کہ جس کا قرآن حکم دیتا ہے ہم اس کے پیچھے کم جاتے ہیں اور جس سے روکتا ہے اس کے پیچھے زیادہ جاتے ہیں۔ ہم صرف ثواب کے لئے قرآن پڑھتے ہیں لیکن اس میں غور وفکر نہیں کرتے۔

مسلمان، بنی اسرائیلی صورتحال سے دوچار

آج مسلمانوں کی حالت بنی اسرائیل کی مانند ہے۔ ایک طرف فرعونی طاقتیں مثلاً امریکہ، اس کی اتحادی فوج اور نیٹو (NATO) اور آگے سمندر ہے لیکن مسلمان ساحل پہ کھڑے ہو کر فقط ایک ہی راگ الاپتے چلے جارہے ہیں۔ ایک کہہ رہا ہے میں شیعہ ہوں اور دوسرا کہہ رہا ہے کہ میں سنی ہوں جبکہ وہ فرعون سنی اور شیعہ

دونوں کو ختم کرنا چاہتا ہے۔ دونوں متوجہ نہیں کہ اگر آپس میں الجھے رہے تو نہ تشیع رہے گا نہ تسنن۔ وہ فرعون بنی اسرائیل کے ایک قبیلے کے پیچھے نہیں آیا تھا بلکہ پوری قومِ بنی اسرائیل کے پیچھے آیا تھا اور اگر یہ اس کے ہاتھ چڑھ جاتے تو سب کو غرقِ دریا کر دیتا اسی طرح آج کا فرعون بھی رسول اللہ ﷺ کی اُمت کے فقط ایک قبیلے کے خلاف نہیں اٹھا ہے اور اگر اس کے ہاتھ مسلمان آجائیں جیسا کہ بعض جگہوں پر آگئے ہیں تو یہ رحم نہیں کرتا۔ عراق کے اندر نہ شیعہ پر رحم کرتا ہے نہ سنی پر، پاکستان کے اندر نہ شیعہ پر رحم کرتا ہے نہ سنی پر، اسی طرح فلسطین کے اندر سنی پر رحم نہیں کرتا اور لبنان کے اندر شیعہ پر رحم نہیں کرتا۔ ایسے میں بنی اسرائیل والا منظر پیش کرتا اور یہ کہنا کہ فرعون کے ہاتھوں غرق ہو جائیں گے لیکن آپس میں کبھی مل کر نہیں بیٹھیں گے حماقت کے سوا کچھ نہیں۔ یہ سب نابودی کی علامتیں ہیں۔

رہبر معظم حضرت آیۃ اللہ خامنہ ای مدظلہ نے فرمایا ہے کہ ایسا کام کرنا، ایسا جملہ یا سخن کہنا یا لکھنا جو مسلمانوں کے اندر تفرقہ ڈالتا ہو حرام ہے۔ نہ شیعہ و سنی میں اختلاف کی بات کریں اور نہ شیعہ کو شیعہ سے لڑانے کی اختلافی بات کریں۔ مسلمانوں میں اختلافات ہیں لیکن اُن کی راہِ حل بھی موجود ہے۔ علماء، مراجع، مجتہدین و رہبر موجود ہیں۔ عام زندگی میں بھی انسان ہر اختلاف میں اُس کے منبع کی طرف رجوع کرتا ہے۔ مجتہدین و فقہاء کو خدا نے ہمارے اوپر حجت مقرر کیا ہے لہٰذا ہم خود حجت نہ بنیں بلکہ اُن کو اپنے لئے حجت قبول کریں اور وہ جو بھی کہہ دیں اس پر عمل کریں۔ اب ہم پر حجتِ خدا اتمام ہے۔ اگر کوئی بتانے والا نہ ہوتا تو ہم خدا کی بارگاہ میں عذر پیش کر سکتے تھے لیکن خدا فرماتا ہے کہ میں کسی قوم کو سزا دینے سے پہلے اتمامِ حجت کرتا ہوں اور اگر قوم میری اتمامِ حجت کو ٹھکراتی ہے تو پھر اس کیلئے عذاب کا راستہ کھل جاتا ہے۔

ہم پر اتمامِ حجت ہو چکی ہے اور یہ وقت شیعہ و سنی جھگڑے کا نہیں ہے۔ البتہ انہیں کبھی بھی نہیں الجھنا چاہئے لیکن جس طرح بنی اسرائیل مصر میں ایک دوسرے سے لڑتے رہتے تو اتنا خطرہ نہیں تھا لیکن جب سامنے سمندر آیا اور پیچھے فرعون کا لشکر تو وہ وقت اور بھی زیادہ الجھنے و جھگڑنے کا نہیں تھا بلکہ دشمنیاں فراموش کرنے، ایک دوسرے کو گلے لگانے اور متحد ہو کر فرعون سے مقابلہ کا وقت تھا اسی طرح آج مسلمانوں کی صورتحال ہے۔ لیکن

جب قومیں اور حکمران بے وقوف و احمق ہو جائیں تو عین اسی وقت لڑتے ہیں جہاں انہیں نہیں لڑنا چاہیے۔

مسلمانوں میں بنی اسرائیل جیسی طعنہ بازی

یہ بنی اسرائیل بننے کا وقت نہیں بلکہ اُمتِ نبی ﷺ بننے کا وقت ہے لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ جب بھی اسلام کو مسلمانوں کی قربانی کی ضرورت پڑی وہ بنی اسرائیل بن بیٹھے۔ حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل سے کہا کہ تمہاری مقدس سرزمینوں پر قبضہ ہو گیا ہے ان کو شیطانی طاقتوں سے آزاد کرانے میں میرا ساتھ دو،

يَا قَوْمِ ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا خَاسِرِينَ ۝ [1]

اے قوم اس مقدس سرزمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ نے تمہارے لئے مقرر فرمائی ہے اور پیچھے نہ ہٹنا ورنہ خسارے میں رہو گے۔

اے بنی اسرائیل اٹھو اور اس مقدس سرزمین کو دشمن کے چنگل سے آزاد کراؤ تو بنی اسرائیل نے موسیٰؑ کو جواب دیا کہ اے موسیٰؑ لگتا ہے آپ کو لڑائی اور جنگ کا بڑا شوق ہے۔ اگر آپ کو لڑنا ہے تو لڑیں لیکن ہم ہرگز نہیں لڑیں گے، ہم ہرگز اس سرزمین کا رخ بھی نہیں کریں گے جدھر آپ ہمیں لے جانا چاہتے ہیں۔ جب حضرت موسیٰؑ نے اصرار کیا تو انہوں نے دوٹوک الفاظ میں پوری بے شرمی و بے حیائی کے ساتھ جواب دیا:

يَا مُوسَىٰ إِنَّا لَنْ نَدْخُلَهَا أَبَدًا مَا دَامُوا فِيهَا فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ ۝ [2]

اے موسیٰ! جب تک وہ وہاں موجود ہیں ہم ہرگز اس میں داخل نہ ہوں گے، آپ اور آپ کا پروردگار جا کر جنگ کریں ہم یہیں بیٹھے رہیں گے۔

---

[1]۔۔۔۔(سورۂ مائدہ، آیہ ۲۱) [2]۔۔۔۔(سورۂ مائدہ، آیہ ۲۴)

یعنی اگر جنگ کا بہت شوق ہے تو اپنے خدا کے ساتھ مل کر ان سے لڑو لیکن ہم یہیں اپنے شہر میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ کیا مسلمانوں نے یہ کام نہیں کیا کہ جب سید الشہداؑ نے مکہ میں مسلمانوں سے کہا کہ اے لوگو! اے حاجیو! اس وقت احرام باندھ کر حج کرنے کا وقت نہیں بلکہ دین بچانے کا وقت آ گیا ہے تو انہوں نے بھی یہی کہا کہ اے نواسۂ رسولؐ! گویا آپ کو جنگ کا بہت شوق ہے لہٰذا آپ اپنے کنبے اور رب کے ہمراہ جا کر کربلا میں لڑو ہم یہاں بیٹھ کر عبادتیں کر رہے ہیں۔ چنانچہ لوگ کوفہ، بصرہ، مدینہ، مکہ، مصر و خراسان میں بیٹھے رہے لیکن سید الشہداء حضرت امام حسینؑ کے ساتھ نہیں گئے۔ ایسے موقعوں پر اُمتیں اپنے ائمہؑ کو تنہا چھوڑ دیتی ہیں۔ آج ہم العجل العجل تو کہتے ہیں لیکن اگر امامؑ آ گئے تو یہ تو نہیں کہیں گے کہ آپ کو لڑنے کا شوق ہے تو آپ اپنے رب کے ساتھ جا کر لڑیں ہم یہیں پر بیٹھے ہوئے ہیں؟!

آپس کی دشمنیاں بھلانے کا وقت

آج کے فرعون نے اپنی پوری طاقت کے ساتھ مسلمانوں کا محاصرہ کر لیا ہے اور سامنے سمندر ہے لیکن عین اسی دوران مسلمانوں کے اندر تفرقہ پڑا ہوا ہے۔ آج مسلمانوں کے منبروں، محرابوں، کتابوں، اظہارات، مجلسوں اور محفلوں میں تفرقہ پایا جاتا ہے۔ یہ وقت ایک دوسرے سے دست و گریبان ہونے کا وقت نہیں بلکہ دشمنیاں بھلا کر مشترکہ دشمن کے خلاف ایک ہونے کا وقت ہے۔ ایک گروہ پہلے بھی اٹھا تھا جو شیعہ اور سنی میں تفرقے کو ہوا دیتا رہا حالانکہ شیعہ و سنی ۱۹۸۰ء سے پہلے بھی پاکستان میں رہ رہے تھے لیکن اتنی لاشیں نہیں گرتی تھیں۔ اس سے پہلے اختلاف تھا اور تفرقہ نہیں تھا لیکن 80ء کی دہائی کے بعد اس اختلاف کو تفرقہ بنا دیا گیا۔ آپ 80ء کی دہائی کے بعد قتل و غارتگری کے اعداد و شمار سے تفرقہ کی تباہی کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ تفرقہ ایک ایک کر کے سب کو نگل رہا ہے۔ ۲۰۰۰ء سے آج تک جبکہ ساری دنیا نے مل کر پیچھے سے تشیع کا محاصرہ کر لیا ہے اور سامنے سمندر ہے۔ آج دشمن نے خصوصیت کے ساتھ تشیع میں تفرقہ ڈالنے اور شیعہ کو شیعہ سے لڑانے کی پالیسی پر عمل کر رہا ہے لہٰذا اس موقع پر خصوصیت کے ساتھ دشمنیاں بھول کر ایک ہونے کا وقت ہے۔ آج جو انسان بھی مسلمانوں کے اندر فرقہ ڈال رہا

ہے وہ درحقیقت وہی کام کررہا ہے جو آج کا فرعون و دشمنِ دین چاہتا ہے۔ کیا ہم مسلم ممالک کی نابودی پر اسی طرح خاموش تماشائی بنے بیٹھے رہیں گے؟! ربیع الاول میں سارے مسلمان آپس کی دشمنیاں بھلا کر دنیا کو یہ پیغام دے سکتے تھے کہ ہم رسول ﷺ کی بے حرمتی برداشت نہیں کریں گے لیکن ہمیں اپنے جھگڑوں سے ہی فرصت نہیں ہے۔

تفرقہ پھیلانے پر عذاب عظیم

بعض غلطیاں فقط ایک انسان کی ذات کو نقصان پہنچاتی ہیں مثلاً اگر کوئی غلط ڈرائیونگ کرے اور کھمبے سے جا ٹکرائے تو اس کی گاڑی تباہ ہو جائے گی اور وہ خود مر جائے گا یا زخمی ہو جائے گا لیکن اگر وہ نزاع، جھگڑا اور افتراق کرے تو ایسا ہے کہ جیسے وہ ایک بھری ہوئی کشتی کو ڈبو رہا ہے یا ایک پبلک ٹرانسپورٹ کو کسی درخت سے ٹکرا رہا ہے۔ اسی طرح اگر ایک شخص منبر کے اوپر، محراب کے اندر، مسجد و امام بارگاہ میں یا کسی بھی جگہ پر قلم و سخن کے ذریعہ غیر ذمہ دارانہ اظہار کرتا ہے اور اُس کے اظہار سے مسلمانوں کے دل دکھتے ہیں، کسی کے مقدسات کی بے حرمتی ہوتی ہے، مسلمانوں میں تفرقہ پڑتا ہے، ان میں خلیج بڑھتی ہے تو یہ شخص درحقیقت صرف خود کو نہیں بلکہ پوری اُمت کو تباہ کررہا ہے۔ اس کو جہنم میں جو عذاب دیا جائے گا وہ معمولی انفرادی گناہ کے عذاب سے بڑا ہوگا۔

اگر کوئی انسان خدانخواستہ منشیات کا مرتکب ہوتا ہے اور بھنگ، چرس یا ہیروئین پیتا ہے تو اس کے لئے دُنیا میں بھی مشکل ہے اور آخرت میں بھی عذاب میں مبتلا ہوگا لیکن تفرقہ ڈالنے والے کو ایک ہیروئنچی و شرابی سے زیادہ عذاب ملے گا کیونکہ شرابی شراب پی کر خود کو نابود کرتا ہے لیکن تفرقہ ڈالنے والا اگرچہ بظاہر شراب نہیں پیتا اور بظاہر بڑا مسلمان اور مومن بنا ہوا ہے، اس نے اپنے ظاہر کو شریعت کے مطابق بنایا ہوا ہے لیکن درحقیقت اس کا عذاب شرابی سے زیادہ ہے کیونکہ یہ اُمت کو حصوں بخروں میں بانٹ رہا ہے۔

عالم کی پکڑ سخت ہوگی

قرآن نے فرمایا ہے کہ

هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ......[1]

کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے یکساں ہو سکتے ہیں......

ہمارے اُستادِ گرامی حضرت آیت اللہ جوادی آملی دام ظلہ العالی جو ایک شہیر مفسر قرآن اور امت اسلامی کے لئے ایک نعمتِ خدا ہیں بیان فرماتے ہیں کہ یہ آیۂ کریمہ فقط شان ومنزلت کے بارے میں ہی نہیں بلکہ حساب وکتاب اور مواخذہ کے بارے میں بھی ہے، یعنی جس طرح عالم اور غیر عالم یعنی جاننے والا اور نہ جاننے والا منزلت کے لحاظ سے ایک جیسے نہیں ہیں اسی طرح یہ حساب وکتاب کے لحاظ سے بھی ایک جیسے نہیں ہیں۔ عالم کا حساب کتاب، پوچھ گچھ اور پکڑ زیادہ سخت ہوگی۔ عالم نے اگر گناہ کیا تو عذاب زیادہ سخت ہوگا کیونکہ فساد العالم فساد العالَم ہے۔

إِذَا فَسَدَ الْعَالِمُ فَسَدَ الْعَالَمُ......[2]

یعنی جب عالم فاسد ہو جاتا ہے تو پورا جہان فاسد ہو جاتا ہے۔ آج بعض لوگ جو خود کو عالم کہتے ہیں وہ اُمت کے درمیان تفرقہ ڈالنے اور اسے نابود کرنے میں مشغول ہیں۔ آج اگر مسلمان رسوا ہیں تو اس میں بڑا حصہ انہی لوگوں کا ہے جو تفرقہ ڈالتے ہیں۔ آج اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حرمت پائمال ہوتی ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے اندر تفرقہ ہے اور نتیجتاً یہ کمزور وضعیف ہیں۔ اس ضعف کا بڑا سبب نام نہاد اور تفرقہ باز علماء ہیں۔

عالم کی پکڑ سخت ہوگی

---

[1]......(سورۂ زمر، آیہ ۹) [2]......(الجهاد الأكبر -امام خمینیؒ)(المسجد فی فكر الامام الخمینیؒ)(صحیفۂ نور- امام خمینیؒ)

قرآنی تعلیمات سے روگردانی کے اثرات

کس نے مسلمانوں کو اتنا زبوں حال بنا دیا اور طوقِ غلامی ان کی گردن میں ڈال دیا؟ کس چیز نے انہیں پست و رسوا کر دیا؟ اگر خود ہمارے اندر اسبابِ رسوائی و ذلت موجود نہ ہوں تو باہر سے کوئی بھی ہمارے اوپر ذلت و رسوائی نہیں ٹھونس سکتا۔ اس رسوائی کی سب سے بڑی وجہ مسلمانوں کے اندر یہی تفرقہ اور اختلاف ہے جو قرآنی تعلیمات پر عمل نہ کرنے کا نتیجہ ہے۔ قرآنِ مجید کا صریح فرمان ہے کہ

وَأَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ......[1]

یعنی اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو اور آپس میں نزاع نہ کرو ورنہ ناکام رہو گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ لہٰذا تفرقہ نے آج مسلمانوں کو اتنا کمزور کر دیا کہ ڈنمارک (Denmark) جو پاکستان کے ہزارہ ڈویژن سے بھی چھوٹا ملک ہے چند سالوں سے مسلسل توہین رسالت ﷺ کا مرتکب ہو رہا ہے لیکن مسلمان اس کے خلاف کوئی بڑا عملی قدم نہیں اٹھا پا رہے۔ ڈنمارک اگرچہ چھوٹا سا ملک ہے لیکن یہ چھوٹا سا ملک تنہا نہیں ہے بلکہ اس کے پیچھے پوری یورپین یونین موجود ہے یعنی پچیس ممالک کی ایک یونٹی (Unity) ہے کہ جن کا آپس میں اتفاق و اتحاد ہے لہٰذا یہ ڈرتا نہیں ہے۔ یہ لوگ مسلمانوں کا دل دکھانے کے لئے بار بار توہین آمیز کارٹون چھاپتے ہیں اور اس کام میں ان کی حکومت، یورپی یونین اور دوسرے عالمی ادارے حمایت کرتے ہیں۔

المیہ یہ ہے کہ کچھ عرصہ پہلے اسلامی سربراہان کی تنظیم اسلامی کا اجلاس ایامِ میلادِ رسولؐ میں منعقد ہوا لیکن یہ لوگ کھا پی کر آرام سے اُٹھ کر آ گئے اور وہی روایتی قسم کے چند بیانات جو ان کے سیکریٹریوں نے رٹے ہوتے ہیں میڈیا کے سامنے دہرا دیے۔ ان کی جرأت تک نہ ہوئی کہ کم از کم یہ قرارداد منظور کر کے اٹھتے کہ ڈنمارک کے جتنے سفیر اسلامی دُنیا میں ہیں اُن سب کو نکال باہر کریں گے اور ڈنمارک سے اپنے سفیروں کو واپس بلا لیں گے۔ مسلمانوں میں تفرقہ کے باعث یہ چند ملین کی آبادی والا ملک ایک ارب مسلمانوں کی بار بار تذلیل کر رہا ہے۔ اسی

---

[1]......(سورۃ انفال، آیہ ٤٦)

طرح جب غزہ خون میں نہار ہا تھا تو انہی دنوں کے اندر اسلامی سربراہان مل بیٹھتے ہیں اور چپ کر کے گھروں کو آجاتے ہیں چنانچہ نہ ان سے اسرائیل ڈرتا ہے اور نہ ہی کوئی اور۔ وہی اسرائیل کہ حزب اللہ کے چند ہزار جوانوں نے جس کی خیالی آبرو خاک میں ملادی تھی اور جس کی ناک خاک میں رگڑ دی تھی۔

اگر آج ہم قرآنی تعلیمات کے مطابق متحد ہوتے تو نہ پاکستان ناامن ہوتا، نہ فلسطین پائمال ہوتا، نہ کشمیر لہولہو ہوتا، نہ عراق کے اندر خون کی ہولی کھیلی جاتی، نہ قبلہ اول کی بے حرمتی ہوتی، نہ قرآن کی بے حرمتی ہوتی، نہ رسول اللہ ﷺ کی بے حرمتی ہوتی، نہ سامرہ ویران ہوتا اور نہ کربلا کے بارے میں جسارت آمیز فتوے دیئے جاتے۔ اگر سنی وشیعہ دونوں آپس میں الجھتے رہے تو نعوذ باللہ دشمنانِ دین رسول اسلام ﷺ کی بے حرمتی کرتے رہیں گے۔ ہمارے اندر خود خواہی، خود پرستی، انانیت، خود غرضی ہے اور اسی وجہ سے ہم اس حشر کو پہنچے ہیں۔ پس جب تک مسلمان قرآن کی تعلیمات کو نہیں اپناتے تب تک ذلت ورسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

آزادیٔ اظہار کا مغربی ڈھونگ

مسلمانوں میں تفرقہ کا فائدہ اٹھا کر ہالینڈ (Holland) نے بھی فلم بنائی کہ جس میں قرآن کی بے حرمتی کی اور اسے سرعام نشر کیا۔ وہ اپنے اس قبیح فعل کو آزادیٔ بیان اور آزادیٔ اظہار کا نام دیتے ہیں۔ اسی طرح امریکہ نے اپنی بنائی ہوئی گستاخِ رسول ﷺ پر مبنی فلم کو آزادیٔ اظہار کا نام دیا تھا۔ اگر یہ آزادیٔ بیان ہے تو پھر ہولوکاسٹ (Holocaust) پر کسی کو کوئی بات کیوں نہیں کرنے دیتے؟! اس وقت ان کے اپنے کئی فرنچ، جرمن اور برٹش ریسرچ اسکالرز جیلوں میں ہیں اور ان کا جرم فقط اتنا ہے کہ انہوں نے ہولوکاسٹ پر ریسرچ کی ہے اور دنیا کو یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ ہولوکاسٹ یہود کا بنایا ہوا ایک من گھڑت افسانہ ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اگر یہ آزادیٔ قلم و آزادیٔ بیان کے اتنے حامی ہیں تو ان کو بھی کھل کر لکھنے اور بولنے کا موقع دیں۔ یہود کے تراشے ہوئے ہولوکاسٹ سے متعلق بات کرنے کی اجازت نہیں ہے لیکن جس رسولؐ کی یہ بے حرمتی کر رہے ہیں وہ ایک ارب مسلمانوں کا محبوب رسولؐ ہے۔ یہ ایک ارب انسانوں کی عظیم ترین مقدس ہستی ہے

کہ جس سے بڑھ کر مخلوق میں کوئی اور ہستی موجود نہیں ہے۔

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

یہ ہستی جو بعد از خدا بزرگ ترین ہستی ہے دشمنانِ دین اس کی دن دہاڑے توہین کرتے ہیں اور تفرقہ میں پھنسی مسلمان اُمت بیٹھ کر تماشا دیکھتی ہے۔ آج مسلمان کے ہاتھوں سے مسلمان کی بے حرمتی ہونا، مسلمان کے ہاتھوں سے ہی مسلمانوں کی صفوں میں دراڑیں پڑنا، مسلمان کے ہاتھوں سے ہی مسلمان کو کمزور کرنا تفرقہ کا نتیجہ ہے۔

تفرقہ، دشمنانِ اسلام کی جسارت کا سبب

غور طلب بات یہ ہے کہ انہیں اتنی جسارت کا موقع کیسے ملتا ہے؟ مختلف افراد اور ممالک کو یہ جرأت کیوں ملتی ہے کہ اسلامی مقدسات کی کھل کر توہین کریں؟ مثلاً مغرب میں قرآن کو متعارف کرانے کیلئے مسیحیت کے پاپ بینیڈکٹ (Pope Benedict XVI) نے بیان دیا تھا کہ قرآن کے اندر اگر کوئی اچھی بات ہے تو وہی ہے جو انجیل سے لی گئی ہے اور اگر اس کے علاوہ قرآن میں کوئی چیز ہے تو وہ فقط ٹیررازم (Terrorism) ہے۔ پس ایک شخص کو کس طرح جرأت ہوتی ہے کہ قرآن کے بارے میں اس طرح اظہارِ نظر کرے۔ اسی طرح اگر آپ اس دور میں مغربی ممالک جائیں اور آپ کے نام کے ساتھ محمد کا لاحقہ ہے تو آپ کو نہ وہاں کی نیشنلٹی (Nationality) ملے گی، نہ ویزہ ملے گا اور نہ ہی جاب (Job) ملے گی بلکہ اگر آپ وہاں پہنچ بھی گئے تو وہ تفتیش کریں گے کہ اس کے نام میں محمد موجود ہے لہٰذا یہ شخص یقیناً خطرناک ہے۔

اس وقت انہوں نے باقاعدہ پلاننگ (Planning) کے تحت کھل کر اسلام کے خلاف یلغار شروع کی ہے۔ یہ جنگ تہذیبوں کے تصادم کے نام سے مسلمانوں کے اوپر ٹھونسی گئی ہے اور مسلمان اس کا شکار ہو رہے ہیں۔ آئے دن مسلم ممالک بالخصوص پاکستان میں بے گناہ انسانوں کو خون میں لت پت کرنا ایک معمول بن گیا ہے۔ تہذیبوں کی یہ جنگ دراصل اسلام، قرآن اور دین کے خلاف ہے۔ وہ مقدساتِ دین کو ختم کر کے یہ سمجھتے ہیں

کہ اس طرح ہم اپنی تہذیب کیلئے ماحول بنا سکتے ہیں۔تہذیبوں کے تصادم سے متعلق تفصیل فصل ششم میں درج کی جائے گی۔غور وفکر کے بعد انسان اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ اسلام کے خلاف دشمنانِ دین کی ان سب جسارتوں کا سبب مسلمانوں کے درمیان تفرقہ ہے۔

ممنوعہ چیزوں سے قصدِ قربت یزیدی راستہ!

قرآن، سیرتِ رسول اللہ ﷺ اور سیرتِ ائمہ معصومین علیہم السلام کی رو سے تفرقہ حرام ہے لیکن اُمت گویا اس کو سب سے بڑا مقدس فریضہ سمجھتی ہے کہ جس دن ہم نے مسلمین ومومنین کے اندر تفرقہ کی بات نہیں کی اُس دن ہمیں کوئی ثواب حاصل نہیں ہوا اور پھر بڑے اجر کی توقع بھی کرتے ہیں۔البتہ ایک قوم ایسی گزری ہے کہ جس نے امت کیلئے یہ راستہ کھولا اور دکھایا کہ ان ممنوعہ کاموں کو انجام دے کر خدا کی قربت حاصل کی جائے۔حرام کاموں کا ارتکاب کر کے بھی کہتے ہیں کہ ہمیں اس راستہ سے خدا کی قربت حاصل ہو رہی ہے۔اس قوم کا ذکر حضرت سید الساجدین علیہ السلام نے اپنے اُس کلام میں فرمایا ہے کہ جب آپ علیہ السلام شام کی قید سے واپسی پر مدینہ تشریف لائے اور روضہ اطہر رسول ﷺ پر حاضر ہو کر اپنے نانا ﷺ کی خدمت میں اُمت کی شکایت کی۔اُس خطبہ یا مرثیہ میں امامؑ فرماتے ہیں کہ اے نانا جان! یہ امت، یہی نام نہاد مسلمان تھے کہ جو آپؐ کے نواسے، آپؐ کے بیٹے، سید الشباب اہل الجنۃ کو شہید کر رہے تھے تو ساتھ میں قربۃً الی اللہ کی نیت کرتے تھے۔جب یہ لوگ حسینؑ کے بیٹوں کو قتل کر رہے تھے، حسینؑ کی بیٹیوں کو اسیر بنا رہے تھے، خیموں کو آگ لگا رہے تھے، اُن کے سروں سے چادریں چھین رہے تھے اور اُن پر پانی بند کر رہے تھے تو ہر عمل کے اندر قربۃً الی اللہ کی نیت کرتے تھے۔یعنی ثواب کی جستجو میں اجر مانگ رہے ہیں اور یہی یزیدیت ہے۔

ممنوعہ چیزوں سے قصدِ قربت یزیدی راستہ!

تفرقہ میں عبادتی رنگ

گروہ بازی یا تفرقہ اتنا راسخ ہو چکا ہے کہ اسے عبادت کا نام دے کر پھیلایا گیا ہے۔اس کا اثر یہ ہوا ہے

کہ آج تفرقہ ڈالنے اور جنت جانے کیلئے متقی ترین انسان کو قتل کیا جاتا ہے۔ آج بھی ایسے اذہان موجود ہیں جن کو ایسی تربیت دی گئی ہے کہ آپ جب تک مسلمین و مومنین کا قتل عام نہ کریں آپ کو جنت نہیں ملے گی۔ یہ خوشنودیٔ خدا کیلئے تفرقہ ڈالتے ہیں اور اس کو مذہب کی بہت بڑی خدمت سمجھتے ہیں۔

آج پاکستان میں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ایسی مخلوق بھی پائی جاتی ہے کہ جس کی الٹی کھوپڑی کو دین بھی الٹا سمجھ آتا ہے۔ کبھی ان کے ذہنوں میں ایسا مواد بھر دیا جاتا ہے کہ جنت جانے کے لئے بے گناہوں، معصوموں اور پاکیزہ لوگوں کا خون بہاؤ لہٰذا یہ جنت کے حصول کیلئے کتنے سہاگ اُجاڑتا ہے؟ کتنے بچوں کو یتیم کرتا ہے؟ اور جب اس سے پوچھو کہ یہ کیوں کر رہے ہو تو کہتا ہے کہ یہ سب میں جنت جانے کے لئے کر رہا ہوں۔

پیروانِ حسین ابن علی علیہ السلام کو قتل کر کے قصد قربت کرنے والے لوگوں کا دین اور کسی فرقہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں مختلف مذاہب کے علماء، پیروکاروں اور خصوصیت کے ساتھ اپنے معزز، محترم اور قابل صد احترام علمائے اہل سنت سے طالبِ علمانہ درخواست کرتا ہوں کہ جو لوگ اہل سنت کی آڑ میں یہ ٹائٹل استعمال کر کے مذہب اور فرقہ کو بدنام کر رہے ہیں اس طبقہ سے بیزاری کا اظہار کریں اور اعلان کریں کہ ان کا تعلق کسی سے نہیں ہے کیونکہ ایسا کرنا واجبات میں سے ہے۔ امام خمینیؒ آج سے تیس سال پہلے فرما گئے تھے کہ جو شیعہ اور سنی کے اندر تفرقہ ڈالتا ہے وہ نہ شیعہ ہے نہ سنی بلکہ استعمار کا ایجنٹ ہے یا جاہل و نادان ہے۔ اُس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ آج ایک دوسرے کے مقدسات کے اوپر کیچڑ اچھالتے ہیں اور پھر ساتھ ہی خدا کی قربت کی نیت کی جاتی ہے۔ دشمنانِ دین کے لقمہ خواروں نے اُن کی نمک خواری کا حق ادا کرتے ہوئے اپنے ہی ممالک اور اپنی ہی اُمت کے اندر تفرقہ ڈالنے کو عین دین قرار دیا ہے۔

یزیدی وطیرہ، قرآن کی ممنوعہ چیزوں پر عمل

یزیدیت نے ایک دروازہ کھولا لیکن حسینیتؑ نے بھی ایک ایسا دروازہ کھولا کہ جس نے قیامت تک آنے والے حق کے متلاشیوں کی منزل آسان کر دی۔ یزیدیت نے یہ دروازہ کھولا کہ اللہ نے جن چیزوں کو قرآن

میں ممنوع قرار دیا ہے اُنہیں اپنے روزمرہ کا معمول بنالو۔ لہٰذا یزید شراب بھی پیتا تھا جو قرآن میں ممنوع ہے، یزید زانی بھی تھا جو قرآن میں ممنوع ہے، یزید نامحرم و محرم میں تمیز نہیں کرتا تھا جبکہ قرآن میں نامحرم کے ساتھ رابطہ ممنوع ہے، یزید محترم نفوس کو قتل کرتا تھا جبکہ قرآن نے اس سے سختی سے منع کیا ہے، یزید کھلے عام فسق و فجور کا مرتکب ہوتا تھا جبکہ قرآن میں اس کی ممانعت موجود ہے۔ جتنی ممنوعہ چیزیں تھیں وہ انہیں اس طرح سے بجالاتا تھا کہ اپنے روزمرہ کا معمول بنالیا تھا۔ سید الشہداءؑ نے یزید کے گورنر ولید سے یہی فرمایا کہ

یَزِیْدُ رَجُلٌ فَاسِقٌ شَارِبُ الْخَمْرِ قَاتِلُ النَّفْسِ الْمُحْتَرَمَةِ مُعْلِنٌ بِالْفِسْقِ.....[1]

جن چیزوں کو اللہ نے ممنوع قرار دیا ہے یزید اُن پر عمل کرتا ہے۔ یہ قاتل، دہشت گرد، نشئی، فاسق و فاجر اور اللہ کی حدود کو پائمال کرنے والا ہے۔ یزیدیت نے ایک اور بڑا راستہ یہ کھولا کہ حسین ابن علیؑ اور آپؑ کی آل و اولاد کو شہید و اسیر کرنا قربۃً الی اللہ کا وسیلہ گردانا۔ اس کے بعد یہ ایک عام وطیرہ بن گیا اور تاریخ بھر میں دہرایا جاتا رہا کہ لوگوں نے ممنوعہ کاموں کو مقدس عبادت سمجھ کر انجام دیا۔ آج بھی ہمیں اُمت کے اندر یہی یزیدی افعال نظر آتے ہیں۔

جہاں قرآن نے شراب، زنا، غیبت فساد اور قتل کو ممنوع قرار دیا ہے وہیں تفرقہ کو بھی حرام قرار دیا ہے۔ تفرقہ فتنہ ہے اور فتنہ کے بارے میں کہا کہ یہ قتل سے زیادہ بڑا جرم ہے لیکن آج اُمت کے اندر تفرقہ معمول بن گیا ہے اور لوگ تفرقہ ڈالنے والی بات کر کے توقع رکھتے ہیں کہ اللہ، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اہل بیتؑ اور صحابہؓ اس کام کا اجر دیں گے۔ یہ لوگ شجرۂ ممنوعہ کھا کر خدا کی بارگاہ میں مقرب ہونا چاہتے ہیں۔ چنانچہ اُمت یزید سے زبانی اظہار نفرت کے ساتھ ساتھ اس کے افعال سے بھی دوری اختیار کرے ورنہ اسی طرح ذلت اور زبوں حالی کا شکار رہے گی۔ آج آپس کے اختلافات اور تفرقہ نے مسلمانوں کو مشکلات کی دلدل میں پھنسا دیا ہے کہ جس کے اثرات مسلمانوں میں واضح طور پر نظر آرہے ہیں۔

یزیدی وطیرہ قرآن کی ممنوعہ چیزوں پر عمل

---

[1] ..... (لواعج الأشجان، جلد۱، صفحہ۲۳) (موسوعة عاشوراء - الشيخ جواد محدثي، جلد۱، صفحہ۷۴۶)

تفرقہ کے نقصانات کا طائرانہ جائزہ

پس اختلافات، فرقہ واریت اور تفرقہ کی وجہ سے عالم اسلام کو نا قابلِ تلافی نقصان پہنچا ہے جس کا جائزہ لینے کے لیے کافی وقت درکار ہے۔ ذیل میں ان نقصانات کی ایک مختصر فہرست پیش کی جارہی ہے۔

۱. مسلمانوں کا ضعف اور کمزوری۔
۲. ذلت اور رسوائی۔
۳. کثرت کے باوجود بے وقعت ہونا۔
۴. پسماندگی۔
۵. مغربی غلامی۔
۶. منابعِ ثروت ہوتے ہوئے دوسروں پر انحصار۔
۷. فقر و فاقہ۔
۸. علم و ٹیکنالوجی سے محرومی۔
۹. سیاسی ابتری۔
۱۰. معاشی و معاشرتی بحران۔
۱۱. ثقافتی شکست۔
۱۲. احساسِ حقارت و احساسِ کمتری۔
۱۳. غیر اسلامی سیاسی نظام۔
۱۴. کٹھ پتلی حکومتیں۔
۱۵. اسلام کی بدنامی۔
۱۶. مسلمانوں سے عالمی سطح پر نفرت۔
۱۷. غیر مسلموں کی اسلام سے بیزاری۔

۱۸. نئی مسلمان نسلوں کی اسلام کے بارے میں تشویش۔

۱۹. اسلامی سرزمینوں پر دشمنوں کا قبضہ۔

۲۰. اسلامی ثروت کی لوٹ مار۔

۲۱. اسلامی سرزمینوں میں بحران ونا امنی۔

۲۲. اسلامی مقدسات کی بے حرمتی۔

۲۳. مسلمانوں کے ہاتھوں مسلمان کا قتل۔

۲۴. سیکولرازم اور لادینیت کا رواج۔

۲۵. فساد وفحشاء کی ترویج۔

تفرقہ کے اندرونی عوامل واسباب

یہ تفرقہ جس نے مسلمانوں کو نقصانات وخطرات کی گہری کھائی میں دھکیل دیا ہے اور جو اُمت کو ذلت ورسوائی کی حد تک لے گیا ہے اس کی وجوہات جاننا بہت ضروری ہیں۔ تفرقہ کے کچھ بنیادی اسباب ہیں جن میں کچھ اندرونی اور کچھ بیرونی ہیں لیکن اندرونی اسباب زیادہ اہم ہیں چونکہ یہ خود ہم سے مربوط ہیں۔ قوم کو باہر سے اس وقت خطرے درپیش ہوتے ہیں جب وہ اندر سے بقدرِ کافی کمزور ہو چکی ہو اور اس میں اندر کے خطروں کا دفاع کرنے کے لئے طاقت وتوانائی نہ رہی ہو۔ اگر چہ زیادہ خطرناک اسباب وعوامل وہ ہیں جو دشمنانِ دین ودشمنانِ مسلمین کی جانب سے فراہم کئے جاتے ہیں لیکن اگر اندرونی اسباب نہ ہوں تو بیرونی اسباب زیادہ مؤثر نہیں ہوسکتے۔ اندرونی وبیرونی اسباب فراوان ہیں جن میں سے چند ذیل میں درج کئے جارہے ہیں۔

......فراغت وبے کاری

تفرقہ کی ایک بڑی وجہ بے کاری ہے۔ روایت میں ہے کہ جس دن انسان کو کوئی کام کاج نہ ہو تو وہ وقت

شیطان کا ہوتا ہے۔فراغ شیطانی ٹائم ہے یعنی یہ انسان کا اپنا وقت نہیں ہوتا۔آپ غور کریں کہ ہمیں جتنے غلط خیالات سوجھتے ہیں وہ فراغت کے وقت آتے ہیں لیکن جس ٹائم ہم کسی کام میں مشغول ہوتے ہیں اس وقت کوئی وسوسہ ذہن میں نہیں آتا۔فراغت کے وقت شیطان واردات وہجوم کرتا ہے اور وسوسے آنا شروع ہوجاتے ہیں۔ اگر ایک فرد فارغ ہوجائے اور اس کی کوئی مصروفیت نہ ہوتو اس کے اوقات شیطانی اوقات بن جاتے ہیں۔اگر ایک فرد فارغ رہے تو فاسد ہوجاتا ہے اسی طرح ایک خاندان جس کا کوئی کام نہیں ہے مثلاً جہاں باپ کماتا ہے اور بچے کھاتے ہیں تو یہ بچے جن کا کوئی کام نہیں ہے، نہ پڑھتے ہیں نہ کماتے ہیں بلکہ گھر میں بیٹھ کر صرف انٹرنیٹ اور ٹی وی دیکھتے ہیں تو اخلاقی وتربیتی لحاظ سے ان کے اندر فساد سرایت کر جاتا ہے۔

اَن پڑھ ہونا جہالت ہے لیکن تباہی کے ذمہ دار اَن پڑھ لوگ نہیں بلکہ پڑھے لکھے لوگ ہیں۔کسی اَن پڑھ نے تفرقہ نہیں پھیلایا بلکہ مذہبی وغیر مذہبی تعلیم یافتہ طبقے نے پھیلایا ہے۔تفرقہ پھیلانے کے لئے بھی پڑھائی لکھائی کی ضرورت ہے کیونکہ جو بیچارہ پڑھ لکھ نہیں سکتا وہ تفرقہ کیسے پھیلا سکتا ہے؟ لہٰذا کبھی دینی مدرسے اور کبھی یونیورسٹی کے پڑھے لکھوں نے مل کر ملک،قوم ومذہب کو تباہ کیا ہے۔ان دونوں نے مل کر اسلام اور پاکستان کا نام بدنام کیا ہے۔ان دونوں کے اندر فساد کیسے آ گیا؟ کیونکہ یہ پڑھ لکھ تو گئے لیکن کام کوئی نہیں تھا اور فراغت کے دنوں میں انسان کو فساد سوجھتا ہے۔فراغت کے دن شیطان کے دن ہوتے ہیں جن میں شیطان وسوسے پیدا کرتا اور ورغلاتا ہے۔ فارغ لوگ کوئی نہ کوئی مصروفیت ڈھونڈتے ہیں مثلاً فارغ مولوی، فارغ بیوروکریٹ، فارغ سیاستدان، فارغ حکمران اور کسی اَن پڑھ یا پڑھے لکھے کو بالآخر کچھ نہ کچھ کرنا ہی ہے لیکن اگر وہ فارغ نہ ہو، اس کا کوئی مقصد وہدف ہو اور اس ہدف کی خاطر وہ صبح وشام ایک کر رہا ہو تو اس کے پاس تفرقہ ڈالنے کی فرصت کہاں ہے؟! پہلے تو تفرقہ اس کے مقصد کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے اور ثانیاً اس کے پاس تفرقہ کیلئے وقت نہیں ہے۔

فرد کی طرح اگر ایک قوم یا سوسائٹی فارغ بیٹھ جائے تو فاسد ہوجاتی ہے۔اگر ایک اُمت فارغ ہو اور اس کے پاس بھی کرنے کے لئے کچھ نہ ہو تو وہ اُمت فقط ایک دوسرے کے اوپر کیچڑ اچھالتی ہے اور ایک دوسرے کا

فراغت وبیکاری

گریبان پکڑتی ہے۔اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ اس کے پاس کوئی منشور نہیں ہے کہ اسے کدھر جانا چاہئے اور کیا کرنا ہے؟ دنیاوی لحاظ سے بھی اگر کوئی سیکولر پاکستان بنانا چاہتا ہے تو اسے بھی اپنا ہدف ومقصد نہیں معلوم کہ اس ملک وقوم کو کہاں پہنچانا چاہتا ہے؟ اس مقصد تک پہنچنے کے لئے راستہ کون سا ہونا چاہئے؟ اس راستے کے سامنے نشیب وفراز اور خطرات کا بھی علم ہونا چاہئے۔

قوم کی فراغت اس معنی میں نہیں ہے کہ اس کو پیٹ بھرنا ہے اور بل ادا کرنا ہے بلکہ یہ اس کی مشغولیت ہے لیکن ذہنی و روحانی لحاظ سے قوم فارغ ہے یعنی من حیث القوم و من حیث الجماعہ اسے کہیں پہنچنا نہیں ہے۔ ہمیں اس ملک کے حکمرانوں، سیاستدانوں اور مذہبی لیڈروں نے کیا ہدف دیا ہوا ہے؟ سب ایک ہی کام میں لگے ہوئے ہیں کہ ووٹ ہمیں دو۔ضیاء الحق کہتا تھا کہ اگر اسلام چاہئے تو مجھے ووٹ دو، دوسرا جرنیل کہتا تھا کہ پاکستان بچانا ہے تو ہمیں ووٹ دو۔ یہ باتیں سمجھ سے بہت بالا ہیں اور دنیا کا کوئی فیلسوف ان روابط اور تعلقات کو کشف نہیں کرسکتا۔ایسی عجیب وغریب باتیں صرف پاکستان میں ہیں جبکہ دوسرے ممالک اس سے مستثنٰی ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے سیاسی، معاشی، معاشرتی، ثقافتی، دینی و دنیوی کسی میدان میں کوئی نصب العین اور لائحہ عمل نہیں بنایا۔لوگوں کا ہدف صرف پیٹ بھرنا اور پھر خالی کرنا اسی طرح کپڑے پہننا، انہیں گندہ کرنا اور دھونا رہ گیا ہے۔انہی کاموں میں ساری عمر صرف ہورہی ہے۔

......بے وقوفی اور اس کے آثار

تفرقہ کے اسباب میں سے ایک سبب بے قوفی ہے۔ بیوقوفی کی سب سے بڑی علامت خودخواہی، خود غرضی اور اَناپرستی ہے۔انسان احمقانہ اختلاف کی وجہ سے ہر چیز کو اپنی طرف کھینچتا ہے مثلاً اگر کسی زیرتعمیر مسجد کے دو بانی اگر خودغرض ہوں تو ان میں یقیناً اختلاف ہوگا چونکہ ایک بیوقوف اس مسجد کو اپنے نام سے منسوب کرنا چاہے گا دوسرا اپنے نام سے۔ کہتے ہیں کہ مامون الرشید کے زمانے میں کچھ لوگ مسجد بنارہے تھے کہ وہاں سے بہلولؒ کا گزر ہوا۔ بہلولؒ نے پوچھا کہ کیا کررہے ہو تو انہوں نے بتایا کہ مسجد بنارہے ہیں۔آپؒ نے پوچھا کہ مسجد کیا ہوتی

ہے؟ تو لوگ کہنے لگے کہ یہ خدا کا گھر ہوتا ہے۔ رات کو بہلولؒ نے اس مسجد کے اوپر مسجد بہلولؒ کے نام سے تختی لگا دی۔ صبح جب لوگ آئے تو اُنہیں بہت غصہ آیا اور انہوں نے بہلولؒ کو بلا کر پوچھا کہ یہ تو نے کیا کیا؟ کہا کچھ بھی نہیں کیا میں نے سوچا کہ اللہ کے گھر کا کوئی نام ہونا چاہیے تو میں نے اس کا نام مسجد بہلولؒ رکھ دیا۔ انہوں نے کہا کہ کیا تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے؟ اس کے پیسے حاجی صاحب نے دیئے ہیں لہٰذا نام بھی انہی کا رکھنا چاہیئے۔ آپؒ نے کہا کہ پھر رات کو جھوٹ کیوں بولا تھا کہ یہ اللہ کی مسجد ہے۔

فتنوں کی جڑ بیوقوفی، خودخواہی، خودغرضی اور اَنا پرستی کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔ لیکن اس کا ظاہر ہونا خود خواہی کے نام سے نہیں ہوتا بلکہ یہ کبھی من گھڑت مذہب بن کر، کبھی اخلاص بن کر، کبھی تقویٰ بن کر، کبھی عبادت بن کر، کبھی علم بن کر اور کبھی مشورہ بن کر ظاہر ہوتی ہے۔ اگر ہم اپنے کاموں میں غور کریں تو ہمارے بہت سارے کام ایسے ہوتے ہیں جن کے اندر فقط خودخواہی ہوتی ہے مثلاً میں اگر کوئی کسی سے پوچھتے ہیں کہ ہم مسجد بنانا چاہتے ہیں لیکن جگہ کون سی ہونی چاہیئے؟ تو وہ اپنی آسانی کیلئے مشورہ دے گا کہ میرے گھر کے قریب بنائیں۔ یہ خودخواہانہ مشورہ ہے۔ لوگ مشوروں میں بھی اپنی ضروریات وخواہشات کو مدنظر رکھتے ہیں۔ اس خودغرضی کے نتیجہ میں تناؤ اور کھنچاؤ پیدا ہوتا ہے۔

لوگ بیوقوفی کے نتیجہ میں اَنا پرستی کا شکار ہوتے ہیں۔ انا پرست کا ایک کام ہے کہ وہ ساری چیزوں کو اپنے ساتھ منسوب کرتا ہے۔ مثلاً اگر آپ ایک دیگ پکا کر کھلے میدان میں رکھ دیں تو سب اُس پر ٹوٹ پڑیں گے کیونکہ وہ ساری دیگ کو اپنا بنانے میں لگے ہوں گے۔ جب سب کے سب ایک شے کو اپنا بنانے میں لگے ہوتے ہیں تو اُس وقت تقسیم اور جھگڑا و نزاع شروع ہو جاتا ہے۔ حتیٰ لوگ دین خدا کو بھی خودغرضی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اُس کو اپنا بنانے اور اُس پر قبضہ کرنے میں لگے رہتے ہیں۔ وہ چیز جو سب کیلئے ہے اُس میں سے دوسرے کا حق بھی لے لیتے ہیں۔ نتیجتاً جب دو بیوقوف ایک چیز کو اپنی اپنی جانب کھینچتے ہیں تو یہاں سے اختلاف پیدا ہوتا ہے اور وہ چیز ٹوٹ جاتی ہے۔

......ہر چیز میں تضاد

تفرقہ پھیلنے کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ مذہبی لوگ اپنے اعمال میں تضاد رکھتے ہیں۔ مذہبی ہو کر تفرقہ ڈالنا ایک تناقض و تضاد ہے اور ہم ان میں پھنس کر متضاد زندگیاں گزار رہے ہیں یعنی مذہب کے ساتھ ساتھ مذہب کا توڑ بھی اپنائے ہوئے ہیں جیسے عموماً یہ شوگر کے مریض ہوتے ہیں کہ جب تک انہیں شوگر نہیں ہوتی تو ان کو میٹھا کھانے کی خواہش نہیں ہوتی لیکن جس دن سے ان کو شوگر ہو جائے اور ڈاکٹر انہیں منع کر دے کہ آپ کو شوگر نہیں کھانی چاہیے تو اُسی دن سے ان کا رجحان اور شوق زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ چائے پھیکی پی لیتے ہیں لیکن ساتھ میں جلیبی ضرور کھاتے ہیں۔ ایک مومن اپنے والد کے بارے میں بتا رہے تھے کہ اُن کو شوگر ہو گئی ہے اور ڈاکٹر نے اُنہیں شوگر کھانے سے روک دیا ہے لہٰذا ہم نے گھر میں اُن پر میٹھا کھانے پر پابندی لگا دی ہے لیکن وہ باہر کسی کی بھی شادی کا شامیانہ دیکھ کر بن بلائے اندر چلے جاتے ہیں۔ وہاں پہنچ کر وہ چکن وغیرہ نہیں کھاتے بلکہ فقط میٹھے کے انتظار میں ہوتے ہیں اور سویٹ ڈش کھا کر واپس آتے ہیں پھر ان کی طبیعت بگڑ جاتی ہے۔ جب ہم اُنہیں منع کرتے ہیں کہ آپ شوگر نہ کھائیں تو کہتے ہیں کہ اب دوا کھا لوں گا۔

ہمارا حال شوگر کے مریض والا بن چکا ہے۔ لوگ پاکستان کے اندر تفرقہ کرتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ بعد میں نماز پڑھ لیں گے۔ اسی طرح کسی کے مقدسات کی توہین کرتے ہیں اور پھر حج کر آتے ہیں۔ سارے کام دین کے خلاف کرتے ہیں مثلاً رشوت و سود کھاتے ہیں اور اُس کے اوپر کوئی نہ کوئی پوچھا لگا لیتے ہیں۔ کسی نہ کسی طریقہ سے کسی مولوی کو ورغلا کر فتویٰ لے لیتے ہیں۔ پہلے کسی مولانا سے پوچھتے ہیں کہ مجھے یہ کام کرنا ہے! وہ کہتے ہیں کہ آپ یہ کام نہیں کر سکتے تو بجائے کام چھوڑنے کے کسی دوسرے مولانا کے پاس چلے جاتے ہیں اور اس سے گھما گھما کر سوال پوچھتے ہیں بالآخر جب تک کوئی ہاں نہیں کر دیتا مولوی بدلتے رہتے ہیں۔ جبکہ رشوت و سود کھانا جرم ہے۔ ربا کے بارے میں ہے کہ جو سود کھاتا ہے وہ اللہ کے ساتھ علانیہ جنگ کر رہا ہے، لیکن ربا سے بھی بڑا جرم تفرقہ ہے، چونکہ ربا ایک ایسی بیماری ہے جس سے فقر بڑھ جاتا ہے، معیشت مشکلات کا شکار ہو جاتی ہے اور معاشرہ نامتعادل و ناموزوں ہو جاتا ہے لیکن تفرقہ نہ صرف معاشرہ کو نامتعادل کرتا ہے بلکہ نابود اور تباہ و برباد کر دیتا ہے۔

جو مذہب محبت، بخشش اور عفو و درگزر کا مذہب ہے اُسے اس طرح پیش کیا گیا کہ لوگ سمجھنے لگے جہاں مذہب ہوگا وہاں نفرت، تلخی اور لڑائی جھگڑا ضرور ہوگا۔ اسی لئے آج مذہب کا نام سنتے ہی لوگوں کے ذہن میں جھگڑے کا تصور نمودار ہوتا ہے۔ پہلے لوگ اپنی لڑکیاں مذہبی لڑکوں کو دینا پسند کرتے تھے لیکن اب مذہبی گھرانے بھی سیکولر لڑکا ڈھونڈتے ہیں کہ جو نماز نہ پڑھتا ہو چونکہ اگر نماز پڑھتا ہے تو اس کے اندر ضرور تفرقہ کے اسباب موجود ہوں گے۔ کل کو یہ لڑ جھگڑ کر نوکری چھوڑ دے گا یا کسی اور سے لڑے گا تو ہماری لڑکی بے چین رہے گی وغیرہ وغیرہ۔ اس کی وجہ بھی ہے کہ ہم نے مذہب کا چہرہ بگاڑ کر پیش کیا ہے۔ جب تک ہمارے اعمال میں تضاد ختم نہیں ہوتا تفرقہ کا سدباب نہ صرف یہ کہ ممکن نہیں ہے بلکہ یہ چیز تفرقہ کو پھیلانے میں کارگر ثابت ہوتی ہے۔

……دین کے ارکان کو جدا کرنا

دینِ اسلام کے ارکان کو ایک دوسرے سے جدا کرنا بھی تفرقہ کی اہم وجہ ہے۔ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ یہ دین انسان کی ہدایت و تربیت اور انسان کو انسان بنانے کے لئے آیا تھا لیکن اسے کاٹ کر اس کے حصے بخرے کر دیئے گئے، جیسے قصاب بکرے کو کاٹ کر حصے بخرے کرتا ہے اور لوگ قصاب سے تھوڑا تھوڑا گوشت لے کر اپنے گھر چلے جاتے ہیں، اپنی گزر اوقات کر لیتے ہیں، ایک ٹائم کی ہڈیاں بنا لیتے ہیں اسی طرح سے ہم دین بھی تھوڑا تھوڑا لے کر چلے گئے اور پھر اپنے آپ کو دیندار سمجھنے لگے لیکن پورے دین کا تصور ذہنوں میں قائم نہیں ہے۔

دین کو کاٹنا اور اس کے ارکان کو ایک دوسرے سے جدا کرنا سب سے بڑا المیہ ہے۔ جب سے دیانت اور سیاست میں جدائی آئی ہے یعنی دین و سیاست الگ کیا گیا ہے تو دین بھی اپنے مقام سے ہٹ گیا ہے اور سیاست بھی اپنے مقام سے گر گئی ہے۔ آج یہ دونوں چیزیں المیہ بن گئی ہیں۔ پاکستان میں سیاست بھی اپنے محور سے ہٹی ہوئی ہے اور مذہب بھی۔ کچھ لوگ سیاسی بن کر کچھ اور راستہ طے کر رہے ہیں اور کچھ اہل دین بن کر کسی اور سمت جا رہے ہیں۔ امام خمینیؒ فرماتے تھے کہ عالمِ دین کے لئے درسِ دین کافی نہیں ہے بلکہ دردِ دین بھی ضروری

دین کے ارکان کو جدا کرنا

ہے۔ درسِ دین سے نہ وہ قوم کی خدمت کر سکتا ہے اور نہ دین کی بلکہ وہ دین کو ذریعۂ معاش بنائے گا۔

ایک بزرگ رائٹر کے بقول تاریخ میں مسلمین کے ساتھ سب سے بڑا المیہ یہ رونما ہوا کہ دین کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے، یعنی عبادتیں، معیشتیں، سیاستیں، ریاستیں، مسجدیں اور خانقاہیں الگ الگ ہو گئیں اور الگ ہونے سے سب کو نقصان پہنچا۔ اقبالؒ ہی کے بقول کہ جب دین سے سیاست جدا ہوئی اور سیاست سے دین جدا ہوا تو پیچھے چنگیزیت رہ گئی۔ بے دین جمہوریت اور بے دین آمریت بھی چنگیزیت ہے۔ یہ نہیں ہونا چاہئے کہ ملک کو بے دین آمریت سے نکال کر بے دین جمہوریت کی گود میں ڈال دیا جائے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ایک آفت و بدبختی سے نجات ملے تو قوم دوسری مصیبت میں پھنس جائے یعنی آسمان سے گر کر کھجور میں جا اٹکے۔ آج بے دین جمہوریت نے دنیا میں قتلِ عام کیا ہوا ہے، عراق، فلسطین، افغانستان و کشمیر کے اندر یہی جمہوری لشکر تباہی مچا رہا ہے۔ پاکستان کے اندرونی حالات اسی بے دین جمہوریت و سیاست کا نتیجہ ہیں کہ جس کا نام چنگیزیت ہے۔ یہ چنگیزیت مختلف لبادوں میں آسکتی ہے۔

.........خانقاهیت=لاتعلقی

اقبالؒ ہی کا فرمانا ہے کہ اگر دین سے سیاست جدا ہو جائے تو وہ خانقاہیت ہے۔ خانقاہیت یعنی ذکر وفکر میں مشغول ہو جاؤ اور اس کے بعد نہ سوسائٹی سے کوئی تعلق ہو، نہ سوسائٹی کے مسائل سے کوئی تعلق ہو اور نہ امتِ مسلمہ سے کوئی تعلق ہو کہ ان پہ کیا بیت رہی ہے۔ روز میڈیا پہ لاشیں گنتے رہو کہ آج ہنگو میں اتنے گر گئے، خیر پور میں اتنے گر گئے، پارہ چنار میں اتنے گر گئے، سو عراق میں گر گئے، پچاس فلسطین میں گر گئے اور تیس افغانستان میں گر گئے اور پھر کہے کہ اب میں اپنی نماز شروع کرتا ہوں، یہ خانقاہیت ہے۔ نماز و دیگر عبادتیں انسان کو شعور دیتی ہے۔ وہ پیغمبر ﷺ جس نے ہمیں نماز سکھائی ہے ان کا فرمانا ہے کہ جو شخص اپنی صبح کا آغاز اس طرح کرے کہ اس دن مسلمین کے حالات سے آگاہ نہ ہو وہ مسلمان کہلانے کا حق دار نہیں ہے چاہے وہ ساری زندگی نمازیں پڑھتا رہے۔

خانقاہیت یعنی لاتعلق دین کہ جس کا روزمرہ کے معاملات سے کوئی تعلق نہ ہو، انسان احساسِ ذمہ داری نہ کرے، وہ مسجد خانقاہی ہو جاتی ہے جس مسجد کے اندر فقط ثواب کے لئے چند رکعتیں پڑھ پڑھ کر واپس چلے جائیں لیکن امت مسلمہ، ملک، قوم اور اپنی بقاء کے لئے کوئی فکر نہ ہو۔ وہ منبر خانقاہ بن جاتا ہے اور وہ منبر منبر نہیں ہوتا جس کے ذریعہ سے امت کو بیداری و شعور کے بجائے فقط انٹرٹینمنٹ (Entertainment) ملے۔ وہ مدرسہ خانقاہی ہو جاتا ہے کہ جس میں عربی زبان کا تبادلہ ہوتا رہے، ایک سینہ سے دوسرے سینہ میں عربی منتقل ہوتی رہے لیکن اس کے اندر بیداری، شعور و آگہی نہ آئے۔ آج امت دین و سیاست کو جدا کرنے کا مزہ چکھ رہی ہے۔

امام خمینیؒ فرماتے ہیں کہ یہ بھی دشمن کا کام ہے۔ دشمن نے پہلے اسلام کے حصے بخرے کیے۔ کسی سے کہا کہ تم دین کے بغیر ایوانوں میں بیٹھو لہٰذا اب وہ کسی چیز کا پابند نہیں ہے۔ اس کے اندر غیرت نام کی کوئی چیز نہیں ہے چونکہ بے دین حکمران کے اندر ملک و ملت اور کسی چیز کے بارے میں غیرت نہیں ہوتی اور جب کسی ملک کے حکمران کے اندر غیرت مر جائے تو وہ پورے ملک و قوم کو ذلیل کر دیتا ہے۔ اسلام و قرآن غیرت سکھاتا ہے۔ سید الشہداءؑ نے میدانِ کربلا میں ان اشقیاء سے کہا تھا:

اِنْ لَمْ یَکُنْ لَکُمْ دِیْنٌ وَ کُنْتُمْ لَا تَخَافُوْنَ الْمَعَادَ فَکُوْنُوْا اَحْرَاراً فِیْ دُنْیَاکُمْ.....[1]

اگر تمہارا دین نہیں ہے تو کم از کم غیرتِ دنیوی تو تمہارے اندر موجود ہونی چاہیے۔

غلامی مسلمان کے ساتھ جچتی نہیں ہے۔ اب دشمن مسلمین کے اختلاف سے فائدہ اٹھا کر انہیں ایک دوسرے سے لڑوا رہا ہے اور اسلام و امتِ مسلمہ کے چہرے کو بدنام کرنا چاہ رہا ہے۔ آج ہمیں پوری امت کا دکھ ہے لیکن سب سے بڑھ کر اپنے وطن و قوم کا درد ہے۔ یہ حکمران جن کو ملک و قوم اور ان کی عزت و آبرو بچانی چاہئے دوسروں کے مددگار بن بیٹھے ہیں اور دوسروں کے ایجنڈوں کو اپنے ملک و قوم پر لاگو کر رہے ہیں۔

---

[1]......(الملهوف علی قتلی الطفوف- سید ابنِ طاوسؒ)(بحار الأنوار- علامه مجلسیؒ، الجزء ٤٥، صفحه ٥١)

پس تفرقہ پھیلانے میں خانقاہیت یعنی اس لاتعلقی کا بڑا حصہ ہے۔ چند لوگ خود ہی شیعہ کے ترجمان بن بیٹھے ہیں اور تفرقہ آمیز زبان استعمال کرتے ہیں لیکن شیعوں کی اکثریت لاتعلق ہے۔ اسی طرح اہل سنت کے اندر چند افراد تفرقہ کو ہوا دیتے ہیں لیکن اہل سنت کی اکثریت لاتعلق ہے۔ یہ بہت بڑا المیہ ہے کہ اقلیت نکل کر تفرقہ پھیلائے اور بہت بڑی اکثریت لاتعلق بیٹھی رہے۔ جتنا بڑا گناہ تفرقہ ڈالنا ہے اتنا ہی بڑا گناہ لاتعلق رہنا بھی گناہ ہے۔ تفرقہ ڈالنے والوں سے لاتعلق نہیں رہیں بلکہ ان سے اظہار بیزاری و اظہارِ لاتعلقی کریں۔

......ایک دوسرے کے مذہب کا کارٹون بنا کر پیش کرنا

ایک دوسرے کے مذہب کی شکل بگاڑ کر پیش کرنا تفرقہ پھیلانے کیلئے ایک بہت بڑی غلطی ہے لیکن لوگوں کی ایک غلطی یہ بھی ہے کہ وہ اپنی غلطیوں کا اعتراف نہیں کرتے۔ غلطیاں ہٹ دھرمی سے نہیں بلکہ اعتراف سے دور ہوتی ہیں۔ ایک اور غلطی یہ ہے کہ شیعہ کو جب سنی کو سمجھنا ہوتا ہے تو وہ شیعہ کی کتاب پڑھتا ہے اور سنی کو بھی جب تشیع کے بارے میں معلومات چاہیئے ہوتی ہیں تو وہ تشیع کی کتابیں نہیں پڑھتا، تشیع کے علماء کی طرف نہیں آتا بلکہ یہ دیکھتا ہے کہ کسی سنی مولانا نے تشیع کی کیا تصویر بنائی ہے؟ پورے وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ شیعہ کو اہل سنت کے بارے میں جتنی معلومات ہیں وہ خود شیعہ علماء یا شیعہ رائٹرز کے ذریعے سے حاصل ہوئی ہیں، انہوں نے سنی کتب اور رائٹرز کے ذریعہ سنی مذہب کو نہیں پڑھا اور اس کے برعکس بھی ایسا ہی ہے کہ سنی کسی شیعہ عالم کی طرف نہیں آئے، انہوں نے شیعہ کتب اور شیعہ رائٹرز کو نہیں پڑھا بلکہ تعصب یا کسی غلط فہمی کی بنا پر شیعہ کی جو تصویر بنا کر پیش کی گئی وہی انہوں نے ذہن میں بٹھالی ہے۔ حق تلاش کرنے کا یہ طریقہ صحیح نہیں ہے۔

عموماً آج کل اخباروں میں کارٹون انڈسٹری کافی پھل پھول گئی ہے۔ کارٹونسٹ سیاستدانوں یا سماجی و سیاسی مسائل کے عموماً طنزیہ کارٹون بناتے ہیں یعنی شکل کو بگاڑ کر پیش کرتے ہیں اور وہ لوگوں کو اسی لئے اچھی شکل لگتی ہیں۔ کارٹونسٹ کبھی بھی اصلی تصویر نہیں دکھاتے۔ متعصب مولوی درحقیقت مذہب کا کارٹونسٹ ہوتا ہے۔ یہ دوسرے مذہب کا کارٹون بنا کر لوگوں کو دکھاتا ہے لہٰذا کبھی بھی صحیح شکل پیش نہیں کرتا۔

ایک دوسرے کے مذہب کا کارٹون بنا کر پیش کرنا

جیسے آج کل اخباروں میں سیاستدانوں کے بارے میں اخباروں میں کارٹون زیادہ بنتے ہیں۔فرض کریں کہ ایک غیر شادی شدہ سیاستدان شادی کی کوشش کررہا ہو اور رشتے کیلئے لڑکی والوں سے بات ہو چکی ہو لیکن انہوں نے لڑکے کو دیکھا نہ ہو کہ وہ کس حلیے کا ہے؟ اور اس کی تصویر کیسی ہے؟ کیونکہ یہاں دینی لڑکی بھی تصویر دیکھ کر دیتے ہیں۔ایسے میں اگر کوئی پڑوسی اخبار میں اس کا چھپا ہوا کوئی کارٹون لے کر آئے اور ان کو دکھائے کہ جس کو آپ لڑکی دے رہے ہیں وہ یہ صاحب ہیں تو اب اس تصویر کو دیکھتے ہی یہیں پر رشتہ ٹوٹ جائے گا۔یہاں پر ان لوگوں نے بھی غیر معقول کام کیا ہے کہ انہیں اپنے داماد کا کارٹون نہیں دیکھنا چاہیے تھا بلکہ انہیں اس کی اصلی تصویر دیکھنی چاہئے تھی۔انہیں خود لڑکے والوں سے کہنا چاہئے تھا کہ جو فوٹو آپ کے پاس موجود ہے ہمیں وہ تصویر دکھائیں۔

یہی کام پاکستان میں ہو رہا ہے۔علماء اپنے مذہب کی تبلیغ کم کرتے ہیں جبکہ دوسرے کے مذہب کا کارٹون زیادہ بناتے ہیں اور کارٹون بنا کر اپنی مسجدوں، منبروں، محرابوں اور تبلیغی سینٹروں میں پیش کرتے ہیں، جبکہ یہ تبلیغ دین نہیں بلکہ تعصب، تنگ دلی، جہالت، سوءِ فہم اور قوم کو غلط راستہ پر ڈالنا ہے۔جو انسان خود بھی گمراہ ہو اور دوسرے کی گمراہی کا سبب بھی بنے تو یہ سب سے بڑا گناہ ہے اور اس کی توبہ بھی اس وقت تک قبول نہیں ہے جب تک اس نے جتنے لوگ گمراہ کئے ہیں انہیں دوبارہ راہِ راست پر نہ لے آئے۔

توہینِ رسالتؐ کے لئے بھی کارٹون کا ذریعہ استعمال کیا گیا تھا۔بعض لوگوں نے شیعوں اور سنیوں کے مذہب کو پڑھا ہوا نہیں ہے لیکن صرف تعصب و نفرت کی وجہ سے ایک مولوی دوسرے مذہب کا کارٹون بنا رہا ہے اور کارٹون بنا کر اپنے پیروکاروں کو بتاتا ہے کہ یہ ہے وہ مذہب۔لوگ جب یہ کارٹون دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ تو بہت ہی برا مذہب ہے۔

عوام کارٹونسٹس (Cartoonists) سے دوسروں کے بارے میں نہ پوچھیں کہ لوگ کیسے ہیں؟ مذاہب کیسے ہیں؟ افکار و نظریات کیسے ہیں؟ بلکہ ہر مذہب کے محقق، فضلاء و علماء موجود ہیں۔مذہب لاوارث چیز نہیں ہے۔البتہ پاکستان کی سرزمین لاوارث ہے اور یہاں جو چیز آتی ہے وہ بھی لاوارث بن جاتی ہے۔ہر آدمی

ایک دوسرے کے مذہب کا کارٹون بنا کر پیش کرنا

خود کو حق دیتا ہے کہ کسی اور چیز میں مداخلت کرے مثلاً آپ ٹیکسی میں بیٹھے ہوئے ہوں اور ڈرائیور سے کہیں کہ تھوڑی اسپیڈ کم کرو تو وہ کہتا ہے بیٹھنا ہے تو بیٹھو ورنہ اُترو، آپ میری ڈرائیونگ میں مداخلت نہیں کرو۔ ٹیکسی ڈرائیور اپنی ڈرائیونگ میں مداخلت کرنے کی اجازت نہیں دیتا لیکن یہی ڈرائیور دین میں مداخلت کرنے کا حق رکھتا ہے۔ مذہب کو اتھارٹی (Authority) کی ضرورت ہے۔

مثلاً ہر کوئی پاکستان کے کسی مبہم قانون کی از خود تشریح نہیں کرسکتا بلکہ اس کیلئے سپریم کورٹ کی اتھارٹی (Authority) موجود ہے۔ جس طرح انسان کے بنائے ہوئے آئین کیلئے اتھارٹی موجود ہے اسی طرح دین کیلئے بھی اتھارٹی موجود ہے۔ اگر آپ نے کسی مذہب کا مطالعہ کرنا ہے تو کارٹونسٹوں کے ذریعے نہ کریں بلکہ محققین اور علماء کے ذریعے کریں تا کہ سوءِ فہم کا شکار نہ ہوں۔

ایک دوسرے کے مذہب کا کارٹون بنا کر پیش کرنا

اگر کوئی شخص کسی کو زہریلا کھانا پکا کر کھلا دے تو اس میں پکانے والے کا کوئی نقصان نہیں ہے بلکہ کھانے والے کا نقصان ہے۔ جو مولوی کسی مذہب یا کسی کے اعتقادات کی کارٹونک (Cartoonic) شکل بنا کر پیش کرتا ہے تو وہ صرف چٹخاروں، اپنے لقمہٗ نان کو تر کرنے اور اپنے دُنیاوی مفادات کی خاطر ایسا کر رہا ہے لیکن نقصان اس کا ہو رہا ہے جس کے ذہن میں اس کی باتوں کی وجہ سے مذہب کی غلط تصویر آ گئی ہے۔ ہلاک وہ ہوگا کہ جسے بدہضمی و نافہمی ہوگئی ہے۔ لہٰذا دین شناسی و دین فہمی دین کے اندر ایک اہم مسئلہ ہے۔

کبھی کبھار ملک سے باہر تبلیغی سفر پر جاتے ہیں تو لوگوں کا یہ سوال سن کر بہت شرمندگی ہوتی ہے کہ کیا پاکستان میں کوئی عقلمند نہیں ہے؟! کوئی ایسی مسلم یا غیر مسلم سرزمین نہیں ہے کہ جس کے اندر شیعہ وسنی نہ رہتے ہوں لیکن پاکستان میں انوکھے مسلمان ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دشمنانِ دین بہت آسانی اور سہولت سے مسلمان کے ہاتھوں مسلمان کا خون گرا لیتے ہیں، مسلمان کو مسلمان کا دشمن بنا دیتے ہیں، اسلام کا چہرہ مسخ کرتے ہیں، اسلام کو ڈراؤنا اور بھیانک بنا کر پیش کرتے ہیں۔ اگر سارے پاپ (Pope) مل کر اسلام کے خلاف کتابیں لکھیں کہ اسلام غلط مذہب ہے تو لوگ اور زیادہ اسلام کی طرف آئیں گے لیکن اگر وہ مسلمان کا چہرہ کارٹون (Cartoon) کی طرح بنا دیں تو پھر لوگ انہیں دیکھ کر اسلام سے نفرت کریں گے۔

ایک دوسرے کے مذہب کا کارٹون بنا کر پیش کرنا

دین کے مستحبات میں سے ہے کہ اذان دینے والا خوش لحن آدمی ہوتا کہ لوگ اذان سن کر رغبت پیدا کریں۔ کسی جگہ ایک بدآواز مؤذن نے اذان دی تو تھوڑی دیر بعد ایک یہودی گلدستہ لے آیا اور لوگوں سے پوچھنے لگا کہ یہ اذان کس نے دی تھی؟ لوگوں نے اسے مؤذن کا پتہ بتایا اور سمجھے کہ اُس کی اذان سے متاثر ہو کر یہ اسے گلدستہ پیش کرنا چاہتا ہے۔ بہر حال لوگوں نے پوچھا کہ یہ گلدستہ کیوں لائے ہو؟ یہودی کہنے لگا کہ مؤذن نے میری ایک بڑی الجھن حل کر دی ہے۔ کافی عرصہ پہلے میری بیٹی کسی مسلمان اور تعلیماتِ اسلام سے متاثر ہوگئی تھی اور مدت سے مسلمان ہونے کا ارادہ کر رہی تھی لیکن جونہی اُس نے بھدی آواز میں اذان سنی ہے تو آج سے اُس نے طے کر لیا ہے کہ میں ہرگز اسلام قبول نہیں کروں گی۔ اگر اُس کو اسلام سے دور کرنے کیلئے دلائل دیئے جاتے، مناظرے کیئے جاتے تو شاید وہ دور نہ ہوتی لیکن ایک بھدی اذان نے اُس کو اسلام سے دور کر دیا۔ اسی طرح اگر مذہب کا کارٹون (Cartoon) بنا کر پیش کریں تو لوگ متاثر ہوتے ہیں اور نفرت کی وجہ سے اُس سے دور ہو جاتے ہیں۔

کسی کو کارٹون بنا کر پیش کرنے کا ایک نمونہ یہ ہے کہ ایک عالمِ دین کسی گاؤں میں پہلی دفعہ تبلیغ کیلئے گئے تو وہاں مشہور ہوگیا کہ شیعہ عالم آئے ہوئے ہیں۔ وہ پہاڑی لوگ تھے اور انہیں دیکھنے کیلئے اطراف و جوانب سے سمٹ آئے، اسی طرح ایک آدمی اپنے خاص کلچر کے تحت ہاتھ میں بڑی ڈانگ اُٹھائے ہوئے عجیب و غریب حالت میں آیا اور پوچھنے لگا کہ شیعہ کہاں ہے؟ وہ عالم کہتے ہیں کہ میں اسی کمرے میں بیٹھا ہوا تھا، کسی نے اس شخص کو کہنی مار کر کہا کہ آہستہ بولو لیکن اُس نے پھر بلند آواز میں پوچھا کہ بتاؤ شیعہ کہاں ہے؟ لوگوں کے منع کرنے کے باوجود اس نے تیسری بار بھی باآوازِ بلند وہی سوال کر دیا۔ کسی نے جواب دیا کہ وہ سامنے بیٹھے ہوئے ہیں۔ اُس شخص نے حیرت سے کہا کہ یہ تو انسان ہیں۔ عالمِ دین نے بتایا کہ مجھے بہت تعجب ہوا اور میں نے اُسے پاس بلا کر کہا کہ بیٹھو برخوردار میں شیعہ ہوں۔ کہنے لگا نہیں آپ تو ہماری طرح انسان ہیں، یعنی کسی نے اس شخص کے سامنے شیعہ کی غلط تصویر پیش کی تھی۔ کسی نے اسے بتایا تھا کہ ان کے لمبے لمبے دانت ہوتے ہیں، لمبے لمبے کان ہوتے ہیں، اس کے پنجے ایسے ہوتے ہیں اور وہ بڑا خونخوار ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر ہم ایک ایک کر کے جزئیات میں جائیں تو

فراوان غلط فہمیاں موجود ہیں۔اس کارٹون سازی سے تفرقہ کے شعلہ کو ہوا ملتی ہے۔

ایک اور چیز جو آج ہمارے معاشرے میں بہت زیادہ رائج ہوگئی ہے وہ کارٹونسٹ طبقہ کا منبروں پر آنا ہے اور اتفاقاً کارٹون سب کو پسند آتے ہیں۔ان پڑھ کو بھی کارٹون سمجھ میں آتا ہے اور یہ صرف کارٹون دیکھنے کے لئے اخبار لے لیتے ہیں۔بچے بڑے شوق سے اخبار اٹھاتے ہیں اور فوراً ورق الٹتے الٹتے کارٹون والے پیج پر جاتے ہیں کہ آج کس کا کارٹون بنا ہے۔بعض اوقات لوگوں کو حیرت ہوتی ہے کہ جو شعلہ بیانیاں کرتے ہیں ان کو زیادہ لوگ کیوں سنتے ہیں؟ اس کی وجہ یہی ہے کہ چونکہ یہ کارٹون زیادہ بناتے ہیں اور کارٹون سب کو پسند ہوتا ہے، لیکن دوسرے کارٹون نہیں بناتے بلکہ کیمرے کی اصلی تصویر کھینچ کر دکھاتے ہیں کہ ہم ایسے ہیں لہٰذا ان لوگوں کو زیادہ پسند نہیں کیا جاتا۔

..........پاکستانی مناظرہ اور شعلہ بیانی

کارٹون سازی نہ کریں بلکہ عالمانہ بحث کریں اور عالمانہ بحث کا حق علماء کو پہنچتا ہے۔کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ دوسروں کے عقیدے اور مقدسات کا کارٹون بنائے۔اگر امانتداری ہے تو حق کو سب کے سامنے پیش کریں۔وحدت دلیل، بحث، تحقیق و جستجو کو نہیں روکتی۔وحدت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ سنی و شیعہ مطالعہ چھوڑ دیں۔ مطالعہ و تحقیق اور دلیل و برہان کے ساتھ بات کرنے کا دروازہ شیعہ و سنی کے درمیان صدیوں سے کھلا ہوا ہے اور علماء ایسے مناظرے کرتے رہے ہیں لیکن اس وقت پاکستان میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ ایک دوسرے کا کارٹون بنانا ہے۔

کارٹون سازی کو مناظرہ نہیں کہتے۔دراصل مناظرہ ایک علم ہے لیکن ہمارے ملک میں بنامِ مناظرہ جو کچھ ہوتا ہے یا جس چیز کو ہم مناظرہ کہتے ہیں وہ مناظرہ نہیں ہوتا۔اس میں سوائے مناظرے کے سب کچھ ہوتا ہے۔مناظرے کا مطلب نظریات کا تبادلہ ہے یعنی ایک شخص اپنا نظریہ پیش کرکے دلیل دے اور دوسرا اپنا نظریہ پیش کرکے دلیل دے جیسے دیگر بہت سے کاموں میں لین دین ہوتا ہے۔حق کی جستجو اور وضاحت کیلئے علمی سطح تک

مناظرہ اچھی چیز ہے لیکن پاکستان کے اندر بنامِ مناظرہ تفرقہ ہوتا ہے۔

یہاں مناظراتی اہل قلم یا اہل سخن کو شعلہ بیان کا خطاب دیا جاتا ہے یعنی اس خطیب کی زبان سے شعلے نکلتے ہیں نور نہیں نکلتا جبکہ قرآن و اسلام نور ہے۔ اگر یہ خطیبِ اسلام ہے تو اس کی زبان سے نور نکلنا چاہئے جو دنیا کو بھی نورانی کرے لیکن اس کے پیٹ میں آگ بھری ہوئی ہے چونکہ قرآن نے لقمۂ حرام کو آگ کہا ہے۔ یہ کتمانِ حق کر کے اس کے بدلے مالِ حرام کما کر کھاتا ہے لہٰذا آگ سے اپنا پیٹ بھر رہا ہے اور آگ سے شعلے بنتے ہیں لہٰذا یہی شعلے زبانوں سے نکلتے ہیں۔ اس شعلہ بیانی نے اُمت کو آگ میں جھونک دیا ہے۔ ہر شعلہ بیانی کے بعد راکھ کا ڈھیر لگ جاتا ہے۔ ہمیں ناری خطیبوں کی نہیں بلکہ نورانی خطیبوں کی ضرورت ہے۔ سید نصر اللہ وہ نورانی سید ہیں کہ جن کی تقریروں، خطبوں، حرکات و سکنات اور آنکھوں سے نور ٹپکتا ہے۔ جس کو سازشوں کے تحت مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ مسلمانوں کے اندر تفرقہ میں ملوث ہو جائے لیکن وہ اپنے حق سے دستبردار ہو جاتا ہے مگر مسلمانوں کے اندر تفرقہ ڈالنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ اگر اس کی زبان سے آگ نکلتی ہے تو اس سے اسرائیل جلتا ہے کوئی مسلمان نہیں جلتا، حتیٰ کوئی لبنانی مسیحی بھی نہیں جلتا۔ لیکن پاکستان میں لوگ اس وقت تک راضی نہیں ہوتے جب تک کسی دوسرے کے مذہب کی توہین نہ کریں اور جب ایسے مجمع میں آ جاتے ہیں جو نعرے اور صلواتیں نہیں پڑھتے تو اُن کے لئے انہوں نے اسپیشل چٹکیاں و تعریضیں رکھی ہوتی ہیں۔

......سوءِ تفاهم

رہبر انقلاب نے بھی وحدت کی تاکید و تلقین پر مشتمل اپنے ایک خطبہ میں تفرقہ کے ایک اور اندرونی سبب کی نشاندہی کی ہے اور وہ سبب سوءِ تفاہم ہے۔ سوءِ تفاہم یعنی ایک دوسرے کی مراد کو درست نہ سمجھنا یا دوسروں کو عینک لگا کر دیکھنا۔ جب ہم کالی عینک لگا کر دوسروں کو دیکھتے ہیں تو اس وقت ہمیں ان کے چہرے صاف نظر نہیں آتے۔ اگر آپ سفید کپڑے پہنے ہوئے اپنے ساتھی کو کالی عینک لگا کر دیکھیں گے تو ظاہر ہے وہ آپ کو کالے لباس میں نظر آئے گا۔ کالی عینک لگا کر دیکھنے سے لوگ ایک دوسرے کو سیاہ نظر آتے ہیں۔

سوءِ تفاهم

سوءِ فہم یا بدفہمی تفرقہ کی اہم ترین وجہ ہے کہ جس کے باعث آج ہمارا ملک آگ میں جل رہا ہے اور دوسری دُنیا میں یہ آگ سرایت کرنے والی ہے۔ دشمن کی پوری کوشش ہے کہ لبنان کا حشر بھی پاکستان اور عراق جیسا ہو جائے۔ جو تجربہ انہیں پاکستان سے حاصل ہوا اُس کا نتیجہ لے کر یہ عراق گئے اور اب لبنان اور اس کے بعد ایران اور پھر دوسرے خطوں کو نشانہ بنانا چاہ رہے ہیں۔ اس کے پیچھے ایک بڑا مؤثر عامل جو پاکستان میں خصوصی اہمیت رکھتا ہے اصلِ دین کو درست نہ سمجھنا ہے کہ خود دین کیا ہے؟ حقیقتِ دین کیا ہے؟ دین تھا کچھ اور لیکن اسے سمجھ کچھ اور لیا گیا۔ اس نافہمی کی وجہ سے آج دین کی بیسیوں شکلیں بنی ہوئی ہیں۔ اور ہر ایک اپنی اپنی شکل لے کر اُسے دین سمجھا ہوا ہے۔ جیسا کہ قرآن نے فرمایا ہے:

كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ O [1]

ہر فرقہ اس پر خوش ہے جو اس کے پاس ہے۔

یعنی ہر حزب نے دین کی اپنی من گھڑت شکل بنالی ہے اور سمجھ رہا ہے کہ وہی دین ہے۔

مولانا روم نے اپنی مثنوی میں اس کی خوبصورت مثال پیش کی ہے جسے شہید مطہریؒ نے اپنی کتابوں میں بھی نقل کیا ہے۔ مثال یہ ہے کہ ایک تاریک کمرے میں ہاتھی کھڑا کیا گیا اور پھر کچھ لوگوں سے کہا گیا کہ آپ کمرے میں جائیں اور ہاتھ لگا کر بتائیں کہ کمرے میں کیا چیز ہے؟! چونکہ حوصلہ نہیں ہوتا اور تاریکی سے ہم ویسے بھی ڈرتے ہیں، تحقیق و جستجو کی عادت کا بھی سنگین فقدان ہے اور سونے پہ سہاگہ کہ عجول و جلد باز بھی ہیں لہٰذا وہ جلد بازی میں کمرے میں گئے اور ہر ایک نے دور سے ہاتھ بڑھا کر اسے سمجھنا شروع کیا۔ ایک شخص کا ہاتھ ہاتھی کی دم پر لگ گیا تو اُس نے باہر آکر کہا کہ کمرے میں جھاڑو لٹکی ہوئی ہے، دوسرے کا ہاتھ اُس کی سونڈ پر جا لگا لہٰذا اس نے بتایا کہ دراصل کمرے میں ایک موٹا پائپ لٹکا ہوا ہے، تیسرے کا ہاتھ اُس کے پاؤں سے مس ہوا تو اس نے ستون کا انکشاف کیا، چوتھے کا ہاتھ کان سے جا ٹکرایا تو اس نے اسے پنکھا گردانا۔ یعنی ہر ایک نے اپنی اپنی ناقص فہم کے

---

[1] ......(سورۂ مومنون، آیہ ۵۳)(سورۂ روم، آیہ ۳۲)

مطابق اس ہاتھی کی الگ الگ تعبیر ذکر کی۔

اسی طرح دینِ اسلام جو پوری بشریت کیلئے جامع منشورِ حیات ہے اس کے ساتھ بھی لوگوں نے یہی سلوک کیا۔ جس کے ہاتھ میں دین کی جو چیز آئی وہ اُس کو کُل دین سمجھ بیٹھا۔ کسی کے ہاتھ رسم آئی تو وہی اُس کا سارا دین بن گیا، کسی کے ہاتھ عبادت آئی تو وہ اسے سارا دین سمجھ بیٹھا، کسی کے ہاتھ دعائیں آئیں تو وہی اس کا دین بن گئیں اسی طرح کسی کے ہاتھ فقہی احکام چڑھ گئے جو اس کا دینِ کُل بن گئے۔ آج کوئی کسی کی چیز قبول کرنے کیلئے تیار نہیں ہے۔ اگر نورانیت ہوتی تو پھر پوری حقیقت پر ہاتھ لگاتے اور معلوم ہو جاتا کہ یہ چیزیں کسی اور جامع چیز کا حصہ ہیں۔

ہمارے ایک دوست کے اپنے مطابق پہلے انہوں نے آوارگی کی زندگی بسر کی اور وہ عصرِ جاہلیت میں تھے پھر خدا نے توفیقِ توبہ دی تو انہوں نے مذہب اپنانا شروع لیکن کہنے لگے میں بہت حیران ہوا کہ یہ سب ایک ہی مذہب کے لوگ ہیں پھر بھی الگ الگ چیزوں میں مشغول ہیں۔ یہ درحقیقت نافہمی یا بدفہمی ہے۔ بدفہمی، بدہضمی کی طرح ہے۔ اگر انسان کچھ نہ کھائے تو بدہضمی نہیں بلکہ بےہضمی ہوتی ہے لیکن اگر انسان آلودہ کھانا کھالے یا صحیح کھانا کھائے لیکن ہضم نہ کر سکے تو بدہضمی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اسی طرح نافہمی سے بری چیز بدفہمی ہے۔ دین کو اُلٹا سمجھنے کا ایک بڑا سبب ہے نافہمی ہے۔ یہ سوءِ فہم کا ایک مصداق ہے۔ الف سے ے تک دین کو صحیح سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اگر خود سمجھنے کی صلاحیت نہیں ہے تو اُن کی مدد سے سمجھیں جن کے بارے میں مطمئن ہیں کہ یہ دین کو سمجھتے ہیں۔

امام خمینیؒ نے دوسرے علماء کی خدمات کی نفی نہیں کی لیکن جوانوں کو وصیت و تلقین کی ہے کہ شہید مطہریؒ کی کتابوں کا مطالعہ کریں۔ چونکہ اس عالم نے دین کو ہضم کیا ہے اور حوصلے کے ساتھ دین کو سمجھا ہے۔ اور بھی بزرگان ہیں لیکن یہاں مصداق کے طور پر ایک عالم کا نام لیا ہے۔ ہم ایک دوسرے کی بات سمجھنے میں سوءِ فہم کا شکار ہیں۔ ہم تنگ نظری کی وجہ سے کسی کی بات تحمل کرنے اور سننے کیلئے تیار نہیں ہیں اور اگر سن بھی لیں تو ایک خاص ذہنیت کی عینک لگا کر سنتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کسی کی اچھی بات بھی ہمیں بری نظر آتی ہے۔

حدیثِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ

حُبُّکَ لِلشَّیْءِ یُعْمِیْ وَیُصِمُّ......[1]

یعنی کسی چیز سے محبت انسان کو اندھا و بہرا کر دیتی ہے۔

مثلاً بچہ کتنا ہی بدصورت ہو لیکن ماں کو کبھی بدصورت نظر نہیں آتا یعنی ماں اس سلسلے میں اندھی ہوتی ہے چونکہ اُس کو اپنے بچے سے محبت ہے۔ وہ اپنے بدصورت ترین بچے کو یوسفِ زمان سمجھتی ہے چونکہ محبت کی عینک لگا کر دیکھتی ہے۔ دوسروں کے حسین وزیبا بچے بھی اُس کو اچھے نہیں لگتے چونکہ اُس کی اپنی ذات سے منسوب نہیں ہیں۔ دراصل یہ خودخواہی ہے اور اسی خودخواہی وخودغرضی کی وجہ سے انسان سوءِ فہم کا شکار ہو جاتا ہے۔ چونکہ میری نسبت یا تعلق اس مذہب، فرقے، شخصیت یا کسی کے موقف سے نہیں ہے لہٰذا یہ غلط ہے۔ جس اسکول میں ہم نہیں پڑھے اُس اسکول میں رکھا کیا تھا؟! جس مجلس میں ہم نہیں جاتے اس مجلس میں کچھ ہوتا ہی نہیں! جس مسجد میں ہم نماز نہیں پڑھتے وہاں تو فرشتے بھی نہیں آتے! یہ خودخواہی ہے یعنی ہر چیز میں خود کو محور سمجھنا۔

اسلام کی تعلیمات یہ ہیں کہ ہمارا محور حق ہونا چاہیے۔ حق کی تلاش وجستجو کریں اور جدھر حق ہو اُدھر جائیں۔ اسلام کہتا ہے کہ حق جہاں بھی ہے اسے لے لو اگرچہ کسی منافق کے پاس بھی ملے چونکہ یہ آپ کی گمشدہ چیز ہے۔ اگر آپ کی موٹر سائیکل گم ہو جائے اور وہ کسی کافر کے پاس سے ملے تو اس سے لیں گے یا نہیں لیں گے؟! آپ یہ تو نہیں کہیں گے کہ چونکہ کافر کے پاس ہے لہٰذا میں اپنی موٹر سائیکل واپس نہیں لیتا۔ اسی طرح سے علم، حکمت اور حق مومن کی گمشدہ چیزیں ہیں۔ یہ مومن کو جہاں بھی ملیں اُس سے بغیر کسی عار کے لے لے۔ اس میں مذہب، قوم، قبیلے اور بڑے، چھوٹے کی کوئی قید نہیں ہے۔ اول تو لوگ دوسرے کی بات سننے کیلئے تیار نہیں ہیں لیکن اگر سن بھی لیں تو اُس کو خاص چیزوں میں ملاوٹ کر کے سنتے ہیں اور نتیجہ میں سوءِ ہضم کا شکار ہو جاتے ہیں۔

---

[1]......(من لا یحضره الفقیه، المؤلف: الشیخ الجلیل الاقدم الصدوق أبی جعفر محمد بن علی بن الحسین بن بابویه القمیؒ، الجزء ٤، صفحه ٣٨٠)

جیسے آج کل کھانوں میں ڈالڈا، کیمیکل اور نہ جانے کیا کیا ملاتے ہیں؟! اسی طرح ایک فارسی رائٹر (Persian writer) نے ایک فرضی داستان ذکر کی ہے کہ مریخ یا کسی اور کرہ کا رہنے والا اہلِ زمین کو دیکھنے کیلئے اترا اور پھر واپس جا کر اُس نے اپنے ساتھیوں کو رپورٹ پیش کی کہ زمین کے رہنے والے کیسے ہیں اور کیا کرر ہے ہیں! اُس نے رپورٹ میں بتایا کہ میں نے زمین پر بہت ساری چیزیں عجیب وغریب مخلوقات دیکھیں لیکن ان میں سب سے عجیب مخلوق دو ٹانگوں والی تھی، اُس کے عجیب وغریب کاموں میں سے ایک کام یہ تھا کہ یہ پہلے زمین کھودتی ہے پھر زمین میں کوئی چیز گاڑتی ہے، جب وہ چیز اُگتی ہے تو اُس کو پیستی ہے اور پھر جلا کر کھاتی ہے اس کے بعد اپنے جیسے کسی دوسرے موجود کے سامنے جا کر منہ کھول کر بیٹھتی ہے اور اس سے کہتی ہے اب اسے باہر نکالو۔ واقعاً ہم یہی کام کرتے ہیں اور ملاوٹ کی وجہ سے سوءِ ہضم وسوءِ فہم کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اہلِ مذہب کیلئے سوءِ تفاہم بہت بڑی بلا ہے۔ مذاہب کے درمیان جتنی دوریاں ہیں اُن میں بلا مبالغہ 90% سے 95% غلط فہمیوں اور سوءِ تفاہم کا نتیجہ ہیں۔

غلط فہمیوں کا سب سے بڑا عامل شخصیت پرستی ہے۔ شخصیت پرستی ہمیشہ انسان کو درست جادے سے ہٹا دیتی ہے۔ شخصیات کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا کہ کب بیٹھ جائیں اور کب پھسل جائیں اور ایسا ہوتا بھی ہے کیونکہ یہ شخصیات معصوم نہیں ہیں۔ معمولی لوگ کتنے ہی اعلیٰ درجے تک پہنچ جائیں لیکن ہیں پھر بھی انسان ہی اور ان سے خطا ہو سکتی ہے لیکن جو لوگ شخصیات کی اندھی تقلید شروع کر دیں وہ نقصان اٹھا سکتے ہیں۔ ہمیں حق پرست ہونا چاہئے چاہے اگرچہ حق میرے مخالف کے پاس ہو۔ امیر المومنین علیہ السلام نے ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ

اَلْحَقُّ لَا یُعْرَفُ بِالرِّجَالِ اِعْرِفِ الْحَقَّ تَعْرِفْ اَھْلَہٗ......[1]

حق پر شخصیتوں کو پرکھو نہ کہ شخصیتوں کے اوپر حق پرکھو، حق پہچان لوگے تو شخصیتوں کو خود ہی پہچان جاؤ گے۔

---

[1]......(التبیان فی تفسیر القرآن، المؤلف: شیخ الطائفۃ أبی جعفر محمد بن الحسن الطوسیؒ، الجزء۱، صفحہ۱۸۸)(تفسیر مجمع البیان، المؤلف: امین الاسلام أبی علی الفضل بن الحسن الطبرسیؒ، الجزء۱، صفحہ۱۷٤)

اسی طرح مذہبی لوگ پہلے تو ایک دوسرے کی بات نہیں سنتے اور اگر سن بھی لیں تو صحیح سمجھنے کی بجائے اس کی اپنی ذہنیت کے آئینہ میں تفسیر کرتے ہیں۔ بدفہمی بدہضمی کی طرح خطرناک بیماری ہے۔ اگر آپ مُردوں کا ریکارڈ چیک کریں تو بھوک سے اتنے نہیں مرے جتنے بدہضمی سے مرے ہیں۔ سوءِ ہاضمہ انسان کو قبر تک پہنچاتا ہے لیکن سوءِ فہم انسان کو جہنم تک جا پہنچاتی ہے۔ اگر ہم خدانخواستہ کسی ایسے شہر میں چلے جائیں کہ جہاں سارے ڈاکٹر مریض ہوں اور عام لوگ ٹھیک ٹھاک ہوں، وکیل اور جج جیلوں میں ہوں اور سارے مجرم باہر ہوں تو یہ حیرت و پریشانی کی بات ہے۔ سوءِ فہم کا ایک نمونہ یہ ہے کہ کراچی کی ایک مسجد میں بم دھماکہ ہوا تو انہوں نے نمازیوں کو کارڈ ایشو کیئے کہ جسے چیک کر کے مسجد میں جاسکتے ہیں۔ جس کے پاس کارڈ نہیں ہے وہ مسجد میں نہیں جاسکتا یعنی بجائے دہشت گردوں کو قابو کرنے کے انہوں نے نمازیوں کو قابو کرلیا ہے۔ یہ ان کے نزدیک راہِ حل ہے۔ مذہبیوں کو یہ بیماریاں نہیں لگنی چاہئیں کیونکہ ان سے تفرقہ پیدا ہوتا ہے۔

البتہ سوءِ فہم فقط دین کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ ہمارے سماجی، سیاسی، گھریلو و عائلی مسائل میں بھی سوءِ فہم موجود ہے۔ گھروں میں میاں بیوی میں جو اختلاف ہوتا ہے تو بیشتر اختلاف سوءِ تفاہم کی وجہ سے ہی ہوتا ہے۔ شوہر کچھ اور کہہ رہا ہوتا ہے بیوی کچھ اور سمجھ رہی ہوتی ہے اسی طرح بیوی کہتی کچھ اور ہے لیکن شوہر سمجھتا کچھ اور ہے۔ جیسے اسپرنگ کی فیکٹری میں ڈائیاں بنی ہوتی ہیں کہ اُس میں سیدھی سلاخ ڈالو تو وہ ٹیڑھی ہو کر نکلتی ہے اسی طرح بعض کھوپڑیاں بھی ڈائی کی طرح ہیں۔ ان کے اندر سیدھی چیز بھی ڈالیں تو وہ دوسری طرف سے ٹیڑھی ہو کر نکلتی ہے۔ ان کھوپڑیوں کو سیدھا کرنے کیلئے انہیں حق سے آشنا کرنے کی ضرورت ہے۔

ایسا نہیں ہے کہ اگر کوئی سوءِ فہم کا شکار ہو جائے تو یہ اس کی انفرادی مشکل ہے۔ اگر کسی کو بدہضمی ہو جائے تو وہ خود ہی مرے گا اس کا گھر اور معاشرہ نہیں مرے گی لیکن اگر خدانخواستہ کوئی دین میں بدفہمی کا شکار ہو گیا تو یہ اس کی انفرادی ہلاکت نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ سے پورا معاشرہ تباہ ہو سکتا ہے، جیسا کہ ہو رہا ہے۔ ایک ٹیڑھی کھوپڑی والے کو دین کی کوئی بات اُلٹی سمجھ آتی ہے تو وہ اسے لوگوں میں پھیلا کر معاشرے کیلئے مشکل کھڑی کر دیتا ہے۔ اس کی وجہ سے جو خونِ ناحق گرتا ہے اُس کا وہ بھی ذمہ دار ہے۔ پاکستان کے اندر جو گلی گلی اور کوچہ کوچہ آگ لگی ہوئی

سوءِ فہم

ہے یہ انہی نافہمیوں اور بدفہمیوں کا نتیجہ ہے۔ الحمدللہ علمائے اسلام خواہ وہ شیعہ ہوں یا سنی ان کے اندر محقق اور منصف مزاج لوگ موجود ہیں جن کے ذریعے انسان رہنمائی حاصل کرسکتا ہے۔

...... تقدس

فرقہ واریت ایک تاریخی چیز ہے۔ جہاں بھی مذاہب ہیں وہاں مذہبی اختلافات بھی ساتھ ساتھ ہیں اور یہ مسلمان فرقوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ جتنے بھی مذاہب ہیں ان کی سرشت میں یہ چیز موجود ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ مذہب کی چند خصوصیات ہیں کہ جن کی وجہ سے ایسا ماحول بن جاتا ہے۔ ان وجوہات میں سے ایک سبب مذہب میں تقدس کے عنصر کا پایا جانا بھی ہے۔ مذہب میں تقدس کے عنصر کی وجہ سے دینی جھگڑے آسانی سے شروع کئے جاسکتے ہیں۔ مذہب کی ہر چیز مقدس ہوتی ہے اور نامقدس چیزیں مذہبی نہیں ہوتیں اس لئے جب سیکولرازم کی تھیوری (Theory of Secularism) پیش کی گئی تو مقدسات اور غیر مقدسات کو الگ کیا گیا البتہ مقدسات بھی غیر مقدسات کے طور پر الگ کردی گئیں اس طرح ایک نظریہ بنام سیکولرازم (Secularism) وجود میں آیا۔ سیکولر سیاست، سیکولر معاشرہ، سیکولر سائنسز اور سیکولر ریاست اسی تھیوری کا شاخسانہ ہیں۔ انہوں نے دوسری چیزیں کو اہمیت دے کر لوگوں سے مقدسات چھین لئے حتیٰ دین کو غیر مقدس قرار دے کر اسے بھی لوگوں سے چھین لیا گیا۔ علامہ اقبالؒ کے بقول اُن میں سے ایک بہت مقدس چیز یعنی حکومت یا سیاست جو دین کی ہی چیز تھی اسے غیر مقدس قرار دے کر سیکولرازم کے جھنڈے تلے دین سے الگ کردیا گیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دین اور سیاست دونوں ہی تباہ ہوگئے۔ دین سیاست سے نکلا تو خانقاہیت میں تبدیل ہوگیا اور سیاست دین سے نکلی تو چنگیزیت میں بدل ہوگئی اور یہ دونوں چیزیں آج اس ملک کے اندر موجود ہیں لہٰذا آج نہ یہ چنگیزیت مقدسات کا دفاع کرسکتی ہے اور نہ خانقاہیت۔

تعصب......

مذہب کی ایک اور خصوصیت تعصب ہے جو تفرقہ کیلئے عمل انگیز کا کام انجام دیتا ہے۔ تعصب مذہبیوں کا لازمہ بن چکا ہے اور دینی اور مذہبی طبقہ متعصب طبقہ ہوتا ہے۔ اس کے برعکس دوسرے طبقات میں تحقیق کریں مثلاً مارکیٹ میں بزنس مین (Businessmen) میں اتنا تعصب موجود نہیں ہوتا باوجودیکہ وہ ایک دوسرے کے Rivals اور Competitors ہوتے ہیں۔ اگر کوئی آدمی کسی دوسرے دکاندار کے برابر میں اپنی دکان بنالے تو ظاہر ہے کہ اس نے دوسرے کے Customers اور Profitability کو چھین لیا ہے لیکن اس کے باوجود پھر بھی اُسے برداشت کرتا ہے۔ جیولری (Jewellery) کی پوری مارکیٹ ہوتی ہے لیکن ان میں آپس میں رقابت ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر آپ منڈی میں جائیں تو سبزی منڈی، فروٹ منڈی، غلہ منڈی یعنی ہر قسم کی منڈی میں ایک ہی جنس پورے بازار میں بک رہی ہوتی ہے لیکن دکاندار آپس میں رقابت رکھتے ہیں اور ایک دوسرے کو برداشت و تحمل کرتے ہیں۔ کبھی بھی کوئی دکاندار یا ٹھیلے والا دوسرے کی دکان اور ٹھیلے کو گرنیڈ (Grenade) نہیں مارتا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اُن کے اندر رقابت ہوتی ہے اور وہ تعصب جو مذہبیوں کے اندر موجود ہوتا ہے اُن کے اندر نہیں پایا جاتا۔ تعصب ایک کالی عینک ہے جس کو اگر انسان آنکھوں پر لگالے تو ہر چیز سیاہ نظر آتی ہے۔ ہر مذہبی طبقے نے کالی عینک لگا کر دوسروں کو دیکھنا شروع کیا ہے اس لئے اُسے دوسرے طبقوں میں فساد ہی فساد نظر آتا ہے لیکن اپنی کالک اُس کو نور نظر آتی ہے۔ اپنے کرتوت اعمالِ صالحہ نظر آتے ہیں۔ یہ اسی کالی عینک یعنی تعصب کا نتیجہ ہے۔ تعصب کی بنا پر مذہبی ایک دوسرے کی بات سننے پر بھی تیار نہیں ہوتے جبکہ قرآن میں آیا ہے کہ

فَبَشِّرْ عِبَادِO الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَاهُمُ اللَّهُ وَأُولَٰئِكَ هُمْ أُولُوا الْأَلْبَابِO [1]

---

[1]......(سورۂ زمر، آیہ ۱۸-۱۷)

پس آپ میرے ان بندوں کو بشارت دے دیجئے۔ جو بات کو سنا کرتے ہیں اور اس میں سے بہتر کی پیروی کرتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی ہے اور یہی صاحبانِ عقل ہیں۔

آپ بات سننے میں تعصب نہ دکھائیں۔ بہترین انسان وہ ہے جو ہر بات سنتا ہے اور اُس میں سے بہترین بات کو قبول کر لیتا ہے۔ نہ یہ کہ وہ کانوں میں اُنگلیاں ٹھونس لیتا ہے اور کوئی بات سننے کیلئے تیار نہیں ہوتا۔

......تنگ نظری

تفرقہ پیدا کرنے والا ایک اور عنصر تنگ نظری ہے۔ بسا اوقات مذہبیوں کے اندر وہ چیزیں موجود ہوتی ہیں جن کو مذہب برداشت نہیں کرتا۔ ان میں سے ایک چیز شدید قسم کی تنگ نظری ہے۔ مذہبی کے اندر تنگ نظری جچتی نہیں ہے بالکل اسی طرح جیسے ایک نوجوان جس کے سر کے بال جھڑنے لگے تھے تو کسی نے اسے بالوں کے اسپیشلسٹ ڈاکٹر کا پتہ بتایا کہ وہ بال اچھے کاشت کرتے ہیں۔ نوجوان نے بتایا کہ جب میں ڈاکٹر صاحب سے ٹائم لے کر پہنچا تو شیشے سے ڈاکٹر صاحب کے سر پر نظر پڑی جس پر ایک بال تک موجود نہ تھا لہذا میں سمجھ گیا کہ یہ کتنے ماہر ہیں۔ اگر یہ ماہر ہوتے تو نمونے کے طور پر کم از کم چند بال خود ان کے اپنے سر پر اُگے ہوتے۔ تعصب بھی مذہبیوں کے اندر جچتا نہیں ہے۔

مذہبیوں میں یہ بیماری بہت بڑی آفت ہے۔ بعض بیماریاں مخصوص طبقوں سے متعلق ہوتی ہیں جیسے کچھ بیماریاں صرف عورتوں سے مخصوص ہیں یا پاکستان کی قومی بیماریاں جو دیواروں پر لکھی ہوتی ہیں۔ اسی طرح کچھ مذہبی بیماریاں ہیں جو دوسروں کو بہت کم لگتی ہیں ان میں سے ایک تنگ نظر ہونا ہے۔ اس کے علاج کیلئے مذہبیوں کو Vaccination کی ضرورت ہے۔ یہ بیماری ملیریا سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ تنگ نظر آدمی دین کو تباہی کے دھانے پر پہنچا دیتا ہے۔ تنگ نظر عالم، تنگ نظر متدین و متقی فتنہ و فساد ہے اور اسلام تنگ نظری کو ہرگز قبول نہیں کرتا۔ دراصل مسلمان وہ ہے جس کے اندر شرح صدر موجود ہو۔ تنگ دل آدمی کبھی مسلمان و مومن نہیں ہوسکتا۔

قرآن کا فرمان ہے:

فَمَنْ يُرِدِ اللهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ وَمَنْ يُرِدْ أَنْ يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا كَأَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَاءِ......[1]

پس خدا جس کو ہدایت دینا چاہتا ہے اس کے سینے کو اسلام کے لئے کشادہ کر دیتا ہے اور جس کو گمراہی میں چھوڑنا چاہتا ہے اس کے سینے کو ایسا تنگ گھٹا ہوا کر دیتا ہے گویا وہ آسمان کی طرف بلند ہو رہا ہو......

اللہ اگر کسی کو ہدایت کرنا چاہے تو پہلے اُس کو وسعت نظر، وسعت صدر اور وسعت ذہن عطا کرتا ہے۔ سب سے پہلے اس کی تنگ نظری دور کرتا ہے۔ یہ قرآن کا Formula اور قانون ہے کہ جب تک انسان کے اندر وسعت صدر نہ آجائے اسے ہدایت نہیں ملتی۔ قرآن نے دونوں شقیں ذکر کر دی ہیں کہ اللہ اگر کسی کو ہدایت کرنا چاہے تو پہلے اُسے شرح صدر عطا کرتا ہے اور اگر کسی کو گمراہ کرنا چاہے تو اُس کے دل کو تنگ کر دیتا ہے۔ خدا کسی تنگ نظر کے دل میں ہدایت نہیں ڈالتا۔ تنگ نظر کو دین کبھی بھی سمجھ میں نہیں آتا۔ تنگ دل کے اندر دین اور حق جاتا ہی نہیں ہے۔ تنگ نظر نے اپنا محدود سا خود ساختہ دین بنایا ہوتا ہے اور اس دین کے معیار پر وہ خود ہی اترتا ہے۔ دوسرے لوگ اس کو دیندار بھی نظر نہیں آتے بلکہ خارج از دین نظر آتے ہیں۔

وسعتِ صدر ہو تو پھر انسان ایک دوسرے کو برداشت کرتا ہے ورنہ تنگ دلی کے ساتھ بھائی بھائی کو برداشت نہیں کرتا۔ شیعہ اور سنی میں تھوڑا بہت اصولی، اعتقادی اور فروعی مسائل میں اختلاف ہے لیکن شیعہ کا آپس میں کہاں اختلاف ہے؟ یہ کیوں ایک دوسرے کے دست و گریباں ہوتے ہیں؟ ان کے پاس کیا جواز ہے؟ اگر وہاں تفرقہ کا بہانہ ڈھونڈ لیتے ہو تو یہاں تو کوئی بہانہ موجود نہیں ہے اور پھر دشمن بھی آپ کی کمین میں ہے۔ وہ بھی اس اختلاف سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔ اگر کوئی کرائے کے قاتل سے کہے کہ فلاں کو گولی مار دو اور جس شخص کو مروانا چاہتا ہے وہ پہلے ہی ہزاروں بیماریوں کے ساتھ ٹی بی اور کینسر کا مریض بھی ہو کہ جو اٹھ بھی نہ سکتا ہو تو ایسا دشمن اپنا پیسہ ضائع کر رہا ہے چونکہ وہ خود چند دنوں میں مرنے والا ہے۔ جب مسلمان تفرقہ کے ذریعے خود ہی ایک دوسرے

---

[1] ......(سورۃ انعام، آیہ ۱۲۵)

کو مار رہے ہیں تو دشمن کو اور کیا چاہئے؟ آپ امر بالمعروف و نہی عن المنکر ضرور کریں لیکن ایک دوسرے کو تحمل کریں۔ اگر کوئی آپ سے مختلف رائے رکھتا ہے تو اس کا حق بنتا ہے۔ یہ کیوں کہتے ہو کہ جو میں سوچتا ہوں وہی سب سوچیں۔ جس طرح لوگ آپ کو برداشت کرتے ہیں اسی طرح آپ بھی لوگوں کو برداشت کریں۔ اگر آپ نے برداشت کرنا چھوڑ دیا تو کوئی آپ کو بھی برداشت نہیں کرے گا۔ یہی بات گھروں اور معاشروں کے اندر بھی صادق آتی ہے۔

اسی طرح جب اللہ نے حضرت موسیٰؑ کو فرعون سے مبارزے کیلئے مامور کیا اور فرمایا کہ

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى۝ [1]

اے موسیٰؑ! فرعون کی طرف جاؤ کہ اُس نے بغاوت کردی ہے۔ فرعون کے ساتھ مقابلہ و مبارزہ کرو لیکن پہلے دعوت دو تو حضرت موسیٰؑ نے سب سے پہلے پروردگار سے دُعا کی کہ پروردگارا! میرے اندر کچھ ضعف ہیں اگر وہ برطرف ہو جائیں تو میں یہ جہاد کرسکتا ہوں لہٰذا فرمایا:

رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ۝ [2]

میرے پروردگار میرا سینہ کشادہ فرما......

پروردگار! تنگ دلی کے ساتھ یہ کام نہیں ہوسکتا۔ فرعون جیسوں کا مقابلہ تنگ دل انسان نہیں کرسکتا۔ خداوندا! مجھے شرحِ صدر عطا فرما کیونکہ دین کا پیغمبر اور علمبردار شرحِ صدر کے بغیر کسی فرعون کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ شرحِ صدر کے بغیر کسی کو شعور تک نہیں ہوتا کہ میں فرعون کا مقابلہ کروں۔ اگر موسیٰؑ میں شرحِ صدر نہ ہوتی تو وہ فرعون سے ٹکرانے کے بجائے ہارونؑ سے ٹکرا جاتے۔ جس کو خدا وسعتِ نظر خدا بخش دے اُسے سب سے پہلے اپنا دشمن نظر آجاتا ہے۔ مسلمان کا دشمن مسلمان نہیں ہے، مومن کا دشمن مومن نہیں ہے۔ تنگ نظر اپنے پڑوسی کے ساتھ مخالفت نہیں کرتا بلکہ اپنے بھائی کا مخالف ہوتا ہے۔ تنگ نظر عورتیں مثلاً بہو، ساس کی دشمن ہے اور ساس، بہو کی لیکن

---

[1]......(سورۂ طٰہٰ، آیہ ۲٤)(سورۂ نازعات، آیہ ۱۷)

[2]......(سورۂ طٰہٰ، آیہ ۲۵)

انہیں اپنے مشترکہ دشمن کی کوئی پرواہ نہیں ہے چونکہ ساس اور بہو دونوں تنگ نظر ہیں۔

تنگ نظری پورے معاشرے کو تباہ کر دیتی ہے لہٰذا جب خداوند نے حضرت موسیٰؑ کو وسعت عطا کر دی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خوبصورت مبارزہ کیا لیکن خداوند تبارک وتعالیٰ نے پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شرح صدر کا تمغہ، امتیاز وانعام ابتدائی طور پر ہی عطا کر دیا اور فرمایا:

أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝[1]

اے نبیؐ کیا ہم نے آپ کو شرح صدر عطا نہیں کی۔ پھر پیامبرؐ نے یہ معجزہ کیا کہ لوگوں کو جاہلیت کے زمانے سے نکال کر "رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ" بنادیا۔ انہیں ایک دوسرے کا اخی بنا دیا۔ آج بہت سارے لوگ اپنی ذہنیت سے سوال اُٹھاتے ہیں کہ یہ فلاں فلاں پیامبرؐ کے ساتھ کیوں تھے؟! اگر خدا ان لوگوں کو زمین پر کچھ اختیار دیدے تو یہ لوگوں کا کیا حشر کریں گے؟! لیکن اگر خدا پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شرحِ صدر عطا نہ فرماتا تو اسلام وہیں رک جاتا۔ اس وسیع النظر رسولؐ کی اُمت اگر تنگ نظر ہوگئی تو اُمت اور رسولؐ میں فاصلہ پڑ جائے گا۔

وسیع النظر رسول کے ساتھ صرف وسیع النظر قوم چل سکتی ہے اور یہی ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خدا نے وسعتِ نظر دی لیکن بنی اسرائیل تنگ نظر قوم تھی لہٰذا موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل ایک ساتھ نہیں چل سکے چنانچہ ایک موقع پر موسیٰ علیہ السلام نے خدا سے دُعا کی:

فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ۝[2]

لہٰذا تو ہم میں اور اس فاسق قوم میں جدائی ڈال دے۔

اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام ہے اسی لئے ان کی اولاد کو بنی اسرئیل کو کہتے ہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں تھے جن میں ایک یوسف علیہ السلام تھے اور باقی گیارہ بھائیوں کا تذکرہ سورۂ یوسفؑ میں موجود ہے۔ انہی کی اولاد سے بارہ قبیلے بن گئے۔ بعض روایات میں لکھا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو فرعون کے چنگل

[1]......(سورۂ انشرح، آیہ ۱) [2]......(سورۂ مائدہ، آیہ ۲۵)

سے نجات دی اور شقِ بحر کیا تو بنی اسرائیل سے فرمایا کہ یہاں سے گزر جاؤ لیکن انہوں نے کہا کہ جس راستے سے دوسرا قبیلہ گزرے گا ہم وہاں سے نہیں گزریں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مجبوراً وہاں پر بارہ راستے بنانے پڑے۔ ایک نبی کی اولاد، آخر موسیٰ علیہ السلام نے تنگ آ کر کہا کہ پروردگارا! انہیں مجھ سے لے لے اور مجھے ان سے لے لے۔

نہج البلاغہ میں امیر المومنین علیہ السلام خطبہ نمبر ۲۵ میں یہی فرماتے ہیں کہ

اَللّٰھُمَّ اِنِّی قَدْ مَلِلْتُھُمْ وَ مَلُّوْنِیْ وَ سَئِمْتُھُمْ وَسَئِمُوْنِیْ، فَأَبْدِلْنِیْ بِھِمْ خَیْراً مِنْھُمْ، وَ أَبْدِلْھُمْ بِیْ شَرّاً مِنِّیْ!......

اے اللہ وہ مجھ سے تنگ دل ہو چکے ہیں اور میں ان سے، وہ مجھ سے اکتا چکے ہیں اور میں ان سے، مجھے ان کے بدلے میں اچھے لوگ عطا کر اور میرے بدلے میں انہیں کوئی اور برا حاکم دے......

اے خدا میں نے انہیں تھکا دیا ہے انہوں نے مجھے تھکا دیا ہے، مولا علی علیہ السلام کا سینہ وسیع ہے لیکن علی علیہ السلام کی فوج کا سینہ کتنا تنگ ہے۔ تنگ نظر لوگ وسیع النظر امام کے ساتھ نہیں چل سکتے لہٰذا مولا علی علیہ السلام نے خدا سے دُعا مانگی کہ پروردگارا! انہیں مجھ سے لے لے مجھے ان سے لے لے۔ مجھے ان سے بہتر عطا کر اور ان کے اوپر بہت بدتر مسلط کر دے۔ بعد میں یہی ہوا کہ انہیں حجاج ابن یوسف اور دوسرے ظالمین میسر آئے کہ یہی ان کے قابل تھے۔ تنگ نظر قوموں پر تنگ نظر حکمران مسلط ہو جاتے ہیں۔

اسی لئے ہمیں دُعا کے ذریعہ یہ ادب سکھایا گیا ہے کہ

وَلَا تُسَلِّطْ عَلَیْنَا مَنْ لَا یَرْحَمُنَا......[1]

یعنی اے خدا! ہم پر ایسوں کو مسلط نہ فرما کہ جو ہم پر، ہماری اولاد پر اور ہمارے دین پر رحم نہ کھائیں۔

---

[1]......(مفاتیح الجنان)(أنیس القلوب - سماحة آیة اللّٰه السید محمد تقی المدرسی)(أنیس المومنین -آیة اللّٰه السید محمد تقی المدرسی)(الدُّرُوعُ الوَاقیة -جمال العارفین رضی الدین السید علی بن موسی بن طاووسؒ)(صحائف الأبرار فی وظائف الأسحار -آیة اللّٰه العظمٰی الشیخ محمد حسین کاشف الغطاءؒ)(مصباح کفعمی)(مصباح المتھجد)(البلد الأمین-ابراھیم بن علی عاملی کفعمی)(اقبال الأعمال)

تنگ نظری اور دین ایک جگہ اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ خود دین کہہ رہا ہے کہ

وَمَنْ يُرِدْ أَنْ يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا كَأَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَاءِ......[1]

اور جس کو گمراہی میں چھوڑ نا چاہتا ہے اس کے سینے کو ایسا تنگ گھٹا ہوا کر دیتا ہے گویا وہ آسمان کی طرف بلند ہو رہا ہو......

تنگ دل ظلمانی دل ہوتا ہے اور خدا فرماتا ہے کہ

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ......[2]

اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے......

ذاتِ خدا نور ہے، قرآن نور ہے، پیامبر ﷺ اور تعلیماتِ پیامبر ﷺ نور ہیں، اہلبیت علیہم السلام اور تعلیماتِ اہل بیت علیہم السلام نور ہیں اور نور کسی ظلمانی دل میں نہیں جاتا۔ وسیع دل نورانی دل ہوتا ہے، اور نور نور کے اندر جاتا ہے۔ پس تنگ نظری سے تفرقہ پیدا ہوتا ہے جو کمزوری و ضعیفی کی وجہ بنتا ہے اور دشمنانِ دین کو موقع مل جاتا ہے کہ وہ ان کے مقدسات اور سرزمین کی بے حرمتی کریں کیونکہ ہر قوم کی زمین اُس کی ناموس ہوتی ہے۔ دشمن اس سرزمین پر چڑھ دوڑتے ہیں اور اپنی مرضی سے تصرف کرتے ہیں۔ کمزوری کے باعث کسی کو جرأت نہیں ہوتی کہ ان کے خلاف اظہار کر سکتے۔ تنگ نظری کی بناء پر وحدت کو وہ اہمیت نہیں دی گئی ہے جس کی یہ حق دار ہے۔ پس تنگ نظری مذہبوں کے شایانِ شان نہیں ہے اور تفرقہ کا ایک بنیادی سبب ہے۔

......عقلانیت کا فقدان

تفرقہ کا ایک بنیادی سبب مذہبوں کے اندر عقلانیت کا فقدان، عقل کا عمل دخل نہ ہونا، عقلی تقاضوں کو نہ سمجھنا، عقلی فرامین کو درک نہ کرنا اور ان پر توجہ نہ دینا ہے۔ ہم جب بھی عقلانیت کو دین سے باہر نکالیں گے تو اس

---

[1]......(سورۂ انعام، آیہ ۱۲۵)   [2]......(سورۂ نور، آیہ ۳۵)

کے اثرات جھگڑے، نزاع، فساد اور دہشت گردی کی صورت میں سامنے آئیں گے۔ جیسے پاکستان کی سرزمین تنگ ہوگئی ہے۔ لوگ کسی زمانے میں پاکستان زندہ باد کہتے تھے لیکن اب بعض لوگ پاکستان سے زندہ بھاگ کا نعرہ لگاتے ہیں چونکہ یہ سرزمین تنگ ہوگئی ہے۔ نہ یہاں جان محفوظ ہے، نہ دولت، نہ سرمایہ، نہ بزنس اور نہ ہی ناموس چنانچہ لوگوں نے یہ راہِ حل ڈھونڈا ہے کہ یہاں سے فرار کر جاؤ یعنی جس کے پاس پیسہ ہے، جس کا ذہن اچھا ہے، جس کے اندر ٹیلنٹ (Talent) ہے یا جو تعلیم یافتہ ہے وہ ملک سے باہر چلا جائے۔

ماں باپ نے اپنے قابل بچوں کیلئے ابھی سے منصوبے بنانے شروع کئے ہوئے ہیں کہ ان کو کس طرح ملک سے باہر بھیجیں لیکن اگر بچہ کسی قابل نہیں ہے اور ہر شعبے میں Fail ہے، ویلڈنگ کی دکان سے بھی ریجیکٹ ہوگیا، پنکچر کی دکان پر بھی نہیں ٹکا، کنڈکٹری بھی نہیں کر سکا تو اس کو گنجا کرا کر دینی تعلیم کیلئے مدرسہ میں بھیج دیتے ہیں کہ یہ عالمِ دین بن جائے۔ جب ملک سے پڑھے لکھے اور ایلیٹ (Elite) لوگ بھاگ جائیں گے کہ جو کچھ کرنے کے قابل ہیں تو لامحالہ پیچھے دہشت گرد، کرائے کے قاتل اور بے شعور و نافہم لوگ رہ جائیں گے۔ ایسے لاابالی لوگ رہ جائیں گے کہ جن کو جنت نہ کافر مارنے سے، نہ منافق مارنے سے، نہ فاسق مارنے سے، نہ شرابی مارنے سے اور نہ زانی مارنے سے ملتی ہے بلکہ انہیں جنت نمازی کو مارنے سے، مومن کو مارنے سے اور مسجد و امام بارگاہ اُڑانے سے ملتی ہے۔ یہ کیسی جنت ہے جو خدا نے نمازیوں کو مارنے کیلئے رکھی ہے؟! جنت کی یہ اُلٹی تصویر کسی کج فہم، نافہم ہو اور نادان ہی کے ذہن میں ڈالی جاسکتی ہے۔ جب دین کے اندر عقلانیت ختم ہو جائے تو یہی حال ہوتا ہے۔ اگر عقل سے کام لیا جائے تو کوئی بھی یہ کام کرنے کیلئے تیار نہیں ہوگا۔

یہ المیہ ہے کہ لوگوں نے عقلانیت دین سے باہر کر دی ہے اور مجھے تعجب ہوتا ہے کہ بعض تو کھلم کھلا کہتے ہیں کہ عقل کا دین و ایمان سے کیا تعلق ہے؟ اگر عقل کو دین سے الگ کر دیا جائے تو پھر پاکستانیوں جیسے متدینین بنتے ہیں۔ دین بغیر عقلانیت کے آفت بن جاتا ہے۔ اگر مذہبی لوگ معقولیت و عقلانیت سے روگردانی کریں اور عقلی تقاضوں کے مطابق نہ چلیں تو یہ مذہب اُن کیلئے فتنہ کی آماجگاہ بن جاتا ہے۔ اس بات کی تصدیق کیلئے فراوان احادیثِ نبویؐ اور ائمہ اطہارؑ موجود ہیں۔ اصول کافی کی حدیث کے مطابق عقل کو رسولِ باطنی کہا گیا ہے۔

اسی طرح اصول کافی کے پہلے باب ''کتاب العقل والجہل'' میں حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی ایک بہت خوبصورت حدیث منقول ہے۔ اُس حدیث کی خوبصورتی ان دو وجوہات کی بنا پر بھی ہے کہ یہ اس باب میں سب سے مفصل حدیث ہے اور دوسری خوبصورتی یہ ہے کہ امامؑ نے عقل کی اہمیت کو قرآن سے بیان کیا ہے۔ امام علیہ السلام نے اپنے شاگرد ہشام سے فرمایا: اے ہشام! کیا میں تجھے بتاؤں کہ عقل کا مقام و منزلت خدا کی بارگاہ میں کیا ہے! اس کے بعد امامؑ نے قرآن کی متعدد آیات سے عقل کا مقام واضح کیا۔ یہاں اُس طولانی حدیث کا ایک مختصر حصہ نقل کرتے ہیں۔ اُس حدیث کے مضمون کے مطابق تخلیقِ آدم علیہ السلام کے بعد اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کو حضرت آدم علیہ السلام کے پاس تین چیزیں دے کر روانہ کیا اور فرمایا کہ آدمؑ سے کہو ان تین چیزوں میں سے ایک کا انتخاب کرلیں۔ چونکہ آدمؑ کا دل چاہے گا کہ تینوں چیزیں لے لیں لیکن اُنہیں صرف ایک چیز منتخب کرنے کا اختیار ہے۔ یہ آدم علیہ السلام کا امتحان بھی تھا یہ انہیں مسلح ولیس بھی کیا جا رہا تھا۔ چنانچہ جبرئیل علیہ السلام دین، حیاء اور عقل لے کر آئے اور حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا کہ خداوند تبارک وتعالیٰ نے یہ تین تحفے دیئے ہیں ان میں سے ایک لے لیجئے اور دو واپس چلے جائیں گے۔ جب حضرت آدم علیہ السلام نے ان میں سے عقل کا انتخاب کرلیا تو جبرائیل علیہ السلام نے دین اور حیا سے کہا کہ اب آپ دونوں واپس چلے جائیں۔ دین اور حیا نے جبرئیل علیہ السلام سے کہا کہ خدا نے ہمیں یہ حکم دیا ہوا ہے کہ تم دونوں وہاں رہنا جہاں عقل موجود ہو۔ عقل سے ہماری جدائی نہیں ہوسکتی۔ اس حدیثِ نورانی کے مطابق دین اور حیا وہاں ہوں گے جہاں عقلانیت ہوگی۔ اگر عقلانیت نہیں ہوگی تو دین کے بجائے فساد ہوگا اور حیا کے بجائے بے حیائی۔ بے حجابی اور بدحجابی وہیں ہوتی ہے جہاں عقل نہیں ہوتی۔ اکبر الہ آبادی جو بلبل اُردو کہلاتے ہیں ایک بہت ہی خوش بیان اور خوش لحن ادیب ہیں۔ انہوں نے طنز بھی ذرا جدت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ آپ نے حیا سے متعلق خوبصورت اظہارِ نظر کیا ہے لیکن دین کے بارے میں نہیں کہہ سکے۔ وہ کہہ گئے کہ اگر عقل نہ ہو تو حیا بھی نہ ہوتی:

بے پردہ نظر آئیں جو کل چند بیبیاں

اکبر زمیں میں غیرتِ قومی سے گڑ گیا

پوچھا جو ان سے آپ کا پردہ وہ کیا ہوا
کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کی پڑ گیا

جو عورت بے پردہ ہوکر، بے حیا ہوکر باہر آتی ہے تو وہ یہ پردہ مرد کی عقل پر ڈال کر آتی ہے۔ اگر شوہر، بھائی یا بیٹا بے عقل نہ ہو تو کوئی خاتون بے پردہ باہر نہیں آتی کیونکہ عقل پر پردہ پڑ جانے کا لازمی نتیجہ حیا اور دین کا رخصت ہو جانا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اگر مسجدوں میں نمازیں ہوں لیکن عقل نہ ہو تو ان نمازوں میں جھگڑا ہوتا ہے، اگر امام بارگاہوں میں عزاداری ہو لیکن عقل نہ ہو تو ان عزاداریوں میں جھگڑا ہوتا ہے، اگر منبروں پر خطابت ہو لیکن عقل نہ ہو تو وہاں سے فتنہ وفساد صادر ہوتا ہے، وہاں محبت کا درس نہیں دیا جاتا۔ جس نے فنِ خطابت سیکھ لیا ہے اگر وہ ساتھ ساتھ عقل کو بھی پروان چڑھانے کی کوشش کرتا تو اسے اللہ ورسول کا فرمان بھی سمجھ آتا اور معلوم ہوتا کہ میری باتوں سے کہیں فتنہ وفساد اور لڑائی جھگڑے کا ماحول تو پروان نہیں چڑھ رہا اور اس لڑائی جھگڑے کا نتیجہ کیا نکلے گا؟! دین وہاں ہے جہاں عقلانیت موجود ہے اور جہاں عقلانیت نہیں ہے وہاں دین بھی نہیں ہے۔ ہم غیر عاقلانہ اور غیر خردمندانہ رویوں سے وحدت کی طرف نہیں جاسکتے۔ سید جمال الدین افغانی" مسلمانوں کی پسماندگی کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب یہ بیان فرماتے تھے کہ جب سے مسلمانوں نے عقلی روش ترک کی ہے اور محض تقلیدی روش اپنائی ہے اس دن سے یہ پسماندہ ہونا شروع ہو گئے ہیں۔

سادہ لوحی

......سادہ لوحی

مذہبیوں کی سادہ لوحی تفرقہ پھیلانے میں معاونت کرتی ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ لوگ اپنے دنیاوی کاموں میں تو تیزی کا مظاہرہ کرتے ہیں مثلاً کوئی کاروبار کرتے ہیں تو اس کے نفع ونقصان کے بارے میں اچھی طرح تجزیہ وتحلیل کرتے ہیں اور اگر کاروبار میں ان کا کوئی Rival یا Competitor ہو تو اس کی Business Strategies پر کڑی نظر رکھتے ہیں لیکن دین کے معاملے میں یہی لوگ بھولے بھالے بن

جاتے ہیں۔ انہیں سمجھ ہی نہیں آتا کہ ہمارے ساتھ دشمن کیا پروپیگنڈے و حیلے سرانجام دے رہا ہے۔

دینی طلبہ میں بعض ایسے سادہ لوح ہوتے ہیں کہ جو زیادہ سمجھ بوجھ نہیں رکھتے خصوصاً ہمارے ملک میں سادہ لوحی دینی طلبہ کا میرٹ (Merit) ہے۔ جو بچہ اچھا ہوا اُسے کالج و یونیورسٹی بھیج دیتے ہیں اور ڈاکٹر یا انجینئر یا اور کسی فیلڈ (Field) میں بھیج دیتے ہیں اور جو بچہ ان فٹ (Unfit) ہو، جسے کسی شعبے میں بھی کام نہ آتا ہو اور جس کو کچھ سمجھ نہ آتا ہو اُسے دین پڑھنے کیلئے بھیج دیتے ہیں۔ یہ میں کوئی بدگمانی بیان نہیں کر رہا بلکہ آنکھوں دیکھا حال درج کر رہا ہوں۔ جب میں پاکستان کے ایک مدرسہ میں زیر تعلیم تھا تو ایک صاحب اپنے بیٹے کو تعلیم دلانے کیلئے مدرسہ لائے۔ انہوں نے مدرسہ کے مدیر سے کہا کہ آپ اسے داخلہ دیں تو انہوں نے بھی از راہِ تکلف پوچھ لیا: اس کی تعلیم کیا ہے؟ تو بچے کے والد بگڑ گئے اور کہنے لگے کہ مولانا صاحب! آپ بھی کمال باتیں کرتے ہیں اور پھر اپنے بچے کو دو چار جلی کٹی باتیں سنائیں کہ یہ فلاں اگر پڑھنے والا ہوتا تو میں اس کو آپ کے پاس لاتا؟ میں نے اس کو اسکول میں ڈالا تو یہ بھاگ گیا، پھر میں نے اس کو پنکچر کی دکان پر بٹھایا وہاں سے بھی بھاگ گیا، میں نے اس کو ویلڈنگ کی دکان پر بھیجا یہ وہاں سے بھی بھاگ گیا، میں نے اسے کہا کہ اب میں تیرا علاج کرتا ہوں لہٰذا اس کو پکڑ کر مدرسہ لے آیا ہوں۔ ظاہر ہے کہ وہ بچہ جو نہ ویلڈنگ سیکھ سکا، نہ پنکچر سیکھ سکا تو وہ دین کیا پڑھے گا؟ اُس کو کیا سمجھ آئے گا؟ لیکن قوم کے اندر فتنہ ڈالنے کیلئے یہ کھوپڑی آمادہ ہے۔

مجھے اپنے استاد کا ایک لطیفہ یاد آتا ہے کہ وہ درس کے دوران فرماتے تھے کہ مجھ سے ایک بیچارے سادہ لوح طالب علم نے سوال کیا کہ اُستاد جی! بتایئے چور کیلئے چوری کا بہترین وقت کون سا ہوتا ہے؟ تو اُستاد نے جواب دیا کہ چوروں کیلئے چوری کرنے کا بہترین وقت سحر کا وقت ہے یعنی نمازِ صبح سے تھوڑا پہلے، تو اُس طالب علم نے اُستاد سے پوچھا کہ اگر اس وقت وہ چوری کیلئے نکلتے ہیں تو پھر نمازِ شب کب پڑھتے ہیں؟!! یہ سادہ لوحی ہے کہ یہ چوروں کے بارے میں توقع رکھتا ہے کہ وہ تہجد بھی پڑھتے ہوں گے۔

اسی طرح لوگ ان مہروں سے توقع رکھتے ہیں جو ملک بیچ رہے ہیں اور ملک کو لوٹ اور توڑ رہے ہیں کہ یہ تہجد کب پڑھتے ہوں گے؟ یہ امت کی وحدت کیلئے کتنی کوششیں کرتے ہوں گے؟ لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ سوتے ہی

سادہ لوحی

نہیں ہوں گے اور صبح وشام اُمت کو پریشان دیکھ کر فکر مند رہتے ہوں گے حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ بعض لوگ انہی بے وقوف حکمرانوں اور سیاستدانوں سے آس لگائے بیٹھے ہیں کہ یہ لوگ بہتری لائیں گے۔ خدا شاہد ہے کہ میں جب بعض سنجیدہ اور پڑھے لکھے لوگوں سے اس قسم کی خام باتیں سنتا ہوں تو بدن پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ ان میں اتنی پختگی بھی نہیں ہے کہ سمجھ سکیں ہمارے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟!

دشمنِ دین نے پوری دُنیا کے اوپر حکومت کرنے کا جو خواب دیکھا ہے اُس کی تعبیر اُسے تفرقہ کے اندر نظر آتی ہے۔ وہ قوموں اور ممالک کے مختلف خطوں کے اندر مختلف حوالوں سے تفرقہ ڈال کر اُنہیں کمزور وضعیف کر کے اُن میں دراڑیں ڈالتے ہیں تا کہ اُن دراڑوں کے اندر خود گھس کر اُس قوم کے وسائل، ثروت اور تمام حیثیت وشخصیت پر قبضہ کر لیا جائے۔ اس کام کیلئے یہ حکمران جو ہم پر مسلط کئے جاتے ہیں بہترین ذریعہ ہیں کیونکہ یہ مہرے انہوں نے خود پال کر رکھے ہوئے ہیں۔ جب تک عوام اس سادہ لوحی سے چھٹکارہ نہیں پائے گی اس وقت تک مشکلات کی دلدل سے باہر نہیں آسکتی۔

......میادین حضور میں غیر حاضری

میادینِ حضور سے غائب ہونا یعنی جہاں ہمیں ہونا چاہیے وہاں نہ ہونا تفرقہ کا باعث بنتا ہے اور اسی چیز نے ملکی حالات یہاں تک پہنچائے ہیں۔ پڑھے لکھے اور سمجھ دار لوگوں کی ایک بہت بڑی غلطی یہی ہے کہ جب میدان میں آنے اور اظہارِ وجود کا وقت ہوتا ہے تو یہ اظہارِ وجود نہیں کرتے نتیجتاً معاملہ ان کے ہاتھ سے نکل جاتا ہے اور احمقوں کے ہاتھ چڑھ جاتا ہے جس کی تلافی یہ ساری عمر نہیں کر سکتے۔ پھر یہ کفِ افسوس ملتے رہتے ہیں کہ اب پچھتاوے کیا ہوت جب چڑیا چگ گئیں کھیت۔ آج پاکستان جن لوگوں کے ہاتھ میں آ گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جن لوگوں کو کوئی رول (Role) ادا کرنا چاہیے تھا انہوں نے نہیں کیا۔ اپنے Intellectual، White-coller یا VIP ہونے کی وجہ سے یا کسی بھی مصروفیت کے بہانے سے یہ لاتعلق تماشائی بن گئے اور نتیجتاً نااہلوں نے پاکستان کو عبرت کا نمونہ بنا دیا۔

ذمہ داری سے بچنے کیلئے بعض اوقات ہم گھروں میں بیٹھے بیٹھے اس طرح کی توجیہات پیش کرتے ہیں کہ ہم کیوں جائیں وہاں ہمارا کوئی کام ہی نہیں ہے! وہاں تو سامان اُٹھانا ہے اور ہماری کمر میں درد ہے! وہاں دوڑنے کا کام ہے اور ہماری ٹانگوں میں درد ہے! وہاں ساری رات بیٹھنے کا کام ہے اور ہم بیٹھ نہیں سکتے! ان بہانوں کی وجہ سے ہم میدان میں حاضر نہیں ہوتے۔ کچھ میدان ایسے ہوتے ہیں جن کے اندر کام کرنا بھی واجب ہے لیکن اگر کوئی کام نہیں کر سکتے تو صرف آپ کا اُس میدان کے اندر حاضر رہنا بھی واجب ہے۔

حضور در میدان کے نکتہ کو سمجھنے کیلئے ہم کربلا سے رجوع کرتے ہیں۔ کربلا میں ہمیں فراوان درس ملتے ہیں اور ہم ان کے نعرے بھی لگاتے ہیں خصوصاً تنظیمی حضرات کسی زمانے میں اچھے اچھے نعرے لگاتے تھے لیکن آج کل شاید مصلحت نہیں سمجھتے۔ یہ نعرے تفکر کی عکاسی کرتے ہیں۔ ان نعروں کے اندر معنیٰ، مفہوم اور پیغام پوشیدہ ہوتا ہے لہٰذا انہیں محفوظ رکھیں۔ ایک راہ کا شعار اگر محفوظ رہے تو کسی بھی وقت وہ راہ زندہ ہو جاتی ہے۔ ان کربلائی شعاروں کو محفوظ رکھیں اور انہیں ترک نہ کریں۔ کربلا ہماری درس گاہ ہے۔ یہ خطابی نکتہ درج نہیں کر رہا ہوں بلکہ حقیقت بیان کر رہا ہوں کہ کربلا قرآن و دین کی عملی تفسیر ہے۔ امام خمینیؒ فرماتے ہیں:

ماهرچه داریم از سید الشهداءؑ داریم......

ہمارے پاس جو کچھ ہے وہ سید الشہداء علیہ السلام کی بدولت ہے۔ یہ انقلاب، حکومت اور سب کچھ سید الشہداء علیہ السلام کے طفیل ہے۔ یہ سب ہم نے کربلا سے لیا ہے۔

...........کربلائی درس، حضور در میدان کیلئے عمر رکاوٹ نہیں

ہم کربلا سے چھوٹی چھوٹی چیزیں لیتے ہیں لیکن اگر کسی کا ظرف بڑا ہو تو کربلا دامن بھر کر دیتی ہے۔ کربلا کے فراوان درسوں میں سے ایک یہ ہے کہ کربلا کے اندر بہت سارے مجاہدین ایسے تھے جو جنگ نہیں لڑ سکتے تھے مثلاً خواتین، بچے اور بزرگ۔ انگشت شمار افراد ایسے تھے جو جنگجو تھے اور بھرپور جنگ لڑ سکتے تھے۔ حتیٰ مردوں میں سے کچھ افراد بڑھاپے کی ایسی حد میں پہنچے ہوئے تھے کہ اُن کیلئے جنگ لڑنا مقدور نہیں تھا۔ کربلا کے شہداء کی تعداد

سو(۱۰۰) سے زیادہ ہے جو تاریخ میں ایک سو تین (۱۰۳) سے لے کر ایک سو تیس (۱۳۰) تک لکھی گئی ہے۔ بہتر (۷۲) مشہور ہوگئے ہیں لیکن باقی شہداء مشہور نہیں ہوئے۔

اُن شہدائے کربلا میں سے ایک ایسی بزرگوار شخصیت بھی ہے کہ جن کی عمر سو سال سے زیادہ تھی۔ ان کا تعلق بنی اسد کے قبیلہ سے تھا اور حبیب ابن مظاہرؓ کے رشتہ دار تھے۔ آپؒ کا نام جنادۃ ابن حارث تھا۔ لگ بھگ ایک سو بارہ سال کی عمر میں یہ کربلا میں سید الشہداءؑ کا ساتھ دینے کیلئے پہنچے۔ مقاتل میں لکھا ہے کہ جب یہ جنگ کیلئے مقتل میں جانے لگے تو عمر رسیدہ ہونے کے سبب گھوڑے پر نہیں بیٹھ سکتے تھے۔ ہم اپنے معاشرے میں سو سال کی عمر کے آدمی کی حالت کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ وہ کتنا لاغر ہوتا ہے لیکن یہ شخص گھر سے اُٹھا، اپنے قبیلے کو چھوڑا اور سید الشہداءؑ کا ساتھ دینے کیلئے کربلا چلا آیا۔ جب میدانِ جنگ میں جانا چاہا تو ان کو دو آدمیوں نے گھوڑے پر بٹھایا۔ انہوں نے تین کپڑے منگوا کر کہا کہ ایک کپڑے سے میری ٹانگیں گھوڑے کے نیچے سے باندھ دو تا کہ میں گر نہ جاؤں، دوسرے کپڑے سے میری کمر کس کر باندھ دو تا کہ میں سیدھا بیٹھ سکوں۔ بڑھاپے کی وجہ سے ان کی بھنویں لٹک کر آنکھوں کے سامنے آگئی تھیں جس کی وجہ سے اُنہیں دکھائی نہیں دیتا تھا لہٰذا کہا کہ تیسرے کپڑے سے میری بھنوئیں اوپر کر کے باندھ دو۔ اس عمر کو پہنچی ہوئی شخصیت سید الشہداءؑ کے ساتھ میدانِ کربلا میں موجود ہے۔ آیا ان پر جہاد شرعاً واجب تھا؟ اس عمر میں تو جہاد واجب نہیں ہوتا جیسے ہمارے ملک میں لوگ اُس عمر میں حج کرنے جاتے ہیں جب حج کا وجوب ساقط ہو جاتا ہے۔ ان فٹ آدمی کو حج کیلئے بھیجتے ہیں اور بیٹا نوکری کرتا ہے جبکہ خدا نے کہا تھا کہ مجھے فٹ (Fit) لوگ چاہئیں۔ خداوند تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے کہ

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا...... [1]

اور لوگوں پر اللہ کا حق ہے کہ جو اس گھر تک جانے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس گھر کا حج کرے......

یعنی جو فٹ (Fit) ہو وہ حج کیلئے وہ آئے، اِدھر ان فٹ (Unfit) کا کوئی کام نہیں ہے۔ لیکن یہ لوگ

---

[1]......(سورۃ آلِ عمران، آیہ ۹۷)

کربلائی درس، حضور در میدان کیلئے عمر رکاوٹ نہیں

چلے جاتے ہیں اور اُن فتنوں کے حج ایسے ہی ہوتے ہیں جیسے ابھی ہورہے ہیں۔

وہ شخص اس عمر میں جہاد کے قابل نہیں تھا، جنگ نہیں لڑسکتا تھا لیکن میدانِ کربلا میں گیا، کس لئے گیا؟ آیا دشمنوں کو قتل کرنے کیلئے؟ نہیں، ضعیفی کے سبب ان سے تلوار اور نیزہ تک نہیں اٹھ سکتا تھا لیکن انہیں معلوم تھا اس وقت میرا عظیم فریضہ حضور در میدان ہے۔ چھوٹے بچے اور خواتین بھی اسی نکتہ کو سمجھانے اور اس پر عمل پیرا ہونے کیلئے کربلا گئے۔

............میدانِ عمل میں غیر حاضری کے نقصانات

حضور در میدان یعنی وہ میدان جس کے اندر مومن کو حاضر ہونا چاہیے اور اگر حاضر نہ ہوا تو اس کا ایسا خمیازہ بھگتنا پڑے گا جس کی ساری عمر تلافی نہیں کرسکتے۔ جیسے کبھی ہوتا ہے کہ آپ گھر یا آفس میں نہیں ہیں تو آپ کی غیر موجودگی میں فیصلہ ہوجاتا ہے۔ پھر آپ ساری عمر پچھتاتے رہتے ہیں کہ اے کاش! اگر میں موجود ہوتا تو انہیں یہ فیصلہ نہیں کرنے دیتا۔ وہاں صرف آپ کی عدم موجودگی سے فائدہ اُٹھالیا گیا، مثلاً اداروں اور تنظیموں میں ایسا ہوتا ہے کہ جب اہم فیصلے کرنے ہوتے ہیں تو بعض اوقات لابنگ (Lobbying) شروع ہوجاتی ہے۔ لابی (Lobby) اپنے حامیوں کو اسپیشلی (Specially) بلاتی ہے کہ آج کی میٹنگ میں ضرور شریک ہونا اور اگر حاضر نہ ہوئے تو ممکن ہے کوئی ایسا فیصلہ ہوجائے جو درست نہیں ہے۔ فقط میٹنگ میں حاضر ہونے سے آپ وہ فیصلہ روک لیتے ہیں۔

موجودیت کا ایک اثر ہے اور موجود ہوکر حرکت و عمل کرنے کا ایک اور اثر ہے۔ اگر موجود ہوکر آپ کچھ کرسکتے ہیں تو یہ نورٌ علیٰ نور ہے لیکن اگر آپ بوڑھے و ناتوان ہوگئے ہیں تو صرف اپنی موجودیت سے بھی بہت کچھ بچاسکتے ہیں۔ اگر آپ اُس میدان کے اندر حاضر نہ ہوئے تو یہ میدان زیادہ دیر تک خالی نہیں رہے گا مثلاً جس پلاٹ پر آپ نے مکان نہ بنایا تو اُس پر کسی کا قبضہ ہوجائے گا، اگر آپ گھر بنا کر خالی چھوڑ دیں تو اُس میں بھی کوئی نہ کوئی آجائے گا اور اگر کوئی نہ آئے تو ہیروئنچی ضرور آجاتا ہے۔ آج اکثر منبروں پر نااہل اسی وجہ سے آگئے ہیں

کیونکہ جن لوگوں کو یہاں موجود ہونا چاہئے تھا وہ غیر حاضر رہے۔

میدان میں غیر حاضری وہ چیز ہے کہ جس کے باعث اس ملک کے اندر اور پورے عالمِ اسلام پر تفرقہ بازوں نے اختلافات کی آگ لگائی ہوئی ہے۔ خصوصاً اگر ہم مذہبی اعمال و روش پر معقول طریقے سے عمل نہیں کریں گے تو لازماً یہ چیزیں نامعقولوں کے ہاتھ چڑھ جائیں گی۔ مساجد و امام بارگاہ نامعقولوں کے ہاتھ آجائیں گے۔ اگر معقول لوگ اپنی عزت بچانے کیلئے، اپنی مصروفیت کیلئے، اپنی دکان و بزنس کیلئے گھروں میں بیٹھے رہیں تو پھر جب اسی مسجد سے فتنہ اُٹھتا ہے اور یہ بعد میں شور مچاتے رہ جاتے ہیں چونکہ زیادہ پڑھ لکھ گئے ہیں اور اتنے بڑے ہوگئے ہیں کہ مسجد سنبھالنے حتیٰ مسجد جانے کو بھی اپنی توہین سمجھتے ہیں۔

کوئی میدان خالی نہ چھوڑیں۔ جس میدان کو آپ نے خالی چھوڑ دیا وہاں کوئی اور آجائے گا اور ضروری نہیں ہے کہ وہ ہمدرد ہو بلکہ ممکن ہے کوئی بیدرد آجائے، ممکن ہے کوئی کج فہم و نافہم آجائے اور پھر اُس سے جان چھڑانا بہت دشوار ہوگا۔ آج یہ دہشت گرد ملک کے اوپر کیوں چھاگئے؟ ایسے حکمران کیوں برسر اقتدار آگئے؟ کیوں آمریت آگئی؟ کیوں ملک کا یہ حال بن گیا؟ کیوں حکمران آج اتنی آسانی سے ملک بیچ دیتے ہیں؟ اس کی جڑیں اور اسباب کہیں اور ہیں۔ سید الشہداؑ کا کلامِ نورانی اس بات کی تائید کیلئے بہترین شاہد ہے۔

..........فاسد یزید اور اصلاح امت کی

سید الشہداؑ نے محمد بن حنفیہ کے نام اپنے مکتوب وصیت نامہ میں فرمایا کہ

وَاِنِّیْ لَمْ اَخْرُجْ اَشِراً وَّلَا بَطِراً وَّلَا مُفْسِداً وَّلَا ظَالِماً وَاِنَّمَا خَرَجْتُ لِطَلَبِ الْاِصْلَاحِ فِیْ اُمَّةِ جَدِّیْ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم)......[1]

---

[1]......وصیت نامہ امام حسینؑ: (سخنان حسینؑ بن علیؑ از مدینہ تا کربلا، صفحہ ۳۶)(مقتل خوارزمی، الجزء ۱، صفحہ ۱۸۸)(مقتل عوالم، صفحہ ۵۴) (بحار الأنوار علامہ مجلسیؒ، الجزء ۴۴، صفحہ ۳۲۹)

(مدینہ سے) میرا نکلنا نہ خود پسندی اور تفریح کی غرض سے ہے اور نہ فساد اور ظلم وستم میرا مقصد ہے، میں تو صرف اس لئے نکلا ہوں کہ اپنے نانا کی امت کی اصلاح کروں......

یہ بات غور طلب ہے کہ اصلاح اُس کی ہوتی ہے جس میں فساد آجائے۔ گاڑی خراب ہو تو ٹھیک کراتے ہیں ورنہ جو گاڑی پہلے ہی صحیح ہو اُس کو ٹھیک نہیں کیا جاتا۔ جب سید الشہداءؑ نے قیام کیا اس وقت اُمتِ رسول کیا کر رہی تھی؟ اُمت کا ایک حصہ مدینہ میں روضۂ رسولؐ میں عبادتوں میں مشغول تھا، ایک حصہ مکہ میں حج میں مشغول تھا، ایک حصہ مدرسوں میں تعلیم میں مشغول تھا۔ ساری اُمت شرابی و کبابی نہیں تھی بلکہ یزید شرابی تھا۔ امام حسینؑ نے ولید کے دربار میں خطاب کرتے ہوئے کہا:

یَزِیْدُ رَجُلٌ فَاسِقٌ شَارِبُ الْخَمْرِ قَاتِلُ النَّفْسِ الْمُحْتَرَمَةِ مُعْلِنٌ بِالْفِسْقِ......[1]

آج بعض نام نہاد انٹلیکچوئلز (So-called intellectuals) ٹائی پہن کر دین کی تبلیغ کرتے ہیں اور یزید کا دامن دھونے کی کوشش کرتے ہیں۔ یزید ایسی نجاست ہے جسے زمزم کا پانی بھی پاک نہیں کر سکتا بلکہ اسے دھونے والا خود آلودہ ونجس ہو جاتا ہے۔ اس نکتہ پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ فاسد یزید ہے اور امامؑ اصلاح اُمت کی کر رہے ہیں۔ یہ اُس حکیم کے مطابق ہے جس کے پاس ایک شخص گیا اور کہنے لگا میرے پیٹ میں درد ہے۔ حکیم نے پوچھا کہ کھایا کیا ہے؟ اُس نے کہا جلی ہوئی روٹی کھائی ہے۔ یہ سن کر حکیم سرمہ لے آیا اور اُس کی آنکھوں لگانے لگا۔ اس شخص نے کہا کہ درد پیٹ میں ہے اور سرمہ آنکھوں میں ڈال رہے ہیں۔ حکیم نے کہا: یہ پیٹ کا درد آنکھوں کا قصور ہے۔ اگر آنکھیں درست دیکھ رہی ہوتیں تو آپ جلی ہوئی روٹی نہ کھاتے اور پیٹ کو یہ تکلیف نہ دیکھنی پڑتی۔

امامؑ یہی فرمانا چاہتے ہیں کہ یزیدیت، آمریت، لبرل ازم اسی وقت برسر اقتدار آتے ہیں جب اُمت میں فساد آجاتا ہے۔ اُمت کے فساد سے مراد یہ نہیں ہے کہ وہ نمازیں، روزے، حج وزکوٰۃ دینا چھوڑ دیتی ہے

---

[1]......(لواعج الأشجان، جلد۱، صفحہ۲۳)(موسوعة عاشوراء، الشیخ جواد محدثی، جلد۱، صفحہ۲۴۶)

قاسمِ یزید اور اصلاحِ اُمت کی

بلکہ فسادِ امت یہ ہے کہ اُمت کو جس میدان میں حاضر ہونا چاہیے اُس سے باہر نکل جاتی ہے تو یزیدیت کو برسرِ اقتدار آنے کا موقع مل جاتا ہے، یعنی یزیدیت کو یہ موقع اُمت فراہم کرتی ہے۔ اگر اُمت یزیدیت کیلئے میدان بند کردے تو پھر وہ اقتدار تک نہیں آسکتی۔ اس لئے جب بھی حکمران فاسد ہوں تو اُمتوں کی اصلاح کی ضرورت ہے کیونکہ اُمتیں اپنے بزنس، تعلیم، خاندان، مصروفیات اور روزمرہ کے معمولات کے بہانے یزیدیت کیلئے میدان خالی چھوڑ دیتی ہیں۔

........عزاداری میں شرکت، حضور در میدان کا نمونہ

عزاداری تسلسلِ کربلا ہے۔ یہ عزاداری ہمیں میدانِ عمل میں حاضر رہنے کا درس دیتی ہے۔ اگرچہ ہماری عزاداری میں بعض نادان لوگوں کی طرف سے کچھ نامناسب چیزیں بھی شامل کردی گئی ہیں جو تکلیف دہ اور پریشان کن ہیں لیکن یہ چیزیں بہانہ نہ بنیں کہ ہم عزاداری میں شرکت نہ کریں۔ بعض ایسے لوگ ہیں جو کہتے ہیں کتاب پڑھ لینا مجلس وجلوس میں جانے سے بہتر ہے یا ہم گھر میں کوئی سی ڈی سن لیں گے، چینل دیکھ لیں گے، میٹنگ کرلیں گے، کسی مومن کو گھر میں بلالیں گے۔ یہ درست نہیں ہے۔ کتاب پڑھنے کیلئے اور بھی اوقات معین کئے جاسکتے ہیں لیکن مجلس کے ٹائم پر کتاب نہ رکھیں، عزاداری کے جلوس کو چھوڑ کر کتاب نہ پڑھیں۔ کچھ کہتے ہیں کہ مجلس میں جانے کا کیا فائدہ کیونکہ پڑھنے والا جاہل آدمی ہے اور درست باتیں نہیں کرتا۔ بعض اوقات خدانخواستہ یہ باتیں ہوتی بھی ہیں لیکن پھر بھی ہمارے لئے اُس مجلس میں جانا ضروری ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ آج مجلسوں کا جو ماحول ہے یہ اسی وجہ سے ہے کہ بعض سفید پوش بن کر گھر میں جا بیٹھے لہٰذا ان کی جگہ دوسرے آگئے اور انہوں نے یہ میدان سنبھال لیا۔

آپ اپنی موجودیت سے بہت کچھ بچا بھی سکتے ہیں اور بہت ساری چیزوں کا دفاع بھی کرسکتے ہیں۔ اپنی موجودیت سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں۔ میدان سے غائب ہوکر گلہ نہ کریں کہ یہ کیا ہوگیا؟ اور یہ کون آگیا؟ سفید پوش اور وائٹ کالر بن کر، اپنے لئے خیالی القابات اور خیالی مقام ومنزلت گھڑ کر گھر میں چھپ

سادہ کر بیٹھ جانا اور پھر ڈرائنگ روم میں تنقید شروع کر دینا درست نہیں ہے۔ آپ کے ڈرائنگ روم میں آ کر کوئی غلطی کیوں نہیں کرتا؟ چونکہ ڈرائنگ روم میں آپ موجود ہیں۔ لیکن آپ کے دین میں کیوں غلط لوگ آ گئے؟ چونکہ وہاں آپ موجود نہیں ہیں۔ اگر داعیٔ وحدت و منادیٔ وحدت میدان میں نہیں ہوں گے تو یہ خالی میدان تفرقہ بازوں کو مل جائے گا اور پھر وہ آ کر جیسا جی میں آئے گا کریں گے۔

............اھل علماء کی منبر سے دوری کا نقصان

اگر منبر پر ایک پڑھا لکھا عادل متقی عالم آ جائے تو جاہل کو منبر پر آنے کا موقع نہیں ملے گا۔ حوزے کے اندر جو منبر پر آ کر مجلس پڑھتا ہے اُس کو روزہ خوان کہتے ہیں۔ یہ روزہ خوانی کون لوگ کرتے ہیں؟ جو مجتہد، فقیہ، محقق، اسکالر اور استاد نہیں بن سکتے۔ آپ حوزے میں دیکھ لیں کہ جو بڑی شخصیت ہے وہ کبھی مجلس نہیں پڑھے گی، کیوں نہیں پڑھتے؟ کیونکہ وہ کہتے ہیں منبر پر وہ آتا ہے جو پڑھا لکھا نہ ہو۔ جو زیادہ پڑھ لکھ جائے وہ سمجھتا ہے کہ منبر پر بیٹھنا میرے شایانِ شان نہیں ہے۔ پھر گلہ کس بات کا ہے؟ اگر آپ منبر پر نہیں آئیں گے تو اس میدان میں دوسروں کو آنے کا موقع مل جائے گا۔

اس وقت علماء کیلئے ایک رول ماڈل (Role model) اور مسلّم مرجعیت کی حد تک پہنچی ہوئی شخصیت ہمارے اُستادِ بزرگوار حضرت آیت اللہ جوادی آملی دام ظلہ العالی ہیں۔ یہ وہی بزرگوار ہیں جو گورباچوف کے پاس امام خمینیؒ کا پیغام لے کر گئے تھے۔ آپ ایک عظیم حکیم، فیلسوف، مجتہد، فقیہ اور مفسر ہیں۔ مجھ جیسے طالب علم کی معلومات کے مطابق اس وقت تفسیر و قرآن شناسی کے میدان میں روئے زمین پر اس جیسی شخصیت موجود نہیں ہے لیکن اس کے باوجود محرم میں باقاعدہ منبر پر بیٹھ کر سید الشہداء علیہ السلام کی مجالس پڑھتے ہیں۔ امام خمینیؒ جب نجف گئے تھے تو وہاں شاہ کی ایرانی ایمبیسی (Embassy) نے یہ پروپیگنڈا کیا ہوا تھا کہ یہ مجتہد نہیں ہیں بلکہ روزہ خوان ہیں، چونکہ امامؒ منبر پر آ کر مجالس پڑھا کرتے تھے۔

کراچی میں ایک بزرگ مومن نے مجھ سے کہا کہ میں آپ کو ایک تجربے کی بات بتاتا ہوں۔ بزرگ

اگر چہ عالم اور مدرسوں کے فارغ التحصیل نہ بھی ہوں تو ان کے پاس تجربات بڑے قیمتی ہوتے ہیں۔وہ کہنے لگے کہ دیکھو ایک زمانہ تھا کہ آپ لوگوں کو منبر پر آنا چاہیے تھا لیکن آپ منبر پر نہیں آئے۔آپ لوگ کہیں اور جا بیٹھے لیکن منبر خالی نہیں رہا بلکہ دوسرے لوگ منبر پر آگئے۔اب جو خطرہ درپیش ہے وہ تمہارے محراب کو ہے۔علماء کے پاس آخری سنگر اور مورچہ محراب بچا ہے۔اُن کی تعبیر یہ تھی کہ مجھے یہ لگتا ہے آپ لوگ محراب سے بھی آہستہ آہستہ بیزار ہوتے جا رہے ہو اور محراب کو بھی اہمیت نہیں دیتے۔تو جس طرح منبر تمہارے اختیار سے نکل گیا ہے اسی طرح محراب بھی تمہارے اختیار سے نکل جائیں گے،اور یہ ہونا شروع بھی ہو گیا ہے۔ریٹائرڈ فوجی آپ کو جمعے پڑھائیں گے اور عبادتیں کروائیں گے چونکہ پاکستان کا فوجی ریٹائرڈ نہیں ہوتا بلکہ صرف شعبہ تبدیل ہوتا ہے۔بغیر وردی کے اُن کے فراوان شعبے ہیں اور کسی بھی شعبے میں جا سکتے ہیں۔ان کا ایک بڑا شعبہ مذہب سے تعلق رکھتا ہے۔کوئی اپنے شعبہ میں فٹ نہ بھی ہو تو کم از کم دین میں فٹ ہو جاتا ہے۔پس علماء نے یہ میدان ترک کئے ہوئے ہیں اسی وجہ سے دوسروں نے آکر یہ میدان سنبھال لئے ہیں اور یہ تاریخ میں ہمیشہ ہوا ہے۔

..........حضور در صحنہ ،اُمت کی نجات و بقاء کا پیش خیمہ

اگر ہم چاہتے ہیں کہ ملک و قوم کی اصلاح ہو اور یہ ملک تفرقہ بازوں کی گزند سے محفوظ رہے تو ہمیں میدان میں آنا پڑے گا اور میدان میں آنے کیلئے اس قرآنی فارمولہ پر عمل کرنا ہوگا:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا......

جمیعاً میدان میں آئیں۔آپ کی موجودیت دُنیا اور تفرقہ بازوں کیلئے بہت بڑا پیغام ہے کہ آج تک تفرقہ بازوں نے میدان سنبھالا ہوا تھا لیکن آج سے وحدت کے حامی و خواہاں میدان میں آچکے ہیں۔اگر فہم و شعور اور فراست و بصیرت رکھنے والے لوگوں نے اس معاشرے کو نجات نہ دینا چاہی تو یہ معاشرہ کسی صورت نہیں بچ سکتا۔اب وقت آگیا ہے کہ معقول لوگ میدان میں آئیں اور معقولیت کا مظاہرہ کریں۔

یہ نہ سمجھیں کہ وحدت کے سلسلے میں منعقد کی گئی محفل و مجلس سے امت پر کیا اثر پڑے گا؟ اثر تو اُس وقت

ہوتا کہ جب یہاں فلاں بھی ہوتے اور ایک معاہدہ و دستخط ہو جاتا، اس کے بعد اس ملک میں امن وامان ہو جاتا اور جب تک ویسی مجلس نہیں ہوتی ہم شرکت نہیں کرتے۔ یہ مالیخولیا ہے۔ ان محافل و مجالس میں کم از کم یہ تأثر ضرور موجود ہے کہ حامیان، داعیان و منادیانِ وحدت نے میدان خالی نہیں چھوڑا ہے۔ اپنی موجودیت سے آپ دنیا کو بہت کچھ سمجھا رہے ہوتے ہیں۔ موجودیت کے آثار دیرپا ہوتے ہیں لہٰذا امام خمینیؒ ہمیشہ علماء کو ''حضور در صحنہ'' کی تلقین و تاکید فرماتے تھے۔ امامؒ ہمیشہ یہ کہتے تھے کہ

در صحنه حاضر باشید......

میدان میں ہمیشہ حاضر رہنا......

ایک ہو تب حاضر رہو، دو ہو تب بھی حاضر رہو۔ خطبوں میں یہ آیت ہمیشہ امام خمینیؒ کی زبان پر ہوتی تھی:

قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى......[1]

کہہ دیجئے: میں تمہیں ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ تم اللہ کیلئے اُٹھ کھڑے ہو ایک ایک اور دو دو کر کے......

یعنی ساتھیوں اور وسائل کے بہانے نہ بناؤ بلکہ اللہ کیلئے قیام کرو، اور جس قوم کو یہ درس مل گیا ہو وہ قوم ہمیشہ کامیاب ہوتی ہے۔ جب انقلاب آیا تو امامؒ نے حکم دیا کہ کرفیو توڑ کر سب گھروں سے باہر آجائیں۔ اس قوم نے ''حضور در صحنہ'' کا درس پہلے ہی سیکھا ہوا تھا اور اس درس کی مشق کی ہوئی تھی لہٰذا وہ کامیاب ہو گئے۔ حتیٰ جن مریضوں کا آپریشن ہوا تھا وہ بھی وہیل چیئر پر بیٹھ کر سڑک پر آگئے، جن خواتین کے اولاد ہوئی تھی وہ بھی ہسپتال سے سڑک پر موجود تھیں۔ جب اُن سے پوچھا گیا کہ آپ اس حالت میں کیوں آئی ہیں تو وہ جواب دیتی تھیں کہ ہمارے مرجع تقلید نے حکم دیا ہے کہ آج گھر میں بیٹھنا گناہ ہے۔ شاہ بندوقوں سے نہیں بلکہ میدان میں اُمت کی موجودیت سے گرا ہے۔

حضور در صحنہ، اُمت کی نجات و بقاء کا پیغام

---

[1]......(سورۂ سبأ، آیہ ٤٦)

ہم پاکستان میں بھی اپنی موجودیت سے فاسد نظام اور تفرقہ کا خاتمہ کر سکتے ہیں۔اگرچہ پاکستان میں 1980ء میں تفرقہ کو ہوا دی گئی تھی لیکن یہ نہ سمجھیں کہ تفرقہ فقط سنی اور شیعہ میں ہے بلکہ آج شیعہ اور سنی دونوں کے اپنے اندر بھی اسی لب ولہجہ اور لسان وقومیت کی بنیاد پر اختلافات کو ہوا دی جارہی ہے۔اس دور میں بھی بعض لوگ لاتعلق ہوکر خاموش بیٹھے ہوئے ہیں کہ ہم صاحب عزت ہیں اور ملت کے کاموں میں حصہ ہی نہیں لیتے۔اگر آپ ان کاموں حصہ نہیں لیتے تو کم ازکم میدان میں موجود تو رہیں۔

تفرقہ ڈالنے والے تماشائی بن کرنہیں بیٹھے ہوئے بلکہ اپنی پوری توانائیوں کے ساتھ میدان میں حاضر ہیں۔اگران کے پاس مالی توانائی ہے تو اسے بھی لے آئے ہیں، زبان اور قلم کی توانائی سے بھی فائدہ اٹھا رہے ہیں اور ہر قسم کے اندرونی و بیرونی وسائل سے فائدہ اٹھا رہے ہیں تو کیا آج مسلمین ومومنین کا فریضہ یہ نہیں بنتا کہ وہ اپنے حضور کے ذریعہ اور اپنی تمام توانائیوں کو بروئے کار لاکر اس تفرقہ کا جواب دیں۔ہماری نجات اور بقاء اسی ایک نکتہ کے اندموجود ہے۔

فرقہ واریت

......فرقہ واریت

فرقہ واریت اُس جھگڑے، نزاع اور اختلاف کو کہتے ہیں جو مذاہب کے اندرونی مسائل کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے لہذا تفرقہ کی ایک اہم وجہ یہی فرقہ واریت ہے۔اس فرقہ واریت میں جہالت، پیشہ وری، دشمن کی چالوں اور ناعاقبت اندیش حکمرانوں کا حصہ ہے۔یہ دشمن کا گیم ہمارے ملک کے ناعاقبت اندیش حکمرانوں کی وجہ سے کھیلا جارہا ہے لیکن درعین حال فرقہ واریت کے جراثیم بھی اس سرزمین کے اندر موجود ہیں۔پاکستان کی سرزمین فرقہ واریت کیلئے بھی آمادہ تر ہے۔بعض غیر پاکستانی دانشوروں کے بقول پاکستان کی سرزمین فتنوں کیلئے بڑی زرخیز ہے۔دوسری سرزمینوں پر فتنے اتنی جلدی اثر نہیں دکھاتے جتنی جلدی یہاں فتنوں کی فصل اُگتی ہے۔

پاکستان کی سرزمین پر فرقہ واریت کیلئے بھی ماحول تیار کیا گیا ہے لیکن اس وقت جو کچھ پاکستان میں رونما ہو رہا ہے اور خون کی ہولی کھیلی جارہی ہے یہ فقط فرقہ واریت نہیں ہے چونکہ فرقہ واریت اُس جھگڑے کو کہتے

ہیں جو مذاہب کے اندرونی مسائل کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ آج کل جو کچھ پاکستان میں ہو رہا ہے اس کا تعلق اندرونی مسائل سے زیادہ باہر سے ہے۔ یہ ایک امپورٹڈ (Imported) چیز ہے جو ناعاقبت اندیش، احمق، سفیہ اور بیوقوف حکمرانوں کی بیوقوفی کا نتیجہ ہے۔ اگر یہ احمق نہ ہوتے تو آج یہ خود، عوام، پولیس اور فوج بھی اتنے خطرے میں نہ ہوتی۔ انہوں نے جو منحوس فصل بوئی آج وہ اس طرح سے پھلی پھولی ہے کہ فرد فردِ پاکستان احساسِ خطر کر رہا ہے اور اپنی جان بچانے کیلئے ملک سے بھاگنے کو ترجیح دیتا ہے۔ غیر ذمہ دار علماء بھی فرقہ واریت کا ایک بڑا سبب ہیں جو دین اسلام کو درست نہیں سمجھ سکے۔ کچھ جاہل و نادان ہیں اور کچھ ایجنسیوں اور دوسری طاقتوں کی طرف سے Paid ہیں جو قوم کو آپس میں لڑانے میں مشغول ہیں۔

......منبروں اور نعروں سے سوءِ استفادہ

منبروں اور نعروں کا غلط استعمال تفرقہ پھیلانے کیلئے عمل انگیز کا کام انجام دیتا ہے۔ اگر دشمن کے پاس سیاسی مہروں کی کمی نہیں ہے تو دینی مہروں یعنی منبروں کے اوپر اپنے مہرے لانے کے لئے بھی کمی نہیں ہے۔ شیعوں کیلئے جتنی اہمیت منبر کی ہے اور بالخصوص پاکستان کے اندر ہمارا سارا دارومدار ہی منبر پر ہے تو اتنی اہم چیز کو دشمنِ تشیع نے نظر انداز کر رکھا ہے؟! اور منبر کے اوپر اس کی کوئی انویسٹمنٹ (Investment) نہیں ہے؟! اگر کوئی منبروں پر بیٹھ کر شیعہ قوم کے اندر ہی نفرت ڈالے، مومنوں کو مومنوں کے خلاف کرے تو یہ مہرہ فتنہ کا پرچار کر رہا ہے۔ ممکن ہے کسی کو علمی طور پر شبہ ہو وہ ایک الگ بات ہے لیکن میں فتنہ اس کو کہہ رہا ہوں جو آگاہانہ طور پر مومنین کو تقسیم کرنے کے لئے اور فتنے و جھگڑے ڈالنے کے لئے ایسی باتیں شروع کرتے ہیں۔

بعض اوقات یہ لوگ لوگوں کو فقہاء و مجتہدین کرام سے متنفر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہمارے پاس قطعی دلائل موجود ہیں کہ جس طرح رسول اللہ ﷺ نے رحلت کے بعد اُمت کو اپنے حال پر نہیں چھوڑا اسی طرح امامِ زمانہؑ نے بھی غیبت کے وقت اُمت کو اپنے حال پر نہیں چھوڑا۔ جب غیبتِ صغریٰ تھی تو امامؑ نے نائب مقرر کئے تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ غیبتِ کبریٰ میں ایسے ہی چھوڑ کر چلے جائیں۔ رسول اللہ ﷺ کی رحلت اور امام زمانہؑ کی

غیبت میں ڈھائی سو سال کا فاصلہ ہے۔ اگر ڈھائی سو سال پہلے یہ بات مانتے ہیں تو ڈھائی سو سال بعد بھی مانیں۔ جب ڈھائی سو سال پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا جانشین نامزد کیا تھا تو آج ڈھائی سو سال بعد بھی قبول کریں کہ امامِ زمانہؑ غیبت میں اپنا کوئی نائب بنا کر گئے ہیں۔ ورنہ دوسرا یہ اعتراض کرے گا کہ ہم تو ڈھائی سو سال پہلے ہی کہہ رہے تھے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کوئی جانشین مقرر نہیں کیا تھا۔

کبھی یہ لوگ لوگوں کو نائبِ امام سے دور کرنے کیلئے معصوم وغیر معصوم کی بحث چھیڑ دیتے ہیں کہ نائب معصوم نہیں ہے تو اس کی اطاعت کیوں کریں؟ اگر ہم امیر المومنین علیہ السلام کے زمانے میں ہوتے تو کیا کرتے؟ کہ جب امام علیہ السلام مالکِ اشتر کو نمائندہ بنا کر ہماری طرف بھیجتے۔ کیا مالکِ اشتر معصوم ہیں؟ نہیں، تو پھر اس غیر معصوم کی اطاعت کرتے یا نہ کرتے؟ جو ان کی اطاعت نہ کرتا تو ہم اس کو یہی کہتے کہ اس نے مالک اشتر کو نہیں بلکہ امیر المومنین علیہ السلام کو ٹھکرایا ہے اور جس نے امیر المومنین علیہ السلام کو ٹھکرایا ہے اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ٹھکرایا ہے اور جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ٹھکرایا ہے اس نے اللہ کو ٹھکرایا ہے۔ حضرت حجت عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف فرماتے ہیں:

وَأَمَّا الْحَوَادِثُ الْوَاقِعَةُ، فَارْجِعُوا فِيهَا إِلَى رُوَاةِ حَدِيثِنَا، فَإِنَّهُمْ حُجَّتِي عَلَيْكُمْ، وَأَنَا حُجَّةُ اللّٰهِ......[1]

یعنی زمانۂ غیبت میں پیش آنے والے حوادث میں تم ہمارے راویانِ حدیث کی طرف رجوع کرو کیونکہ وہ تم پر میری طرف سے حجت ہیں اور میں خدا کی طرف سے ان پر حجت ہوں،

ان فقہاء کی بات کو رد کرنے والے کے بارے میں امام محمد باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام کے جملے یہ تعبیر بیان کرتے ہیں کہ

اُنْظُرُوْا اِلٰى مَنْ كَانَ مِنْكُمْ قَدْ رَوٰى حَدِيْثَنَا وَ نَظَرَ فِيْ حَلَالِنَا وَ حَرَامِنَا وَ عَرَفَ

---

[1]......(کمال الدین وتمام النعمة- الشیخ صدوقؒ) (الاحتجاج،الجزء۲،صفحه۱۶۳)(وسائل الشیعة -الحر العاملیؒ،الجزء۲۷،صفحه۱۴۰)(الغیبة-الشیخ طوسیؒ، صفحه۱۹۸)

اَحْکَامَنَا فَارْضَوْا بِهٖ حَکَماً فَاِنِّیْ قَدْ جَعَلْتُهٗ عَلَیْکُمْ حَاکِماً فَاِذَا حَکَمَ بِحُکْمِنَا فَلَمْ یَقْبَلْ مِنْهُ فَاِنَّمَا بِحُکْمِ اللّٰهِ اسْتَخَفَّ وَ عَلَیْنَا رَدَّ وَ الرَّآدُّ عَلَیْنَا رَادُّ عَلَی اللّٰهِ وَ هُوَ فِیْ حَدِّ الشِّرْکِ بِاللّٰهِ.....[1]

دیکھواس شخص کی جانب جوتم میں سے ہماری احادیث کو بیان کرتا ہے اور ہمارے حلال اور حرام میں نگاہ کرتا ہے اور ہمارے احکام کو جانتا ہے تو تم اس کو اپنے لیے حَکَم بنانے پر راضی ہو جاؤ اور میں نے اس کو تم پر حاکم قرار دیا ہے، جب وہ ہمارے حکم کو بیان کرے اور اس سے قبول نہ کیا جائے تو اس نے حکمِ خدا کو خفیف اور ہلکا سمجھا اور ہمیں رَد کر دیا اور ہمیں رَد کرنے والا خدا کو رَد کرنے والا ہے اور خدا کو رَد کرنے والا مشرک ہے......

پاکستان میں چند مسئلے جو اس وقت عام طور پر منبروں پر ہو رہے ہیں اور فقہاء، مجتہدین، مراجع، رہبر کے خلاف منبروں پر طعن تشنیع ہو رہی ہے یہ فتنہ ہے اور اس فتنہ کو روکنا ضروری ہے۔ یہ تشیع کے اندر دراڑ ڈالنے والی بات ہے۔ پہلے شیعہ وسنی کے درمیان کاروائیاں ہوتی رہیں لیکن اب شیعہ کو شیعہ اور سنی کو سنی سے لڑانے کی کاروائیاں ہو رہی ہیں مثلاً تشہد میں علی ولی اللہ پڑھیں نہ پڑھیں یہ دوسرے فقہی مسئلوں کی طرح ایک مسئلہ ہے۔ تشہد میں شہادتِ توحید پڑھیں یا نہ پڑھیں اس کیلئے فتویٰ موجود ہے۔ اشہدان محمد عبدہ ورسولہ پڑھیں یا نہ پڑھیں؟ اس کیلئے بھی مرجعِ تقلید کا فتویٰ موجود ہے لیکن اشہدان علی ولی اللہ پڑھیں یا نہ پڑھیں؟ اس کیلئے بھی اپنے مرجعِ تقلید کا فتویٰ دیکھو اگر وہ کہتے ہیں کہ پڑھو تو پڑھو اگر نہیں کہتے تو نہ پڑھو۔ لیکن یہ کیا بات ہوئی کہ پہلے ہی مرجع کو گالی دیں اور پڑھنے والے یا نہ پڑھنے والے کو گالی دیں۔ یہ مسئلہ نہیں بلکہ فتنہ بیان کر رہا ہے۔ فتنے اسی طرح سے پھیلتے ہیں۔ کسی زمانے میں منبروں پر طعن و تشنیع اور شیعہ کافر کے نعرے لگتے تھے تو لوگ کہتے تھے کہ یہ بھونک بھونک کر خود ہی تھک جائیں گے لیکن وہ تھکے نہیں بلکہ کاٹنا بھی شروع کر دیا۔ اسی طرح یہ خطرناک کام بھی آگے بڑھے گا۔ ان کاموں کی حوصلہ افزائی نہیں کرنی۔ پڑھنا ہے تو پڑھو نہیں پڑھنا تو نہ پڑھو لیکن قوم کے اندر تفرقہ کیوں ڈالتے ہو؟

اسی طرح مجتہدین و مراجع جو امامِ معصومؑ کے ہی پیرو ہیں لیکن ان سے بھی لوگوں کو دور کرنے کی کوشش

منبروں اور نعروں سے سوءِ استفادہ

[1]......(منتهی الامال-شیخ عباس قمیؒ)

کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم لوگوں کی ملاقات امامؑ سے کروائیں گے۔ ان کا امامِ معصومؑ سے کیا رابطہ ہے؟ کہتے ہیں کہ امامؑ ہمیں خواب میں نظر آتے ہیں۔ آج کل امامؑ سے ملاقات کا چکر زیادہ چلا ہوا ہے جیسے ٹریول ایجنسیاں (Travel Agencies) بنی ہوتی ہیں جن کے ایجنٹوں کا کام یہی ہوتا ہے کہ پہلے مارکیٹ دیکھتے ہیں کہ آج کل لوگ کدھر زیادہ جانا چاہتے ہیں؟ انہوں نے دیکھا کہ شیعہ امامِ غائب کو مانتے ہیں لہٰذا انہوں نے بھی ملاقات کی ایجنسی کھول لی کہ ہم بھی امام سے ملاقات کراتے ہیں۔ خود اس ملاقات کروانے والے کی اپنی شکل دیکھو جیسے یہ منہ اور مسور کی دال، امام ہرایرے غیرے کو تو نہیں ملتے، یہ انہوں نے روزگار کا دھندا بنالیا ہے۔ انہوں نے امامت، غیبت اور انتظار کو بھی مسخرہ پن اور مذاق بنالیا ہے۔ یہ مذاق نہیں بلکہ دینِ خدا اور رازِ الٰہی ہے۔ یہ راز کھیلنے کے لئے نہیں ہے۔ انہی فتنوں سے بچنا ہے اور اس کیلئے ہوشیاری و بیداری کی ضرورت ہے۔

بعض لوگوں کے نعرے اور باتیں کسی نہ کسی کی دل آزاری کا موجب بنتے ہیں مثلاً پہلے مجھے معلوم تو تھا لیکن اتنا اندازہ نہیں تھا کہ نعروں کے اندر بھی بہت زیادہ شدت موجود ہے۔ عموماً جب میں مجالس پڑھتا ہوں تو اس میں نعرہ کی جگہ ہوتی ہی نہیں ہے لیکن بعض لوگ پھر بھی مستحب سمجھ کر نعرہ لگا دیتے ہیں۔ میں ایک جگہ مجلس پڑھ رہا تھا تو پیچھے سے ایک شخص اٹھا اور میزائل نعرہ حیدری، ایٹم بم نعرہ حیدری مارنے لگا۔ یہ کیسے نعرے ہیں؟ گرنیٹ، بارود اور رائفل نعرہ حیدری کے ذریعہ کیا پیغام دینا چاہتے ہیں؟ کیا خود نعرۂ حیدری خوبصورت نہیں ہے؟! اس کے ساتھ گرنیٹ کیوں باندھتے ہو؟ ظاہر ہے کہ گرنیٹ کسی پر پھینکنا ہوتا ہے۔ نعرۂ حیدری، نعرۂ رسالت اور سارے شعائرِ دینی کے نعرے لگا کر اپنے عقیدہ و ایمان کا اظہار کریں لیکن ان کا کوڑا اور گرنیٹ بنا کر دوسروں پر نہ برسایا جائے۔ سب سے خوبصورت اور بہترین نعرہ نعرۂ حیدری ہے جسے ساری دنیا لگاتی ہے اور آپ بھی لگائیں لیکن بیچ میں بارود نہ لگائیں۔

اسی طرح کہیں اور مجلس پڑھ رہا تھا تو ایک بزرگ نے اٹھ کر عجیب وغریب نعرہ لگایا اور کہا کہ گرنیٹ نعرہ حیدری۔ میں نے کہا کہ بندۂ خدا نعرۂ حیدری خود اتنا زیبا اور خوبصورت نعرہ ہے جسے ساری دنیا لگاتی ہے اور پاکستان کی فوج بھی لگاتی ہے، کیونکہ اس کے اندر ایک جوش، ولولہ اور طاقت ہے یعنی خود انسان محسوس کرتا ہے کہ

میرے اندر ایک قوت آگئی ہے لیکن اس کے ساتھ گرنیٹ اور بم باندھنے کی کیا ضرورت ہے؟

مذہبیوں نے اتنے خوبصورت دین کو گرنیٹ دین بنا دیا ہے۔ آج کل علماء کے القابات بھی ایسے ہی ہیں۔ کسی زمانے میں ایک کا نام شمشیر برہنہ تھا یعنی ننگی تلوار و گرنیٹ مُلا، یہ کیا چیزیں ہیں؟! یہ واقعاً دین اور مذہبیوں کے شایانِ شان نہیں ہیں۔ دین ان چیزوں کو قبول نہیں کرتا۔ ایسے نام رکشے والے بھی اپنے رکشہ کے اوپر لکھنے کو تیار نہیں ہیں کہ جن ناموں کو ہم مذہب میں کھینچ کر لے آئے ہیں۔ نعرۂ حیدری خوبصورت نعرہ ہے۔ اس نعرہ کی بڑی اہمیت ہے اور یہ اپنے اندر کشش وجاذبیت رکھتا ہے لیکن اس کے ساتھ بم اور گرنیٹ نہ باندھیں۔

......جمود اورامت سازی کا فقدان

جمود اورامت سازی کا فقدان

تفرقہ کے پھلنے پھولنے کی ایک اہم وجہ جمود اور امت سازی کا فقدان ہے۔ پانی اس وقت تک صحت مند اور صحت بخش رہتا ہے جب تک اس میں حرکت ہو لیکن جب رک جاتا ہے تو جوہڑ بن جاتا ہے۔ جمود کی وجہ سے پانی میں فساد آجاتا ہے اور یہ فاسد پانی نہ پینے کے قابل رہتا ہے نہ کھیتی باڑی وغیرہ کے۔ ٹھہراؤ کے باعث اس کے اندر مضر چیزیں مثلاً جراثیم، جھونکیں اور حیاتِ انسانی کے لئے مضر موجودات بھی جنم لینا شروع کر دیتے ہیں۔ یہی حال انسانی سماج کا بھی ہے۔ صحت مند انسانی سماج وہ ہوتا ہے جس کے اندر حرکت ہو لیکن جمود کے باعث یہ سماج بھی مر جاتا ہے اور فاسد معاشرہ کے اندر مضر چیزیں پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ انسان کی اپنی انفرادی زندگی میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔ انسان حالتِ ارتقاء میں ہے۔ قرآن نے انسان کو بعنوانِ مہاجر الی اللہ متعارف کروایا ہے یعنی انسان اللہ کی طرف سفر کر رہا ہے۔ اگر اس کے انفرادی سفر میں بھی جمود آ گیا تو فساد آجائے گا۔ اخلاقی فساد اسی جمود کا نتیجہ ہے۔ حتیٰ اگر ہم جسمانی طور پر بھی جمود کا شکار ہو جائیں، ہماری نقل وحرکت کم ہو جائے تو ہمارا جسم بے ڈھنگا اور بے ڈول ہو جاتا ہے لیکن اگر انسان چلتا پھرتا رہے تو موزوں رہتا ہے اور انسان کو جسمانی بیماریاں نہیں لگتیں۔

اگر لوگ حالتِ حرکت میں رہیں لیکن امت نہ بنیں تو ان کی مثال اس ریوڑ کی سی ہے جسے ہر خونخوار

جانور للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتا ہے جیسے چراگاہ کے اندر ایک سرگردان ریوڑ ہو تو کبھی بھیڑیئے، کبھی گیدڑ، کبھی شیر اور کبھی کوئی اور درندہ اس کو گھیر لیتا ہے۔ سماج میں یہ دو اجتماعی شکلیں متصور ہیں۔ دین و قرآن ہمیں اُمت کی شکل میں دیکھنا چاہتا ہے۔

اُمت کے اپنے ارکان و دستورات ہیں کہ یہ انسانی آبادی کیا کرے کہ اُمت بن جائے؟ بصورتِ دیگر ان کی دوسری شکل ریوڑ جیسی ہے۔ نہج البلاغہ میں امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے ایک کلام میں اس نکتہ کی طرف اشارہ بھی فرمایا ہے:

اَلنَّاسُ ثَلَاثَةٌ: فَعَالِمٌ رَبَّانِيٌّ، وَمُتَعَلِّمٌ عَلٰى سَبِيْلِ نَجَاةٍ، وَهَمَجٌ رَعَاعٌ......[1]

یعنی اے کمیل! لوگ تین طرح کے ہوتے ہیں: عالمِ ربانی، متعلم یا پھر ریوڑ ہیں۔ علمائے ربانی کسی مدرسہ کے فارغ التحصیل کو نہیں کہتے بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے سفر میں کسی منزلِ مقصود تک پہنچ چکے ہیں، کوئی معرفت و آگہی حاصل کر چکے ہیں، ربانی صفات ان کے اندر آ چکی ہیں اور جس طرح خداوند تبارک وتعالیٰ کی رضا تھی انہوں نے اپنے آپ کو اس پیکر میں علمی و عملی لحاظ سے ڈھال لیا ہے۔ بالفاظِ دیگر جن کے اندر معرفت اور اس معرفت کے متناسب عمل موجود ہو اور معرفت و عمل کے متناسب صفات بھی پائی جاتی ہوں ان انسانوں کو انسانِ ربانی کہا جاتا ہے۔ نجات کے راستہ کے متعلم یعنی جو سیکھ رہے ہیں اور جستجو، طلب و تلاشِ حق میں ہیں کہ ہمیں درست راستہ مل جائے اور صحیح مقصد کی نشاندہی ہو جائے تاکہ ہم اس کی طرف بڑھیں اور جس طبقہ کے اندر یہ دونوں صفات نہ ہوں یعنی نہ وہ عالمِ ربانی کے زمرے میں ہو اور نہ متعلمِ سبیلِ نجات ہو کہ ان کے اندر کوئی خواہش ہی نہ ہو اور فقط چرنا، چرانا اور تولیدِ نسل کرنا ان کے معمولات کے اندر موجود ہو تو یہ فقط هَمَجٌ رَعَاع ہیں یعنی ایسا ریوڑ جو سرگرداں ہے اور جس کا کوئی وارث و چرواہا نہیں ہے۔ امیر المومنین علیہ السلام نے اس ریوڑ کی صفات بھی بیان فرمائیں کہ یہ ہر ایک کی سیٹی کے پیچھے اور ہر ہوا کے رخ پر چلنا شروع کر دیتا ہے۔

---

[1]......(نهج البلاغه، حكمت ١٤٧)

آج المیہ یہ ہے کہ ہماری حالت وہی تیسرے طبقہ والی بنی ہوئی ہے یعنی جن کا نہ راستہ معین ہے، نہ منصوبہ ہے، نہ مقصد ہے اور نہ کوئی حرکت ہے۔ ہم فقط اپنے معمول کے مطابق صبح و شام گزارنے میں لگے ہوئے ہیں۔ ہمارے بعض شعراء و اہل قلم اس بات کا نظم و نثر میں اظہار بھی کر چکے ہیں کہ اب ہماری زندگی کا مقصد فقط یہی رہ گیا ہے کہ ہم صبح کو شام اور شام کو صبح کرتے رہیں۔ ایسے لوگوں کی حالت ایک سرگردان ریوڑ کی طرح ہو جاتی ہے کہ جنہیں کوئی بھی آ کر ہانکنا شروع کر دیتا ہے۔

پاکستان ہی کی مثال لے لیں جو اُمت مسلمہ کا ایک قابلِ اعتناء حصہ ہے۔ اگر ہم دیکھیں تو یہ بات بخوبی نظر آتی ہے کہ کوئی بھی آ کر اس قوم کی زمام اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے بلکہ زمام تو ہے ہی نہیں صرف ڈنڈا لے کر ہانکنا شروع کر دیتا ہے۔ پھر جب اس کی سرگردانی میں اضافہ ہو جاتا ہے تو باری کسی دوسرے کی آ جاتی ہے۔ اس کی وجہ جمود ہے اور جمود کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے سامنے کوئی مقصد نہیں ہے حتیٰ مذہبیوں کی بھی یہی روش ہے۔ بقول ایک فارسی مصنف کے کہ یہ سرعت کا زمانہ ہے اور لوگ دوڑ میں لگے ہوئے ہیں۔ اگر ان سے پوچھیں کہ اتنا کیوں دوڑ رہے ہو تو جواب دیتے ہیں کہ ہمارے پاس ٹائم نہیں ہے۔ اگر ان سے پوچھیں کہ وقت بچا کر کیا کرنا ہے؟ تو کہتے ہیں کہ مزید دوڑنا ہے! صبح و شام مذہبی افراد بھی یہی کر رہے ہیں۔

جس نے اپنی ساری عمر گھر اور دکان کے درمیان گزارنی ہے یا جس نے اپنی ساری عمر مسجد اور اپنے گھر کے مابین بسر کرنی ہے ان دونوں کو کہیں بھی نہیں جانا ہے۔ صرف ان دونوں کے لوازمات میں تھوڑا سا فرق ہے مثلاً امیر اور غریب گھرانوں کے لوازمات و میٹریل (Material) میں تھوڑا سا فرق ہے لیکن معمولات ایک جیسے ہیں۔ اس کو روزانہ گوشت اور کباب کھانا ہے اور اِس کو روزانہ دال کھانی ہے لیکن کام ایک ہی ہے۔ یہ خوش ہے کہ میں عبادتیں کر رہا ہوں، روزانہ مسجد جاتا ہوں، روزانہ اعمال انجام دیتا ہوں، ہر سال حج بھی کر آتا ہوں، روزے بھی رکھ لیتا ہوں لیکن یہ حج انجام دے کر اور روزے رکھ کر بھی اس کی نیت کہیں پہنچنے کی نہیں ہے اور وہ جو صبح و شام کما رہا ہے اور کمانے کے علاوہ اس کا کوئی کام نہیں ہے اس کی بھی کوئی کہیں پہنچنے کی نیت نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی زندگیاں جمود کا شکار ہو جاتی ہیں۔ یہ ٹھہراؤ فساد کا باعث بنتا ہے اور فساد کے اندر مضر چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔

......جہالت اور ناقص تعلیمی معیار

جہالت اور ناقص تعلیمی معیار کی وجہ سے بھی مذہبی اختلافات تفرقہ کی صورت اختیار کر جاتے ہیں۔ ہمارے ملک میں شرحِ خواندگی بہت کم ہے اور ترغیب دلانے کے باوجود کوئی بھی پڑھائی کی جانب راغب نظر نہیں آتا کیونکہ یہاں اندھی تقلید کا رجحان زیادہ ہے۔ اللہ نے عالَم کی زندگی کو علم کے ساتھ اس طرح مربوط کیا ہے کہ انسان علم و معرفت اور آگاہی کے ساتھ زندگی بسر کرے۔ حیوان اور انسان میں اصلی اور بنیادی فرق جسمانیت کے لحاظ سے نہیں بلکہ عقل، شعور، علم، معرفت اور آگہی کے لحاظ سے ہے۔ جس مقصد کے لئے خداوند تبارک وتعالیٰ نے ہم سب کو پیدا کیا ہے اس مقصد کا حصول علم کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔

یہ ایک افسوسناک اعتراف اور حقیقت ہے جسے سوچتے ہوئے بھی شرمندگی ہوتی ہے کہ ہمارا ملک پاکستان سیاسی، اجتماعی اور دیگر حوالوں سے مشکلات کا شکار ہے اور علمی میدان میں اس کا کوئی خاطر خواہ کارنامہ نظر نہیں آتا۔ ہمارے تعلیمی ادارے دنیا کے معتبر تعلیمی اداروں میں شمار نہیں ہوتے۔ ہماری علمی شخصیات اس وقت ورلڈ لیول کی علمی شخصیات کے زمرے میں شمار نہیں ہوتیں۔ یہاں تعلیم کا تناسب افسوسناک حد تک کم ہے اور اس کم تناسب میں بھی فراوان مشکلات ہیں جنہیں آپ مجھ سے بہتر درک اور لمس کر رہے ہیں چونکہ آپ میں سے اکثر ان مشکلات سے گزر رہے ہیں۔

..........علم کی آفت، پیشہ وری

ہمارے یہاں ایک بڑا المیہ یہ پیش آیا ہے کہ تعلیم بھی ایک پیشہ اور ذریعۂ درآمد و معاش بن گئی ہے۔ تعلیمی میدان میں پیشہ وری اور پروفیشنلزم (Professionalism) ایک مشکل و مصیبت کی صورت میں پیدا ہوئی ہے۔ اسی طرح ہماری مذہبی دنیا بھی کم و بیش انہی مصائب و مشکلات کا شکار ہے یعنی اس معاشرے کے اندر عالم کا کوئی مقام نہیں ہے اور جو لوگوں میں تھوڑا بہت مذہبی رجحان پایا جاتا ہے اس کے اندر بھی پیشہ وری زیادہ ہے۔ پیشہ وری تعلیم کی دنیا میں ہو یا مذہبی دنیا میں یہ ایک بہت بڑی آفت ہے۔ پیشہ وری یا

پروفشنلزم (Professionalism) سے مراد یہ ہے کہ انسان علم یا مذہب کو اپنی انکم (Income)، روزگار ،درآمد، معاش اور ضروریات زندگی پوری کرنے کا وسیلہ قرار دے۔ ویسے تو لوگ آئے روز علم اور مذہب کی توہین کرتے رہتے ہیں لیکن ان کی اس سے بڑی توہین نہیں کی جاسکتی کہ دین اور علم پیشہ و پروفیشن (Profession) بن جائیں۔ اس پیشہ وری کے نتائج آج ہم اپنے ملک میں دیکھ بھی رہے ہیں۔ ساری دنیا امن اور چین سے زندگی بسر کر رہی ہے اور اپنے اپنے راستوں پر چل رہی ہے لیکن ہمارا ملک ساری دنیا کی توجہ کا مرکز اس حوالے سے بنا ہوا ہے کہ یہاں پر کسی کو بھی چین اور سکون میسر نہیں ہے۔

..........تعلیم کے بنیادی مقصد سے روگردانی

ان حالات کے پیچھے کافی عوامل واسباب کارفرما ہیں لیکن میں آپ کی خدمت میں صرف ایک عامل پر روشنی ڈالنا چاہتا ہوں کیونکہ یہ ایسا موثر محرک ہے جو ان تمام چیزوں کے پیچھے موجود ہے اور ہم سب سے مربوط بھی ہے۔ ہمارے تعلیمی نظام میں کچھ ایسی مشکل ہے کہ جس کی وجہ سے ہم ان حالات میں گھرے اور پھنسے ہوئے ہیں اور ہر پہلی نسل دوسری نسل کو یہ مشکلات منتقل کر رہی ہے۔ وہ سبب یہ ہے کہ تعلیم کا مقصد بنیادی طور پر وہ نہیں ہے جیسا کہ عام طور پر ہمیں یہاں دیکھنے کو ملتا ہے مثلاً تعلیم کا مقصد یہ نہیں تھا کہ ہم علم کے ذریعہ شہرت پائیں، نام کمائیں، کوئی بڑا منصب حاصل کریں، دولت وثروت کمائیں اور سٹیٹس (Status) بنائیں۔ ایک تعبیر کے لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر انسان ان مقاصد کے لئے علم کی دنیا میں قدم رکھے تو یہ نہ صرف علم کی توہین ہے بلکہ جن مسائل ومشکلات کا آج ہمیں سامنا ہے اسی چیز کا نتیجہ ہیں کہ علم جس مقصد کے لئے ہونا چاہئے تھا اس کیلئے استعمال نہیں کیا گیا۔

..........معاشرہ میں معلم کی بے قدری

اسی طرح معلمین جو کہ معاشرے، گھروں اور نئی نسل کیلئے رول ماڈل (Role model) کی

حیثیت رکھتے ہیں ان کا مقام اس ملک میں دیگر شعبوں اور پیشوں کے مقابلہ میں بہت پیچھے ہے یعنی معلمین کو وہ مقام حاصل نہیں جو ہونا چاہئے۔علم، عالم اور متعلم کا جو مقام ہونا چاہئے تھا وہ خود عالم اور طالب علم سے کھو گیا ہے۔خود انہیں نہیں معلوم کہ ہمارا مقام کیا ہے؟ جیسے آج کل ہمارے معاشرے میں خواتین کے حقوق، خواتین کے مقام اور خواتین سے متعلقہ امور پر کافی لے دے ہوتی ہے چنانچہ ایک گفتگو جو خواتین کے لیے ہو رہی تھی اس میں میں نے ان سے یہ کہا تھا کہ خواتین کا مقام یا کردار عموماً مردوں کو سنایا جاتا ہے، شاید یہ بھی موثر ہو کہ مرد خواتین کے مقام سے آگاہ ہوں کہ یہ بھی مرد کی طرح ایک انسان ہے لیکن سب سے بڑا افسوسناک مرحلہ یہ ہے کہ خود خواتین کو نہ پتہ ہو کہ خواتین کا مقام کیا ہے؟

نہج البلاغہ میں امیر المومنین علیہ السلام کا بہت خوبصورت فرمان ہے کہ

وَ كَفٰى بِالْمَرْءِ جَهْلًا أَنْ لَا يَعْرِفَ قَدْرَهُ.....[1]

اور انسان کی جہالت اس سے بڑھ کر کیا ہوگی کہ وہ اپنی قدر و منزلت کو نہ پہچانے......

یعنی انسان کی جہالت کے لئے بس یہی کافی ہے کہ اسے اپنا مقام اور اپنی قدر و قیمت معلوم نہ ہو۔نہج البلاغہ روزمرہ کے مطالعہ کی کتاب ہے۔اس میں بڑے حکیمانہ کلمات، خطبات اور جملات موجود ہیں جو ہماری عملی زندگیوں کے فارمولے ہیں اور اگر ہم بالخصوص طلاب انہیں بروئے کار لائیں تو دنیا و آخرت میں سرخرو ہو سکتے ہیں۔

معاشرہ میں لوگ معلم کی قدر و قیمت نہیں جانتے لیکن یہ اتنی افسوسناک بات نہیں ہے جتنی اندوہناک بات یہ ہے کہ ایک معلم و استاد کو خود اپنا مقام معلوم نہ ہو، خود اپنی قدر و منزلت نہ جانتا ہو اور وہ بھی اپنے آپ کو ایک ملازم ہی سمجھتا ہو۔وہ بچوں کو تعلیم دے کر یہ سمجھتا ہو کہ مجھے تنخواہ ملنی ہے۔اگر وہ تنخواہ کے لئے پڑھاتا ہو تو اس کے معانی یہ ہیں کہ اس کو خود اپنا علم نہیں ہے اور اپنی قدر و منزلت خود اس پر بھی واضح نہیں ہے۔

---

[1]......(نهج البلاغه، خطبه ۱۶)

............رسول اکرم ﷺ معلمِ بشریت

قرآن مجید میں خداوند تبارک وتعالیٰ نے انبیاءؑ کو معلمِ بشریت متعارف کروایا ہے۔ پیغمبر اکرم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو قرآن نے ایک معلم کے طور پر پیش کیا ہے۔

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ......[1]

یعنی ہم نے ان اُمیین کے اندر، ان ناخواندہ لوگوں کے اندر ایک نبیؐ مبعوث کیا ہے، یہ نبیؐ آ کر تلاوتِ آیاتِ خدا کرے گا، ان کا تذکیہ وتطہیر کرے گا اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے گا۔ پس پیغمبر اکرم ﷺ معلمِ انسانیت وبشریت ہیں۔ اس کے علاوہ سورۂ بقرہ، آیہ ۱۲۹ کے مطابق حضرتِ ابراہیمؑ واسماعیلؑ نے اپنی دعا میں بھی یہی کہا کہ ''اے ہمارے رب! ان میں سے ایک رسول انہی میں سے مبعوث فرما جو انہیں تیری آیات سنائے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور انہیں (ہر قسم کے رذائل سے) پاک کرے''۔ اسی طرح سورۂ آلِ عمران، آیہ ۱۶۴ میں بھی خداوند تبارک وتعالیٰ نے رسولِ اکرم ﷺ کو معلمِ کتاب وحکمت تعبیر کیا ہے۔ لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ ربیع الاول عظیم وبزرگ معلمِ بشریت کے میلاد کا مہینہ ہے۔

ایران میں سال کے مختلف دنوں کو کسی نہ کسی مناسبت کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے مثلاً ایک دن نرسوں کا دن رکھا ہوا ہے، ایک دن ڈاکٹروں کا دن رکھا ہوا ہے، ایک دن سٹوڈنٹس کا دن رکھا ہوا ہے اور ایک دن معلمین کا دن رکھا ہوا ہے کہ جس دن ساری قوم اور میڈیا مل کر معلمین کو خراجِ تحسین پیش کرتا ہے، شاگرد معلمین کو پھول اور گلدستے پیش کر کے اظہارِ تشکر کرتے ہیں۔

ربیع الاول عظیم معلمِ بشریت کی ولادت کا مہینہ ہے چونکہ قرآن نے ان کو معلم معرفی کیا ہے۔ اس تعارف سے اس بات کا بھی بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ معلم کا رتبہ ومقام کتنا عظیم وارجمند ہے یعنی معلم اپنی قوم اور

---

[1]......(سورۂ جمعہ، آیہ ۲)

رسول اکرم ﷺ معلم بشریت

اپنے علاقے کے اندر ایک نبی کے مقام پر بیٹھا ہوتا ہے۔ گویا معلم اپنے زمانے، اپنی قوم، اپنی سوسائٹی، اپنی کلاس اور اپنے شاگردوں کے سامنے نبی کا رول ادا کر رہا ہوتا ہے چونکہ اس کا کام بھی تعلیم دینا ہے۔ ظاہری بات ہے کہ معلم کو بھی مخصوص صفات سے متصف ہونا چاہئے تا کہ تعلیم کا حق ادا کر سکے اور اپنے شاگردوں کا تذکیہ، تہذیب و تطہیر نفس اور ان کے اذہان کی پرورش کر سکے۔ معلم کا مخاطب روح و نفسِ انسان ہو۔

..........پڑھے لکھوں میں تربیت کا فقدان

تربیت کا فقدان بھی تفرقہ کو رواج دیتا ہے۔ جس طرح گندی زمین پر بارش ہونے کے باوجود گندگی، بدبو اور تعفن میں اضافہ ہو جاتا ہے اسی طرح غیر تربیت یافتہ نفس پر علم کی بارش الٹا اثر دکھا سکتی ہے۔ امام خمینیؒ فرماتے ہیں کہ اَن پڑھ ہونا اتنا عیب نہیں ہے جتنا عیب یہ ہے کہ انسان پڑھ لکھ جائے لیکن اس میں تہذیب و تذکیہ نہ ہو۔ ہمارے ملک کی اکثریت اَن پڑھ ہے اور جب بھی ہمارے کچھ اہل سخن و اہل قلم اپنے ملکی حالات پر تجزیہ کرتے ہیں تو ہر چیز کا ذمہ دار اَن پڑھوں کو قرار دیتے ہیں۔ مہنگائی، سیاسی افراتفری و خلفشار، منکرات، فساد و فاحشہ کا تجزیہ و تحلیل کرتے ہوئے آخر کار نتیجتاً کہتے ہیں کہ اس کی وجہ ملک کی اَن پڑھ اکثریت ہے۔

جبکہ غور کیا جائے تو شاید ملک کی پسماندگی میں تو اَن پڑھوں کا ہاتھ ہو لیکن افراتفری، لوٹ مار، کرپشن اور خراب حالات پڑھے لکھوں کی طرف سے پیش آ رہے ہیں۔ آپ کو کوئی بیوروکریٹ (Bureaucrat) اَن پڑھ نہیں ملے گا، اسلام آباد کا پورا Secretariat چھان ماریں، ساری Ministries کا حال معلوم کریں لیکن آپ کو کوئی اَن پڑھ نہیں ملے گا بلکہ کم پڑھا لکھا بھی نہیں ملے گا، سب اعلیٰ تعلیم یافتہ ملیں گے۔ پارلیمنٹیرینز (Parliamentarians) سب پڑھے لکھے ہیں اسی طرح آپ کو فوج، پولیس اور محکمہ تعلیم میں سب پڑھے لکھے ملیں گے۔ سیاسی پارٹیوں میں سیاستدانوں کی اکثریت پڑھی لکھی ملے گی کہ جن کے ہاتھ میں ملک کی زمام اور اقتدار و قوت ہے لیکن یہی سب لوگ ان سارے خراب حالات کے ذمہ دار ہیں۔

علم ضروری ہے لیکن اس کے مطابق عمل بھی ضروری ہے کہ جو تربیت کا مرہونِ منت ہے۔ چنانچہ وہی

نبی ﷺ جنہیں خداوند تبارک وتعالیٰ نے حکم دیا کہ آپ دُعا کریں:

رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا○[1]

وہی پیامبر ﷺ خدا کی بارگاہ میں حاضر ہو کر فرماتے ہیں:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ......مِنْ عِلْمٍ لَایَنْفَعُ......[2]

دیگر بہت سی دعاؤں میں علم نافع کے حصول کی تعلیم دی گئی ہے مثلاً

اَللّٰھُمَّ......زِدْنَا عِلْمًا نَافِعًا......[3]

اَسْأَلُکَ قَلْباً خَاشِعاً وَ عِلْماً نَافِعاً......[4]

وَارْزُقْنِیْ عِلْماً نَافِعاً......[5]

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ عِلْماً نَافِعاً......[6]

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ......اِیْمَاناً ثَابِتاً وَ عِلْماً نَافِعاً......[7]

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ......عَیْناً بَاکِیَۃً وَ عِلْماً نَافِعاً......[8]

وَ اجْعَلْ لِیْ عِلْماً نَافِعاً......[9]

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ رِزْقاً وَاسِعاً وَ عِلْماً نَافِعاً......[10]

---

[1]......(سورۃ طٰہٰ، آیہ ۱۱۴) [2]......(البلد الأمین-آیۃ اللّٰہ الشیخ ابراھیم بن علی العاملی الکفعمیؒ)(مفتاح الفلاح-شیخ بھائیؒ) [3]......(المزار-الشھید الأول)(المزار-محمد بن المشھدی)(اقبال الاعمال) (صحائف الأبرار فی وظائف الأسحار-آیۃ اللّٰہ العظمیٰ الشیخ محمد حسین کاشف الغطاءؒ)(مفاتیح الجنان) [4]......(اقبال الاعمال) [5]......(الصحیفۃ الصادقیۃ-الشیخ باقر القرشی) [6]......(أدعیہ جامع الاحادیث)(الکتاب: زیارۃ الناحیۃ المقدسۃ)(الکتاب: زیارت امام حسینؑ) [7]......(البلد الأمین-آیۃ اللّٰہ الشیخ ابراھیم بن علی العاملی الکفعمیؒ) (مصباح المتھجد) [8]......(البلد الأمین-آیۃ اللّٰہ الشیخ ابراھیم بن علی العاملی الکفعمیؒ) [9]......(اقبال الاعمال) [10]......(البلد الأمین-آیۃ اللّٰہ الشیخ ابراھیم بن علی العاملی الکفعمیؒ)(الدعوات-قطب الدین الراوندیؒ)(ترجمہ کامل الزیارات)(کتاب المزار-شیخ مفیدؒ)(مصباح المتھجد)(مصباح کفعمی)

پس رسول اکرم ﷺ بارگاہِ پروردگار میں دعا کرتے ہیں:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَعُوۡذُ بِکَ مِنۡ نَفۡسٍ لَا تَشۡبَعُ وَ مِنۡ قَلۡبٍ لَا یَخۡشَعُ وَ مِنۡ عِلۡمٍ لَا یَنۡفَعُ......[1]

پروردگارا! میں اُس نفس سے پناہ مانگتا ہوں جو سیر نہ ہو، میں اُس دل سے پناہ مانگتا ہوں جو نرم نہ ہو، پھر فرماتے ہیں اے اللہ! میں اُس علم سے پناہ مانگتا ہوں جو نافع نہ ہو۔ مجھے علمِ غیر نافع نہیں چاہیے۔ آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ علمِ غیر نافع کون سا ہوتا ہے؟ فرمایا: وہ علم جس کے ساتھ عمل نہ ہو۔

وہ دین جو انسان کو تہذیب نہ سکھائے، جس کے ساتھ انسان کی تطہیر وتزکیہ نہ ہو، جو انسان کو محبت و ہمدردی اور مومن کا احترام نہ سکھائے تو مطمئن ہو جائیں کہ وہ دین نہیں بلکہ دین کے نام پر بنائی ہوئی خرافات ہیں۔ جیسے بعض گھروں میں اندر کام کچھ اور ہو رہا ہوتا ہے لیکن گھروں کے باہر لکھا ہوتا ہے ھٰذا من فضل ربی۔ اسی طرح کسی شخص نے کھانے پینے کی چیزوں کے بڑے محترم نام رکھے ہوئے تھے مثلاً اس نے روٹی کا نام مصلّٰی، سالن کا نام تسبیح، بریانی کا نام سجدہ گاہ اور چائے کا نام لوٹا رکھا ہوا تھا۔ جب بھی اُس کے گھر میں کوئی شخص جاتا تو وہ اپنے نوکر سے کہتا کہ جلدی سے مصلّٰی تیار کرو، لوٹا تیار کرو، تسبیح تیار کرو، سجدہ گاہ تیار کرو اور مہمان اس سے بڑے متاثر ہوتے تھے کہ یہ کتنا متقی و پرہیزگار آدمی ہے۔ صبح وشام مصلّٰی و تسبیح و سجدہ گاہ کا تذکرہ ہے۔ یہ عبادتوں سے باہر ہی نہیں آتا ہے۔ اسی طرح کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم بھی فتنہ وفساد، مسلمان کا دل دکھانے، ہتا کی اور بے حرمتی کا نام دین رکھ دیں۔

آج پاکستان میں فرقہ واریت، غربت، فقر، کسمپرسی اور ابتر حالات انہی پڑھے لکھے بدتہذیبوں کی وجہ سے ہیں۔ حتیٰ جس سال پاکستان کے اندر سب سے زیادہ ریکارڈ گندم پیدا ہوئی اسی سال پاکستان میں آٹا نہیں ملا۔ ایسا نہیں ہے کہ سارا آٹا اَن پڑھ کھا گئے بلکہ پڑھے لکھوں نے ایسی پالیسیاں بنائیں اور ایسے اقدامات کیے کہ جس کی وجہ سے عوام کو یہ مشکل پیش آئی۔ سوال یہی ہے کہ پڑھے لکھے لوگ ایسی غلطیاں کب اور کیوں کرتے ہیں؟

[1]......(البلد الأمین، از: آیۃ اللّٰہ الشیخ ابراھیم بن علی العاملی الکفعمی قدس سرہ)(مفتاح الفلاح۔شیخ بھائیؒ)

امام خمینیؒ فرماتے ہیں کہ جب انسان تعلیم تو حاصل کرلے لیکن اس کے اندر تہذیب، تذکیہ نفس اور پاک روح نہ ہو۔

..........علم اور تعہد لازم و ملزوم

قرآن مجید کی ایک اصطلاح تعہد ہے۔معاشرے کا ایک المیہ یہ ہے کہ عام طور پر لوگ قرآنی اصطلاحات سے ناواقف ہوتے ہیں۔ چونکہ ہم انگریزی اصطلاحات سے زیادہ آشنا ہیں اور معاشرے کی نظر میں انگلش بولنا اس بات کی دلیل ہے کہ آدمی پڑھا لکھا ہے لیکن اگر قرآن کی اصطلاح استعمال کریں تو اکثر کو سمجھ میں بھی نہیں آتی اور کمتر لوگ استعمال بھی کرتے ہیں تو آشنا نہیں ہیں۔قرآن سے اتنا سروکار رکھیں کہ ہماری روزمرہ بول چال کی زبان میں قرآن آجائے یعنی ہم قرآن کی زبان میں باتیں کرنا شروع کریں۔جس طرح بہت ساری چیزیں ہماری اردو زبان کا حصہ بن گئی ہیں اور بہت ساری ٹرمز (Terms) ایسی ہیں جو اردو کا حصہ ہیں اسی طرح قرآنی اصطلاحیں اور قرآنی ٹرمینالوجیز (Quranic Terminologies) بھی ہماری روزمرہ کی زبان میں آئیں۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ جب ہم قرآن سے سروکار رکھیں، پڑھیں، سمجھیں اور سمجھائیں۔قرآن نے انسان کو تعہد کی صورت میں ایک بہت بڑا تمغہ عطا کیا ہے۔یہ لفظ عہد سے ہے۔

جب انسان کے اندر علم آتا ہے تو ساتھ عہد لے کر آتا ہے۔عہد سے مراد ذمہ داریاں ہے۔علم انسان کو ذمہ دار بناتا ہے۔اگر انسان ذمہ دار نہ ہو، انسان کے اندر عہد نہ ہو تو جتنی بھی بھاری ڈگریاں لے لے اور جتنے بھی اعلیٰ منصب حاصل کرلے لیکن وہ خود معاشرے کے لئے ایک بوجھ اور آفت ہے۔

اس وقت ایسے نام نہاد مذہبی علماء موجود ہیں کہ جن کے علم کی نفی نہیں کر سکتے لیکن ان کے اندر عہد موجود نہیں ہے۔یہ ذمہ دار علماء نہیں بلکہ غیر ذمہ دار ہیں۔غیر ذمہ دار اہل علم، غیر ذمہ دار سیاستدانوں اور غیر ذمہ دار تعلیم یافتہ طبقے نے اس ملک کو یہاں تک پہنچایا ہے۔نوبت یہاں تک آپہنچی ہے کہ آج کوئی شہر، محلہ یا گلی ایسی نہیں ہے کہ جہاں پر اس ملک کے بعض افراد کے ہاتھوں دوسرے بعض افراد کا خون نہ بہہ رہا ہو۔آج ہر گلی خون کی ندی اور نالی بنی ہوئی ہے، ہر گھر یتیموں کا گھر بنا ہوا ہے، ہر دوسری تیسری عورت بیوہ ہو رہی ہے، ہر شہر میں دھماکے ہو رہے

ہیں۔ بہرحال ہم لفظِ عہد عام طور پر استعمال کرتے ہیں لیکن تعہد استعمال نہیں کرتے چاہے وہ کتنا ہی تعلیم یافتہ انسان ہو اور اس نے دینی تعلیم حاصل کی ہوئی ہو یا کالج ویونیورسٹی کی تعلیم۔

...........دینی و دنیوی علوم کی غلط تقسیم

دین و دنیا کی تعلیم الگ الگ کرنا بھی ہمارا ایک اور المیہ ہے۔ ہم نے کچھ علوم الگ کر کے ان کو دینی علوم کا نام دے دیا ہے اور کچھ علوم الگ کر کے ان کو دنیاوی علوم کا نام دے دیا۔ دین اور دنیا کے نام سے علوم کی یہ تقسیم درست نہیں ہے۔ مثال کے طور پر جہاں عربی زبان میں تعلیم ہو رہی ہو وہ دینی تعلیم ہے اور جہاں انگریزی یا اردو زبان میں تعلیم دی جارہی ہو وہ دنیاوی تعلیم ہے۔

دنیاوی علوم ان علوم کو کہتے ہیں کہ جن کو انسان دنیاوی مقاصد کے لئے پڑھے۔ اگر انسان دینی مدرسے میں بیٹھ کر قرآن، تفسیرِ قرآن اور احادیث نبوی ﷺ اس لئے پڑھ رہا ہے کہ میں ایک بڑا خطیب بن جاؤں، بڑا عالم بن جاؤں، علامہ بن جاؤں، میری شہرت ہو جائے، لوگ واہ واہ کریں، مجھے بھاری فیسیں ملیں، بڑا منصب ملے، کرسی ملے تو یہ دنیاوی علوم میں مشغول ہے اگرچہ قرآن و احادیث پڑھ رہا ہے۔ اور اگر انسان کسی جگہ بیٹھ کر فزکس (Physics)، کیمسٹری (Chemistry) پڑھ رہا ہو لیکن اس لئے نہیں کہ میں اس سے پست مقاصد تک پہنچوں یا اس سے اپنی معیشت، روزگار اور ملازمت تلاش کروں بلکہ اس لئے پڑھے کہ ان کے ذریعے مجھ پر اسرارِ جہاں کھلیں، مجھ پر حقیقت کھلے چونکہ میں حق کی تلاش میں ہوں اور اس کائنات کے اسرار و رموز جاننا چاہتا ہوں تو یہ دینی علوم پڑھ رہا ہے۔

آپ قدیم زمانے کا مطالعہ کریں تو یہ بات عیاں ہوگی کہ ہمارے جتنے دینی علماء کہلاتے تھے وہی بڑے سائنٹسٹ (Scientists) بھی ہوتے تھے کہ جن کے نام آج تاریخ کے سپرد ہو گئے ہیں اور ہمیں ان کے حالات کمتر معلوم ہیں۔ نہ وہ سائنس دنیا کیلئے پڑھتے تھے اور نہ دین دنیا کیلئے پڑھتے تھے۔ وہ ان علوم کو ملازمت کے لئے نہیں بلکہ تعہد کے طور پر پڑھتے تھے۔

دینی و دنیوی علوم کی غلط تقسیم

............شہید فہمیدہ میں علم وتعہد

امام خمینیؒ اکثر یونیورسٹی و کالج کے اسٹوڈنٹس سے خطاب فرمایا کرتے تھے تو انہیں ساتھ یہ بھی بتاتے تھے کہ طالب علمانہ ذمہ داریاں کیا ہوتی ہیں؟ اس عظیم رہبر نے پوری دنیائے اسلام کے اندر اور خصوصاً اہل علم، طلاب اور کالج و یونیورسٹی کے سٹوڈنٹس کے اندر بیداری کس طرح پیدا کی؟! وہ یہ فرماتے تھے کہ طلاب کا کام فقط یہ نہیں ہے کہ اچھے نمبر لیں، بعض اوقات والدین اور استاد کی نظر میں بہترین سٹوڈنٹ وہی ہوتا ہے جو بہترین نمبر لے حالانکہ یہ معیار نہیں ہے، بہترین سٹوڈنٹ کا معیار فقط نمبرز یا ٹاپ کرنا نہیں ہے۔ امام خمینیؒ جب بھی نمبر دیتے تھے یعنی جب ٹاپ کلاس اسٹوڈنٹ کے بارے میں بتاتے تھے تو وہ یہ فرماتے تھے کہ اس بچے نے ٹاپ کیا ہے جس نے اپنی جان دے کر اپنے ملک کا دفاع کیا ہے، جس کے اندر تعہد موجود ہے، جس میں علم کے ساتھ ساتھ عہد یعنی ذمہ داری موجود ہے۔

ایران میں ایک شہید محمد حسین فہمیدہ کے نام سے ہے جو ظاہراً ہائی یا مڈل اسکول کا اسٹوڈنٹ تھا۔ اس کی عمر تیرہ یا چودہ سال تھی اور اسی عمر میں اسے شہادت نصیب ہوئی۔ اس کی شہادت کے دن کو ایران میں روزِ دانش آموزان یعنی اسٹوڈنٹ ڈے (Student Day) کے طور پر منایا جاتا ہے۔ اس دن اساتید و علماء اسٹوڈنٹس کو گلدستے پیش کرتے ہیں۔ ایک ٹیچر ڈے (Teacher Day) ہے کہ جس دن اسٹوڈنٹس اساتید کو گلدستے پیش کرتے ہیں اور وہ شہید مطہریؒ کی شہادت کا دن ہے۔ وہ بھی ایک عظیم معلم اور بہت بڑے اسکالر ہیں۔ اگر آپ نے حقیقتِ دینِ اسلام سمجھنی ہے تو اس بزرگوار کی کتابوں کا مطالعہ کریں کہ یہ کوئی پیشہ ور انسان نہیں تھے بلکہ ایک اپ ٹو ڈیٹ (Up-to-date) اور متعہد عالم کا نمونہ ہیں کہ جنہوں نے نئی نسل کیلئے بہترین طریقے سے اسلام کی تفسیر و تشریح کی ہے۔

شہید فہمیدہ کی شہادت کے دن کو اسٹوڈنٹ ڈے کے نام سے اس لئے منایا جاتا ہے کہ جب ایران عراق جنگ جاری تھی اور دشمن نے ان کے ملک پر آ کر جارحیت کی تو یہ اس وقت اسکول میں پڑھتے تھے اور عمر بھی ابھی بلوغ تک نہیں پہنچی تھی لیکن یہ بالآخر کسی طرح محاذ پر پہنچ گئے۔ سامنے سے دشمن کے ٹینک اس کے ملک کی

طرف بڑھ رہے تھے لیکن اس کے پاس کوئی اسلحہ نہیں تھا۔ اپنے ملک کے دفاع کیلئے یہ گرنیٹ لے کر سامنے سے آتے ٹینک کے نیچے لیٹ گیا اور اس ٹینک کو منجمد و تباہ کردیا۔ اس کارنامہ پر امام خمینیؒ نے فرمایا تھا کہ مجھے رہبر نہ کہا کرو بلکہ اس اسٹوڈنٹ کو کہا کرو، اس مملکت کا رہبر یہ اسٹوڈنٹ (Student) ہے کیونکہ اس کے اندر تعہد موجود تھا۔

..........گمنام سپاہی نمونۂ تعہد

اسی طرح ہر ملک کے اندر گمنام سپاہیوں کی قبریں ہوتی ہیں۔ جب میں چھوٹا تھا تو ہر ایک سے یہ سوال کرتا تھا کہ یہ گمنام سپاہی کون ہوتے ہیں؟! لیکن بزرگان بتاتے بھی تھے تو بات پلے نہیں پڑتی تھی۔ ضروری نہیں ہے کہ ان کی قبریں ہوں اور اس میں کوئی مردہ بھی ہو۔ گمنام سپاہی یعنی ایسا سپاہی کہ جس کو کوئی نہ جانتا ہو یا جس کا کوئی آئڈینٹی کارڈ (I.D. Card) نہ ہو۔ گمنام سپاہیوں کی یادگاریں بنائی جاتی ہیں۔ گمنام سپاہی وہ ہوتے ہیں کہ جنہوں نے اپنے اپنے ممالک اور سرزمینوں کے دفاع لئے اپنی جان تک کی قربانیاں دی ہوتی ہیں اور ساری قوم مل کر ان کو خراجِ تحسین پیش کرتی ہے۔ یہ ممالک انہیں اپنی قوم کیلئے ایک رول ماڈل (Role model) بنادیتے ہیں۔ لہٰذا اگر ایک ملک کا سربراہ دوسرے ملک جاتا ہے تو اسے کہا جاتا ہے کہ گمنام سپاہی کی قبر پر پھول چڑھائیں حالانکہ وہاں بڑے نام آور سپاہی، بڑے رینک (Rank) والے اعلیٰ فوجی افسران اور جرنیل بھی موجود ہوتے ہیں لیکن انہیں کوئی خراجِ تحسین پیش نہیں کرتا۔ گمنام سپاہیوں کو خراجِ تحسین اس لئے پیش کیا جاتا ہے کیونکہ یہ عہد اور ذمہ داری کا یہ ایک نمونہ ہیں، یعنی یہ اپنے ملک کے وہ افراد تھے جنہوں نے احساسِ ذمہ داری کیا اور اسی ذمہ داری کو نبھانے کی راہ میں اپنی جان فدا کر کے ملک وقوم کو بچالیا۔

گمنام سپاہی نمونۂ تعہد

..........طالب علم کی کامیابی کے اصل اور ناقص معیارات

جب کامیاب طالب علم کو نمبرز دیئے جاتے ہیں تو ان میں فقط Exams میں حاصل شدہ نمبروں کو

معیار نہیں بنانا چاہئے بلکہ ایک کامیاب انسان کی کامیابی کے کئی فیکٹرز (Factors) ہوتے ہیں کہ جن کے لحاظ سے دیکھا جاتا ہے کہ آیا وہ ان میادین میں بھی کامیاب ہے یا نہیں؟

ایک کامیاب طالب علم وہ ہے جو اپنی سرنوشت، اپنی تقدیر، اپنے حالات اور اپنے مستقبل کے بارے میں آگاہ ہو، اپنے ملک، ملکی مسائل اور اس کے اسباب و وجوہات سے آگاہ ہو اور سب سے بڑھ کر کامیاب انسان وہ ہے کہ جسے ان مشکلات کا راہِ حل بھی معلوم ہو۔

اچھے تعلیمی اداروں کے اندر یہ کام کیا جاتا ہے کہ صرف کتابوں پر اکتفاء نہیں ہوتا بلکہ ان کو روزمرہ سرگرمیوں سے مربوط مسائل کے حوالے سے تحقیقی کام سونپے جاتے ہیں۔ اس کام کو انجام دینے کیلئے وہ کتابوں، لائبریریوں، انٹرنیٹ اور دیگر ریسورسز (Resources) کے ذریعہ ریسرچ (Research) کر کے تھیسز (Theses) اور تحقیقی مقالے لکھتے ہیں مثلاً کسی علاقہ میں بیماری کیوں پھیلی؟ فلاں علاقہ میں سیلاب، طوفان یا زلزلے کیوں آتے ہیں؟ اس کی وجہ یہ نہیں ہوتی کہ اسٹوڈنٹس بڑے ریسرچ اسکالر ہوتے ہیں اور اصلی وجوہات تک پہنچ جاتے ہیں بلکہ مقصد انہیں ملک کے حقیقی مسائل تک پہنچانا اور اپنی سوسائٹی و ماحول سے آگاہ کرانا ہے۔

اس دور میں ہمارے ملک پاکستان میں تقریباً ایک قسم کا معیار یا سوچ بن چکی ہے کہ ہمیں ڈگری حاصل کر کے کچھ بننا ہے اور پھر سب سے پہلا کام اس ملک سے باہر نکلنا ہے۔ ظاہر ہے ان حالات میں ہر آدمی یہ سوچتا ہے کہ میں پڑھ لکھ کر کسی مقام تک پہنچوں اور پھر باہر ملک جا کر کسی ملٹی نیشنل کمپنی کے اندر ملازمت کر کے اپنے گھر یا خاندان کو پیسے بھیجوں۔ ہمارا معاشرہ بھی ایسے ہی لوگوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے کہ جو باہر ملک جا کر چند پیسے اپنی فیملی کو بھیج رہا ہے۔ مائیں اپنے بچوں سے کہتی ہیں کہ دیکھو وہ بھی تو تمہارے جیسا ہے لیکن پڑھ لکھ کر باہر گیا ہے اور اب تنخواہ بھیجتا ہے، اس نے گھر بھی اچھا بنالیا ہے اور گاڑی بھی خرید لی ہے۔ ہمارے ملک میں یہ کامیابی کے معیارات ہیں لیکن دراصل یہ کامیابی نہیں ہے۔ کامیابی کے معیاروں میں سے ایک معیار بھی تعہد ہے کہ طالب علم ذمہ دار کتنا ہے؟ آیا وہ علم کے ساتھ ساتھ اپنی ذمہ داریاں بھی نبھا رہا ہے یا نہیں؟!

طالب علم کی کامیابی کے اصل اور ناقص معیارات

..........خانقاہی درویش کی انوکھی ہجرت

علم وعمد کے حوالہ سے خانقاہی درویش کا ایک واقعہ درج کرتے ہیں۔ شیخ سعدی جو شیخ اجل کے نام سے مشہور ہیں انہوں نے اپنے اشعار میں ایک خانقاہی درویش کی انوکھی واقعیت ذکر کی ہے۔ عموماً درویش اور وہ لوگ جو خانقاہوں میں جا بیٹھتے ہیں اپنے آپ کو مسجد والوں سے ذرا بڑا سمجھتے ہیں۔ یہ مسجد و مدرسہ میں پڑھنے اور پڑھانے والوں کو صاحبِ شریعت اور خود کو صاحبِ طریقت کہتے ہیں۔ یہ ان کو پرائمری اسٹیج اور خود کو ہائی اسٹیج پر فائز سمجھتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہم شریعت سے ایک کلاس اوپر جا کر اپ گریڈ (Upgrade) ہو گئے ہیں۔ لہٰذا یہ لوگ خانقاہ میں اپنے انداز سے مشغول رہتے ہیں۔ عموماً صاحبِ شریعت یعنی مسجد و مدرسے والے خانقاہوں میں جا بیٹھتے ہیں لیکن یہ کبھی نہیں ہوا کہ کوئی خانقاہ چھوڑ کر مسجد و مدرسہ آجائے۔ یہ لوگ اپنے تئیں خود کو ڈی گریڈ (Degrade) نہیں کرتے۔ شیخ سعدیؒ کہتے ہیں کہ ایک عجیب اتفاق یہ ہوا کہ ایک درویش خانقاہ چھوڑ کر دینی مدرسہ میں داخل ہو گیا۔

صاحبدلی بہ مدرسہ آمد ز خانقاہ

بشکست عہد صحبت اہل طریق را......[1]

صاحب دلی یعنی اہل طریقت انسان جو خانقاہ میں بیٹھا ہوا تھا وہ خانقاہ چھوڑ کر مدرسے آگیا۔ اس نے اہلِ طریقت کے راستہ کا جو عہد کر رکھا تھا وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اہلِ شریعت کے راستہ پر آگیا۔ سب کو حیرت ہوئی از جملہ ان مدرسہ والوں کو بھی حیرت ہوئی اور پوچھا کہ وہاں سے یہاں کیوں آئے ہو؟ اس کی وجہ بتاؤ؟

گفت آن گلیم خویش بدر می برد ز موج

حالانکہ وہ لوگ صبح و شام عبادت میں صرف کرتے ہیں، نہ کسی کی غیبت کرتے ہیں، نہ کسی کی چغلی کھاتے ہیں، نہ بہتان باندھتے ہیں، نہ تہمت لگاتے ہیں، نہ چوری کرتے ہیں، نہ جھوٹ بولتے ہیں اور کوئی گناہ نہیں

---

[1]......(گلستانِ سعدی، باب دوم در اخلاقِ درویشان)

کرتے۔صبح و شام اللہ اللہ کرتے ہیں اور ذکر و فکر میں مشغول رہتے ہیں۔دن بھر روزہ رکھتے ہیں اور رات بھر عبادتوں میں مشغول رہتے ہیں۔ان ساری عبادتوں اور زحمتوں کا نتیجہ یہ ہے کہ جب کوئی مشکل آجاتی ہے مثلاً سیلاب، زلزلہ یا منکرات، فساد و فواحش آجاتے ہیں تو یہ اُن بگڑے ہوئے حالات سے اپنے آپ کو بچالیتا ہے۔ان سارے اعمال کے ذریعہ یہ فقط اپنی جنت کے حصول کے لئے کوشش کر رہا ہوتا ہے،

وین جہد می کند کہ بگیرد غریق را

لیکن جو مدرسے، اسکول، کالج و یونیورسٹی میں بیٹھا ہوا ہے اس کی ساری کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ سب ڈوبتے ہوؤں کو بچالے۔

یعنی خانقاہی کی ساری کوشش یہ ہوتی ہے کہ جب سارے ڈوب رہے ہوں تو وہ اپنے آپ کو بچالے لیکن اہل علم کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ جب دنیا ڈوب رہی ہو تو پوری انسانیت، معاشرے اور ویلیوز (Values) کو بچالے۔یہ علم کے ساتھ عہد ہے۔

...........خانقاہ سے مراد

خانقاہ کی عمومی تعریف یوں کی جاتی ہے کہ آبادی و معاشرے سے دور ایک عبادت گاہ جہاں انسان معیشت، کاروبار، زن و فرزند اور ساری ذمہ داریاں ترک کر کے اللہ ہو کرنا شروع کردے اور ذکر و فکر و عبادتوں میں مشغول ہوجائے۔ضروری نہیں کہ خانقاہ آبادی سے دور ہی ہو بلکہ اگر مسجد میں نمازیں ہو رہی ہوں لیکن ان نمازوں سے سوسائٹی (Society) کو کوئی فائدہ نہ ہو رہا ہو تو یہ خانقاہ ہے۔خانقاہ یعنی جس میں ایسی عبادتیں اور ایسے کام انجام دیئے جائیں جن کا نفع فقط انسان کی ذات کو پہنچتا ہو۔

علامہ اقبالؒ نے بھی خانقاہوں میں رہائش پذیری کو بہت بڑا عیب گردانا ہے۔آپؒ نے اپنے شعر کی زبان اور اپنی تعلیمات کے اندر اس کا تذکرہ بھی کیا ہے چونکہ آپؒ حکیم اُمت ہیں اور آپؒ نے امت کی بیماریاں اور کمزوریاں اتنی دقت اور باریک بینی کے ساتھ تلاش کی ہیں کہ جو کسی اور نے نہیں کیں۔ساتھ ہی آپؒ نے ان

بیماریوں کا علاج بھی بتایا ہے۔ ان بیماریوں میں سے ایک بڑی بیماری جو اس قوم کو لگ گئی ہے وہ خانقاہیت ہے اور پھر انہوں نے خود دعوت بھی دی کہ خانقاہوں سے نکلو،

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیریؓ

کہ فقرِ خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری[1]

ہم نے اپنا سب کچھ خانقاہ بنا رکھا ہے۔ ہماری مسجدیں، مدرسے، کالجز، یونیورسٹیاں اور ایوان بھی خانقاہ بنے ہوئے ہیں یعنی جہاں بیٹھ کر انسان ذکر وفکر میں مشغول رہے لیکن اُسے یہ پتہ نہ ہو کہ میرے وطن، قوم، دین، حرم اور رسول ﷺ کے ساتھ اور ان کی حرمت کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ خانقاہیت یعنی خود کو جنت تک پہنچانے کی کوشش کرنا، امت کو مرتا دیکھتے رہنا لیکن خود کو بچائے رکھنا لیکن رسم شبیریؑ سے مراد یہ ہے کہ پوری اُمت کو جنت کا راستہ دکھا دینا اور پورے کنبہ سمیت شہید ہو کر اُمت و دین کو بچا لینا۔

خانقاہوں سے مراد فقط وہی جگہ نہیں ہے جہاں درویش بیٹھے ہوئے ہیں بلکہ خانقاہیں وہ بھی ہیں کہ جہاں پر خود خواہ اور خود پرست لوگ بیٹھے ہوئے ہیں۔ فرض کریں خدانخواستہ کسی بلڈنگ میں آگ لگ جاتی ہے تو جو جوان لوگ ہیں وہ تو اپنی طاقت کی مدد سے کھڑکیاں دروازے توڑ کر باہر آ جاتے ہیں لیکن کمزور لوگ، بوڑھے، بچے اور عورتیں آگ کے شعلوں میں پھنس جاتے ہیں۔ اگر کوئی شخص اس بلڈنگ سے باہر آ کر آبادی میں اعلان کرے کہ ایہاالناس! میں وہ پہلوان ہوں کہ سب جل رہے تھے اور اپنی موت جل کر مر گئے لیکن میں تنہا خود کو بچا کر یہاں لے آیا، تو یہ اعلان سن کر کیا سب لوگ اس کے گلے میں ہار ڈالیں گے؟ اس کا نام تاریخ میں لکھ دیا جائے گا؟ اسے میڈل پہنائے جائیں گے؟ یا سب یہ کہیں گے کہ تم خود خواہ، خود غرض، خود پرست اور ظالم انسان ہو کیونکہ تم اپنے آپ کو بچا سکتے تھے تو دوسروں کو بھی بچا سکتے تھے۔ اس کی بجائے اسی آگ میں اگر ایک آدمی دس آدمیوں کو بچا کر خود جل کر مر جائے تو ساری آبادی اس کو تمغے دیتی ہے، اس کی قبر پر پھول چڑھاتی ہے اور اچھے نام سے یاد رکھتی ہے۔

---

[1]۔۔۔۔۔(ارمغانِ حجاز، صفحہ ۴۹)

خانقاہ اور مدرسہ میں یہی فرق ہے۔ انسان خانقاہ میں بیٹھ کر اپنے آپ کو بچالیتا ہے اور اپنے تئیں جنت جا پہنچتا ہے کیونکہ یہ گمان ہے۔ چونکہ خانقاہی وہ انسان ہے کہ ساری دنیا اخلاق کی پستی، بحرانوں اور مشکلات کا شکار ہے اور یہ عبادتیں کر کر کے جنت جانا چاہتا ہے۔ جب انسان کسی ایسے شخص کو ہار نہیں پہناتے جو دوسروں کو جلتا چھوڑ کر اپنے آپ کو بچا کے آجائے تو اللہ بھی ہار نہیں ڈالے گا۔ ایسا نہیں ہے کہ اللہ نے جنت کو ان خود خواہوں کے لئے بنایا ہو جو بشریت کو اپنے حال پر چھوڑ دیں، جو دوسروں کو جلتا اور ڈوبتا اور مرتا دیکھتے رہیں لیکن خود کسی طرح سے نمبر لے کر اچھے مقام تک جا پہنچیں۔ جنت ان خود غرضوں، خود خواہوں اور خود پرستوں کیلئے نہیں ہے بلکہ ان لوگوں کے لئے ہے جو دوسروں کو نجات دیتے ہوئے اس راہ پر خود کو بھی قربان کر دیتے ہیں۔ دراصل خانقاہیت شیطانی راستہ ہے۔

.... خانقاهیت، ابلیسی نظام کی ڈھال

علامہ اقبالؒ نے ابلیس کی مجلسِ شوریٰ کے عنوان سے ایک نظم لکھی ہے۔ اس میں ابلیس لعین نے اپنے نمائندوں کہ جو دنیا کے ہر طبقہ میں موجود ہیں ان سب کو بلا کر کہا کہ بتاؤ کہ ہمارے شیطانی آمرانہ سسٹم کو کیا خطرہ ہے؟!

جب ایک فردِ واحد کا ارادہ پوری قوم کے اوپر مسلط ہو جائے اور کسی دوسرے کا ارادہ، رائے یا مشورہ اس میں شامل نہ ہو تو اس کو آمریت کہتے ہیں۔ اب ممکن ہے یہ کام کوئی فوجی کرے یا کوئی بادشاہ اور ممکن ہے کوئی لوگوں کا ہی منتخب آدمی یہ کام کرے تو یہ آمریت ہے۔ آمریت ابلیس کا بنایا ہوا نظام ہے اور شیطان نے اپنے نمائندوں سے پوچھا کہ مجھے بتاؤ آمریت کو کن کن چیزوں سے خطرہ ہے؟

ایک مشیر نے کہا کہ آمریت کو جمہوریت (Democracy) سے خطرہ ہے، دوسرے شیطان نے کہا کہ آمریت کو سوشلزم (Socialism) سے خطرہ ہے، تیسرے نے کہا کہ کیمونزم (Communism) سے خطرہ ہے، چوتھے نے کہا کہ لبرل ازم (Liberalism) سے خطرہ ہے، یہ جو نئے نئے ازم پیدا ہو رہے ہیں

اور چھا کرنئی نسل کو تباہی کی طرف لے جا رہے ہیں ان سے آمریت کو خطرہ ہے۔

شیطان نے ان سب کو بڑا جھاڑا اور ڈانٹ پلائی کہ تم ابلیس کے نمائندے ہو کر اتنے سادہ لوح اور بیوقوف ہو؟! تمہیں یہ بھی نہیں پتہ کہ آمریت کو اصلی خطرہ کس چیز سے ہے؟! پھر ابلیس نے ان سے کہا کہ اصل خطرہ ان چیزوں سے نہیں۔ جسے ہم ڈیموکریسی سمجھتے ہو وہ دراصل ایک شیطانی لبادہ ہے جو شیطان نے آمریت کے تن پر چڑھایا ہوا ہے۔

ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس......[1]

اب جتنے آمر آئیں گے وہ جمہوریت کے لباس میں آئیں گے لہٰذا امریکہ میں بظاہر جمہوریت ہے لیکن حقیقت میں آمریت ہے۔ آمریت کبھی شہنشاہی، کبھی فوجی اور کبھی جمہوری لباس میں سامنے آتی ہے۔ پھر ان چیلوں نے ابلیس سے پوچھا کہ اصل خطرہ کس چیز سے ہے؟ ابلیس نے کہا: اسلام سے خطرہ ہے۔ شیطان کے نمائندے سارے ہنسے کہ کون سا اسلام؟ مسلمان تو خود شیطانوں سے بھی دو ہاتھ آگے ہیں، ان سے کیا خطرہ ہے؟ پھر ابلیس نے کہا کہ

جانتا ہوں میں یہ امت حاملِ قرآں نہیں

یہ ابھی قرآن سے دور ہیں، انہیں قرآن اور اسلام کی حقیقت معلوم نہیں ہے لیکن:

عصرِ حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف

ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبرؐ کہیں

مزید کہا:

ہر نفس ڈرتا ہوں اس امت کی بیداری سے میں

ہے حقیقت جس کے دیں کی احتسابِ کائنات

---

[1]......(ارمغانِ حجاز، صفحہ ۱۲)

ڈرو اس دن سے جس دن مسلمانوں کی کوئی نسل بیدار ہو جائے۔ اگر کوئی مسلمان نسل بیدار ہوگئی، قرآن کی طرف آگئی اور حقیقتِ اسلام کو سمجھ گئی تو اس دن آمریت کا تختہ گول ہو جائے گا۔ پھر اس کے بعد ابلیس نے اپنے چیلوں کو یہ دستور دیا کہ ان کو بیدار نہ ہونے دینا۔ یعنی آخر میں علامہ اقبالؒ نے اس پورے اجلاس سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ شیطان کس طرح مسلمان نسل کو غفلت کی نیند سلائیں گے۔ آخر میں شیطان نے اپنے چیلوں کو فارمولا دیا:

مست رکھو ذکر و فکرِ صبح گاہی میں اسے
پختہ تر کر دو مزاجِ خانقاہی میں اسے

یعنی مسلمان قوم کے ہر آدمی کو خانقاہی بنا دو۔ اس قوم کے ملا، مؤذن، قاریٔ قرآن، خطیب، ذاکر، ٹیچر، پروفیسر، سائنسدان، حکمران، سیاسی پارٹیاں، مدرسے، کالجز اور یونیورسٹیز بھی خانقاہی ہو جائیں۔ خانقاہی یعنی سیلفش (Selfish)، خودخواہ، جو سوسائٹی اور قوم کی کوئی ذمہ داری اپنے دوش پر نہ سمجھتے ہوں اور نہ ہی لیتے ہوں، جو پڑھ لکھ کر اعلیٰ ملازمت پر فائز ہو جانے کو مقصد سمجھتے ہوں۔

ہمیں وہ لوگ بہت اچھے لگتے ہیں جو سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر صبح و شام ھاھو میں لگے ہوتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ بڑے مجذوب اور معنوی لوگ ہیں اور بیمار یا ضرورت مند لوگ اپنی حاجت روائی کیلئے ان کے پاس چلے بھی جاتے ہیں یعنی ہم معاشرہ کے غیر ذمہ دار ترین فرد کہ جو اپنی ذات کی ذمہ داری بھی قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہے، جس کا نعرہ یہ ہے کہ کمائے گی دنیا کھائیں گے ہم، اس کو اہم اور بڑا پہنچا ہوا آدمی سمجھتے ہیں۔ قرآنی تعلیمات ہمیں علم کے ساتھ تعہد کا درس دیتی ہیں۔

............قرآن کی نظر میں کامیاب انسان

قرآن فقط ثواب کے لئے نہیں ہے کہ ہم اسے روز صبح پڑھیں تو برکت ہو، امتحان کے دنوں میں قرآن پڑھیں تو حافظہ زیادہ کام کرے، پیپرز میں نمبرز اچھے ملیں۔ ہم قرآن کو تعویذ گنڈے کے طور پر استعمال کرتے ہیں حالانکہ قرآن ہدایت و رہنمائی ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم قرآن سے سیکھیں کہ قرآن کی نظر میں کامیاب انسان کون

ہوتا ہے؟ قرآن نے کن لوگوں کے لئے "هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ" [1] یا "قَدْ أَفْلَحَ" [2] کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ اس طرح کی قرآنی آیات بہت ساری ہیں۔ قرآن نے پہلا طبقہ متقین کا ذکر کیا ہے۔

ذٰلِکَ الْکِتَابُ لَارَیْبَ فِیْهِ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ○ [3]

پھر ان کی آگے صفات شروع ہوتی ہیں اور یہ صفات کہاں ختم ہوتی ہیں؟

وَاُولٰئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْن ○ [4]

یہ کامیاب لوگ ہیں۔ قرآن کی نظر میں بہترین اور فلاح یافتہ انسان ذمہ دار انسان ہے۔ اسی طرح قرآن کی بہت خوبصورت آیت ہے:

مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ...... [5]

مومنین میں سے کچھ مرد ہیں۔ اب اس کا مطلب یہ نہیں کہ مومنین میں سے کچھ عورتیں بھی ہیں۔ مومنین ہے ہی مذکر کا صیغہ۔ اگر مومنین و مومنات کی بات ہو رہی ہو کہ مومنین و مومنات میں سے کچھ مرد ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان میں کچھ عورتیں بھی ہیں۔ لیکن یہاں کہا جا رہا ہے کہ مومنین میں سے کچھ مرد ہیں یعنی کچھ نامرد ہیں۔ نامرد یعنی جس کے اندر مردانہ شجاعت و غیرت نہ ہو، جو خسیس و کنجوس ہو یا وعدہ پورا نہ کرتا ہو جیسے عام بول چال میں بھی لوگ کہتے ہیں کہ فلاں نامرد انسان ہے جو اپنا وعدہ بھی پورا نہیں کرتا۔ نہج البلاغہ میں امیر المومنین علیہ السلام نے بعض مردوں کو خطبہ دیتے ہوئے کہا:

یَا اَشْبَاهَ الرِّجَالِ وَ لَا رِجَالَ...... [6]

---

[1]......(سورۃ بقرہ، آیہ ۵)(سورۃ آل عمران، آیہ ۱۰۴)(سورۃ اعراف، آیہ ۱۵۷، ۸)(سورۃ توبہ، آیہ ۸۸)(سورۃ مومنون، آیہ ۱۰۲)(سورۃ نور، آیہ ۵۱)(سورۃ روم، آیہ ۳۸)(سورۃ لقمان، آیہ ۵)(سورۃ مجادلہ، آیہ ۲۲)(سورۃ حشر، آیہ ۹)(سورۃ تغابن، آیہ ۱۶)

[2]......(سورۃ مومنون، آیہ ۱)(سورۃ اعلیٰ، آیہ ۱۴)(سورۃ شمس، آیہ ۹)

[3]......(سورۃ بقرہ، آیہ ۲)

[4]......(سورۃ بقرہ، آیہ ۵)

[5]......(سورۃ احزاب، آیہ ۲۳)

[6]......(نہج البلاغہ، خطبہ ۲۷)(الکافی - الکلینیؒ، الجزء ۵، صفحہ ۷)

اے مردوں سے ملتی جلتی صورتوں اور نامردوں! یعنی تمہاری داڑھی مونچھیں تو ہیں لیکن مردانگی، دلیری، شجاعت، غیرت اور احساسِ ذمہ داری نہیں ہے۔

قرآن فرمارہا ہے:

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ......

مومنین میں سے کچھ مرد ہیں،

یہ کون مرد ہیں؟

صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ......[1]

جنہوں نے اللہ سے کئے وعدے کو سچ کر دکھایا ہے، ان میں بعض اپنا وقت پورا کر چکے ہیں اور بعض اپنے وقت کا انتظار کر رہے ہیں......

یعنی جو ذمہ دار ہیں، جنہوں نے اللہ کے ساتھ عہد کیا اور اس عہد کو سچ کر دکھایا، کچھ ایسے ہیں جو اپنا عہد نبھا کر خدا سے جا ملے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو اپنا عہد نبھانے کے لئے انتظار میں ہیں۔

قرآن کی نظر میں یہ لوگ مرد اور فلاح یافتہ ہیں۔ اس طرح سے کامیابی حاصل کریں کہ آپ خدا کی نظروں میں کامیاب سمجھے جائیں نہ کہ فقط دنیا داروں کی نظروں میں کامیاب ہوں۔ اچھے نمبر لے لینا تعلیمی کارکردگی ہے لیکن ہمیں تعلیمی کارکردگی کے ساتھ ساتھ انسانی کارکردگی بھی دکھانی ہے۔ اس وقت ہمارے ملک کا المیہ یہی ہے کہ متعہد، ذمہ دار، باطہارت و باتزکیہ اہل علم موجود نہیں ہیں۔ سارا قصور ان پڑھوں کا نہیں بلکہ اُن پڑھے لکھوں کا ہے کہ جن کے اندر احساسِ ذمہ داری موجود نہیں ہے۔ ذمہ دار اساتذہ کا کام ہی یہی ہے کہ وہ معاشرہ کو ایک متعہد انسان پال کر دیں، نہ فقط ایسا انسان جو پڑھا لکھا ہو، جس کو اے بی سی آتی ہو یا اسے غیر ذمہ دار سائنسدان و انجینئر بنانا۔ دینی مدرسے کا کام ایک متعہد اور ذمہ دار عالم بنانا ہے جو معاشرتی و الٰہی ذمہ داریوں کو

[1]......(سورۂ احزاب، آیہ ۲۳)

سنبھالے اور ادا کرے۔ یہ در حقیقت کامیابی کا قرآنی، الٰہی، اسلامی اور انسانی معیار ہے۔ قرآن نے کہیں بھی یہ نہیں لکھا کہ جو بہت اچھے نمبرز حاصل کرتے ہیں اور بڑی بڑی ڈگریاں لے کر اچھی ملازمت تلاش کر لیتے ہیں وہ فلاح پانے والے ہیں۔

............ڈگری برائے ملازمت اور پاکستان کا دفاع

ملازمتوں کی تلاش کیلئے اعلیٰ ڈگریوں کا حصول ہمارے معاشرے کا بہت بڑا المیہ ہے اور یہی Routine، Standard procedure اور Habitual manner پوری زندگی کارفرما رہتا ہے حتیٰ پھر یہی Pattern اولادوں میں بھی منتقل ہو جاتا ہے۔ اگر اسی طرح یہ Circle چلتا رہے گا تو معاشرہ یہیں پر رُکا رہے گا۔ ممکن ہے ہمارے بچے اعلیٰ نمبر لے کر اچھی ملازمتوں کیلئے باہر ممالک جا پہنچیں لیکن یہ سوسائٹی اور اس کی مشکلات یہیں رہیں گی، لہٰذا پاکستان سے بھاگیں نہیں بلکہ پاکستان کو بنانا اور بچانا ہے۔ پاکستان کو بچانے سے مراد یہ ہے کہ اس کی مشکلات کو درست سمجھیں اور ان کا درست راہِ حل تلاش کریں۔ نئی نسل معمار پاکستان ہے۔ راہِ حل متعہد اور ذمہ دار تعلیم یافتہ طبقہ ہے یعنی وہ علم جو ساتھ ساتھ انسان کو ذمہ دار بھی بناتا ہو۔

اگر ہمارا تعلیم یافتہ طبقہ، علماء اور دینی طبقہ ذمہ دار ہو تو یہ سوسائٹی آئیڈیل (Ideal) اور محبت کی سوسائٹی بن سکتی ہے۔ یہ سب بگاڑ غیر ذمہ داروں کی وجہ سے ہے۔ ان پڑھ صرف پڑھے لکھوں کے ہاتھوں استعمال ہوتے ہیں۔ پڑھا لکھا سیاستدان اور بیوروکریٹ اَن پڑھ عوام کو بھیڑ بکریوں کی طرح استعمال کرتا ہے۔ اسی طرح پڑھا لکھا ملا کہ جس نے چند دینی و مذہبی اصطلاحات پڑھ لی ہیں وہ اَن پڑھ عوام کو اپنی خواہشات اور غلط راستہ کے لئے استعمال کرتا ہے۔ اَن پڑھ لوگوں کا فقط ایک قصور ہے کہ وہ اَن پڑھ ہونے کی وجہ سے دوسروں کے ہاتھوں استعمال ہو جاتے ہیں۔ وہ انسان کامیاب نہیں ہے جس کی تنخواہ زیادہ ہے یا جس کا عہدہ زیادہ بڑا ہے بلکہ یہ خودخواہی ہے کہ ہم سارے علوم سے فقط اپنی ذات کے لئے استفادہ کریں۔

..........علم کے ساتھ ذمہ داریوں کا تعین

تعلیم کے ساتھ ساتھ ہمیں اپنی ذمہ داریوں کا دائرہ بھی معلوم ہونا چاہیے۔ پیغمبر اکرم، نبی خاتم ﷺ کی یہ حدیث سب نے نقل کی ہے کہ

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَ كُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ......[1]

یہ حدیث سب کو ازبر ہے کہ تم میں سے ہر ایک ذمہ دار ہے اور ہر ایک سے اس کی ذمہ داریوں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ قبر میں پہلا سوال ہماری ذمہ داریوں کے بارے میں ہوگا کہ ہم نے تمہیں عقل و شعور دیا اور کافی اہتمام و انتظام کیا لیکن تم نے پڑھ لکھ کر کیا کیا؟ تم نے اپنی ذمہ داریاں نبھائیں یا نہیں؟ اب وہاں فقط یہ جواب تو قابلِ بقول نہیں ہوگا کہ ہم اپنا بینک سٹیٹمنٹ بتانے لگ جائیں یا اپنی ڈگریاں گنانی شروع کر دیں۔ بعض ایسے ہوں گے جو خود منکر نکیر سے قبر میں پوچھیں گے ہماری ذمہ داریاں کیا تھیں؟ لیکن اب تو وقت گزر چکا ہوگا۔ جیسے کہتے ہیں کہ کسی نے ہندو کو پکڑ لیا اور کہا کہ کلمہ پڑھو ورنہ جان سے ماردوں گا تو اس نے ڈر کے مارے کہا کہ ٹھیک ہے پڑھاؤ کلمہ۔ اس وقت آدمی نے اپنے سر پر ہاتھ مارا کہ اے کاش! آج کوئی کلمہ یاد ہوتا تو میرے ہاتھوں ایک ہندو مسلمان ہو جاتا۔ ہم بھی قبر میں منکر نکیر کے سامنے منہ پر ہاتھ ماریں گے کہ اے کاش اپنی ذمہ داریاں پتہ ہوتیں تو آج کوئی جواب دے دیتے۔ لہٰذا پہلے ہمیں اپنی ذمہ داریاں معلوم ہوں ورنہ ہم خانقاہی ہو جائیں گے۔ خانقاہی یعنی خودخواہ لوگ کہ جن کی عبادتوں کا مقصد بھی اپنی ذات، تعلیم کا مقصد بھی اپنی ذات، ریاضتوں کا مقصد بھی اپنی ذات اور نجات کا مقصد بھی اپنی ذات ہوتا ہے۔

قرآن کی اصطلاح کے مطابق آپ خانقاہی نہ بنیں بلکہ متعہد انسان بنیں۔ متعہد انسان یعنی ذمہ دار انسان۔ ذمہ دار انسان کی کیا کیا ذمہ داریاں ہیں؟ ان میں آپ کی اپنی ذات کی ذمہ داری ہے کہ آپ دوسروں پر

علم کے ساتھ ذمہ داریوں کا تعین

---

[1]......(مرآۃ العقول فی شرح أخبار آل الرسولؐ - العلامۃ المجلسیؒ، الجزء۸، صفحہ۳۴۹)(تفسیر المراغی، الجزء۱، صفحہ۴۰۹)

بوجھ نہ بنیں۔ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنی ساری ضرورتیں و ذمہ داریاں خود برداشت کریں۔ اس کے ساتھ آپ کے گھر کی ذمہ داریاں بھی ہیں۔

بعض اوقات طلاب کو کہا جاتا ہے کہ تعلیم کے دوران آپ کا کام صرف پڑھنا ہے۔ اگر تعلیم کے دوران صرف پڑھنا ہے تو پھر یہ تین ٹائم کھانا کیوں کھاتے ہیں؟ بعض تو چھ ٹائم بھی کھا لیتے ہیں، سوتے کیوں ہیں؟ نہاتے کیوں ہیں؟ رشتہ داروں سے کیوں ملتے ہیں؟ اور دیگر بہت سے کام کیوں کرتے ہیں؟ کیونکہ وہ بھی ضرورت ہیں۔ پس اس کا مطلب یہ ہوا کہ فقط اچھے نمبر لینا ہی اصل کامیابی کی ضمانت نہیں ہے بلکہ ایک اسٹوڈنٹ کی بہت ساری ذمہ داریاں ہیں۔ آپ خانقاہی اسٹوڈنٹ یعنی خودخواہ وخود پرست طالب علم، خانقاہی دانشور اور خانقاہی ڈاکٹر نہ بنیں۔ خانقاہی ڈاکٹر یعنی جو صرف لوگوں کا علاج کرتے ہیں تاکہ فیس لیں اور جس کے پاس پیسے نہیں ہوں اس کا علاج نہ کریں۔ خانقاہی وکیل یعنی جو صرف اپنی فیس کے لئے لوگوں کے کیس عدالتوں میں لے جاتا ہے لیکن اگر کسی غریب کے پاس اس کا حق مارا جا رہا ہے تو وہ اس کی مدد نہیں کرتا۔ خانقاہی عالمِ دین یعنی جو پیسے لے کر آئے گا اس کے ہاں مجلس پڑھے گا لیکن اگر کسی کے پاس پیسے نہیں ہیں تو اس کے لئے سلام بھی پیش نہیں کرتا۔

ایک طالب علم کی گھریلو ذمہ داریاں ہیں، تعلیمی ذمہ داریاں ہیں، اجتماعی ذمہ داریاں ہیں، سوشل (Social) ذمہ داریاں ہیں، ملکی ذمہ داریاں ہیں، دینی و مذہبی ذمہ داریاں ہیں اور ان ساری ذمہ داریوں کا اسے علم ہونا چاہئے۔ علم کہتے ہی اس کو ہیں جو ہمیں اپنی ذمہ داریوں سے آگاہ کر دے۔ درواقع مدرسہ میں معلمین کی ذمہ داری طلباء کو ان کی ذمہ داریوں سے آگاہ کرنا ہوتی ہے۔ ڈگریاں ویلیوز (Values) میں شمار نہیں ہوتیں بلکہ یہ ہماری وہ دنیاوی ضرورت پوری کرنے کے لئے ہیں۔ اگر آپ پڑھ جائیں اور ڈگری نہ ملے تو آپ کو کوئی نقصان نہیں ہوا لیکن اگر آپ بڑی اعلیٰ ڈگریاں لے لیں اور علم، احساسِ ذمہ داری، تزکیہ وتطہیر قلب نہ ہو تو آپ کو کچھ بھی حاصل نہیں ہوا۔ ایسے بہت سے ڈگریاں ہولڈرز موجود ہیں کہ جن کے اندر انسانیت موجود نہیں ہے۔

..........انسان کی حقیقت

دراصل ہمیں اپنی ہوویت وشناخت کا احساس ہونا چاہئے البتہ اس Identity کے اندر علاقائیت و قومیت شامل نہیں ہے یعنی Eastern & Western ہونا انسان کی ہوویت وشناخت کا حصہ نہیں ہے۔ ہماری شناخت میں سب سے پہلی چیز انسان کا نظریہ ہے۔ مولانا روم کا ایک شعر ہے کہ

ای برادر تو همان اندیشه ای

ما بقی تو استخوان و ریشه ای[1]

یعنی تیری حقیقت صرف تیرا نظریہ وآئیڈیالوجی (Ideology) ہے لیکن اس کے علاوہ تیرے اندر کچھ رگیں، ہڈیاں، انتڑیاں اور گوشت و پوست ہے جو تولنے کی چیزیں ہے اور یہ انسانیت نہیں ہے۔ وہ کلچر انسانیت کی عکاسی کرتا ہے جو انسان کی آئیڈیالوجی سے پیدا ہو نہ کہ وہ آئیڈیالوجی جو کلچر سے نکلی ہو۔

..........مغربی تہذیب کا جال اور حقیقی اسلام

ہماری ایک بڑی مشکل یہی مغربی تہذیب ہے۔اس وقت مغرب نے کلیش آف سیویلائزیشنز (Clash of Civilizations) کے نام سے علانیہ جنگ شروع کی ہوئی ہے۔اس کے مطابق ویسٹرن سیویلائزیشن یا کلچر جو اُن کے خیال میں بہت ہی اپر کلاس (Upper-class) اور انسانیت کیلئے نجات دہندہ کلچر ہے اسے رہنا چاہئے اور باقی ساری تہذیبوں کو ختم ہونا چاہئے۔ابھی ہمیں اس کا سامنا کرنا ہے لہٰذا ہمیں احساس ہونا چاہئے۔اس کی مزید تفصیل آگے درج کی جائے گی۔ہم نہ مشرقی ہیں اور نہ مغربی بلکہ درحقیقت ہم مسلمان ہیں۔ ہماری آئیڈیالوجی، ہماری تمام شناخت اور ہماری تمام حقیقت اسلام ہے البتہ وہ خانقاہی، من گھڑت اور روایتی اسلام نہیں جو ہم نے حقیقی اسلام کے سامنے لا کر کھڑا کر دیا ہے بلکہ وہ اسلام جو خدا

---

[1]......(مثنوی معنوی،به تصحیح :رینولد ا.نیکلسون،دفتر دوم،صفحه۱۹۲)

نے بھیجا ہے، وہ اسلام جو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا ہے۔ امام خمینیؒ فرماتے تھے کہ اسلام دو قسم کے ہیں:

۱)انسان کا بنا ہوا من گھڑت اور خود ساختہ اسلام

۲)وہ اسلام جو خدا نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کیا ہے کہ جس کی ترجمانی قرآن و اہل بیت علیہم السلام کر رہے ہیں۔

اگر ہم اس حقیقی اسلام کی طرف آجائیں تو پھر ہم نہ مشرق و مغرب کے غلام رہیں گے اور نہ دنیا و خواہشات کے۔ ابھی ہم نہ صرف مغرب کے غلام ہیں بلکہ بہت ساری چیزوں کے غلام ہیں اور وہی شخص دوسروں کو آزاد کرا سکتا ہے جو پہلے خود آزاد ہو مثلاً ابھی ہم کو کشمیر آزاد کرانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن ایک ڈوبتا ہوا شخص دوسرے کو ڈوبنے سے کس طرح بچا سکتا ہے؟ خدانخواستہ اگر آپ جیل میں چلے جائیں اور دوسرے قیدی آپ سے یہ تقاضا کریں کہ ہمیں یہاں سے نجات دو تو آپ یہی کہیں گے کہ اگر میں خود کو نجات دے سکتا تو آپ کو بھی چھڑا لیتا۔ لہٰذا انسان پہلے اپنی شناخت و پہچان یعنی اسلام کی طرف آکر خود کو نجات دے اور اپنی اندرونی غلامیوں و خواہشات سے نجات پائے کہ جس کو اسلام نے جہادِ اکبر کہا ہے پھر اس کے بعد وہ بیرونی غلامیوں سے نجات پا سکتا ہے۔

...........ذمہ داریوں کو پرکھنے کا طریقہ

پہلے ہمارا فریضہ یہ بنتا ہے کہ ہم اپنی ذمہ داریوں کو سمجھیں لیکن اگر ہم جاننا چاہتے ہیں کہ ہم اپنی ذمہ داریوں کو صحیح نبھا رہے ہیں یا نہیں تو اس کے کچھ معیارات ہیں مثلاً آپ جاننا چاہتے ہیں کہ آپ اپنی تعلیمی ذمہ داری نبھا رہے ہیں یا نہیں۔ اگر آپ خدانخواستہ ہر امتحان میں فیل ہو جاتے ہیں یا نمبر کم لاتے ہیں، ٹائم پر اسکول نہیں آتے، پابندی سے نہیں پڑھتے، پیریڈ اٹینڈ (Attend) نہیں کرتے، امتحانوں کی تیاری نہیں کرتے ہیں تو اس کے معانی یہ ہیں کہ آپ اپنی تعلیمی ذمہ داریاں ادا نہیں کر رہے۔ اسی طرح ذمہ داریوں کے بہت سے شعبے ہیں مثلاً گھریلو ذمہ داریاں، سوسائٹی کی ذمہ داریاں اور دینی و مذہبی ذمہ داریاں وغیرہ۔ آپ ان سب میں غور کریں کہ ان

ذمہ داریوں کو پرکھنے کا طریقہ

کاموں میں میرا اشتراک و شیئر (Share) کتنا ہے؟! آیا میں بروقت وہ کام کر رہا ہوں یا نہیں کر رہا؟! اس طرح معلوم ہو جاتا ہے کہ میں کس حد تک اس راہ میں موفق ہوں۔

تفرقه کی پیش رفت سے متعلق دشمن کی پالیسی

تفرقہ کے درج بالا اسباب و عوامل خود مسلمانوں کے اندر پائے جاتے ہیں لیکن دشمن کی جانب سے تفرقہ کی پلاننگ بہت وسیع ہے۔ پہلے شیعہ اور سنی کے درمیان تفرقہ تھا لیکن اب یہ شیعہ و سنی تفرقے کے مرحلے سے آگے گزر چکے ہیں اور اس کا اگلا مرحلہ شروع کر دیا ہے۔ اب اس کا اگلا فیز (Phase) شیعہ و شیعہ کے درمیان تفرقہ اور سنی و سنی کے درمیان تفرقہ ہے مثلاً ابھی ایسا نصاب اور ایسی بحثیں چھیڑ دی گئیں ہیں تا کہ شیعہ شیعہ کا دشمن ہو جائے۔ ان سب جھگڑوں میں سے کوئی بھی جھگڑا ہمارا اپنا جھگڑا نہیں ہے بلکہ ہمارے اندر تفرقہ ڈالنے کے لئے کوئی باہر سے آیا ہے۔ امام خمینیؒ فرماتے تھے کہ جو شیعہ اور سنی میں تفرقہ ڈالے وہ نہ شیعہ ہے اور نہ ہی سنی ہے بلکہ استعمار کا ایجنٹ ہے۔

وہی باتیں جو کسی وقت منبر پر بیٹھ کر شیعہ کے خلاف کی جاتی تھیں، جن جگہوں سے شیعہ پر کفر کے فتوے لگائے جاتے تھے، آج اسی انداز سے شیعہ کو شیعہ سے لڑانے کے لئے باتیں، وہی حملے اور وہی فتنے کھڑے کئے جا رہے ہیں تا کہ شیعہ کو شیعہ سے اور سنی کو سنی سے لڑا دیا جائے۔ آج حالت یہ ہو گئی ہے کہ شیعہ کو شیعہ سے لڑایا جا رہا ہے چنانچہ اس کام میں ملوث ہونا اور ان تفرقہ باز لوگوں کا ساتھ دینا حرام ہے۔ یہ ہماری اپنی سرزمین کی چیز نہیں ہے۔ اس کام کیلئے ایسے بھیانک اور عجیب و غریب حربے استعمال کئے جا رہے ہیں کہ تفرقہ یقینی بن جائے۔ وحشیانہ، بہیمانہ اور غیر انسانی اعمال انجام دے کر، اُن کی سی ڈیز بنا کر پھر ان کو تقسیم کرنے کے کیا معانی ہیں؟ اس کے معانی یہ ہیں کہ جو لوگ گھروں میں آرام سے بیٹھے ہوئے ہیں وہ بھی نکل کر اس میں شامل ہو جائیں اور جو امن سے ہیں وہ بھی بے امن ہو جائیں۔

تفرقہ کی پیش رفت سے متعلق دشمن کی پالیسی

مسلمانوں کی تقسیم در تقسیم

آج اُمتِ مسلمہ نچلی ترین سطح تک تقسیم ہو چکی ہے۔ آج فقط شیعہ اور سنی نہیں ہیں بلکہ ان کے اپنے اندر کئی ٹکڑے ہو چکے ہیں۔ حدیثِ نبویؐ میں آیا ہے کہ

سَتَفْتَرِقُ اُمَّتِیْ عَلٰی ثَلَاثٍ وَّسَبْعِیْنَ فِرْقَةً......[1]

یعنی عنقریب میری اُمت ۷۳ فرقوں میں بٹ جائے گی۔ جب میں یہ روایت دیکھتا ہوں تو سوچتا ہوں کہ یہ کس پہلو سے بیان فرمائی گئی ہے؟ شاید موٹے اور نمایاں ۷۳ فرقے ہوں گے؟ یا آخر میں تہتر رہ جائیں گے؟ یا اُس وقت ۷۳ فرقے تھے؟ اگر آج دیکھا جائے تو فقط تشیع کے اندر تہتر ہزار فرقے وجود میں آچکے ہیں۔ آپ ذرا اپنے گردو نواح میں نگاہ ڈال کر دیکھیں اور اپنے آپ ہی کو دیکھیں تو یقین ہو جائے گا۔ آج کوئی بھی دو آدمی آپس میں متفق و متحد نظر نہیں آتے، ہر ایک نے اپنے لئے الگ گروہ، الگ فرقہ، الگ راستہ و الگ مقصد منتخب کر لیا ہے۔ ہر ایک نے اپنا فائدہ و نقصان الگ کر لیا۔ آیا ہمیں دین کے نام پر یہ کام کرنے کا حق حاصل ہے؟

ایک منظر میں کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ کراچی میں قدس ریلی کا بہت اچھا اہتمام ہوتا ہے چنانچہ ہم قدس ریلی میں شرکت کیلئے پہنچے۔ دوسرے شہروں میں لوگوں کو غلط فہمی ہوتی ہے کہ یہ کسی تنظیم کی ریلی ہے اور میں نے ریلی کے منتظمین سے بھی ہر جگہ خواہش ظاہر کی ہے کہ قدس کی ریلی کے اندر قدس کے جھنڈے لہرائیں تاکہ سب اس کے ساتھ چلیں۔ بعض اس وجہ سے نہیں آتے کہ یہ تنظیمی جلوس ہے۔ حالانکہ یہ ایک نہضت ہے جو امامِ راحلؒ نے شروع کی۔ ہفتہ وحدت بھی ایک نہضت ہے جو امامؒ نے شروع کی ہے۔ قدس کی ریلی میں کئی ہزار لوگوں کا جلوس جارہا تھا کہ اچانک راستے میں جلوس کے اندر اختلاف پیدا ہو گیا۔ اختلاف بھی اس ٹرک کے اوپر چڑھنے پر پیدا ہوا جو اسٹیج بنا ہوا تھا۔ ایک گروہ کے لوگ دوسرے کو ٹرک پر چڑھنے نہیں دے رہے تھے اور وہ اُن کو چڑھنے نہیں دے

---

[1]......(وسائل الشیعة، المؤلف : الفقیه المُحَدِّث الشیخ مُحَمَّد بن الحسن الحُر العاملیؒ، المتوفی سنة ۱۱۰۴ھ، الجزء ۲۷، صفحه ۵۰)

رہے تھے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ دونوں نے اپنے اپنے ٹرک الگ کر لئے ور ایک گروہ جدا ہو کر اُدھر جانے لگا دوسرا گروہ کسی اور چوک کی طرف بڑھنے لگا۔ لوگ تماشا دیکھ رہے تھے۔ یہ اپنی آنکھوں دیکھا حال بیان کر رہا ہوں۔ آخر میں جو ٹرک رک گیا تھا انہوں نے بیٹھ کر ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر دُعائے وحدت پڑھی جبکہ آدھا جلوس کٹ کر الگ ہو گیا تھا۔ تو میں نے اُن سے وہیں پر عرض کیا کہ دُعائے وحدت کا تمسخر اس سے بہتر نہیں اُڑایا جا سکتا۔ جس طرح ڈنمارک میں رسول اللہ ﷺ کی توہین کیلئے کارٹون بنایا گیا اسی طرح ہر چیز کی توہین کا کارٹون ہوتا ہے اور دُعائے وحدت کی توہین کا کارٹون یہی المناک واقعہ ہے۔ یہ توہین دُعائے وحدت ہے۔

تفرقہ کی بُو محسوس کرنے کی ضرورت

آج دشمن اپنے پیچیدہ پروپیگنڈوں کے ذریعے امت مسلمہ میں تفرقہ پھیلانے کی گھناؤنی سازش میں مصروف ہے لہٰذا ہمارا فریضہ بنتا ہے کہ ہم ان سازشوں سے ہوشیار رہیں۔ جو بھی ایسا عقیدہ اور مسئلہ لے کر آئے جس سے تفرقہ کی بُو آتی ہو وہ حرام کام ہے۔ جس طرح آپ کسی گندی نالی کے قریب سے گزریں تو بُو آتی ہے یا کہیں چولہے میں گیس کھلی ہوئی ہو تو کمرے میں جاتے ہی گیس کی بُو سے خطرہ محسوس کرتے ہیں لیکن جب کوئی منبر پر بیٹھ کر غلط بات کرتا ہے تو ہمیں تفرقہ کی بو کیوں محسوس نہیں ہوتی ؟!

مومن کی حِس شامہ بہت تیز ہونی چاہئے لہٰذا آپ فوراً کہہ دیں کہ اے عزیز! تیری بات سے تفرقہ کی بُو آ رہی ہے اور اب ہم مزید اس تفرقہ کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ اس کو ٹوکئے اور روکئے کہ اس دین اور قوم کو خراب نہ کرے۔ ضروری نہیں ہے کہ اُس سے جھگڑا کریں بلکہ اچھے انداز سے بھی روکا جا سکتا ہے مثلاً بزرگ اس سے کہہ سکتے ہیں کہ برادر! میں ریش سفید ہوں اور آپ سے ہاتھ باندھ کر تقاضہ کرتا ہوں کہ خدارا اس اُمت کے اندر تفرقہ نہ ڈالو۔ اس قوم کے دشمن پہلے ہی بہت زیادہ ہیں لیکن اب خود اس قوم کو ایک دوسرے کا دشمن نہ بناؤ۔ یہ ہمارا فریضہ ہے کیونکہ گھروں میں بیٹھنے سے مشکل حل نہیں ہوگی۔

تفرقہ کا آسیب

تفرقہ تباہی کا راستہ ہے۔ اگر گھر کے اندر دو بھائیوں میں بھی تفرقہ ہوا تو یہ گھرانہ تباہ ہو جائے گا۔ کتنے گھر ایسے ہیں جن کے اندر ساس بہو کا جھگڑا ہے اور جب یہ جھگڑا شدت اختیار کر جاتا ہے تو اُس گھر سے برکتیں نکل جاتی ہیں، وہاں نیند حرام ہو جاتی ہے، چین وسکون ختم ہو جاتا ہے، عبادتوں میں لذت نہیں آتی، کھانے پینے میں بھی لذت نہیں آتی۔ ایک ہی گھر میں جب دو عورتیں ایک دوسرے کی دشمن بن جاتی ہیں تو جنت والے گھر کو بھی جہنم بنا دیتی ہیں اور جب مرد دکان یا دفتر سے تھکا ہارا دن بھر محنت مشقت اور پسینہ بہا کر گھر لوٹتا ہے تو گھر کا ماحول جہنمی پاتا ہے۔ اُس نے تو گھر اس لئے بسایا تھا تا کہ یہ گھر سکون کا گہوارہ ہو لیکن گھر کے اندر دو بھوت بیٹھے ہوتے ہیں۔

بسا اوقات کہا جاتا ہے کہ فلاں آدمی کو بھوت چڑھ گیا ہے حالانکہ آدمی خود بھوت بن جاتا ہے۔ کبھی یہ عورتیں بھوت بن جاتی ہیں، کبھی مرد بھوت بن جاتے ہیں اور کبھی دو بھائی آپس میں بھوت بن جاتے ہیں۔ یہ لڑائی جھگڑا شروع کر دیتے ہیں اور پورے خاندان کو تباہ کر دیتے ہیں حتیٰ عید کا سلام لینے اور ایک دوسرے کی شکل تک دیکھنے کیلئے تیار نہیں ہوتے۔ خدا نے تمہیں ایک ماں سے کیوں پیدا کیا تھا؟ حالانکہ تمہیں الگ الگ بھی پیدا کیا جا سکتا تھا کیونکہ خدا کی قدرت میں کمی نہیں تھی کہ تجھے کسی اور ماں باپ سے پیدا کرتا اور اُسے کسی اور ماں باپ سے لیکن حکمتِ خدا یہ تھی کہ خدا نے دو فرد پیدا نہیں کئے بلکہ دو بھائی پیدا کئے ہیں۔ لہٰذا جو رشتۂ اُخوت توڑتا ہے دراصل وہ خدائی رشتہ توڑتا ہے۔

مدارسِ دینیہ میں تفرقہ کی تعلیم

آج تک تفرقہ عبادت سمجھ کر انجام دیا گیا، مدرسوں نے تفرقہ کی کتابیں لکھیں، مدرسوں میں تفرقہ کے درس پڑھائے گئے۔ لاہور کی ایک شخصیت ایک دفعہ میرے پاس آئی تو انہوں نے مجھ سے طنزیہ زبان میں کہا کہ میں مدت تک یہ سوچتا رہا کہ یہ جو مذہبی طبقے خصوصاً مدرسے والے طلباء ہمیشہ مرنے اور مارنے کی فکر میں

کیوں ہوتے ہیں؟! جبکہ قرآن نے ان کے بارے میں سورۂ فتح، آیہ ۲۹ میں "رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ" فرمایا ہے۔ یہ محبت اور رحم کی دعوت نہیں دیتے بلکہ ہمیشہ لڑنے اور مرنے کی ہی دعوت دیتے ہیں۔ کہنے لگے کہ جب میں نے ان کا سلیبس (Syllabus) دیکھا تو بات سمجھ آگئی۔ جتنے بھی مسالک ہیں وہ پہلے سب طلباء کو عربی لٹریچر پڑھاتے ہیں اور عربی لٹریچر میں بھی سب سے پہلا علم جو پڑھایا جاتا ہے وہ علمِ صَرف ہے یعنی عربی گرامر۔ دوسری زبانوں میں یہ علم نہیں ہے بلکہ کم وبیش عربی میں ہی ہے اور صَرف میں بھی پھر سب سے پہلی چیز یہ ہوتی ہے کہ کچھ گردانیں یا صیغے ازبر کرائے جاتے ہیں جن میں گردانوں کیلئے جو لفظ انتخاب کیا گیا ہے وہ "ضرب" ہے۔ ضرب یعنی اس ایک نے مارا۔ پھر اس کی ماضی، حال مستقبل، مذکر، مونث، مضارع اور امر وغیرہ کی گردان پڑھائی جاتی ہے جس میں صَرفِ صغیر کے لگ بھگ چودہ صیغے بنتے ہیں۔ لکھنے والے اور بھی الفاظ لکھ سکتے تھے مثلاً "اَلِفَ" یا "حَبَبَ" بھی ہوسکتا تھا لیکن انہوں نے ضرب کا ہی انتخاب کیوں کیا؟ اردو میں ضرب کی گردانوں کے معانی یہ بنتے ہیں کہ اس ایک مرد نے مارا، ان دو مردوں نے مارا، ان سب مردوں نے مارا، اس عورت نے مارا، ان دو عورتوں نے مارا، ان سب عورتوں نے مارا، تم نے مارا، اس نے مارا، غائب نے مارا، حاضر نے مارا، تو وہ بزرگوار یہ کہہ رہے تھے کہ مجھے یہاں سے پتہ چلا کہ ان کو پہلا درس ہی یہی پڑھایا جاتا ہے اور پھر یہ مارا ماری پہ اتر آتے ہیں۔

بہت سے مدارسِ دینیہ کے اندر تفرقہ آمیز مواد بھرا ہوا ہے جو اس بارود سے کہیں زیادہ خطرناک ہے جو آج دھماکوں میں استعمال ہوتا ہے۔ شیعہ وسنی مدارس میں ایسا بہت سارا مواد موجود ہے۔ جس طرح منجرہ یا بارودی مواد ہوتا ہے کہ جسے اگر کسی جگہ رکھ دیا جائے تو بڑا زوردار دھماکہ ہوتا ہے اسی طرح مدرسوں کے اندر بنامِ اعتقادات یا بعنوانِ دیگر علوم ایسا سلیبس موجود ہے جو بارود کی حیثیت رکھتا ہے۔ صرف اس مواد کو فتیلہ لگانے کی دیر ہوتی ہے مثلاً منبر پر آکر تھوڑا سا فتیلہ جلائیں تو بہت بڑا انفجار ہوتا ہے اور اس دھماکے کے اندر مسلمین ضائع ہوتے ہیں۔ دھماکوں میں استعمال ہونے والے بارود سے اہل اسلام واہل ایمان کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کئے جاتے ہیں لیکن تفرقہ آمیز بارود کی تعلیم سے نہ صرف جانوں کا نقصان ہوتا ہے بلکہ اسلام وایمان بھی چلا جاتا ہے۔ اُس بارود سے فقط جسم انسانی پارہ پارہ ہوتا ہے لیکن تفرقہ آمیز بارود سے وحدتِ اُمت پارہ پارہ ہوجاتی ہے۔ ایسا مواد

سب کے ہاں موجود ہے اور تعلیم دیا جاتا ہے۔

آج دشمن نے تفرقہ کا جو نقشہ و منصوبہ بنایا ہے اس کے مطابق ایندھن بھی مسلمان ہیں اور اس میں جلنے والے بھی مسلمان ہیں۔ لہٰذا یہ ایک دوسرے کی گردن زنی، ایک دوسرے کے مذہب پر حملہ کرنے اور ایک دوسرے کے مقدسات کی توہین میں مصروف ہیں۔ آج خواہ شیعہ مرے یا سنی لیکن فائدہ دشمن کا ہوتا ہے۔ اس مرحلہ میں دشمن اپنے ہدف تک پہنچ گیا ہے۔ آج پاکستان کے اندر امن نہیں ہے بلکہ قومی، مذہبی، علاقائی، سیاسی اور لسانی تفرقہ پھیلا ہوا ہے۔ فرد فرد کو تفرقہ کی لعنت میں مبتلا کر دیا گیا ہے اور ایک دوسرے کا دشمن بنا دیا گیا ہے۔

افسوس کی بات ہے کہ مدارسِ دینیہ کے سلیبس (Syllabus) میں وحدت کا نام کا کوئی چیپٹر (Chapter) شامل نہیں ہے حتیٰ تفاسیر میں بھی اس کو اہمیت نہیں دی گئی جبکہ وحدت قرآن کا حکم اور دستورِ صریح ہے۔ آپ کسی بھی مدرسے میں جا کر پوچھ لیں کہ روزانہ کے پیریڈز اور سلیبس کی کتنی کتابوں میں وحدت کے بارے میں اسباق موجود ہیں تو آپ کو اس بات کا اندازہ ہو جائے گا۔ پس ہر سطح پر اس تفرقہ کو بھڑکانے کے لئے تفرقہ پر مبنی لٹریچر، اسلحہ و پیسے تقسیم کیے گئے، مہرے، تنظیمیں اور دہشت گرد گروپ بنائے گئے جس کا نتیجہ پورے ملک میں دہشت گردی اور نا امنی کی صورت میں سامنے آیا ہے۔

نا امنی میں لٹیروں کا فائدہ

اس نا امنی میں سیاسی حلقوں کا بھی عمل دخل ہے کیونکہ جتنا ملک نا امن رہے گا ان کو اتنے زیادہ مفادات حاصل ہوں گے۔ جب ملک میں آٹے، چینی وغیرہ کا بحران ہو تو سمگلروں اور ذخیرہ اندوزوں کی چاندی ہو جاتی ہے کیونکہ پھر وہ لوگوں سے چار گنا زیادہ قیمتیں وصول کرتے ہیں۔ اسمگلروں اور ذخیرہ اندوزوں کی عید پہلی شوال کو نہیں ہوتی بلکہ ان کی عید اس دن ہوتی ہے جس دن ملک میں کسی چیز کا بحران پیدا کیا جاتا ہے۔ جب 8 اکتوبر 2005ء میں پاکستان کے شمالی علاقوں میں زلزلہ آیا تھا کہ جس میں لاکھوں لوگ لقمۂ اجل بنے تھے اور متاثرین (Victims) ابھی تک موجود ہیں اس دوران ایک تاجر کہ جن کا Equipments کا کاروبار ہے

بڑے خوش تھے۔ انہوں نے یہ جملہ بھی کہا کہ الحمدللہ زلزلہ آیا ہے اور اب ہمارا کاروبار زیادہ چلے گا۔ انہوں نے تیس سال میں اتنا نہیں کمایا تھا جتنا ان دس دنوں میں کمالیا، یعنی لوگ بحرانوں میں خوش ہوتے ہیں۔ اسی طرح کچھ لوگ مذہبی جھگڑوں اور افراتفری میں خوب کماتے ہیں کیونکہ ان کو فراوان درآمد ہوتی ہے۔

تعلیم برائے تفرقہ بازی

آج دشمن نے تفرقہ کے ہتھیار کو تیز کرلیا ہے۔ جس طرح سیاست میں دشمن کے مہرے ہیں انہی طرح مذہب میں بھی اُس کے مہرے ہیں جن کا کام فقط تفرقہ پھیلانا ہے اور انہوں نے تفرقہ کے علاوہ کوئی اور مضمون پڑھا ہوا نہیں ہے۔ مشہور صحابیٔ رسولؐ حضرت عمار یاسرؓ کا ایک دن صدرِ اسلام کی ایک بڑی شخصیت سے کسی بات پر اختلاف ہوگیا۔ امیر المومنین علیہ السلام کو جب پتہ چلا کہ تو آپ علیہ السلام نے حضرت عمار یاسرؓ کو بلا کر منع کیا کہ اس شخص کے منہ نہ لگا کرو۔ عمار یاسرؓ نے کہا کہ اُس نے بات ہی ایسی ٹیڑھی کردی تھی کہ مجھے بولنا پڑا۔ حضرتؑ نے فرمایا کہ یہ بڑا پڑھا لکھا ہے، قرآن، تفسیر، حدیث اور بڑے علوم جانتا ہے لیکن اس نے یہ سارے علوم اس لئے نہیں پڑھے کہ ان سے ہدایت حاصل کرے بلکہ اس لئے پڑھے ہیں کہ ان علوم کی مدد سے اپنے گناہوں کی توجیح اور تاویل کرسکے۔ بعض اوقات یہ نہ سمجھا کریں کہ جو بھی پڑھ لکھ جاتا ہے وہ عالم بن جاتا ہے اور دین کی خدمت کرتا ہے بلکہ بعض لوگ پڑھے ہی اس لئے ہیں کہ تفرقہ پھیلائیں۔

تفرقہ کی بیماری کے اثرات

مسلمانوں کے اندر تفرقہ وہ بیماری ہے جس نے ان کے وجود کو ختم کردیا ہے جیسے ایک پہلوان کو سرطان ہو اور وہ ظاہراً بڑا پھیلا اور پھولا ہوا ہو لیکن سرطان نے اس کے سارے وجود کو اندر سے کھوکھلا کردیا ہو تو اب اس سے کوئی بچہ بھی نہیں ڈرتا کیونکہ اس کو معلوم ہے کہ یہ کھوکھلا پہلوان ہے۔ اگرچہ جہانِ اسلام بظاہر بڑا پھلا پھولا ہوا ہے لیکن اس پھولے ہوئے جثہ سے کوئی بھی نہیں ڈرتا حتیٰ ایک ضلع کے برابر ملک ڈنمارک بھی نہیں

ڈرتا کیونکہ تفرقہ نے امتِ مسلمہ کو ضعیف و کمزور کر دیا ہے۔ نہ یہ بڑی بڑی مسلمان فوجوں سے ڈرتا ہے چونکہ اُس کو معلوم ہے کہ ان ایک ارب کے اندر اتحاد نہیں ہے۔

مسلمان تعداد، رقبہ، ثروت، معدنی وسائل اور ہر چیز میں ان سے زیادہ ہیں لیکن اس کے باوجود تفرقہ کی وجہ سے ضعیف و کمزور ہیں۔ یہ ایک دوسرے کو قبول نہیں کر سکتے۔ انہوں نے ایٹم بم ایک دوسرے کے اوپر مارنے ہیں۔ یہ اسلحہ ایک دوسرے کے اوپر چلاتے ہیں۔ ان کی اسلحہ کی کئی دیوالیہ فیکٹریاں مسلمانوں کی وجہ سے چل رہی ہیں۔ انٹرنیٹ پر ایسی ویب سائٹس موجود ہیں جہاں آپ اس بات کی تصدیق کر سکتے ہیں کہ ان کی کتنی میزائل، ٹینک، ہیلی کاپٹر اور جنگی جہاز بنانے والی کمپنیاں دیوالیہ ہو چکی تھیں لیکن گزشتہ چند سالوں میں انہی فیکٹریوں نے ریکارڈ نفع کمایا ہے کیونکہ انہوں نے مڈل ایسٹ کے اندر مسلمانوں کو تفرقہ کی آگ میں جھونک دیا ہے۔

اسرائیل میں چند ملین یہودی ہیں اور ان کے مقابلے میں عرب سرزمینوں پر رہنے والے مسلمان ان سے کئی گنا زیادہ ہیں۔ فقط ایک مصر، سوڈان یا سعودی عرب کے اندر اسرائیل سے چند گنا زیادہ آبادی موجود ہے۔ اگر ساری عرب دنیا ملے تو اسرائیل سے کئی گنا زیادہ آبادی موجود ہے اور اگر سارا جہانِ اسلام ملے تو اسرائیل اس کے اندر گم ہو جاتا ہے لیکن اس قدر آبادی کے باوجود جہانِ اسلام ان یہود و صیہونیوں کے مقابلے میں گم ہو جاتے ہیں۔

تفرقہ کے باعث آج دنیائے اسلام سب سے کمزور دنیا ہے اور مال و دولت، قدرتی وسائل، علم و ٹیکنالوجی اور مین پاور رکھنے کے باوجود بھی کمزور ترین حالت میں ہے۔ تمام دنیا میں آپ کو مسلمان لیبر ملے گی مثلاً یورپ و امریکہ میں بھی مسلمان لیبر ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ ان کے پاس پاور ہے لیکن ایک چیز نے سب کچھ پائمال کیا ہوا ہے اور وہ تفرقہ ہے۔ اس تفرقہ کی بیماری سے استفادہ کرتے ہوئے دشمن اسلامی دنیا کو اپنی حسب دل خواہ بنیادوں پر تقسیم کر رہا ہے۔

عراق میں شیطانی تقسیم کے اهداف

عراق کے اندر شیطانی تقسیم ہوئی اور وہ یہ تقسیم تھی کہ ان کے تین گروہ بنائے یعنی شیعہ، سنی اور کرد۔ یہ کرد تیسرا مذہب نہیں بلکہ ایک قوم ہے۔ عراق کے اندر دو بڑی قومیں عرب اور کرد ہیں۔ عرب شیعہ اور سنی ہیں اور کرد بھی سارے سنی ہیں لیکن جب عراق کو تقسیم کیا گیا تو عربوں کو دو حصوں یعنی سنی و شیعہ میں تقسیم کر دیا اور دونوں کے مقابلہ میں ایک تیسرا گروہ کھڑا کر دیا لیکن اس کو مذہبی تقسیم کا ٹائٹل نہیں دیا۔ یعنی انہوں نے عراق کو شیعہ، سنی اور کرد کے اندر تقسیم کیا ہے۔

کرد قومیت ہے جبکہ شیعہ اور سنی مذہب ہیں۔ اگر مذہب کو بنیاد بنا کر تقسیم کرنا ہے تو کہو مسلمان اور غیر مسلمان یا کہو شیعہ اور سنی چونکہ کرد سارے سنی ہیں، اگر قومیت کو بنیاد بنا کر تقسیم کرنا ہے تو کہو کرد اور عرب۔ اول تو انہیں تقسیم نہ کرو کیونکہ یہ سب عراقی ایک ملت ہیں، لیکن کردستان کیوں بنانا ہے؟ کیونکہ انہیں چند اسلامی ممالک مثلاً عراق، ایران، ترکیہ، سوریا کو توڑنا ہے چونکہ اسرائیل ایک مملکت کے ٹوٹنے سے بنا تھا۔ اب چار مملکتیں توڑ کر ایک کردستان بنانا ہے تاکہ مشرق وسطیٰ میں یہ ایک نیا ایشو کھڑا کیا جائے، یوں تمام عرب و غیر عرب کردستان کی طرف متوجہ ہو جائیں اور اسرائیل جو مدتوں سے اپنی سرحدیں نیل سے فرات تک بڑھانے کی آرزو لگائے بیٹھا ہے اُس کو کھلا میدان دے دیں۔ اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ عراق میں شیعہ و سنی کو الجھا دیں اور جب یہ دونوں ایک دوسرے کو مار مار کر کمزور ہو جائیں گے تو تنہا کرد رہ جائے گا کیونکہ وہ اس جنگ میں شریک نہیں ہے۔ انہوں نے کرد کو محفوظ رکھا ہوا ہے تاکہ یہ تیسرا فریق ایک الگ مملکت بنا لے اور اس طرح امریکہ کے جھنڈے کے نیچے اسرائیل جیسی ایک اور اسٹیٹ وجود میں آ جائے۔

یہ ان کی ایک سازش ہے تاکہ نئی مملکت کی آڑ میں اسرائیل محفوظ ہو جائے۔ اس وجہ سے انہوں نے عراق میں شیعہ اور سنی کو تقسیم کر کے کردوں کو الگ کر دیا ہے تاکہ جب سنی و شیعہ آپس میں لڑ لڑ کر کمزور ہو جائیں تو کرد ان ضعیفوں کے اوپر مسلط ہو جائیں۔ اس طرح عراق، ایران، ترکی اور سوریا توڑنا بھی آسان ہو جائے گا۔ یہ اپنے شیطانی منصوبہ میں چاہتے ہیں کہ مسلمان خود ایک دوسرے کو ماریں۔ وہ یہ نہیں چاہتے کہ ہماری فوجیں ان کو

وہاں جا کر ماریں کہ اگر کل تاریخ میں لکھا جائے کہ عربوں کو شکست کیوں ہوئی اور کرد کیوں غالب آئے؟ تو کوئی یہ نہ کہے کہ یہ امریکہ، یورپ نے کیا بلکہ یہ کہیں کہ یہ شیعہ سنی جنگ کا نتیجہ ہے۔

ان کا یہی نقشہ و منصوبہ پوری دنیا کے لئے ہے لیکن پاکستان میں اس کا کامیاب تجربہ کر کے آج اسے عراق و لبنان اور ساری دنیا کے اندر پھیلا رہے ہیں۔ اس طرح دشمنانِ دین خیالی مفروضوں اور توہمات کے ذریعہ اُمت مسلمہ کے اندر تفرقہ بڑھا کر گریٹر اسرائیل (Greater Israel) کا اپنا قدیمی منصوبہ پورا کرنا چاہتے ہیں تاکہ یہودیت کو پھلنے پھولنے کا موقع ملے اور اس کے اندر بعض نادان جنہوں نے ٹیڑھا دین سیکھا ہوا ہے اور جہنم کا نام جنت رکھا ہوا ہے وہ بھی ان کے آلۂ کار بن جاتے ہیں۔ اسی طرح دشمن جو آئے روز توہینِ رسالتؐ کا مرتکب ہو رہا ہے اس کا اہم سبب خود نادان مسلمانوں کا ایک دوسرے کے مذہب کی بے حرمتی کرنا ہے۔

دشمن نے توہین مذہب مسلمانوں سے سیکھی

دین کا مذاق اُڑانا بھی حرام ہے اور کسی کو مذاق اُڑانے کا موقع دینا بھی حرام ہے۔ آپ میں سے کوئی بھی پسند نہیں کرتا کہ اپنی ناموس کو عریاں کر کے معاذ اللہ بازار میں لے آئے، کوئی بھی یہ کام نہیں کرتا اور نہ کسی کو یہ کام کرنے کا موقع دیتا ہے۔ آج اسلام کی توہین، رسول اللہ ﷺ کی بے حرمتی، قرآن کی بے حرمتی، مقدسات کی بے حرمتی، سامرہ کی ویرانی میں خود اُمت مسلمہ کا بڑا ہاتھ ہے۔ اگر سامرہ کو تباہ و ویران کیا گیا تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ شیعہ نے حرم کو ویران کیا ہے بلکہ وجہ یہ ہے کہ شیعہ متحد نہیں ہیں۔ اگر شیعہ متحد ہوں تو کوئی ان کے حرم کی طرف میلی آنکھ سے دیکھنے کی کوشش نہیں کر سکتا۔ اگر شیعہ اور سنی متحد ہو جائے تو شیعہ اور سنی کے نبیؐ کی طرف کوئی میلی آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔ ہمیں کمزور، ضعیف و ناتوان دیکھ کر اُن کو جرأت پیدا ہو جاتی ہے۔

زمانہ قدیم میں انڈیا کے ایک نگون بخت نے اسلام کے خلاف ایک کتاب لکھی تھی اور اس کے اکثر حوالے خود مسلمانوں ہی کی کتابوں سے دیئے تھے۔ اسی طرح منحوس و مرتد سلمان رشدی ملعون کہ جس کے مُھدُورُالدَّم ہونے کا فتویٰ خود امام خمینیؒ نے دیا ہے، اس ملعون نے بھی رسول اکرم ﷺ کی توہین میں کتاب لکھی

دشمن نے توہین مذہب مسلمانوں سے سیکھی

تھی اور اس توہین آمیز کتاب کے بھی اکثر مستندات خود مسلمانوں سے لئے گئے ہیں۔ مسلمان خود دوسروں کو بے حرمتی کی راہ دکھاتے ہیں۔

اگر مسلمان خود ایک دوسرے کی بے حرمتی نہ کریں تو امریکہ یا ڈنمارک کبھی بھی مسلمانوں اور مقدسات دین کی بے حرمتی نہیں کرے گا یعنی مسلمان جب ایک دوسرے کے مذہب کی توہین کرتے ہیں تو اس وقت ڈنمارک، ہالینڈ، اسرائیل، امریکہ، یورپین یونین، نیٹو اور یہود و نصاریٰ سب کچھ سیکھ لیتے ہیں۔

ایران میں چونکہ امام زادوں کی قبریں زیادہ ہیں لہٰذا فارسی زبان میں ایک ضرب المثل ہے کہ اگر امام زادے کے مزار کا احترام متولی نہ کرتا ہو تو باہر سے آنے والے بھی اس کی حرمت کا خیال نہیں رکھتے۔ اگر مسجد کا خیال متولی مسجد نہ کرتا ہو تو باہر سے آنے والے بھی اس کی حرمت کا خیال نہیں رکھتے۔ آپ تجربہ کر کے دیکھ لیں اور اپنی مسجد میں جوتے پہن کے چلے جائیں تو دوسرے بھی جوتے پہن کے ہی جائیں گے۔ وہ سارے کام ہم سے سیکھیں گے۔ اگر میں دوسرے کے مذہب کی توہین کروں اور وہ میرے مذہب کی توہین کرے تو تیسرا جو ہم دونوں کے مذہب سے کوئی تعلق نہیں رکھتا وہ اٹھ کر ہم دونوں کی مقدس ہستی کی توہین کرے گا۔ ایسے اعمال انجام دینے کا مطلب درحقیقت ان کو ماڈل فراہم کرنا ہے۔

قرآنی کی توھین کا فراموش شدہ مصداق

بعض لوگ تفرقہ ڈال کر سینہ تان کر اور گردن اکڑا کر کہتے ہیں کہ آج میں نے اُس کے مذہب کی ایسی تیسی کر دی حالانکہ یہ قرآن کی ممنوعہ چیز کے مرتکب ہوتے ہیں۔ یہ ایسے ہی ہے کہ کوئی شراب پی کر سینہ تان کر کہے کہ آج میں نے قرآن کی فلاں آیت کو نعوذ باللہ دھتکار دیا۔

اگر آج کوئی حرمت قرآن و رسول ﷺ پائمال کر رہا ہے تو یہ گستاخی اُس کو نام نہاد مولوی نے سکھائی ہے کہ جو تفرقہ ڈال کر قرآن کی توہین کرتا ہے۔ جو وحدت کے خلاف آواز اُٹھا کر قرآن کی توہین کرتا ہے۔ قرآن کی تکذیب و توہین صرف یہی نہیں ہے کہ آیت لکھ کر اُس کے اوپر کوئی گستاخانہ حرکت انجام دی جائے بلکہ قرآن کی

قرآنی کی توہین کا فراموش شدہ مصداق

توہین اس سے بھی ہوتی ہے کہ جب وحدت کو سازش کہا جائے اور تفرقہ کو عبادت سمجھ کر انجام دیا جائے۔ یہ

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا......[1]

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ......[2]

وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ......[3]

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ......[4]

بلکہ قرآن، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہلبیت علیہم السلام کی توہین ہے۔

تفرقہ سب طبقوں کیلئے باعث ذلت

شیطان نے خدا کی عزت کی قسم کھائی ہے کہ اے پروردگار تیری عزت کی قسم! میں اولادِ آدم کو ذلیل و رسوا اور خوار کرنے کیلئے ایسے حربے استعمال کروں گا کہ ان کی آبرو جاتی رہے گی۔ خواہشاتِ نفسانی انسان کی رسوائی، ذلت اور زبونی کا ایک ذریعہ ہیں۔ خواہش پرستوں اور ہوس رانوں کو شیطان فساد و فاحشہ کے ذریعہ بہت جلد رسوا کر دیتا ہے۔ فساد و فاحشہ اور خواہشاتِ نفسانی سے فقط فاسق و فاجر ذلیل ہوتا ہے لیکن متقی اور پرہیزگار ذلیل نہیں ہوتا کیونکہ اس کو اپنی خواہشات پر کنٹرول ہوتا ہے۔ المیہ یہ ہے کہ تفرقہ ایسی چیز ہے جس سے اُمت کا متقی، مومن، سیکولر، زہاد، عباد، عالم، جاہل، حکمران اور لاتعلق سبھی ذلیل ہو جاتے ہیں چونکہ تفرقہ ایک آگ کی طرح ہے اور آگ میں اتنا شعور نہیں ہوتا کہ کس کو جلائے اور کس کو نہ جلائے بلکہ جو بھی اس کی زد میں آتا ہے اس کا کام اسے جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دینا ہے۔ مسلمانوں کی رگ رگ میں تفرقہ کا زہر یونہی سرایت نہیں کر گیا ہے بلکہ اس کے پیچھے صدیوں کی محنت کارفرما ہے جس پر تحقیق کی ضرورت ہے تا کہ اس کے عوامل و اسباب سے آشنائی ہو سکے اور اس کے برخلاف وحدت کی کوششوں کو عمل میں لایا جائے۔

---

[1]......(سورۂ آلِ عمران، آیہ ۱۰۳) [2]......(سورۂ آلِ عمران، آیہ ۱۰۵) [3]......(سورۂ انفال، آیہ ٤٦) [4]......(سورۂ حجرات، آیہ ۱۰)

تفرقہ میں محنت اور وحدت ایک زحمت!

اگر یونیورسٹی (University) کی سطح کے طلبہ تفرقہ پھیلانے والوں کی کوششوں کے بارے میں میں تحقیق کر کے تھیسس (Theses) لکھیں تو لوگ حیرت زدہ ہو جائیں گے کہ تفرقہ بازوں نے امت مسلمہ کو تباہ کرنے کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا ہے۔ اس وقت تک تفرقہ ڈالنے کیلئے جو کچھ ہوا ہے چاہے وہ کسی کی جانب سے بھی ہو، ممکن ہے کسی نے عالم بن کر، خطیب بن کر، مصنف و مؤلف یا سنی وشیعہ بن کر کسی بھی عنوان سے تفرقہ ڈالنے کی کوشش کی ہو اگر ان سب کو اکٹھا کیا جائے تو ہزاروں کتابیں وجود میں آجائیں گی۔

میں اس کا صرف ایک نمونہ پیش کرتا ہوں کہ کئی سال قبل پاکستان کے ایک معروف کتاب شناس کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع ملا۔ ان سے کتابیات سے متعلق رائے لینا تھی تو انہوں نے اپنی تحقیق شدہ بات بتائی کہ ڈھائی ہزار کتابیں فقط تشیع کے خلاف لکھی گئیں ہیں۔ ان کے پاس وہ سارا ذخیرہ موجود بھی تھا اور یہ وہ کتابیں ہیں جو اُردو میں لکھی گئی ہیں نہ کہ جو عربی وغیر عربی زبان کی ترجمہ شدہ ہیں۔ اب فرض کر لیں کہ مختلف فرقوں کے خلاف بھی اتنا ہی مواد موجود ہو تو پوری ایک لائبریری وجود میں آجائے گی حالانکہ ملک کی اکثر لائبریریوں میں جائیں تو وہاں ایک ہزار کتابیں بھی موجود نہیں ہوتیں۔ یہ وہی کام ہے کہ

وَيَقْطَعُوْنَ مَآ أَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ أَنْ يُّوْصَلَ......[1]

اور جسے خدا نے جوڑنے کا حکم دیا ہے اسے کاٹ دیتے ہیں......

یعنی یہ قطع تعلق اور قطع ارتباط ہے۔ اگر دلیل و برہان پر مشتمل تحقیقی کتاب ہو جو معلومات وحق کی تلاش کیلئے ہو تو میں اُس کو تفرقہ کے زمرے میں شمار نہیں کرتا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اب تحقیق کے دروازے بند کر دیئے جائیں۔ یہ چیز نہ ہمارے لئے مفید ہے اور نہ ہماری نسلوں کیلئے مفید ہے بلکہ تحقیق کا در آخر تک کیلئے کھلا ہوا ہے، لیکن تحقیق کی زبان اور ہوتی ہے۔ تحقیق کی زبان دلیل، برہان، حوصلہ، صبر، برداشت و شرح صدر کی زبان

تفرقہ میں محنت اور وحدت ایک زحمت!

---

[1]......(سورۂ بقرہ، آیہ ۲۷)(سورۂ رعد، آیہ ۲۵)

ہوتی ہے۔

لیکن تفرقہ انداز زبان ایک الگ زبان ہوتی ہے کہ جس میں زہر ہوتا ہے۔ جیسے بعض لوگ گھروں، محلوں اور آفسوں میں ایک دوسرے کے خلاف طنز وطعنہ کی زبان استعمال کرتے ہیں تو اس میں زہر بھرا ہوتا ہے۔ جس طرح تلوار کا زخم ہوتا ہے اسی طرح زخمِ زبان، زخمِ قلم و زخمِ سخن بھی ہے کہ جو اُمت کے وجود پر گہرے گھاؤ پیدا کر دیتا ہے۔ آج ہماری اُمت زخمی، رنجور و نڈھال ہے اور اس کے پیکر میں مندمل نہ ہونے والے زخم پڑ چکے ہیں جن کا کوئی مرہم و مداوا نہیں کرتا۔

اس کے مقابلے میں وحدت قرآن کا دستور ہے لیکن اگر آپ تمام مذاہب وفرق کی لائبریروں میں جائیں تو شاید آپ کو دس کتابیں بھی وحدت کے اوپر نہ ملیں کہ جن کے اندر اُمت کو وحدت کی طرف بلایا گیا ہو، وحدت کے اصول بیان کئے گئے ہوں، وحدت کی اہمیت ذکر کی گئی ہے اور وحدت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہو۔ میں چیلنج کا لفظ نہیں استعمال کرتا لیکن دعوت دیتا ہوں کہ آپ پاکستان بھر کی لائبریریاں گھومیں لیکن اگر آپ کو وحدت کے اوپر تین کتابیں مل گئیں تو آپ کو جائزہ ملے گا۔

اسی طرح جب لوگ تفرقوں کے ماحول میں تربیت پاتے ہیں تو ان کے مزاج میں تفرقہ آجاتا ہے۔ بعض دوستوں کے بقول آج مسلمانوں کے ڈی این اے (DNA) کے اندر بھی تفرقہ سرایت کر چکا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے وحدت کا ماحول نہیں بنایا ہے، اس پر تاکید نہیں کی ہے اور وحدت کے موضوع کو کھولا نہیں ہے حتیٰ المیہ یہ ہے کہ جو آیات وحدت کے بارے میں ہیں ان آیات کے ذیل میں تفاسیر کے اندر دو تین جملے لکھ دیئے گئے ہیں کہ گویا ان آیات کے اندر کوئی مضمون اور کہنے کے لئے کوئی بات ہی نہیں ہے۔ ان آیات سے مسلمین و مومنین کیلئے وحدت اور اس کے منشور پر ایک کتاب وجود میں آسکتی ہے لیکن ان آیات کے اوپر کہنے اور لکھنے کو ضرورت ہی نہیں سمجھا گیا۔ اختلاف حل بھی ہو جاتا ہے لیکن جب اختلاف تفرقہ بن جائے تو پھر تباہ و برباد کر دیتا ہے اور اس کا کوئی راہِ حل نہیں ہوتا۔

میں ایک معمولی سا طالب علم ہونے کے ناتے آپ کی خدمت میں عبرت کے لئے یہ درج کر رہا ہوں

تفرقہ میں عزت اور وحدت ایک زحمت!

کہ جب ہم نے چند علماء کو اکٹھا کیا اور ان سے کہا کہ آئیں ہم مسلمین کے سامنے اپنے دین و امت اور اپنے ملک کی بقاء و دفاع کیلئے وحدت کے پیغام کو عام کریں تو انہوں نے حامی بھر لی لیکن پھر بعض علماء سے جب یہ چاہا کہ آپ وحدت کے اوپر کچھ لکھیں تو انہیں مشکل پیش آئی اور کہا کہ وحدت کے اوپر دو تین آیات اور چند حدیثوں کے علاوہ میٹر (Matter) ہی نہیں ہے لہٰذا ہم یہ مواد کہاں سے لائیں؟! ہم لکھنے کے لئے تو تیار ہیں اور قائل بھی ہیں لیکن میٹر کہاں سے لائیں؟!

یہ ایک المیہ ہے کہ وحدت جو قرآن و دین کا اہم ترین رکن ہے اس کے اوپر مواد نہیں ہے اور جس چیز سے قرآن نے روکا ہے اُس کے بارے میں ہزاروں کتابیں موجود ہیں یعنی تفرقہ کے بارے میں لائبریری مل جائیں گی۔ اگر انہیں کہا جائے کہ آپ نے وحدت کے اوپر ایک گھنٹہ گفتگو کرنی ہے تو کہتے ہیں کہ ہمارے پاس وحدت کے اوپر میٹر ہی موجود نہیں ہے۔ وحدت کے موضوع پر میٹر کیوں موجود نہیں ہے؟ چونکہ جن کا کام اس قرآنی موضوع کو کھولنا تھا انہوں نے ''لاتفرقوا'' کے بجائے ''تفرقوا'' پر اتنا زیادہ کام کیا کہ اس سے لائبریریاں بھر دیں۔ خدا نے وحدت کے لئے انبیاء علیہم السلام مبعوث فرمائے اور قرآن نازل کیا لیکن اس وحدت پر مسلمانوں کے پاس آج کتابیں اور لٹریچر (Literature) موجود نہیں ہے۔

قرآن مجید نے جن چیزوں کا ضمنی تذکرہ کیا ہے جو اصلی موضوع کا حصہ بھی نہیں ہے اس کے بارے میں جلدوں کی جلدیں لکھ دی گئی ہیں لیکن جب مفسرین وحدت کی آیت پر پہنچتے ہیں تو ایسے لگتا ہے کہ واقعاً ان کے پاس میٹر (Matter) نہیں ہے۔ مثلاً تفاسیر میں حضرت آدم علیہ السلام نے جنت میں جو دانا کھایا تھا اس دانے کی تشخیص سے متعلق صفحات کے صفحات لکھے ہوئے ہیں حالانکہ اُس دانے کو جاننا ضروری نہیں ہے۔ اگر ضروری ہوتا تو خداوند تعالیٰ قرآن میں ذکر فرما دیتا۔ اہم بات دانے کا اظہار کرنا نہیں تھی بلکہ مہم یہ بتانا تھا کہ اللہ کی ممنوعہ چیز کے قریب مت جاؤ ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔ حضرت آدمؑ اُس شجرۂ ممنوعہ کے قریب گئے تو نقصان اٹھایا اسی طرح تفرقہ بنی آدمؑ کیلئے شجرۂ ممنوعہ ہے اور اس انسان اس شجرۂ ممنوعہ کے پاس گیا تو اُس کا بھی نقصان ہوگا۔ آج آپ کو تفرقہ پر اتنا مواد ملے گا کہ آپ کی عمر کم ہو جائے گی لیکن وہ میٹر (Matter) ختم نہیں ہوگا لیکن اس ملک کے اندر ہماری نسل کو

وحدت کے اوپر ایک جلد کی کتاب بھی نہیں ملتی۔ خصوصاً پاکستان میں لوگوں کی ساری توانائیاں تفرقہ پھیلانے میں صرف ہوجاتی ہیں جبکہ یہاں وحدت ایک تصوراتی اور زحمت آور شے کا نام ہے۔

پاکستان تفرقہ کیلئے آمادہ سرزمین

کچھ فصلیں ایسی ہوتی ہیں جو کسی خاص سرزمین پر ہی اُگتی ہیں مثلاً کھجور اور آم ہر جگہ نہیں اگتے۔ شمالی علاقہ جات میں آم نہیں پایا جاتا اور اگر آپ کاشت کریں تو بھی نہیں اگتا لیکن نشیبی پنجاب میں کوئی چیز اُگے یا نہ اُگے لیکن یہاں آم اُگ جاتا ہے اور پھل دیتا ہے چونکہ یہ خطۂ زمین آم اگانے کیلئے آمادہ ہے۔ پاکستان کے اندر ہمارا معاشرتی ماحول اور ہمارے دلوں کی سرزمین فتنوں اور تفرقہ کیلئے آمادہ ہوگئی ہے لہذا اگر کوئی اس میں تفرقہ کا بیج بوئے تو یہ فوراً پھوٹ پڑتا ہے اور تناور درخت بن کر پھل دینا شروع کر دیتا ہے، لیکن اس کے اندر وحدت جتنی بھی کاشت کریں وہ بیج ہی مرجاتا ہے۔ ہمیں اس کو تبدیل کرنا ہے۔

پاکستان میں تفرقہ سازی کے کارخانے

جس طرح کارخانوں میں کچھ ماہرین ایسے موجود ہوتے ہیں جن کا کام خام مال سے کوئی پراڈکٹ (Product) تیار کرنا ہوتا ہے۔ اسی طرح کچھ ماہرین ایسے ہیں جو خام اختلاف سے تفرقہ کا پروڈکٹ تیار کرتے ہیں۔ اسی (80) کی دہائی میں جب اس ملک کے اندر تفرقہ کا بیج بویا جارہا تھا تو منبروں پر کیسی زبان اور لہجہ استعمال ہوتا تھا اور پھر وہ وقت آگیا کہ اسی کی دہائی ابھی ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ اُس مواد نے قتل و غارت کی شکل اختیار کرلی۔ ملت کی پاکیزہ ترین شخصیات اس سے ہاتھ سے چھین لی گئیں۔ ۲۰۰۰ء کی پہلی دہائی میں منبروں پر پھر وہی لب ولہجہ استعمال ہوا لیکن اب یہ لب ولہجہ شیعہ اور شیعہ کے درمیان ہے۔ یہ ہمیں تقسیم کرنا چاہتے ہیں تاکہ جدا جدا کر کے ہمیں نابود کردیں۔

یہ حقیقت محض ہے کہ پاکستان کے اندر ایسے ادارے موجود ہیں جو ایران میں سنی و شیعہ جنگ شروع

کرانے کیلئے ایرانیوں کو تربیت دے رہے ہیں تا کہ یہ ایران جا کر وہی ماحول بنائیں جو پاکستان میں ہے۔ یہ ٹیکنالوجی فقط پاکستان میں ہے اور یہاں تفرقہ ڈالنے والے بڑے بڑے ماہرین قیام پذیر ہیں۔ دنیا کی بڑی شیطانی طاقتوں نے بھی اپنی تفرقہ ساز اکیڈمیوں کو پاکستان منتقل کر دیا ہے جیسے جاپان، کوریا اور یورپ سستی لیبر کی وجہ سے اپنی فیکٹریاں چائنہ لے گئے ہیں اسی طرح تفرقہ ڈالنے والوں نے اپنی ساری فیکٹریاں پاکستان منتقل کر دی ہیں کیونکہ یہاں فری لیبر جنت جانے کیلئے قربتہً الی اللہ سارے کام کرتا ہے۔ دوسرے ملک میں یہی کام ان کو کروڑوں روپے دے کر کروانے ہوتے ہیں جو پاکستان میں مفت ہو جاتے ہیں۔

رسول اکرم ﷺ کی نظر کرم کی شرط

آج ہم نعت کے ذریعہ ورد کرتے ہیں کہ ایک نظر کرم ہم پر بھی ڈالئے لیکن نظر کرم کی شرط یہ ہے کہ ہم آپس میں متحد ہوں کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اوس وخزرج پر اسی وقت نظر کرم کی کہ جب وہ اپنی دشمنیاں بھلا کر آپس میں متحد ہوئے۔ ہمارے جوانوں کے اوپر ایک نظر کرم کی اشد کی ضرورت ہے۔ ایک نظر کرم سے پاکستان کے حالات بدل سکتے ہیں لیکن نظر کرم کی شرط یہی ہے کہ یہ قوم پہلے آپس کے جھگڑے ختم کر کے متحد ہو۔ تفرقہ کے ساتھ اگر ہم ہزار سال بھی نظر کرم کیلئے درخواست کرتے رہیں تو بے سود ہے۔ اس دور کو دشمن نے تقسیم کا زمانہ اور مسلمان کی مسلمان کے ساتھ جنگ کا زمانہ قرار دیا ہے۔ اس تفرقہ کی جنگ کو روکنے کا ذریعہ جنگ لڑنا نہیں ہے بلکہ اتحاد و وحدت ہے۔ دشمن نور اسلام کو بجھانا چاہتا ہے اور وہ بہت آسانی سے تفرقہ کا سہارا لے کر اسلام و مسلمین کو خطرے اور تباہی کی راہ پر ڈال سکتا ہے۔ خدا وہ دن نہ لائے کہ جب دشمن اپنی مذموم سازشوں اور منحوس نقشوں میں کامیاب ہو جائے۔ دشمن کا عالمی شیطانی نظام قائم کرنے کا خواب اس طرح شرمندۂ تعبیر ہو سکتا ہے کہ اُمتِ مسلمہ کے اندر یہ تفرقہ جاری رہے اور بڑھتا رہے۔

امام خمینیؒ اور رہبر معظم مدظلہ کی صدا، منتظرِ لبیک

تفرقہ سے مقصدِ رسالت، رسول اللہ ﷺ کی زحمت، ائمہ طاہرینؑ اور کربلا میں سید الشہداءؑ کی قربانی کا اثر ضائع ہوتا ہے۔ ان باتوں کو سرسری نہیں لینا چاہئے۔ یہی وجہ ہے کہ امام خمینیؒ نے فرمایا تھا کہ ہمیں اسلامِ محمدیؐ، اسلامِ ناب، اسلامِ خالص یعنی اسلامِ اصلی کی طرف آنے کی ضرورت ہے جس اسلام کے اوپر خرافات کا رنگ نہ چڑھا ہوا ہو، جس اسلام میں من گھڑت مفروضے نہ ہوں، جس اسلام کے اندر فقط لوگوں کی اپنی من خواہ باتیں نہ ہوں بلکہ وہ اللہ کا خالص دین ہو۔

رہبر معظم حضرت آیۃ اللہ خامنہ ای مدظلہ نے علمائے اسلام کو بعنوانِ ولی امر و والی یہ حکم دیا کہ تمام علمائے اسلام متحد و متفق ہو جائیں اور سب سے پہلا کام یہ کریں کہ وحدت کا ایک عملی منشور تدوین کریں اور اس کو امتِ مسلمہ کے سامنے رکھیں۔ جس کے اندر تمام جزئیات درج کریں کہ مسلمانوں نے کن کن چیزوں میں آپس میں اتفاق کرنا ہے، کن مواقع کو برطرف کرنے کی ضرورت ہے، کن موضوعات کو چھیڑنے کی ضرورت ہے اور کن چیزوں سے اجتناب کی ضرورت ہے۔ یہ کام عوام نہیں کر سکتے بلکہ علماء کر سکتے ہیں لیکن جب علماء کی طرف سے یہ کام ہو جائے تو پھر عوام کا کام اس پر عمل کرنا اور اس کو نافذ کرنا ہے۔ اگر یہ کام ہو جائے تو پھر ممکن نہیں ہے کہ پاکستان کی سرزمین تفرقہ کی لیبارٹری بن جائے۔

رہبر معظم حضرت آیۃ اللہ خامنہ ای مدظلہ کا فرمانا ہے کہ جو شخص بھی تفرقہ آمیز بات کرے کہ جس سے کسی مسلمان یا فرقہ کے مقدسات کی توہین ہوتی ہو تو ایسی بات لکھنا اور کرنا گناہ و جرم ہے۔ تفرقہ ایجاد کرنا اور پھیلانا بارگاہِ خداوند تعالیٰ میں معصیت ہے اور اس کا مرتکب انسان مستحقِ سزا ہے۔ مجتہدین کو خداوند تبارک و تعالیٰ نے زمانۂ غیبت کبریٰ میں عوام کیلئے حجت قرار دیا ہے تاکہ اُمت کی رہنمائی کر سکیں اور رہبر مجتہدین کے اوپر بھی حجت ہے۔ رہبر فقط ایک مرجع تقلید ہی نہیں ہوتا بلکہ مرجع تقلید کے اوپر بھی حجت ہوتا ہے۔ اگر ولی امر مسلمین نے یہ کہہ دیا ہے کہ اُمت کے اندر تفرقہ ڈالنا حرام ہے تو کسی مرجع تقلید کو بھی یہ حق نہیں پہنچتا اور اس کے اوپر بھی حرام ہو جاتا ہے کہ وہ اُمت کے اندر تفرقہ ڈالے یا کوئی ایسا فتویٰ دے جس کے ذریعہ تفرقہ پڑتا ہے۔ یہ شجرۂ ممنوعہ ہو جاتا ہے

امام خمینیؒ اور رہبر معظم مدظلہ کی صدا، منتظرِ لبیک

اور اس کی حرمت شدید تر ہو جاتی ہے۔ انشاء اللہ فصلِ ششم میں اُمتِ مسلمہ کے حالات اور ان کے تناظر میں اُمت کے فرائض کی نشاندہی کی جائے گی۔

فصل ششم:

امتِ مسلمہ کے حالات
اور
ہمارا فریضہ

امت کے حالات، باعثِ اضطراب

اگرچہ ایامِ میلادِ پیامبرِ اکرم ﷺ کے مبارک موقع پر تمام عالمِ اسلام میں سرور، خوشی اور جشن کا سماں ہوتا ہے لیکن یہی ایام اپنے دامن میں کچھ ایسی تلخیاں بھی رکھتے ہیں کہ جن کی بناء پر ہر مسلمان اور صاحبِ ایمان انسان کا دل رنجیدہ وکبیدہ خاطر ہے۔ فلسطین کے اندر غزہ میں جو قیامت برپا ہے، ملتِ مظلومِ عراق جن حادثات کا شکار ہے، کشمیر میں اہلِ ایمان واہلِ اسلام پر جو ظلم وستم ہو رہے ہیں اور مملکت پاکستان کے اندر آئے دن رونما ہونے والے اتفاقات، قتل وغارت، ناامنی اور اس سے بھی زیادہ تکلیف وہ بات جو یقیناً آزار دہندہ واذیت ناک ہے وہ مسلمین کا تفرقہ ہے۔ رحمۃ للعالمین ﷺ کے دل میں تمام بشریت کا درد بھرا ہوا ہے۔ روحِ رسول ﷺ ان نااہل حکمرانوں کو دیکھ کر مضطرب ہے جو دشمن کے آلۂ کار بنے ہوئے ہیں اور امتِ مسلمہ کے گردے پہ سوار ہیں۔ اُمت کا سکوت اور خاموشی دیکھ کر رسول اللہ ﷺ کی روح مضطرب ومضطر ہے۔ یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ آج رسولِ اکرم ﷺ کا دل اُمت کے بارے میں جتنا پریشان ومضطرب ہے اتنی پریشانی کبھی لاحق نہیں ہوئی ہوگی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آج اُمت کو جن مصائب ومشکلات کا سامنا ہے اتنا تاریخ میں کبھی بھی سامنا نہیں رہا۔

رسولِ اکرم ﷺ پر تکالیف کے پہاڑ

سب سے بڑھ کر قلبِ نورانی وروحِ منور پیامبرِ اکرم ﷺ اُمت کو گروہ بندیوں میں بٹا ہوا اور ایک دوسرے کو دست بہ گریباں دیکھ کر یقیناً مضطرب ورنجیدہ ہے۔ یہ وہی صورتحال ہے جس کی گواہی قرآن بھی دیتا ہے کہ پیامبرِ اکرم ﷺ نے اپنی پربرکت حیات میں بہت زیادہ مشکلات، تکلیفیں اور مصائب اُٹھائے ہیں حتیٰ خود رسولِ اکرم ﷺ نے بیان فرمایا کہ

مَا أُوْذِيَ نَبِيٌّ مِثْلَ مَا أُوْذِيتُ......[1]

کوئی نبی اتنا نہیں ستایا گیا جتنا میں ستایا گیا ہوں۔ظاہر ہے وہ آزار جسمانی نہیں تھے کیونکہ آزار جسمانی کے لحاظ سے دیکھیں تو ہمیں تاریخ میں ایسے انبیاء علیہم السلام بھی ملتے ہیں جنہیں نادان قوموں نے نہایت بے دردی سے شہید کیا اور سخت ترین شکنجے دیئے حتیٰ بعض ایسے تھے جنہیں آرے کی مدد سے درمیان سے زندہ چیز دیا گیا لیکن اس کے باوجود پیامبر اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھے سب سے زیادہ ستایا گیا ہے۔حقیقت بھی یہی ہے، پیامبر اکرمؐ کو سب سے زیادہ تکلیف اُس وقت محسوس ہوتی تھی کہ جب مسلمین کے اندر کوئی ناچاقی، تفرقہ یا پھوٹ پڑ جاتی تھی۔

قرآن مجید نے بعض مواقع پر آپ ﷺ کی پریشانیوں کا تذکرہ کیا ہے مثلاً تبدیلیٔ قبلہ انہی موارد میں سے ایک نمونہ ہے۔جب قلب نورانی پیغمبر اکرم ﷺ مضطرب و پریشان تھا اور آپ ﷺ نے اس پریشانی کا اظہار بار بار بارگاہِ رب العزت میں کیا تو قرآن نے اسی پریشانی کو دیکھ کر فرمایا کہ ہم نے آپ ﷺ کی پریشانی دیکھ لی ہے،

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ......[2]

ہم آپ کو بار بار آسمان کی طرف منہ کرتے دیکھ رہے ہیں......

ہم نے آپ ﷺ کے چہرۂ نورانی کے اوپر تقلب، پریشانی، ناگواری اور بدلے ہوئے احوال کے آثار پڑھ لئے ہیں۔آپ ﷺ کی پریشانی کو دیکھ کر خداوند تبارک وتعالیٰ نے قبلہ مسلمین کو بدل دیا اور بیت المقدس سے کعبۃ اللہ کو قبلہ بنا دیا۔

---

[1]......(تفسیر المیزان،المولف : العلامة الطباطبائیؒ،الجزء٦،صفحه٢٩)(روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی،المؤلف: شهاب الدین محمود بن عبد الله الحسینی الألوسی،الجزء٤،صفحه٢٦٧)

[2]......(سورۂ بقرہ،آیه ١٤٤)

تاریخ بھی بتاتی ہے کہ آپ ﷺ کو شدید ترین پریشانیاں اس وقت پیش نہیں آئیں جب حضرتؐ کو ذاتی طور پر کوئی دکھ درد پہنچتا تھا بلکہ سب سے سخت پریشانیاں اس وقت ہوتیں جب امت کو کوئی مشکل پیش آجاتی تھی۔ کئی مقامات پر پیغمبر اکرم ﷺ اُمت کے لئے اتنے پریشان ہوئے کہ خداوند تبارک وتعالیٰ کو تسلی دینا پڑی کہ اے نبی ﷺ! آپؐ اس اُمت کی خاطر خود کو سختیوں میں نہ ڈالیں، چنانچہ قرآنِ کریم میں ارشاد ہوا:

مَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓی O [1]

ہم نے آپؐ پر قرآن اس لئے نازل نہیں کیا ہے کہ آپؐ اپنے آپ کو زحمت میں ڈال دیں۔

رنج اُمت اور الم رسول ﷺ

کچھ محافل ومجالس ایسی ہیں جن میں ہم خوش یا غم زدہ ہوتے ہیں لیکن کچھ محافل ومجالس ایسی ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ خوش یا غم زدہ ہوتے ہیں۔ روح وقلبِ نورانی پیغمبر اکرم ﷺ کو سب سے زیادہ خوشحال و مسرور کرنے والی چیز مقصدِ رسالت ونبوت کو زندہ کرنا ہے۔ ذاتِ گرامی پیغمبر اکرم ﷺ کا ہم وغم فقط اُمت کی فلاح، نجات، اصلاح، ہدایت اور انہی موضوعات سے مربوط چیزیں تھیں جو رسول اللہ ﷺ کے ذہن کو اپنی طرف مشغول رکھتی تھیں۔ آنحضرت ﷺ کے صبح وشام سعادتِ دنیاویٔ اُمت یا پھر اس کی نجاتِ اخروی کے لئے بسر ہوتے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ مقصدِ رسالت ونبوت میں تھا اور رسول اللہ ﷺ نے دو گراں قدر چیزیں امت میں چھوڑتے ہوئے فرمایا تھا:

اِنِّیْ تَارِکٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ کِتَابَ اللّٰہِ وَعِتْرَتِیْ اَھْلَبَیْتِیْ...... [2]

---

[1]......(سورۃ طٰہٰ، آیہ ۲) [2]......(بحار الأنوار - علامۃ المجلسیؒ، الجزء ۲، صفحہ ۲۲۶) (مستدرک الوسائل ومستنبط المسائل - میرزا حسین النوری الطبرسیؒ، الجزء ۷، صفحہ ۲۵۵) (تلخیص المتشابہ فی الرسم، المؤلف: أبو بکر أحمد بن علی بن ثابت بن أحمد بن مھدی الخطیب البغدادی، المتوفی: ۴۶۳ھ، الجزء ۱، صفحہ ۶۹۰) (وسائل الشیعۃ - الفقیہ المُحدّث مُحمّد بن الحسن الحُر العاملیؒ، الجزء ۱، صفحہ ۷۶)

بے شک میں تمہارے درمیان دو گراں قدر چیزیں چھوڑ کے جا رہا ہوں، ایک اللہ کی کتاب اور دوسری میرے اہلبیت علیہم السلام ......

یعنی یہ دونوں چیزیں شافع وفروعاتِ رسول اللہ ﷺ میں سے ہیں اور اصل واساس ذاتِ گرامی پیغمبر اکرم ﷺ ہے۔ قرآن واہلبیت علیہم السلام پیغمبر اکرم ﷺ کے دو وارث ہیں اور ساتھ یہ بھی فرما کر گئے کہ جب تک ان دو سے تمسک رکھو گے کبھی بھی گمراہ نہیں ہو گے۔ البتہ بعض روایات میں سنت بھی نقل کیا گیا ہے لیکن اس سے فرق نہیں پڑتا۔ عترت ذکر کیا جائے یا سنت مفہوم ایک ہی بنتا ہے۔ دونوں صورتوں میں یہ اُمت کی نجات کا ذریعہ ہیں۔

پیغمبر اکرم ﷺ اپنی ذات اور کھانے پینے کے امور کے بارے میں پریشان نہیں ہوتے تھے بلکہ اُمت کے بارے میں ہمیشہ پریشان رہتے تھے۔ خداوند تبارک وتعالیٰ نے سورۂ توبہ کے آخر میں یہی نکات بیان فرمائے ہیں کہ یہ پیغمبرؐ اُمت کی ہدایت پر حریص ہیں اور امت کی پریشانیاں، مشکلات اور سختیاں دیکھ کر مضطرب ہو جاتے ہیں کہ یہ مشکلات اُمت کو اپنے راستے سے بہکا اور بھٹکا نہ دیں۔ چنانچہ ارشادِ خداوندی ہے:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝[1]

یقیناً تمہارے پاس وہ پیغمبر آیا ہے جو تمہی میں سے ہے اور اس پر تمہاری ہر مصیبت شاق ہوتی ہے، وہ تمہاری ہدایت کے بارے میں حرص رکھتا ہے اور مومنین کے حال پر شفیق ومہربان ہے۔

ضروری نہیں ہے کہ ہم جن باتوں پر خوش یا پریشان ہوتے ہیں پیغمبر اکرم ﷺ بھی انہی باتوں پر خوش و پریشان ہوتے ہوں۔ ہمیں کھانا نہیں ملتا، پانی نہیں ملتا، بیٹھنے کی صحیح جگہ نہیں ملتی، گاڑی نہیں ملتی یا گرمی وسردی کے بڑھ جانے اور بجلی کے چلے جانے سے پریشان ہو جاتے ہیں لیکن رسول اللہ ﷺ کو یہ اندھیرا اور آب وخوراک

---

[1]......(سورۂ توبہ، آیہ ۱۲۸)

پریشان نہیں کرتی تھی بلکہ رسول اللہ ﷺ جب اپنی اُمت کے اندر کوئی گمراہ فرد دیکھتے تھے تو سخت پریشان ہوجاتے تھے۔ حتیٰ خداوند تبارک وتعالیٰ نے پیغمبر اکرم ﷺ سے فرمایا کہ اے نبیؐ! ہم نے آپ کو اس لئے مبعوث نہیں کیا کہ اُمت کی خاطر آپ اپنے آپ کو اتنی مشقت میں ڈالیں۔ آپ ﷺ ہدایتِ اُمت کی خاطر سب سے زیادہ پریشان ہوتے تھے۔ آج بھی اُمت کے اندر چند تلخیاں اور ناگواریاں موجود ہیں کہ جو رسول اللہ ﷺ کو تڑپاتی ہیں کیونکہ جس دل میں امت کیلئے سب سے زیادہ پاک جذبات واحساسات موجود ہوں اسے زیادہ تکلیف ہوتی ہے۔

رسول اکرم ﷺ کی تکالیف کی وجوہات

آج قلب و روحِ نورانیٔ پیامبر اکرم ﷺ مضطرب اور جریحہ دار ہے جس کی کئی وجوہات ہیں مثلاً دشمنانِ دین خصوصاً اہل مغرب کی طرف سے اسلام کی توہین، قرآن کی توہین، مقدساتِ اسلام کی توہین، مسلمین کی بے حرمتی اور خود رسولِ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی بے حرمتی جو کچھ عرصے سے مسلسل تکرار ہو رہی ہے۔

آج رسول اللہ ﷺ کی روح اور قلب نورانی مضطرب، رنجور اور دکھیا ہے۔ دلِ رسولؐ خون کے آنسو رو رہا ہے کیونکہ ابھی چند تلخیاں و ناگواریاں اُمت رسولؐ کے اندر موجود ہیں۔ کشمیر کے اندر ڈھائے جانے والے مظالم قلبِ نورانی پیغمبر اکرم ﷺ کو گریہ زار کرتے ہیں۔ اسی طرح عراق، افغانستان اور لبنان کے حالات رسول اکرم ﷺ کیلئے رنجیدگی کا باعث ہیں۔ دنیا میں مسلمین کے ساتھ جو سلوک اور برتاؤ ہو رہا ہے یہ سب باعثِ پریشانیٔ رسول خاتم ﷺ ہے۔ غیر اسلامی سرزمینوں میں مختلف جیلوں کے اندر میں اُمتِ مسلمہ کے ساتھ جو سلوک روا رکھا گیا ہے اور مسلمانوں کو بیہودہ بہانوں سے پکڑ کر انہیں شکنجوں کا نشانہ بنایا جا رہا ہے اس کے اوپر اُمت اور خصوصاً خواصِ اُمت کی خاموشی، سکوت اور تماشا بینی رسول اللہ ﷺ کو قطعاً پسند نہیں ہے۔

خواص میں سب سے پہلے ستاون اسلامی ممالک کے حکمران شامل ہیں۔ یہ تعداد کوئی معمولی قوت نہیں

ہے لیکن جب دشمنانِ اسلام کی گستاخیاں اور ظلم وستم عروج پر تھے تو انہی اسلامی سربراہان نے اسلامی سربراہی کانفرنس تشکیل دی اور اس میں بیٹھ کر روایتی انداز میں روایتی جملے کہے اور کھا پی کر واپس آ گئے۔ نہ کسی کی مذمت کی، نہ اسرائیل کو کوئی الٹی میٹم دیا، نہ اپنا سفیران کے ملک سے واپس بلایا، نہ اس کے ساتھ اقتصادی وسفارتی تعلقات ختم کئے بلکہ کچھ بھی نہیں کیا۔ اگر یہ ان میں سے ایک اقدام بھی کرتے تو ہم پھر بھی کچھ نہ کچھ سوچتے کہ ان کے اندر ابھی بھی دین کیلئے غیرت کی کوئی رمق موجود ہے۔ وہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس کے طفیل تمہیں ملک ملا کہ یہاں حکمرانی کرسکو اور عزت ملی اس رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتنا تو پاس کرو کہ جب اس رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین ہوتی ہے تو اس توہین کے اوپر احساسِ غیرت کر کے اپنی غیرت کا اظہار کرو۔

آج دشمنانِ دین کی طرف سے مقدساتِ دین کی بے حرمتی کا سیلاب امڈ آیا ہے کہ جن میں سے بعض اوقات ہم تک کچھ چیزیں پہنچتی ہیں اور کچھ نہیں پہنچتیں یا ہمیں کچھ چیزوں کو سننے اور سمجھنے کی فرصت نہیں ہوتی چونکہ ہمارے اپنے دھندے اتنے ہیں کہ ہمیں یہ بھی نہیں معلوم کہ اس وقت دنیا میں کیا ہو رہا ہے؟ حتیٰ اگر آپ یورپ یا امریکہ چلے جائیں اور آپ کے نام کے ساتھ لفظِ محمد آتا ہے تو آپ کو فوراً تفتیش کیلئے الگ کر لیں گے اور آپ پر شک کریں گے۔ ان کے میڈیا اور پلید ذہنوں نے ملک وملکوت کے سب سے زیادہ مبارک اور احترام والے نام کو بدنام کرنے کی کوشش کی ہے۔

خواص کا دوسرا طبقہ علمائے اسلام ہیں کہ جو اِن موجودہ حالات میں فقط اپنے اپنے امور یا اپنے حلقۂ خاص کے اندر مشغول ہیں لیکن اُمت کو اپنے حال پر چھوڑ دیا ہے۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ فرما کر گئے تھے کہ جو بھی یا اہلِ اسلام کی آواز سنے اور اس کی مدد نہ کرے اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیں بتا کر گئے تھے کہ

مَنْ اَصْبَحَ لَا يَهْتَمُّ بِاُمُوْرِ الْمُسْلِمِيْنَ فَلَيْسَ بِمُسْلِمٍ......[1]

---

[1]......(الکافی-الکلینیؒ، باب الاهتمام بامور المسلمین والنصیحة لهم ونفعهم، الجزء۲، صفحه ۱۶۳)

وہ مسلمان جو اپنے دن کا آغاز کرتا ہے اور اس دن مومنین و مسلمین کے لئے کوئی قدم نہ اٹھاتا اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ رسول ﷺ قطعاً آج اس خاموشی اور اس تماشا بینی کو برداشت نہیں کریں گے۔ اسی طرح متولیانِ دین اور سرکردہ افرادِ اُمت کی نجات کے لئے کوئی خاطر خواہ اقدام و اہتمام انجام نہیں دے رہے بلکہ اُمت کے حالات پر خاموش مجسمۂ حیرت بنے ہوئے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کیلئے توہین آمیز فلموں، خاکوں اور اُمت مسلمہ کے اوپر ڈھائے جانے سے زیادہ تکلیف دہ بات اُمت مسلمہ کے اندر تفرقہ ہے۔ یہ چیز رسول اللہ ﷺ کو میرے نزدیک سب سے زیادہ پریشان کرتی ہے کیونکہ یہ توہین آمیز خاکے اور فلمیں نہ اسلام مٹا سکتی ہیں اور نہ مسلمین کو ختم کرسکتی ہیں بلکہ فقط ہمارے دلوں کو مجروح کرسکتی ہیں۔ ان مذموم حرکتوں سے شمعِ اسلام بجھے گی نہیں بلکہ نورانی تر ہوگی۔ اسی طرح فلسطینیوں کے اوپر ڈھائے جانے والے مظالم ہرگز فلسطینیوں اور قبلۂ اول کے ماننے والوں کو نہیں مٹا سکیں گے۔ اگر یہ مٹانے کے قابل ہوتے تو ساٹھ سال میں مٹا چکے ہوتے۔ ایسے ہی دوسری سرزمینوں مثلاً عراق، کشمیر و لبنان وغیرہ حتیٰ پاکستان میں اُمتِ مسلمہ کی قیمتی جانوں کو تباہی اور دہشت گردی کا نشانہ بنا رہے ہیں۔ اگرچہ نقصان تو ہو رہا ہے لیکن اسلام و مسلمین موجود ہیں۔ اسی طرح اُمت کا تماشائی بننا خطرناک ہے لیکن جو چیز سب کچھ مٹا سکتی ہے اور جس کھائی کے اندر سب کچھ دب سکتا ہے وہ امت کے اندر تفرقہ ہے جسے قرآن نے مہلکہ و ہلاکت گاہ کہا ہے۔

اگرچہ دشمنانِ دین کی طرف سے توہین آمیز حرکتیں ایک مسلسل رویہ اور وطیرہ بن چکی ہیں لیکن جو چیز روحِ پیامبر اکرم ﷺ کیلئے زیادہ دردناک اور رنج آور ہے وہ شاید توہین آمیز خاکے یا فلمیں نہیں ہیں کہ جنہیں دشمنانِ دین دُنیا میں ترویج دے رہے ہیں بلکہ جس چیز سے روحِ پیغمبر اکرم ﷺ کانپتی ہے وہ رسول ﷺ کی اُمت کے اندر موجود ابتر حالات ہیں۔ آج امتِ رسولِ اکرم ﷺ تفرقہ کا شکار ہے، اس میں آپس کی دشمنیاں، کدورتیں اور جدائیاں ہیں جو اسے گھن کی طرح چاٹ رہی ہیں۔ اس وقت مختلف ممالک میں مسلمین رنج وغم اور ظلم وستم کا شکار ہیں۔ فلسطین کے اندر غزہ میں مظلومین کی حالت پر روحِ پیامبر اکرم ﷺ مضطرب ہے۔ عراق کے اندر بے گناہ اور نہتے مظلوموں کو آئے دن بربریت کا نشانہ بنانے پر روحِ پیامبر اکرم ﷺ بے چین

ہے۔ لبنان کے حالات جس طرف جارہے ہیں یہ قلب نورانی پیامبر اکرم ﷺ کیلئے اضطراب کا باعث ہے اسی طرح سرزمینِ پاکستان میں گزشتہ کئی سالوں سے ہونے والے واقعات کہ جن میں اب شدت آگئی ہے قلب نورانی پیامبر اکرم ﷺ کے لئے پریشانی، دکھ، تکلیف اور رنج والم کا باعث ہیں۔ قرآنِ کریم بھی ہمیں یہی بتاتا ہے کہ پیامبر اکرم ﷺ کبھی بھی اپنی ذاتی تکالیف اور مصائب پر رنجیدہ نہیں ہوئے لیکن جب بھی اُمت کو مبتلائے آفت دیکھا خصوصاً تفرقہ میں مبتلا دیکھا تو اُس وقت پیامبر اکرم ﷺ کے دلِ نورانی پر شدت سے رنج والم کا احساس ہوا اور آپ ﷺ نے کئی مرتبہ اُس کا اظہار بھی فرمایا۔

امیرالمومنین حضرت امام علی علیہ السلام کے مصائب

کچھ غم میرے اور آپ کے ہیں جن پر ہم روتے ہیں لیکن کچھ غم ایسے ہیں جن پر رسول اللہ ﷺ اور امیرالمومنین علیہ السلام روتے ہیں۔ وہ اُن غموں پر نہیں روتے جن پر ہم روتے ہیں مثلاً امیرالمومنین علیہ السلام کے سرِاقدس پر جب اُس شقی نے تلوار چلائی تو ہم آج تک رورہے ہیں اور رونا بھی چاہیے لیکن علی علیہ السلام اس ضربت سے نہیں روئے بلکہ خوش ہوگئے اور فرمایا:

فُزْتُ وَ رَبِّ الْكَعْبَةِ......[1]

ربِّ کعبہ کی قسم میں کامیاب ہوگیا......

مولا علی علیہ السلام کو کچھ اور چیزیں رلاتی ہیں۔ نہج البلاغہ میں مولا علی علیہ السلام نے تقریباً بیس خطبوں کے اندر بیان فرمایا کہ کچھ چیزیں ایسی ہیں جو میرے دل کو رلاتی ہیں۔

کبھی آپ علیہ السلام اپنے پیروکاروں وسپاہ سے یوں فرماتے تھے کہ تم سست ہو، تم نالائق ہو، تمہارے اندر تفرقہ موجود ہے، تم نے میرا دل پیپ سے بھر دیا ہے، تم نے مجھے خون کے آنسو رلایا ہے۔ اے کاش! میں نے تمہیں دیکھا

---

[1]...... (مرآة العقول فی شرح أخبار آل الرسول - العلامة المجلسی، الجزء۸، صفحه ۲۷۹)

ہی نہ ہوتا، اے کاش! وہ دن ہی نہ آیا ہوتا جس دن میری تمہارے ساتھ ملاقات ہوئی۔ میں نے تمہیں تھکا دیا ہے تم نے مجھے تھکا دیا ہے۔ تم اونٹوں کے اُس ریوڑ کی طرح ہو کہ جس کو ایک طرف سے اکٹھا کرتا ہوں تو دوسری طرف سے منتشر ہو جاتا ہے۔ میں تمہارے ذریعے کیا کروں؟ آیا تمہارے بھروسے پر میں باطل ختم کر سکتا ہوں یا حق کو قائم کر سکتا ہوں؟ وہ انسان بہت ناکام ہے جو تمہارے اوپر بھروسہ کر کے یہ توقع رکھے کہ وہ حق وعدالت قائم کرے گا۔ رسوا ہوگا وہ انسان جسے تم جیسے ساتھی مل گئے۔

یہ تشبیہات فصاحتِ علوی ہیں۔ ہم خطبۂ شقشقیہ تو بہت پڑھتے ہیں چونکہ اُس کا رخ ہماری طرف نہیں ہے لیکن نہج البلاغہ میں بیس خطبے ایسے ہیں جن کا رخ ہماری طرف ہے، جو مجھے پکار کر کہہ رہے ہیں کہ تو جو علیؑ کا دم بھرتا ہے اور خود کو پیروئے علیؑ کہتا ہے آیا علیؑ کے ساتھ چلنے کے قابل بھی ہے یا نہیں؟ آیا تجھے معلوم ہے کہ علیؑ کی رفتار کیا ہے؟ اُمت کو امام کے ساتھ رہنا ہوتا ہے ورنہ اُمت پیچھے رہ جائے اور امام آگے چلا جائے۔ اس طرح امام اور اُمت کا رابطہ ٹوٹ جاتا ہے اور اُمت اُمت نہیں رہتی۔ امام اُس وقت امام کہلاتا ہے کہ جب اُمت اُس کے ساتھ ہو اور اُمت اُس وقت اُمت ہے جب امام اُس اُمت کے آگے موجود ہو۔ یہ رابطہ اس وقت ٹوٹ جاتا ہے کہ جب امام بہت تیز رفتار ہو اور اُمت کند رفتار و سست ہو، امام کو چین نہ آتا ہو اور اُمت آسائش کو ترک ہی نہ کر سکتی ہو، امام بیٹھتا ہی نہ ہو اور اُمت اُٹھتی ہی نہ ہو۔ لہٰذا مولا علی علیہ السلام اپنے دردوں کا اظہار یوں فرماتے ہیں کہ جب میں تمہیں کہتا ہوں کہ گرمیوں میں جنگ کرو تو کہتے ہو ابھی گرمی ہے اور جب میں سردیوں میں کہتا ہوں تو کہتے ہو ابھی سردی ہے، جب بہار میں کہتا ہوں تو کہتے ہو فصلوں کا موسم ہے، جب خزاں میں کہتا ہوں تو کہتے ہو گھروں میں کوئی بھی نہیں ہے۔ آخر تم کس دن امام کے ساتھ اُٹھو گے؟ کس دن اپنے امام کا ساتھ دو گے؟ میرے بعد کون آئے گا جو تمہیں کامیابی ونجات عطا کرے گا؟!

اسی طرح امیر المومنین علیہ السلام کی حکومت اور قلمرو کے اندر مصر کے بارڈر پر ایک یہودی قبیلہ آباد تھا۔ اُس یہودی قبیلہ پر شامی فوج نے حملہ کیا اور یہودی عورت کے پاؤں سے چاندی کا زیور چھین کر لے گئے اور اس کی آبرو ریزی نہیں کی لیکن امیر المومنین علیہ السلام نے مسجد کوفہ کے اندر اپنی سپاہ کو اکٹھا کیا اور فرمایا مجھے اطلاع ملی ہے کہ میری

امیر المومنین حضرت امام علی علیہ السلام کے مصائب

قلمروئے حکومت کے اندر دہشت گردوں نے حملہ کیا ہے اور وہ ایک یہودن کے پاؤں سے پازیب نکال کر لے گئے ہیں۔ یہ اتنا بڑا المیہ ہے، اتنی بڑی مصیبت ہے کہ اگر اس غم میں کوئی مرجائے تو میں اُس کی ملامت نہیں کروں گا یعنی امیرالمومنین علیہ السلام یہ فرمارہے ہیں کہ اے علیؑ کے ماننے والو! یہ تمہارے لئے موت کا مقام ہے کہ تمہاری حکومت میں یہودن کے پاؤں سے پازیب نکل گئی ہے۔ آیا آج وہ علیؑ تڑپتے نہیں ہوں گے کہ اُسی علیؑ کے نجف میں مسلمانوں کی لاشیں گر رہی ہیں؟ اُسی کربلا میں ہزاروں مومنین اور عزاداروں کو شہید کیا جاتا ہے؟ عراق کے اندر اُمت مسلمہ کا خون پانی کی طرح بہایا جاتا ہے۔

محافل نعت و منقبت اور ہمارا حال!

آیا مسلمانوں کی کٹی ہوئی اور جلی ہوئی لاشیں دیکھ کر رسول اللہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دل تڑپتا نہیں ہوگا؟ آیا رسولؐ کی نگاہ فقط ان جشنوں، نعت وثناء اور اظہارِ عقیدت کی طرف ہے؟ بلکہ رسولؐ مجھے یہ کہیں گے کہ میری نعتیں پڑھنے والے ذرا میری اُمت کی طرف نگاہ کر کہ میری اُمت کا گلا کس طرح کاٹا جارہا ہے؟ ان سہاگ اُجڑی ہوئی عورتوں کو بھی دیکھ اور ان یتیم بچوں کو بھی دیکھ کہ جن کے سر سے ان کے باپ کا سایہ اُٹھادیا گیا ہے۔ محفلِ میلاد برقرار کرنے والوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام ہے کہ پاکستان کے اندر میرا میلاد منانے والو! میری اُمت کو تو دیکھو کہ آج اُس کا کیا حشر ہوگیا ہے۔

بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وائمہ طاہرین علیہم السلام میں نعت ومنقبت پیش کرنے کا اجر ہے لیکن اگر کسی مجلس و محفل میں مقصدِ رسالت کو زندہ کیا جائے تو وہ کہیں زیادہ باعثِ رضا وخوشنودی پروردگار ہے۔ جب ہم ان مقدس ہستیوں کی ولادت پر جشن وسرور کا اہتمام کرتے ہیں تو اُن ہستیوں کے دلوں کو مسرور وخوشحال کرنا بھی ہمارا فریضہ ہے۔ روایت میں یہ مطلب موجود ہے کہ ہفتے میں دو دن مومنین کا نامہ عمل حضرت حجت عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کی بارگاہ میں پہنچتا ہے۔ ہفتے میں دو دفعہ نہ کہ عمر میں دو مرتبہ۔ بعض نامہ اعمال ایسے ہیں جنہیں دیکھ کر حضرتؑ کے چہرے پر سرور آجاتا ہے لیکن بعض نامہ اعمال جب بارگاہِ مولاؑ میں پہنچتے ہیں تو انہیں دیکھ کر امامؑ گریہ فرماتے ہیں۔

اگر میرے عمل سے میرے مولاؑ کے آنسو نکلتے ہوں، ان کا دل ناراحت ورنجور ہوتا ہو تو معصوم کا دل دکھانا اللہ کا غضب مول لینا ہے۔ چونکہ خدا کی رضا معصوم کی رضا کے اندر موجود ہے۔ جس سے امامِ زمانہ علیہ السلام خوش ہوں گے اُس سے پروردگار بھی خوش ہوگا لیکن اگر ہم اپنے امامؑ کو خوش نہ کر سکے تو یقیناً اللہ کی ذات ہم سے خوش نہیں ہوگی۔

فقط اظہارِ عقیدت سے قلبِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوش نہیں ہوتا جب تک کہ ہم امتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بقاء اور وحدت کے لئے کوئی عملی قدم نہ اٹھائیں۔ جشنِ میلاد جس میں ہم روایتی طور پر حمد ونعت اور قصیدہ پڑھ کر چلے جاتے ہیں لیکن اس سے اگلا قدم وحدت کی دعوت دینا ہے کہ جس سے مقصدِ نبوت ورسالت کو زندہ کیا جاتا ہے۔ ان محافلِ میلاد ومنقبت کا عظیم اجر وثواب ہے لیکن سب سے بڑا اجر وثواب درحقیقت مقصدِ بعثتِ نبوت ورسالت یعنی امتِ مسلمہ وبشریت کے اندر اتحاد واتفاق پیدا کرنے میں مضمر ہے۔ آج امت سب کچھ لٹا کے ویرانوں پہ بیٹھی ہوئی فقط اپنی باری کا انتظار کرنے میں لگی ہوئی ہے۔

محافل نعت و منقبت اور ہمارا حال!

آج اگر ہم پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت کا حال دیکھنا چاہیں تو اس کے لئے کلامِ اقبالؒ بہترین عکاس ہے۔ اقبالؒ کے کلام میں موجود نعت روایتی نعت نہیں ہے بلکہ وہ نعت ہے کہ جس سے حقِ نعت ادا ہوتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اس زمانے کی واضح تصویر ان نعتیہ الفاظ میں پیش کی ہے کہ

اے بادِ صبا! کملی والے سے جا کہیو پیغام مرا
قبضے سے اُمت بیچاری کے دیں بھی گیا دُنیا بھی گئی ......[1]

اے ہوا میرے نبیؐ، میرے محبوب رہبر کو میرا یہ پیغام پہنچا دینا کہ آج آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس بیچاری اُمت کے قبضے سے دین اور دُنیا دونوں چلے گئے ہیں۔ اس امت کی دُنیا بھی ویران کر دی گئی ہے اور دین بھی لے لیا

[1]......(بانگِ درا، صفحہ ۲۹۳)

گیا ہے۔اس کی متاع لٹ گئی ہے لیکن افسوس صد افسوس کہ اسے اپنی متاع کے لٹنے کا احساس بھی کم ہے،

وائے ناکامی! متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا......[1]

اقبالؒ امت کو پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ مغرب کی مکاریوں اور عیاریوں نے اس ملت کو تار تار کر دیا ہے،

حکمتِ مغرب سے ملت کی یہ کیفیت ہوئی
ٹکڑے ٹکڑے جس طرح سونے کو کر دیتا ہے گاز......[2]

اقبالؒ کی نظر میں ملت کی یہ پراگندہ حالت مومن کے ایمان کے لئے خطرے کا اشارہ ہے۔

ردائے دین و ملت پارہ پارہ
قبائے ملک و دولت چاک در چاک!
مرا ایماں تو ہے باقی و لیکن
نہ کھا جائے کہیں شعلے کو خاشاک!......[3]

پاکستان مدتوں سے جس بھٹی اور تندور میں جل رہا ہے اور ملتِ پاکستان، پیروانِ پیامبر اکرم ﷺ اور تمام کلمہ گویانِ رسالت و نبوت کو جس ذلت کا نشانہ بنایا جا رہا ہے اقبالؒ کے نزدیک اس کی وجہ ملت میں اتحاد و وحدت کا فقدان ہے۔

آبرو باقی تری ملت کی جمعیت سے تھی
جب یہ جمعیت گئی دنیا میں رسوا تو ہوا......[4]

---

[1]......(بانگِ درا، صفحہ ۱۹۸) [2]......(بانگِ درا، صفحہ ۲۷۸)
[3]......(بالِ جبریلؒ، صفحہ ۱۶۱) [4]......(بانگِ درا، صفحہ ۲۰۲)

آج امت کی حالتِ رفتہ اور تفرقہ و انتشار ہر مسلمان کے لئے پریشان کن اور تکلیف دہ امر ہے۔ ان حالات میں ہر مسلم کا فرض ہے کہ امتِ مسلمہ میں اتحاد و وحدت کیلئے سوچ بچار اور کام کرے۔

ہر مسلم ذمہ دار اور جوابدہ

اسلام کا منشور و دستور قرآن مجید ہے اور قرآن کے اندر اتنی جامع تعلیمات موجود ہیں جو زندگی کے تمام شعبہ ہائے حیات سے متعلق ہیں۔ کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو انسان کی ہدایت سے تعلق رکھتی ہو اور قرآن نے اس کو نظر انداز کیا ہو۔ اگر ہم دین کی قرآنی تصویر دیکھیں تو اس کا سایہ انسان کی زندگی کے ہر شعبہ پر پڑا ہوا ہے اور اسی کی طرف رجوع کی ضرورت ہے۔ اسلام فقط ایک گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر چند عبادتوں کو بجالانے کا کا نام نہیں ہے، فقط مصلّی اور تسبیح کا نام نہیں ہے، فقط اپنے انفرادی اعمال بجالانے کا نام نہیں ہے بلکہ قرآنی الٰہی، نبویؐ اور اہلبیتؑ کا اسلام انسان کی ساری زندگی اور اس کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھتا ہے۔ ہم مسلمان کہلانے کے مستحق بھی اس وقت ہو سکتے ہیں کہ جب ہم زیادہ سے زیادہ اپنی طاقت اور استعداد کے مطابق اسلامی دستورات کو اپنی زندگیوں میں لے آئیں اور اپنے اوپر نافذ کریں۔

آج امتِ مسلمہ کی ابتر حالت کے باوجود اکثریت اس کی فریادرسی کیلئے تیار نظر نہیں آتی جبکہ رسولِ اکرمؐ کی یہ روایت شیعہ اور سنی دونوں نے اپنی کتابوں میں نقل کی ہے کہ

مَنْ اَصْبَحَ لَا یَهْتَمُّ بِاُمُوْرِ الْمُسْلِمِیْنَ فَلَیْسَ بِمُسْلِمٍ......[1]

جو شخص اپنے دن کا آغاز کرے اور اس دن مسلمین کے متعلقہ امور میں کوئی اہتمام و اقدام نہ کرے، کوئی اہمیت نہ دے، کوئی قدم نہ اٹھائے تو یہ شخص مسلمان نہیں ہے۔ ایسا شخص اسلام کے ضابطہ پر پورا نہیں اترتا۔ جو بھی کسی مسلمان کا استغاثہ سنے کہ مسلمانو! میری مدد کرو اور وہ اس کی مدد کے لئے نہ اٹھے تو ایسے شخص کا میرے دین

---

[1]......(الکافی-الکلینیؒ، باب ۱ لاهتمام بامور المسلمین والنصیحة لهم ونفعهم، الجزء۲، صفحه ۲۳۵)

سے کوئی تعلق نہیں ہے، ایسا شخص میری امت اور میرے دین سے باہر ہے۔ آج عراق، فلسطین، کشمیر اور دنیا کی ہر جگہ سے مسلمان مدد کیلئے پکار رہے ہیں لیکن کوئی بھی ان کی آواز سننے کے لیے تیار نہیں ہے۔ ہم سب اس کے جوابدہ ہیں چونکہ حدیث میں آیا ہے کہ

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَّ كُلُّكُمْ مَسْئُولٌ......١

یعنی تم میں سے ہر ایک ذمہ دار ہے اور ہر ایک سے اس کی ذمہ داریوں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

دین نے کسی کو ذمہ داری سے مستثنیٰ قرار نہیں دیا۔ قرآن نے فرد فردِ اُمت کو مسئول قرار دیا ہے۔ دینی تعلیمات کے مطابق آپ اپنی ذات، اپنے ذوالحقوق، اپنے دین و مذہب، اپنی قوم وامت، اپنی سرزمین وحکومت اور اپنی سوسائٹی کے بھی ذمہ دار ہیں۔ جس طرح آپ اگر اپنی انفرادی واجب عبادتیں ترک کردیں تو یہ گناہ وجرم ہے اسی طرح دین کی عائد کردہ کسی بھی ذمہ داری کو ترک کرکے انسان مجرم بن جاتا ہے۔ اگرچہ اس کا تعلق اس کی ذاتی، اجتماعی، عبادی، معاشی، معاشرتی، تعلیمی، عائلی، سیاسی، ملکی اور دینی و مذہبی ذمہ داری سے ہو وہ اس ذمہ داری کو چھوڑنے سے مجرم بن جائے گا اور اس جرم کی سزا ہے۔ انسان کی مجرمانہ زندگی یہ ہے کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو چھوڑ کر تماشائی بن جائے۔ البتہ ظاہر ہے کہ خداوند تبارک وتعالیٰ نے ہر ایک کی ذمہ داریاں اس کی وسعت اور طاقت کے مطابق سونپی ہیں۔ کسی چھوٹے کو بڑی ذمہ داری نہیں دی اور کسی بڑے کو چھوٹی ذمہ داری نہیں دی۔ علماء کی ذمہ داریاں زیادہ ہیں اور دوسروں کی ذمہ داریاں علماء سے کم تر ہیں لیکن ذمہ دار سب ہیں۔

وحدت، حُبّ رسول ﷺ کا تقاضا

لہٰذا اگر ہم چاہتے ہیں کہ کوئی ایسا عمل انجام دیں جس سے قلبِ نورانی پیامبر اکرم ﷺ راضی وخوشنود

١......(مرآة العقول فی شرح أخبار آل الرسولؑ - العلامة المجلسیؒ، الجزء٨، صفحه ٣٤٩)(تفسیر المراغی، الجزء١، صفحه ٤٠٩)

ہو تو وہ کام اس امت کو تفرقہ سے نجات دلانا اور وحدت کی دعوت دینا ہے۔ محبت خدا کا حصول خوشنودی پیامبر اکرم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وآلِ پیامبر علیہم السلام میں مضمر ہے۔ قرآنِ کریم میں فرمانِ خدا ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ......[1]

کہہ دیجئے: اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا......

اگر آپ چاہتے ہیں کہ خدا آپ سے محبت کرے اور آپ خدا سے محبت کریں تو اتباعِ رسولؐ کریں۔ پہلے رسولؐ کے دل کو خوش کریں اور رسولؐ کا دل اُمت کو آسودہ دیکھنے، مشکلات سے باہر دیکھنے اور اسے متحد دیکھنے سے خوش ہوتا ہے۔ پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ عظمیٰ واسوۂ طیبہ کے دقیق مطالعہ سے یہ چیز واضح نظر آتی ہے کہ پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑے بڑے مصائب کو برداشت کر لیتے تھے لیکن تفرقہ پر بہت زیادہ پریشان خاطر ہوا کرتے تھے اور اسے برداشت نہیں کرتے تھے حتیٰ مدینہ جانے سے پہلے اہل مدینہ اور اپنے میزبانوں کیلئے پہلی شرط یہ رکھی کہ اگر تمہارے درمیان یعنی اوس وخزرج کے درمیان تفرقہ نہ ہوا اور وحدت ہوئی تو میں آؤں گا لیکن اگر تم اسی تفرقے میں پڑے رہے تو یہ توقع نہ رکھنا کہ رسولِ اسلامؐ اس سرزمین پر قدم رکھیں گے۔

وحدت کے بغیر یثرب کبھی بھی مدینۃ الرسولؐ نہ بنتا۔ اگر یثرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم رنجہ فرمانے سے مدینۃ الرسولؐ اور سرزمین مقدس بن گیا کہ جس کے متعلق آج مسلمین عقیدت واحترام کے جذبات رکھتے ہیں تو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پائے نورانی کی برکت سے ہوا لیکن وہاں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد اُس وقت ممکن ہوئی جب اوس وخزرج نے اپنی دشمنیاں، لڑائی، جھگڑے، نفرتیں اور کدورتیں ختم کیں۔ اگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینے کی سرزمین پر اس وجہ سے نہیں آنا چاہتے تھے کہ وہاں تفرقہ ہے تو ہم یہ نہ سمجھیں کہ وحدت کی شرط صرف اوس وخزرج سے مخصوص تھی اور باقی سرزمینوں، قوموں، اُمتوں یا کسی دل کیلئے یہ شرط نہیں ہے بلکہ آج بھی نبیؐ کا قدم وہاں پڑے گا کہ جہاں وحدت ہوگی۔ لہٰذا اگر ہم چاہتے ہیں روح وقلبِ نورانیٔ پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری طرف متوجہ ہو،

[1]......(سورۂ آلِ عمران، آیہ ۳۱)

ہمارے دلوں میں بھی وہ محبت، نور اور ہدایت آجائے، ہمیں بھی شفاعت نصیب ہوجائے اور ہم بھی آنحضرتؐ کے وجودِ مبارک سے برکت حاصل کرسکیں تو اُس کی شرط یہی ہے کہ پہلے اپنے دلوں سے کدورتیں، نفرتیں، جھگڑے اور تفرقہ نکال باہر کریں۔

قرآن ''ہدی للناس'' ہے اور رسول اکرم ﷺ ''رسولِ بشریت'' اور ''رحمۃ للعالمین'' ہیں لہٰذا ان پر اجارہ داری اور قبضہ نہ کریں۔ کچھ چیزیں پیروی کرنے کی ہوتی ہیں نہ کہ قبضہ کرنے کی لہٰذا نہ ہی قرآن پر قبضہ کی کوشش کریں، نہ رسول ﷺ واہلبیتؑ پر اور نہ صحابہؓ پر قبضہ کی کوشش کریں۔ یہ سب کیلئے ہیں اور رہیں گے ان پر کوئی اپنا حق نہیں جتلاسکتا۔ رسول اکرم ﷺ کے عاشق بنیں لیکن عشق کے کچھ تقاضے بھی ہوتے ہیں۔ اقبالؒ کے بقول:

عزت ہے محبت کی قائم اے قیس حجابِ محمل سے
محمل جو گیا عزت بھی گئی، غیرت بھی گئی، لیلیٰ بھی گئی......[1]

جہاں محبت ہوتی ہے وہاں اُس کی عزت کا خیال بھی رکھنا پڑتا ہے۔ محبت رسوا نہیں بلکہ ہمیشہ عزیز ہوتی ہے۔ آج بآسانی مشاہدہ کیا جاسکتا ہے کہ ہمارے ہاتھ سے سب کچھ چلا گیا ہے۔ ڈنمارک جو نقشۂ دُنیا میں نظر بھی نہیں آتا، چند ملین لوگوں کی آبادی والا ملک جس کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہے وہ ایک ارب مسلمانوں کو کئی سال سے منہ چڑا رہا ہے اور اس لئے اس گستاخی کو بار بار تکرار کرتا ہے کیونکہ آج اُس محمل کی عزت باقی نہیں ہے۔ آج غیرت، عزت اور لیلیٰ رخصت ہوگئی ہے لیکن مسلمان تماشائی بنے ہوئے ہیں۔ اس کا منہ بولتا ثبوت یہ ہے کہ اس گستاخی کے بعد مسلمان سربراہان کی کانفرنس ہوئی لیکن وہ ڈنمارک اور ہالینڈ کے خلاف کوئی Action لئے بغیر روایتی انداز میں کھاپی کر بڑی بے شرمی کے ساتھ اُٹھ کر چلے گئے، چونکہ یہ سیاسی شطرنج کی بساط پر چنے ہوئے دوسروں کے مہرے ہیں اور ان کا عالمِ اسلام اور اپنی اُمتوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

---

[1]......(بانگِ درا، صفحہ ۲۹۳)

مدحِ رسولؐ کے ساتھ تعلیماتِ رسول ﷺ پر توجہ کی ضرورت

رسول اللہ ﷺ کی نورانی تعلیمات اور سیرتِ طیبہ محورِ وحدت پر استوار ہیں۔ آپ ﷺ نے ہر کام کی بنیاد وحدت پر مقرر کی ہے۔ اگر العیاذ باللہ وحدت قرآنی اصل نہ ہوتی تب بھی موجودہ زمانہ وحدت کا اقتضاء وتقاضا کرتا ہے۔ پیامبر اکرم ﷺ، ائمہ اطہارؑ و اولیائے دین نے وحدت پر اتنی زیادہ تاکید کی ہے کہ جتنے اس موضوع سے متعلق فقہی فتاویٰ نہیں ہیں۔ خصوصاً پیامبر اکرم ﷺ نے اُمت کی وحدت کے متعلق، تشبیہات، استعاروں اور کنایوں کے ذریعہ بتایا کہ اُمت کی مثال ایک جسد کی ہے۔ اسی طرح فرمایا کہ مسلمان وہ ہے جو صبح کرے لیکن اس دن مسلمین کیلئے کوئی قدم نہ اُٹھائے تو وہ مسلم نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے مزید فرمایا کہ جس کے ہاتھ اور پاؤں سے کسی مسلمان کو تکلیف پہنچتی ہو وہ مسلمان نہیں ہے لیکن ہم پیامبر اکرم ﷺ کی ان نورانی تعلیمات کی طرف توجہ نہیں دیتے۔

ہم نے نبی اکرم ﷺ کی مدح وتقدیس تو بہت کی ہے لیکن اُن کی تعلیمات کی طرف کمتر توجہ کی ہے۔ عجائب روزگار میں ایک اور مطلب یہ ہے کہ جس نبی ﷺ کا معجزہ کتاب ہے اُس کی اُمت کتاب سے کتنی بیزار ہے۔ چند سال پہلے میں نے ایک جوان سے کہا کہ فلاں کتاب خرید لو تو اس نے جواب میں کہا: کتاب خریدنے میں دو نقصانات ہوتے ہیں اور میں یہ برداشت نہیں کرسکتا۔ پوچھا کہ وہ کونسے دو نقصانات ہیں؟! کہنے لگا: ایک تو پیسہ ضائع ہوتا ہے اور دوسرا ٹائم کا ضیاع ہے اور مسلمان وہ ہے جو یہ دو چیزیں ضائع نہیں کرتا۔

آج ہم اپنی زبانوں کو حمد ونعت اور ذکرِ رسولِ مقبول ﷺ سے معطر کرتے ہیں لیکن جب تک ہمارے دل کی سرزمین اور معاشرے کے اندر وحدت نہ ہوئی تو برکتِ رسالت ہرگز اس سرزمین پر نہیں آئے گی لہٰذا رسول کریم ﷺ کو دعوت دینے کی پہلی شرط یہ ہے کہ مسلمان آپس میں متحد ہوں اور تفرقہ، کدورت ونفرت ختم کرکے ایک دوسرے کے بھائی بنیں۔ نبی اکرم ﷺ وحدت کی تلقین کررہے ہیں لیکن اُمت میں سے دو فرد بھی آپس میں مل بیٹھنے کیلئے تیار نہیں ہیں۔ ہر ایک اپنے آپ کو نبیؐ کا عاشق کہتا ہے لیکن دوسرے مسلمان کے عشق کی گنجائش ہی نہیں چھوڑتا۔ بعض قوموں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ان کیلئے جنت میں ایک حویلی بنی ہوگی اور اس کی بہت

مدحِ رسولؐ کے ساتھ تعلیماتِ رسول ﷺ پر توجہ کی ضرورت

اونچی اونچی دیواریں ہوں گی۔ جب باقی جنتی صبح وشام ان دیواروں کے پیچھے آوازیں سنیں گے تو خداوند تبارک وتعالیٰ سے سوال کریں گے کہ پروردگارا! یہ کون سی مخلوق ہے جو سب سے الگ تھلگ جنت میں رہ رہی ہے۔ اُنہیں جواب دیا جائے گا کہ یہ وہ لوگ تھے جو کثرت سے عبادتیں وریاضتیں کرتے تھے لیکن اس نیت کے ساتھ کہ صرف یہ ہی جنت میں جائیں گے باقی سب جہنمی ہیں۔ اب چونکہ جنت تو بھری ہوئی ہے اوراس میں بہت سارے لوگ آئے ہوئے ہیں لہٰذا انہیں دیکھ کران کے دل ٹوٹ جائیں گے۔ بند حویلی کے اندر رہ کر یہ سمجھیں گے کہ صرف ہم ہی جنت میں ہیں لہٰذا اللہ نے ان کا دل رکھنے کیلئے یہ بند حویلی بنادی ہے۔

آج ہمارے اپنے بنائے ہوئے رشتے کثیر تعداد میں موجود ہیں مثلاً ہم قومی، علاقائی، نسبی، سببی، سماجی، سیاسی واقتصادی تعلقات سے منسلک ہیں لیکن قرآنی رشتے میں منسلک ہونے کیلئے مومنین کے اندر فقط برادری کا رشتہ ہونا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ پہنچ کر پہلے مہاجرین وانصار کو اسی لئے رشتۂ اُخوت میں منسلک کیا تھا تاکہ یہ مہاجر وانصار بن کر نہیں بلکہ بھائی بن کر رہیں پھر اس کے بعد سلسلۂ حکومت وجہاد شروع ہوا۔ رسول اکرم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ، اہلبیت رسول علیہم السلام اور صحابہؓ نے دیگر سارے امورِ اُخوت کے بعد انجام دیئے لہٰذا اُخوت شرطِ ورودِ رسالت اور شرطِ ورودِ نظامِ دین ہے۔ اگر آج ہم دشمنانِ دین کو شکست دینا چاہتے ہیں تو اس کیلئے صرف ہمارا حق پر ہونا کافی نہیں بلکہ فتح حاصل کرنے کیلئے کچھ اصول وقوانین ہیں جن پر عمل پیرا ہونا ضروری ہے۔

کلامِ امیر المومنین علیہ السلام میں کامیابی و ناکامی کے عوامل

آج بقاء کی جنگ میں فتح حاصل کرنے کیلئے دشمنانِ دین اور حامیانِ دین کے اعمال میں طویل فاصلہ پایا جاتا ہے۔ اگر ہم نہج البلاغہ میں امیر المومنین علیہ السلام کا خطبہ نمبر ۲۵ ترجمہ کے ساتھ ملاحظہ کریں اوراس کے آئینہ میں اپنی تصویر دیکھیں تو ہمیں بہت کچھ سمجھ آجائے گا۔ آپ سے میری ایک طالب علمانہ درخواست ہے کہ نہج البلاغہ کا مطالعہ ضرور فرمائیے۔ جن لوگوں نے اس کتاب کا مطالعہ کیا ہے وہ پشیمان نہیں ہوئے بلکہ حسرت کی کہ ہم نے اس کا مطالعہ اتنی دیر سے کیوں شروع کیا؟ جیسے مصر کے مفتیِ اعظم اور زعیمِ جامعۃ الاظہر جناب محمد عبدہ جو وحدت

کے بڑے داعیان میں سے ہیں انہوں نے فرمایا کہ ایک طرف تو خوشی کا اظہار کیا کہ میں نہج البلاغہ سے آشنا ہوا اور دوسری طرف سے افسوس کا اظہار کیا کہ میں اتنی دیر سے کیوں آشنا ہوا؟! آپ فرماتے ہیں کہ نہج البلاغہ نے میری دنیا بدل دی۔ انہوں نے نہج البلاغہ کی شرح بھی لکھی ہے۔ آپ سید جمال الدین افغانی سے متاثر تھے اور ان کے درمیان استاد شاگرد کا رشتہ بھی بتایا جاتا ہے۔ سب سے پہلے اس خطبہ دینے کی وجہ درج کرتے ہیں۔

مشہور شامی دہشت گرد بُسر ابن ابی اَرطاۃ کا شمار امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے ٹاپ ٹین دشمنوں میں ہوتا ہے کہ جس کے نام سے دہشت پھیل جاتی تھی اور بڑے بڑے مردوں کے پتے پانی ہو جاتے تھے۔ اگر کسی بستی میں اس کی آمد کا اعلان ہوتا تھا تو لوگ خوف سے گھر چھوڑ کر چلے جاتے تھے۔ اس زمانے میں امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے عالمِ اسلام کی مشہور شخصیت عبداللہ ابن عباس کے چھوٹے بھائی یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا کے چھوٹے بیٹے عبیداللہ ابن عباس کو یمن کا گورنر مقرر کیا ہوا تھا۔ جب بُسر نے یمن پر چڑھائی کی تو عبیداللہ ابنِ عباس اس کی دھاک سے مغلوب ہو کر فوج اور بیت المال کے اختیارات رکھنے کے باوجود یمن چھوڑ کر کوفہ آ گیا۔ اگر نقشہ ملاحظہ کریں تو یمن سے کوفہ کا فاصلہ بہت زیادہ ہے، اُس زمانے میں جہاز نہیں تھے لیکن یہ بہت جلد کوفہ پہنچ آیا۔ حتیٰ بُسر نے اُس کے تقریباً چار پانچ برس کے دو کمسن بچوں قثم اور عبدالرحمٰن کو شہر کے چوک پہ کھڑا کر کے اُن کی ماں کے سامنے زندہ چیر دیا لیکن پھر بھی والیٔ یمن وہاں سے فرار کر گیا۔ عبیداللہ امیر المومنین علیہ السلام کے پاس اس واقعہ کی خبر دینے کیلئے کوفہ پہنچے تو امیر المومنین علیہ السلام نے کہا کہ آپ کو یمن میں ہونا چاہیے تھا لیکن آپ مجھے رپورٹ دینے آ گئے ہو۔ اُس وقت حضرتؑ بہت غضب ناک ہوئے اور سب کو مسجد کوفہ کے اندر اکٹھا کر کے یہ خطبہ ارشاد فرمایا:

اُنْبِئْتُ بُسْراً قَدِاطَّلَعَ الْیَمَنَ......

مجھے خبر دی گئی ہے کہ بسر یمن تک آ گیا ہے......

آپ علیہ السلام نے ایک اور موقع پر اپنی فوج کی اسی طرح سرزنش کی تھی۔ آپ علیہ السلام نے مصر کے بارڈر پر تقریباً سو آدمیوں پر مشتمل ایک دستہ مقرر کیا ہوا تھا تاکہ وہ شامی فوج کے حملے سے بچائیں۔ اس بارڈر پر شامیوں کے تقریباً دس آدمیوں نے حملہ کیا تو یہ سو آدمی بھاگ نکلے اور دوڑ کر امیر المومنین علیہ السلام کے پاس کوفہ آ گئے۔ یہ بھی آپ علیہ السلام کو

رپورٹ دینے لگے کہ ہم پر اس طرح حملہ ہو گیا تھا۔ اُس وقت بھی حضرت بہت غضب ناک ہوئے تھے اور ایک خطبہ دیا تھا جو نہج البلاغہ میں موجود ہے۔ اس میں آپؑ نے فرمایا: مجھے تعجب ہے کہ دس آدمیوں نے سو آدمیوں پر حملہ کیا اور یہ سو آدمی اپنا سب کچھ لٹا کر زخمی بھی ہو گئے اور اُن پانچ کو خراش تک نہیں آئی۔

آپؑ نے خطبہ نمبر ۲۵ میں مزید فرمایا:

وَاِنِّیْ وَاللهِ لَاَظُنُّ اَنَّ هٰٓؤُلَاءِ الْقَوْمَ سَيُدَالُوْنَ مِنْكُمْ......

اور خدا کی قسم! میرا خیال یہ ہے کہ عنقریب یہ لوگ تم سے اقتدار کو چھین لیں گے......

آپؑ نے یہ نہیں کہا کہ مجھ سے چھین لیں بلکہ فرمایا کہ تم سے چھین لیں گے، اُمت اور قوم سے یہ اقتدار چھن جائے گا۔

اُس کی وجہ یہ ہے کہ تمہارے اندر چار خرابیاں موجود ہیں اور اُن کے اندر چار خوبیاں موجود ہیں۔ اس کے بعد مولا علیؑ اپنی اور دشمن کی فوج کی چار چار خصوصیات بیان کیں کہ ان آٹھ خصوصیتوں کی وجہ سے یہ جنگ اس طرح سے ہوگی کہ وہ لوگ عنقریب تم سے اقتدار چھین لیں گے اور آخر کار وہی ہو جو آپؑ نے فرمایا تھا۔ حضرت علیؑ نے ان خصوصیات کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ

بِاجْتِمَاعِهِمْ عَلٰى بَاطِلِهِمْ وَتَفَرُّقِكُمْ عَنْ حَقِّكُمْ......

اسلئے کہ یہ اپنے باطل پر متحد ہیں اور تم اپنے حق پر متحد نہیں ہو......

دوسری چیز یہ ہے کہ

وَبِمَعْصِيَتِكُمْ اِمَامَكُمْ فِى الْحَقِّ وَطَاعَتِهِمْ اِمَامَهُمْ فِى الْبَاطِلِ......

وہ اپنے امامِ باطل کے مطیع ہیں اور تم اپنے امامِ حق کے معصیت کار ہو......

اور تیسری چیز یہ فرمائی کہ

وَبِاَدَائِهِمُ الْاَمَانَةَ اِلٰى صَاحِبِهِمْ......

وہ امانت ادا کرنے والے ہیں حتیٰ مثلاً انہیں نشہ آور چیز بھی امانت کے طور پر دی جائے تو چسکی نہیں

لگاتے بلکہ اسی طرح امانت کے ساتھ اُس مجرم کو لوٹا دیتے ہیں،

وَخِيَانَتِكُمْ......

اور فرمایا تم خیانت کرتے ہو، حضرتؑ نے اُس خیانت کا نمونہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ میں ڈرتا ہوں اگر تمہیں مٹی کا کوزہ امانت کے طور پر دوں تو تم اس کا کنڈا توڑ کر واپس کرو گے یعنی وہ بھی امانت کے ساتھ واپس نہیں لوٹاؤ گے۔

اور چوتھی چیز حضرتؑ نے یہ بیان فرمائی کہ

وَبِصَلَاحِهِمْ فِيْ بِلَادِهِمْ وَفَسَادِكُمْ......

وہ اپنے شہروں میں امن وامان رکھتے ہیں اور تم اپنے شہر میں بھی فساد کرتے ہو......

لہٰذا کامیابی اور شکست کے معیاروں میں حق پر ہونا کافی نہیں ہے۔حق پر ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ آپ کو غلبہ بھی حاصل ہوگا بلکہ خدا نے کامیابی کے اصول مقرر کیے ہوئے ہیں۔کھیل میں بھی کامیابی کا معیار یہ نہیں ہوتا کہ جو حق پر ہو وہ جیت جائے گا بلکہ حق پر ہو یا نہ ہو جو متحد ہو کے جم کے کھیلے وہ جیتتا ہے۔اب کوئی داڑھی رکھ کے کرکٹ کے گراؤنڈ میں نماز پڑھے لیکن وہ جم کے نہ کھیلے تو پھر بھی ٹیم ہار جاتی ہے لیکن اگر نماز نہ بھی پڑھے اور جم کے کھیلے تو وہ ٹیم جیت جاتی ہے۔اگر ورلڈ کپ میں ایک مسلمان کرکٹ ٹیم کسی غیر مسلم ٹیم سے کرکٹ کھیل کر ہمیشہ ہار جاتی ہے تو کیا غیر مسلم حق پر ہیں؟! پچھلی ٹیم تو گراؤنڈ میں باجماعت نمازیں بھی پڑھتی تھی لیکن جب بھی ہار جاتے تھے۔کسی نے کہا کہ ان کو نمازوں، داڑھیوں اور اسلامی کرکٹ نے ہروایا ہے اور یہ کرکٹ کی بجائے نماز کی طرف توجہ دیتے ہیں۔بعد میں بے نمازی کھلاڑی لائے تب بھی نہیں جیتے چونکہ کھیل جیتنے کیلئے حق پر ہونا معیار نہیں ہے بلکہ جیتنے کیلئے بہترین کھیل کھیلنا ضروری ہے۔جو بھی بہترین کھیلے گا وہی جیتے گا چاہے حق پر ہو یا باطل پر۔پس معلوم ہوا کہ شکست اور کامیابی کا معیار حق پر ہونا نہیں ہے بلکہ جم کے کھیلنا ہے۔حق والے جم کے کھیلیں تو حق والے جیت جائیں گے اور باطل والے جم کے کھیلے تو باطل والے جیت جائیں گے۔

آپ ان اصولوں کو ذہن میں رکھیں۔اگر اللہ نے آپ کو حق کی توفیق دی ہے تو فقط اسی پر خوش نہ رہنا کہ

چونکہ ہم حق پر ہیں لہٰذا جیت ہماری ہے بلکہ جیت اس کی ہے جو متحد ہے۔ اگر یورپ نے یوپین یونین بنالی ہے اور مسلمانوں نے تفرقہ کرلیا ہے تو کون جیتے گا؟ اگر امریکہ نے یورپی اتحادی فوج سے نیٹو بنالی ہے کہ جس کا لیڈر امریکہ ہے تو کون جیتے گا؟ جیتے گا وہ جس قوم کے اندر اتحاد و اتفاق ہے۔ آج یورپ میں یونٹی (Unity) ہے اس وجہ سے اُس کا سکہ چلتا ہے۔

اگر آپ ایک دفعہ حق موقف اختیار کر کے تفرقہ کریں اور پھر باطل مؤقف اختیار کر کے اتحاد کر کے دیکھ لیں تو پھر آپ کو نتیجہ مل جائے گا۔ جب الیکشن ہوتے ہیں تو عموماً ایک ہی خاندان کے کئی امیدوار کھڑے ہوجاتے ہیں لیکن وہ ہار جاتے ہیں جبکہ دوسری پارٹی کا ایک ہی امیدوار جیت جاتا ہے۔ یہ ایک کامن (Common) سی بات ہے اور ایسی چیز نہیں ہے کہ جو محض فقہی و دینی ہو بلکہ عقل بھی یہی بات کہتی ہے۔

اسی طرح جنگ جیتنے کیلئے حق پر ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ جو بھی آگاہی، درایت، بصیرت اور دشمن کے حربوں و حیلوں کی پہچان کے ساتھ جنگ لڑے گا وہ جیت جائے گا۔ اگر حق پر ہونا فتح کی علامت و دلیل ہوتی تو پھر ہمیں بہت آسانی ہوجاتی کہ ہم حق پر ہیں لہٰذا اب ہمارا کوئی کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ حق والوں کی گاڑیاں بھی چوری ہوجاتی ہے، لوگ ان کے پلاٹ بھی قبضے میں لے لیتے ہیں اور حق والے الیکشن بھی ہار جاتے ہیں کیونکہ یہ کامیابی کے اصولوں کو نظرانداز کرتے ہیں اور شکست کے اصولوں کو اپناتے ہیں۔

پس اگر اہل باطل ایک ہوجائیں تو وہ کامیاب ہوجائیں گے اور اگر اہل حق ایک ہوگئے تو وہ کامیاب ہوجائیں گے۔ آج مسلمانوں کو تفرقہ نے کمزور بنادیا ہے جبکہ دشمن کے اتحاد نے اُنہیں اتنا طاقتور بنادیا ہے کہ ایک چھوٹا سا ملک بار بار توہین آمیز خاکے نشر کرتا ہے۔ مٹھی بھر یہود اور صیہونزم نے ساٹھ سال سے مسلمان حکمرانوں کو رسوا کیا ہوا ہے اور مسلمان اُمتوں کو ذلت کا وہ رنگ دیا ہوا ہے کہ یہ سر اُٹھانے کے قابل نہیں ہیں۔ آج دُنیائے باطل کو اسی لئے غلبہ حاصل ہوا ہے کہ انہوں نے کامیابی کے ان چار نکات پر عمل کیا ہے جس کی نشاندہی امیر المومنینؑ نے کی تھی۔ اس کے برعکس مسلمانوں کے اندر آج بھی وہی چار چیزیں پائی جاتی ہیں جو امیر المومنین علیہ السلام نے چودہ سو سال پہلے اپنے لشکر سے بیان فرمائی تھیں۔ لہٰذا ہم یہ بات بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ اگر علیؑ جیسا پیشوا بھی اُمت کے

ہمراہ ہو لیکن اُمت میں اتفاق نہ ہو تو پھر بھی اسے کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔

مشکل کشاء کا طریقۂ مشکل کشائی

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ تفرقہ شکست کی علامت ہے۔ اگر چہ تم حق پر ہو اور تمہارا امام امیر المومنینؑ جیسا رہبر ہو لیکن آپس میں تفرقہ بھی ہو تو تم شکست خوردہ ہو جاؤ گے۔ امامیہ معتقد ہیں کہ امیر المومنین علیہ السلام مشکل کشاء ہیں۔ مولا علی علیہ السلام یقیناً مشکل کشاء ہیں لیکن ایسے مشکل کشاء نہیں ہیں جو مشکل پیش آنے کے منتظر ہیں کہ پہلے مومن مشکل میں پھنسے پھر میں اُس کی مشکل حل کرتا ہوں، ایسی مشکل کشائی تو سب کر لیتے ہیں۔ فارسی میں ایک مقولہ وضرب المثل ہے:

از کراماتِ شیخ مان این است، شیرہ را خورد و گفت شیرین است،

یعنی ہمارے پیر صاحب بڑے صاحب کرامت ہیں اور اُن کی ایک بڑی کرامت ومعجزہ یہ ہے کہ حلوہ کھا کر اُن کو پتہ چل جاتا ہے کہ یہ میٹھا ہے۔ ایسی مشکل کشائی تو بہت سے لوگ کر لیتے ہیں لیکن حقیقی مشکل کشاء اسے نہیں کہتے کہ جو بیٹھا رہے اور اُمت مشکلوں میں گھر جائے، پھر وہ بعد میں سوچے کہ اس اُمت کو کیسے اس مشکل سے باہر نکالوں۔ دراصل مشکل کشاء وہ ہے کہ جو اُمت کی پیدائش سے پہلے ہی اُمت کو مشکل اور خطرناک راستوں سے آگاہ کر دے۔ انہیں پہلے ہی متنبہ کر دے کہ اگر امت ان راستوں پر چلی تو مشکلات میں پھنس جائے گی اور پھر اس کی نجات ممکن نہیں ہے۔ ہماری پیدائش سے پہلے مولاؑ نے ہمیں مشکلیں بھی بتا دیں اور مشکلوں سے نجات کا راستہ بھی بتا دیا ہے۔ اب یہ اُمت کا کام ہے کہ اُس مشکل کشائی کو حاصل کرے۔ جیسے ڈاکٹر مشکل کشائی کرتے ہوئے نسخہ لکھ دے تو میرا کام یہ ہے کہ وہ دوا کھا لوں۔

کہتے ہیں ایک مومن ہر دفعہ امام رضا علیہ السلام کی ضریح پر جا کر کہتا تھا کہ آپ علیہ السلام میری مدد کریں اور دعا مانگتا تھا کہ میں کوئی بڑی لاٹری (Lottery) جیت جاؤں۔ بسا اوقات ہم ایسی ہی امداد طلب کرتے ہیں۔ ایک بزرگوار مجھے گاڑی میں بٹھا کر لے جا رہے تھے کہ اچانک انہوں نے ریڈ سگنل توڑ دیا۔ میں نے کہا کہ احتیاط کریں کیونکہ

سامنے کوئی گاڑی بھی آسکتی ہے اور کسی انسان کو نقصان بھی پہنچ سکتا ہے تو وہ کہنے لگے کہ مولانا آپ پریشان نہ ہوں مولا ہمیشہ ہماری مدد کرتے ہیں۔ میں نے کہا یہ پہلی دفعہ سنا ہے کہ مولا سگنل توڑنے میں بھی آپ کی مدد کرتے ہیں۔ مولاؑ ایسے راستوں پر نہیں بلکہ دوسرے راستوں پر مدد کرتے ہیں، وہ جان بچانے والے راستوں میں مدد کرتے ہیں یعنی کہتے ہیں کہ سگنل نہ توڑیں۔ بہرکیف اُس مومن نے دعا مانگی کہ میں لاٹری جیت جاؤں۔ وہ کئی لاٹریاں کھیلتا رہا لیکن اس کی لاٹری نہیں نکلی۔ آخر کار وہ بہت ناراض ہوا اور اُس نے امامؑ سے کہا کہ اس دفعہ اگر لاٹری نہ نکلی تو میرا آپ سے کوئی واسطہ نہیں ہے اور میں پھر ادھر نہیں آؤں گا۔ اس نے کسی دوسرے شخص کو بھی پیغام بھیجا کہ مولا کو میرا یہ پیغام پہنچا دینا کہ یہ آخری دفعہ ہے۔ جیسے سیالکوٹ کے شاعر فیض احمد فیض اپنی ایک نظم ''ربا سچیا'' میں کہتے ہیں:

ربّا سچیا توں تے آکھیا سی

جا اوے بندیا جگ دا شاہ اے توں

ساڈیاں نعمتاں تیریاں دولتاں نیں

ساڈا نیب تے عالیجاہ اے توں

پھر اُس کے بعد کہا کہ

چنگا شاہ بنایا ای رب سائیاں

پولے کھاندیاں وار نہ آندی اے

کہ عجیب شاہ بنایا ہے اور شاہ بنا کر پھر حال بھی نہیں پوچھا کہ یہ شاہ پولے کھا رہا ہے، صبح و شام جوتے کھا کھا کر برا حال ہو گیا ہے، آخر میں انہوں نے اپنی اُس ذہنیت کی ترجمانی کی اور کہا کہ

تو میری منے تے تیریاں میں مناں

تیری سوں جے اک وی گل موڑاں

یعنی رب کی قسم کہ تیری کوئی بات نہیں موڑوں گا اگر تو میری مانے تو،

جے ایہہ تانگ نئیں پجدی تے رب سائیاں

فیر میں جاواں تے رب کوئی ہور لوڑاں

اگر یہ سودا قبول نہیں ہے تو پھر میں جاؤں تا کہ کوئی اور رب تلاش کروں۔

اسی طرح وہ مومن بھی بگڑا ہوا تھا اُس نے کہا کہ یہ لاٹری کا آخری چانس ہے اگر نہ نکلی تو تعلق ختم کر دوں گا۔ رات کو خواب میں اُس کے دوست کو امامؑ نے پیغام دیا کہ ہمارے اس محبّ سے جا کر کہو کہ کم از کم تم پہلے لاٹری کا ٹکٹ تو لے لو۔

الغرض مشکل کشاءؑ مشکل حل کر کے چلے گئے ہیں لیکن انسان کیلئے اُس حلِ مشکل کو اپنانا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ آج جس صورتحال سے پورا جہانِ اسلام دوچار ہے اس سے آپ کم وبیش واقف ہیں۔ میڈیا میں البتہ سب کچھ نہیں آتا مثلاً پس منظر، منصوبے اور سازشیں نہیں آتیں لیکن جو کچھ سامنے آجاتا ہے اس سے انسان بہت کچھ سمجھ سکتا ہے۔

تو خود حدیث مفصل بخوان از این مجمل،

یعنی انسان اسی مجمل سے حدیثِ مفصل خود پڑھ لیتا ہے۔ صاحب فکر انسان دیکھ لیتا ہے کہ آگے کیا ہونے جا رہا ہے۔ ان سازشوں اور منصوبوں کی زد سے محفوظ رکھنے کیلئے مولا مشکل کشاءؑ نے ایسی مشکل کشائی کی ہے کہ اگر کوئی مشکل کشاء کا پیروکار ہو تو مشکل میں گھرے گا ہی نہیں چہ جائیکہ اُس کو مشکلات سے نکلنے کی ضرورت پڑے۔ آج مشکلات دیکھ کر سوال اُٹھتا ہے کہ شیعہ کا امام سے کیسا رابطہ ہے کہ مشکلوں سے کمر سیدھی نہیں ہوتی؟ حقیقت یہ ہے کہ مشکل کشاءؑ نے مشکل کشائی کی ہوئی ہے لیکن ہم ان کی تعلیمات و ہدایات پر عمل نہیں کرتے۔

پس کلامِ امیر المومنینؑ کی روشنی میں ہماری مشکلیں حل شدہ ہیں اگر ہم اُس راہِ حل کی طرف آئیں تو ہرگز مشکلات میں نہیں گھریں گے۔ حدیث میں آیا ہے کہ جو بھی اللہ سے توفیق مانگتا ہے اور پھر قدم نہیں اُٹھاتا اس نے اپنا تمسخر اُڑایا ہے۔ آج یہ توفیق ہمارے پاس موجود ہے۔

مشکل کشاء کا طریقِ مشکل کشائی

توفیق سے مراد

لفظِ توفیق زبان زدِ عام ہے۔ ہمیں اللہ سے توفیق ملی ہوئی ہے لیکن پھر بھی کہتے ہیں کہ خدایا مجھے توفیق عطا فرما۔ پہلے یہ دعا کرنی چاہئے کہ خدایا مجھے اس توفیق کو سمجھنے کی توفیق عطا فرما۔ اگر اصطلاحات سے ہٹ کر توفیق کی ایک آزاد تعریف کی جائے تو کہیں گے کہ کسی مقصد یا کسی کام کے حصول کیلئے جتنے اسباب، وسائل اور شرائط کی ضرورت ہے وہ سب کے سب جب انسان کے اختیار میں آجائیں تو اس کو توفیق کہتے ہیں۔ علم کی توفیق یعنی علم کے حصول کیلئے جتنے بھی ذرائع ہیں وہ سارے انسان کو مل جائیں مثلاً اُستاد، مدرسہ، کتاب، ذہن وعقل، فہم وفراست اور ٹائم بھی موجود ہو تو یہ توفیق ہے۔ ان کے بعد بھی اگر کوئی علم حاصل نہ کرے تو اُس نے اپنا مذاق اُڑایا ہے۔

مشکل کشاؑ نے اپنے کلامِ نورانی میں ہماری ساری مشکلات کا حل بتادیا ہے لیکن اس توفیق کے ہوتے ہوئے بھی ہم سرگرداں پھر رہے ہیں۔ المیہ یہ ہے کہ ہم اپنے روزمرہ کے چھوٹے موٹے کاموں مثلاً ٹکٹ کٹوانے، لائسنس بنوانے اور ویزہ لگوانے کیلئے مشکل کشاؑ کو بلاتے ہیں۔ مولا مشکل کشاؑ کو خدا نے پہلے اُمتوں کی مشکلات حل کرنے کیلئے امام بنایا ہے، افراد کی مشکل وہ بعد میں حل کریں گے۔ امام اُمتوں کیلئے آتا ہے کسی فردیا ریوڑوں کیلئے نہیں آتا۔ امام ہوتا ہی وہ ہے جو اُمتوں کی مشکلات کو پہچانتا ہو اور اس سے پہلے کہ اُمت اس مشکل سے دوچار ہو وہ پہلے ہی اُس مشکل کا راہِ حل پیش کردے۔ اگر ہم پاکستان کی مشکلات کا حل تلاش کرنا چاہیں تو یہ ہمیں ائمہ اطہارؑ کی تعلیمات میں مل جاتا ہے۔ آج امت مسلمہ جس پستی زوال کا شکار ہے اس کی وجوہات امیر المومنینؑ اپنے کلامِ نورانی میں پہلے ہی فرما گئے تھے۔

کلامِ امیرالمومنینؑ میں قوموں کی تباہی و زوال کی وجوہات

دو کتابیں امیر المومنینؑ کے کلمات کا مجموعہ ہیں جس میں سے ایک تو نہج البلاغہ کے نام سے معروف ہے کہ جس سے سب مسلمین خصوصاً علمائے کرام آشنا ہیں۔ امیر المومنینؑ کے کلمات پر مشتمل ایک اور کتاب ''غرر الحکم و درر الکلم'' ہے جو نہج البلاغہ سے پہلے تدوین ہوئی ہے جسے مرحوم آمدی نے جمع کیا ہے۔ اس میں مولا علیؑ

کے مختصر الفاظ پر مشتمل حکیمانہ جملے موجود ہیں اور بہت ہی خوبصورت وجالب کتاب ہے۔ جو تعلیمات آج ہماری بند کتابوں اور بند لائبریریوں کے اندر موجود ہیں دنیا ان کی تشنہ ہے اور ہم سے یہ تعلیمات مانگ رہی ہے۔ اس کتاب میں امیر المومنین علیہ السلام کا ارشادِ گرامی ہے کہ جن قوموں اور معاشروں کے اندر چار خصلتیں پیدا ہو جائیں ان کو تباہی وزوال سے کوئی نہیں بچا سکتا۔

قوموں کو زوال میں مبتلا کرنے والی پہلی چیز یہ ہے کہ لوگ اپنے اندر موجود اہل افراد کو نظر انداز کردیں۔ خواہ وہ کوئی بھی شعبہ ہو مثلاً میڈیکل، انجینئرنگ، مینجمنٹ، حکمرانی یا تدبیرِ معاشرہ ومملکت لیکن ان شعبوں کے اہل افراد کو کسی بھی وجہ سے نظر انداز کیا جائے مثلاً یہ اپنی قوم کا نہیں ہے، اپنے مذہب کا نہیں ہے، اپنے قبیلہ کا نہیں ہے، مجھے کچھ نہیں دیتا، رشوت کا لین دین نہیں کرتا یا کچھ بھی نہیں کرتا۔ اگر فوج کا زعیم بنانا ہے تو وہ سفارشوں سے بناتے ہوں اور میرٹ کو نظر میں نہ رکھتے ہوں۔ پیسوں کی مدد سے یا مفادات وخواہشات کی بنا پر شخصیات آگے آجاتی ہوں اور اہل سے چشم پوشی کی جاتی ہو تو اس قوم کو زوال سے کوئی بھی نہیں بچا سکتا۔

دوسری صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ قوم جو نااہل کو اہل کی جگہ پر لا بٹھاتی ہو اور اُن نااہلوں کے ساتھ زندگی بسر کر رہی ہو تو اس کا نتیجہ ذلت، خواری، پسماندگی وعقب ماندگی ہے۔ آج نااہل حکمرانوں نے پاکستان کو تباہی کے نقطہ تک پہنچا دیا ہے۔

تیسری چیز یہ بیان فرمائی کہ وہ قوم جو اصولوں کو نظر انداز کرتی ہو اس کو زوال سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ یہاں پر اصولوں سے مراد اصولِ اعتقاد واصولِ دین کہ جن کو تعلیماتِ دین میں شمار کیا جاتا ہے نہیں ہیں بلکہ اصولوں سے مراد بنیادی اور اہمیت چیزیں ہیں۔

چوتھی چیز یہ ہے کہ وہ قومیں جو بنیادی مسائل کی جگہ ثانوی، فرعی اور چھوٹی چیزوں کو زیادہ اہمیت دیتی ہوں اور بنیادی مسائل کو اتنی اہمیت نہ دیتی ہوں یعنی جو قومیں بنیادی مسائل کو نظر انداز کرتی ہوں اور اُن سے چشم پوشی کرتی ہوں لیکن سرسری، سطحی، جزئی اور ثانوی مسائل کو بڑی اہمیت دیتی ہوں ان قوموں کو بھی ذلت، رسوائی، تباہی، بربادی، انحاط اور پستی سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ امیر المومنینؑ فرماتے ہیں کہ اس وقت زوال طبعی ہے

کلام امیر المومنین علیہ السلام میں قوموں کی تباہی وزوال کی وجوہات

چاہے وہ قوم حق پر ہو یا باطل پر۔ جیسا کہ عملاً ہو رہا ہے مثلاً ہم اولاً تو امر بالمعروف کرتے ہی نہیں ہیں لیکن اگر بالفرض کسی کو یاد بھی آجائے تو ثانوی اور جزئی چیزوں میں زیادہ کرتے ہیں جبکہ بنیادی چیزوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ ہم بنیادی و اساسی انحرافات و منکرات کو نہیں چھیڑتے بلکہ چھوٹے چھوٹے منکرات کو چھیڑتے ہیں۔

بعض اہلِ قلم کے بقول جب کوئی بڑا سرمایہ دار، فیکٹری و انڈسٹری کا مالک مزدوروں کا استحصال کر رہا ہوتا ہے اور ان کا خون نچوڑ رہا ہوتا ہے اس کو نہیں روکتے بلکہ ریڑھی والے سے کہتے ہیں کہ تو چیزیں دو روپے مہنگی کیوں دے رہا ہے؟ یعنی فیکٹری والا جو روزانہ دو کروڑ زیادہ لے رہا ہے اس کو نظر نہیں آتا۔ ریڑھی والا اگر دو روپے زیادہ بھی لے لے تو اس سے معاشرہ و قوم تباہ نہیں ہوگی، معیشت پر برا اثر نہیں پڑے گا لیکن وہ جو کچھ کر رہا ہے اس سے سارا معاشرہ تباہ ہو جائے گا۔ اس کو اپنے محلے کے اندر ایک غریب و فقیر اگر کوئی کام کرتا ہے تو نظر آجاتا ہے لیکن اگر اسی معاشرے کے اندر حکمران غلط ہو تو اس کی کجی نظر نہیں آتی۔

آج ہم میلادِ رسول اللہ ﷺ میں بجائے بنیادی چیزوں کے چھوٹی اور ثانوی چیزوں کو کہیں زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔ میلادِ رسول ﷺ پر سب سے بڑی چیز یہی ہے کہ آپ امتِ رسول ﷺ کو متحد و متفق کریں اور پیغامِ رسول ﷺ و مقصدِ رسالت یعنی وحدت کو حاصل کریں۔

اس سے پہلے کہ پاکستان ان حالات سے دوچار ہوتا مشکل کشاءؒ نے پہلے ہی مشکل کشائی فرماتے ہوئے بتا دیا تھا کہ پاکستانی اُمت کی نجات کس راہ پر ہے۔ تمہاری نجات اس راستہ میں ہے کہ تم اپنی ہمت سے اپنی بنیادوں کو مضبوط کر لو۔ اس طرح سرسری مسائل خود سلجھ جائیں گے اور ان کیلئے بڑے اہتمام کی ضرورت پیش نہیں آئے گی لیکن اگر تم سرسری مسائل کو سلجھانے میں لگے رہے اور بنیادی مسائل کو چھوڑ دیا تو نہ بنیادی مسائل حل ہوں گے اور نہ فرعی۔

سید الشہداء حضرت امام حسینؑ کا فرمانا ہے کہ سب افضل جہاد، سب سے بڑھ کر امر بالمعروف سلطانِ جائر کے سامنے جا کر کلمۂ حق کہنا ہے۔ اگر امر بالمعروف کرنا ہے تو بنیادوں سے شروع کریں۔ جب بنیادیں ٹھیک ہو جائیں گی تو ثانوی مسائل خود ہی یا آپ کی معمولی سی کوشش سے درست ہو جائیں گے۔ اس مملکت

کی بنیاد کج کردی گئی ہے۔ناعاقبت اندیش حکمرانوں نے ذاتی وگروہی مفادات کی خاطر پورے ملک کی بنیاد کو متزلزل کردیااوراپنے وقتی فائدوں کی خاطر اس قوم کولامحدود خطرات کاشکار کردیا ہے۔یہ ظالم حکمران ہماری نیکیوں کا اجر نہیں ہیں بلکہ حدیث میں آیا ہے کہ جب امت امر بالمعروف ونہی عن المنکر ترک کردے گی توان پر ظالم حکمران مسلط ہوجائیں گے۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکرکی متروکیت کا نقصان

آج امت کے حالات جس پستی کاشکار ہیں ان میں سے ایک بڑا سبب امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی فراموشی ہے۔روایت میں آیاہے کہ انسان تین قسم کی موت مرتا ہے:

۱)جسم کی موت

۲)دل کی موت

۳)سماج کی موت

بدن کی موت کی علامت یہ ہے کہ دل نہیں دھڑکتا،نظامِ تنفس معطل ہوجاتا ہے،نبض نہیں چلتی،روح تن سے الگ ہوجاتی ہے۔

دل کی موت اس وقت واقع ہوتی ہے جب دل کے اندر یادِ خدا نہ رہے۔گھنٹوں گزرجائیں،دن، ہفتے،مہینےاورسال بیت جائیں لیکن اس کے دل میں یادِ خدا نہ آئے۔یہ مردار دل زندوں میں شمار نہیں ہوتا۔

سماج کی موت کی علامت یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ سوسائٹی (Society) جس کے اندر امر بالمعروف ونہی عن المنکر انجام نہیں پاتا۔حدیث میں آیا ہے کہ امر بالمعروف بنیادی فریضہ ہےاور باقی اُس بنیادی فریضہ کا نتیجہ ہیں۔

اگر معاشرہ میں امر بالمعروف قائم ہوجائے توپورادین قائم ہوجاتا ہےلیکن اگر سارے دین پرعمل کریں اورامر بالمعروف نہ کریں تو دین قائم نہیں ہوتا۔اسی طرح اگر ہم مسجدیں،امام بارگاہیں،مدرسے،گروپ،پارٹیاں،

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی متروکیت کا نقصان

انجمنیں اور ٹولیاں بنالیں لیکن جب تک وحدت نہیں ہوگی اس وقت تک کوئی چیز بھی محفوظ نہیں رہے گی۔

مردار معاشرہ میں زندہ رہنے کی مثال درج کرتے ہیں تا کہ ذہنوں میں ایک تصویر مجسم ہوجائے۔ مردار کے اندر بھی بعض زندہ چیزیں رینگ رہی ہوتی ہیں لیکن اسے زندگی نہیں کہتے بلکہ وہ غلاظت وذلالت ہے۔ جب جانور مرجاتا ہے اور اسے پھینک دیتے ہیں تو آب وہوا کے نتیجہ میں اس کے بدن میں کیڑے پڑ جاتے ہیں۔ وہ کیڑے زندہ ہوتے ہیں، چل پھر رہے ہوتے ہیں، کھاپی رہے ہوتے ہیں، تولیدِ نسل کررہے ہوتے ہیں لیکن یہ سب کچھ ایک مردار کے اندر انجام پا رہا ہوتا ہے۔ اسی طرح کسی سوسائٹی میں رہنا، کمانا، کھانا، پینا، تولیدِ نسل کرنا حیات کی علامت نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے سماج مرا ہوا ہو اور اس کے اندر کچھ لوگ کیڑوں کی طرح زندگی بسر کررہے ہوں۔ جس سوسائٹی کے اندر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ختم ہوگیا ہو وہ مردار معاشرہ ہے۔

امر بالمعروف بھی فقط چند سادہ سی چیزوں کے اندر نہیں ہے کہ ہم کسی خاتون کو دیکھ کر فقط یہ کہیں کہ برقع اوڑھ لو اور کسی جوان کو دیکھیں تو اسے کہیں داڑھی رکھ لو۔ سید الشہداء حضرت امام حسینؑ فرماتے ہیں کہ سب سے بڑا اور افضل امر بالمعروف سلطانِ جائر کے سامنے جا کر کلمۂ حق کہنا ہے۔ سید الشہداءؑ فرماتے ہیں کہ میں خود بھی امر بالمعروف کرنے جا رہا ہوں:

وَاِنِّیْ لَمْ أَخْرُجْ أَشِراً وَلَا بَطِراً وَلَا مُفْسِداً وَلَا ظَالِماً وَاِنَّمَا خَرَجْتُ لِطَلَبِ الْاِصْلَاحِ فِیْ اُمَّةِ جَدِّیْ (صلی اللّٰه علیه وآله وسلم)، اُرِیْدُ اَنْ اٰمُرَ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَنْهیٰ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأَسِیْرَ بِسِیْرَةِ جَدِّیْ وَأَبِیْ عَلِیِّ بْنِ أَبِیْ طَالِبٍ......[1]

(مدینہ سے) میرا نکلنا نہ خود پسندی اور تفریح کی غرض سے ہے اور نہ فساد اور ظلم وستم میرا مقصد ہے، میں تو صرف اس لئے نکلا ہوں کہ اپنے نانا کی امت کی اصلاح کروں۔ میں چاہتا ہوں کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر

---

[1]......وصیت نامہ امام حسینؑ: (سخنان حسینؑ بن علیؑ از مدینہ تا کربلا، صفحہ ۳۶) (مقتل خوارزمی، الجزء ۱، صفحہ ۱۸۸) (مقتل عوالم، صفحہ ۵۴) (بحار الأنوار علامہ مجلسیؒ، الجزء ۴۴، صفحہ ۳۲۹)

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی متروکیت کا نقصان

کو انجام دوں اور یوں (اس انجام دہی میں) اپنے ناناؐ اور اپنے والدِ گرامیؑ کی سیرت کی پیروی کروں......

آپؑ فرماتے ہیں کہ میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعہ اصلاح کروں گا۔ کربلا اور عاشورا کا پیغام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔

علماء کی خاموشی پر سیدالشہداءؑ کی مذمت

سیدالشہداءؑ کا ایک خطبہ خطبۃ المنیٰ کے نام سے ہے جو بڑا تاریخی خطبہ ہے۔ اگر یہ خطبہ آپ کو میسر آجائے تو اس کا مطالعہ ضرور کیجئے گا۔ واقعہِ کربلا سے ایک سال پہلے حج کی سرزمین پر انسٹھ ہجری میں سیدالشہداءؑ نے منیٰ میں خیمہ لگوا کر عالمِ اسلام کی بہت بڑی بڑی جید شخصیات کو اکٹھا کیا اور اس خیمے کے اندر ان بڑی شخصیات و سرکردہ لوگوں کے سامنے خطبہ دیا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ ان میں علمائے اسلام موجود تھے اور ان علمائے اسلام کو خطاب کر کے سیدالشہداءؑ نے بیان فرمایا کہ دیکھو علمائے یہود پر قرآن نے لعنت کی ہے کیونکہ لوگ ان کے سامنے منکرات، فساد و فحشاء کے مرتکب ہوتے تھے لیکن علماء ان کو روکتے نہیں تھے۔ ان علماء کے سامنے حق پائمال ہوتا تھا لیکن یہ دیکھ کر چپ رہتے تھے۔

یہ لعنت بنی اسرائیل ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر نہ کرنے کی وجہ سے ہے یعنی کسی مذہب و مسلک کے عالم کے سامنے اگر حق پائمال ہو، منکرات انجام دیئے جاتے ہوں اور وہ نہ بولے تو لعنتِ قرآن اس کے لئے بھی آئی ہے چونکہ لعنت کی ایک خاصیت یہ ہے کہ اس کو زبردستی جہاں بھیجو وہاں نہیں جاتی بلکہ اس کو اپنا ایڈریس خود پتہ ہوتا ہے کہ میں نے کہاں جانا ہے؟ قرآن نے بھی کہا ہے جو حق کو چھپاتے ہیں، حق کو باطل سے ملا دیتے ہیں، جو بینات آنے کے بعد امت میں تفرقہ ڈالتے ہیں یہ لعنت وہاں جاتی ہے۔

اس لئے سیدالشہداءؑ نے علماء سے فرمایا کہ خدا نے تمہیں اتنی عزت دی ہے کہ اگر کوئی تمہارے نام سے منسوب بھی ہو جائے تو لوگ اس کی بھی عزت کرتے ہیں مثلاً اگر کوئی آدمی کسی اور شہر میں جائے اور اپنا تعارف کروائے کہ میں فلاں عالم کے پڑوس میں رہتا ہوں تو وہ اس آدمی سے دوبارہ اٹھ کر ملتا ہے۔ یہ احترام علماء اور مسلم

علماء کی خاموشی پر سیدالشہداءؑ کی مذمت

حکمرانوں نے اسلام کے ذریعہ ہی لیا ہے۔ سید الشہداؑ نے فرمایا کہ مجھے تعجب ہوتا ہے کہ تمہاری آنکھوں کے سامنے اللہ کے دین کی حدود پائمال ہوتی ہیں مگر تمہارے کانوں پر جوں بھی نہیں رینگتی۔ تم ٹس سے مس نہیں ہوتے، تمہیں برا ہی نہیں لگتا لیکن تمہارے آباء کی معمولی سی رسم توڑ دی جائے تو اس وقت تم آسمان سر پر اٹھا لیتے ہو یعنی تم خدا کی حدود کے اتنے ہمدرد نہیں ہو جتنا کہ آباء کی رسوم کے ہمدرد ہو۔

تماشائی بن کر نہ بیٹھیں کیونکہ تماشائیوں کا رول (Role) نہ اللہ پسند کرتا ہے نہ رسولِ اکرم ﷺ۔ دین کی پائمالی پر خاموش تماشائی بننے پر اُمت کے خواص اور عوام دونوں کی نجات ممکن نہیں ہے۔

امام حسینؑ کشتیٔ نجات

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ میں تمہاری نجات کے دو وسیلے چھوڑ کر جا رہا ہوں:

اِنِّی تَارِکٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ کِتَابَ اللّٰہِ وَعِتْرَتِیْ اَھْلَبَیْتِیْ......[1]

بے شک میں تمہارے درمیان دو گراں قدر چیزیں چھوڑ کے جا رہا ہوں، ایک اللہ کی کتاب اور دوسری میرے اہلبیتؑ......

جس طرح قرآن کی ہر آیت نجاتِ انسانیت واُمت کا ذریعہ ہے اسی طرح اہل بیتؑ کا ہر فرد نجاتِ انسانیت واُمت کا ذریعہ ہے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کو معلوم تھا کہ میری اُمت بعد میں مختلف مشکلات کا شکار ہو جائے گی لہٰذا ان مشکلات سے نکلنے کے لئے رسول اللہ ﷺ نے حل بیان فرمایا کہ تم نے کس کا سہارا لینا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا:

---

[1]......(بحار الأنوار - علامة المجلسیؒ، الجزء ۲، صفحه ۲۲۶) (مستدرك الوسائل ومستنبط المسائل - میرزا حسین النوری الطبرسیؒ، الجزء ۷، صفحه ۲۵۵)(تلخیص المتشابه فی الرسم،المؤلف: أبو بکر أحمد بن علی بن ثابت بن أحمد بن مهدی الخطیب البغدادی، المتوفی:۴۶۳ھ، الجزء۱ ،صفحه ۶۹۰)(وسائل الشیعة- الفقیه المُحدث مُحمّد بن الحسن الحُر العاملیؒ،الجزء۱ ،صفحه۷۶)

اِنَّ الْحُسَيْنَ مِصْبَاحُ الْهُدىٰ وَسَفِيْنَةُ النَّجَاةِ.....[1]

بے شک حسینؑ ہدایت کا چراغ اور نجات کی کشتی ہیں۔

اے اُمت! جب تیرے ملک وقوم پر اندھیرے چھا جائیں تو اس وقت تیری نجات کے لئے حسینیتؑ موجود ہے اور جب تیرے ملک کے اندر ایسے طوفان چل پڑیں، سیلاب آجائیں بھنور اٹھنا شروع ہو جائیں، ایسی موجیں اور لہریں اٹھنا شروع ہو جائیں کہ جو تجھے اور تیرے ملک کو ڈبونا شروع کر دیں تو خیال رکھنا حسینؑ کشتی نجات ہے۔

ان بحرانوں کے اندر ہمارے ملک کے حکمران اور قوم کشتیوں پر بیٹھی ہوئی ہے لیکن کشتیاں کئی قسم کی ہوتی ہیں۔ سمندروں میں وہ چند طرح کی کشتیاں ہوتی ہیں مثلاً تجارتی کشتیاں چلتی ہیں جو مالِ تجارت کے کنٹینرز اٹھا کر ایک ملک سے دوسرے ملک لے جاتی ہیں۔ یہ کشتیاں کرایہ لیتی ہیں اور پھر ان پر جو بھی مال لا دو یہ اٹھا کر لے جاتی ہیں۔ انہیں پرواہ نہیں ہوتی کہ آپ چوری کا مال لے کر جا رہے ہیں یا اپنا مال۔ لوٹا ہوا مال لے کر جا رہے ہیں یا کمایا ہوا مال۔ آج امریکہ عراق سے جو تیل لوٹتا ہے وہ انہی تجارتی کشتیوں کے اوپر لاد کر اپنے ملک لے جاتا ہے اور جو لوگ تیل خریدتے ہیں وہ بھی انہی کشتیوں کے اوپر ڈال کر لے جاتے ہیں۔ کشتیوں کی ایک اور قسم ہے جو قدیم زمانے میں زیادہ ہوتی تھیں لیکن آج کل کم ہو گئی ہیں اور وہ بحری قذاقوں کی کشتیاں ہیں۔ سمندری ڈاکو بھی کشتیوں پر بیٹھے ہوتے ہیں۔ ان کا کام تجارتی اور مسافر بردار کشتیوں کو لوٹنا ہے۔ اسی طرح اگر کسی کشتی کو حادثہ پیش آجائے اور وہ سگنل یا وائرلیس کے ذریعہ مدد کیلئے پکارے تو کچھ کشتیاں اس کو نجات دینے کے لئے آتی ہیں۔ جس طرح روڈ پر ایمبولینسز دوڑ رہی ہوتی ہیں اسی طرح سمندر کے اندر نجات کی کشتیاں بھی گھوم رہی ہوتی ہیں۔ اب ہمارے ملک کی حکومت بھی کشتیوں پر سوار ہے لیکن ڈاکوؤں کی کشتیوں پر سوار ہے جو ملک کی متاع و ثروت اور عزت و شرف

[1].....(عیون الاخبار، الجزء ۱، صفحہ ۴۸)(سفینۃ البحار، الجزء ۱، صفحہ ۲۵۷)(ناسخ التواریخ، صفحہ ۵۷)(امام حسین و عاشورا از دیدگاہ اھل سنت)

لوٹ رہے ہیں اور قوم مسافر کشتی میں سوار ہے خصوصاً قوم کے بعض خواص تجارتی کشتیوں پر سوار ہیں کہ انہیں جہاں سے مفاد نظر آتا ہے اسی کشتی پر چڑھ دوڑتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ تمہیں نہ تجارتی کشتیاں نجات دے سکتی ہیں نہ ان ڈاکوؤں کی کشتیوں سے امید رکھنا بلکہ تمہیں فقط حسینیت کی کشتی بچا سکتی ہے۔ لیکن جب نجات کی کشتی ڈوبتی ہوئی اُمت کے پاس آتی ہے تو اُمت کا کام اس کشتی پر چڑھنا اور سوار ہونا ہے، نہ کہ امت تماشا دیکھتی رہے۔

سید الشہداءؑ کا طریقۂ نجات

ہم سید شبابِ اہل الجنۃؑ سے کس طرح اپنی نجات کا طریقہ سیکھیں؟! سید الشہداءؑ جب مدینہ سے روانہ ہوئے تو بہت سارے لوگوں نے سید الشہداءؑ کو مشورہ دیا کہ آپ نہ جائیے۔ اسی طرح جب مکہ تشریف لے گئے تو وہاں چند مہینے قیام کے بعد آٹھ ذی الحجہ کو مکہ چھوڑنے کا ارادہ کیا۔ وہاں بھی بہت ساری شخصیات نے سید الشہداءؑ کو مشورہ دیا کہ آپ مکہ سے نہ جائیے کیونکہ اب تو حج شروع ہونے والا ہے لیکن اُمت کا امام احرام کھول کر مکہ سے باہر جا رہا ہے۔ اس کی حقیقی علت کیا تھی کہ نواسۂ رسول ﷺ احرام کھول کر ان حاجیوں کو بھی دعوت دے رہے ہیں کہ تم بھی احرام کھولو اور میرے ساتھ آجاؤ؟! آخر آپؑ حج جیسی سعادت اور کعبہ جیسا مقدس گھر چھوڑ کر کیوں جا رہے ہیں؟ آپؑ اُمت کو یہ بتانا چاہ رہے تھے کہ اے اُمت! یہ وقت حج کرنے کا وقت نہیں بلکہ حج بچانے کا وقت ہے۔ اس وقت تمہارے سروں پر یزیدیت کا نظام چھایا ہوا ہے اور جب یزیدیت چھا جائے تو

وَعَلَى الْإِسْلَامِ السَّلَامُ إِذَا بُلِيَتِ الْأُمَّةُ بِرَاعٍ مِثْلِ يَزِيْدَ...... [1]

جب اُمت پر یزیدیت چھا جائے تو اسلام کی فاتحہ پڑھ دو......

---

[1]......(لہوف سید ابن طاؤوسؒ، صفحہ ۲۰)(مثیر الاحزان، صفحہ ۱۰)(مقتل عوالم، صفحہ ۵۳)(مقتل خوارزمی، جلد ۱، صفحہ ۱۸۵)(سخنان حسین بن علیؑ، صفحہ ۱۶)

اگر اُمت پر یزید جیسے حکمران مسلط ہو جائیں تو پھر اسلام کی فاتحہ پڑھ دو۔ آج تمہارے اوپر یزید مسلط ہے اور جب یزید جیسے حکمران اور یزیدیت مسلط ہو جاتی ہے تو اس وقت دین پر عمل کرنے کا وقت نہیں بلکہ دین بچانے کا وقت ہوتا ہے۔ آج حج کرنے کا وقت نہیں بلکہ حرمتِ کعبہ، حرمتِ بطحا، حرمتِ زمزم اور حرمتِ صفا و مروہ بچانے کا وقت ہے۔ اگر ان کی حرمت باقی رہی تو پھر ساری عمر صفا و مروہ کے درمیان دوڑتے رہنا، کعبہ کے گرد طواف کرتے رہنا لیکن اگر ان کی حرمت باقی نہ بچی تو نہ کعبہ رہے گا نہ حج رہے گا۔ جہاں یزید چھا جائے اُس وقت اسلام نہیں رہے گا، ممکن ہے تمہارے پاس کھانے پینے کی چیزیں ہوں، آرام، چین و سکون ہو، آسائش و رفاہ ہو، گاڑیاں، گھر، بنگلے اور کوٹھیاں ہوں لیکن ان کوٹھیوں اور بنگلوں کے اندر اسلام نہیں ہوگا۔ ممکن ہے تمہارے ہاں پکی سڑکیں ہوں لیکن اس سڑکوں کے اوپر اسلام نہیں ہوگا، بڑی بڑی مارکیٹز (Markets) ہوں گی لیکن ان مارکیٹوں میں اسلام نہیں ہوگا، بڑے بڑے کالجز اور یونیورسٹیاں ہوں گی لیکن ان کالجز اور یونیورسٹیوں کے اندر اسلام نہیں ہوگا، ممکن ہے تمہاری پارلیمنٹ (Parliament) ہو لیکن پارلیمنٹ کے اندر اسلام نہیں ہوگا۔ لہٰذا تمہیں ہوش اور شعور آنا چاہئے کہ کب عمل کرنے کا وقت ہے اور کب دین بچانے کا وقت ہے؟ یہی حسینیت کشتی نجات ہے لہٰذا دینداری حسینؑ ابن علیؑ سے سیکھیں۔

آج پوری دُنیا کے اوپر اور خصوصاً عالمِ اسلام کے اوپر یزیدیت کا منحوس سایہ منڈلا رہا ہے اور جب یزیدیت چھا جائے تو اُس وقت حج کرنے کا دن نہیں حج بچانے کا دن ہوتا ہے۔ حج احرام باندھ کر کیا جاتا ہے اور حج کو کفن باندھ کر بچایا جاتا ہے۔ حج بکرے ذبح کر کے کیا جاتا ہے اور حج کو بچانے کیلئے اپنی اولاد کو ذبح کروانا ہوتا ہے، حج منیٰ کے مَسْلَخْ میں کیا جاتا ہے اور حج کو بچانے کیلئے کربلا کے مقتل جانا ہوتا ہے۔

کربلا سے صرف ثواب لے کر خود کو مطمئن نہ ہوں بلکہ ہمیں کربلا سے درس لینا ہے۔ آج وہی صورتحال ہے اور حسینؑ ابن علیؑ کی سیرت کی ضرورت ہے۔ آج لبیک یا رسول اللہ ﷺ اور لبیک یا حسینؑ کی ضرورت ہے۔ آج شانِ رسول ﷺ بھی بیان کریں لیکن شانِ رسولؐ بیان کرنے سے بڑا واجب شانِ رسولؐ بچانا ہے۔ آج نعت رسولؐ سے بڑا واجب نعت رسولؐ کی حرمت کو بچانے کا وقت ہے۔ آج قرآن کے حفظ کرنے سے زیادہ

قرآن کو بچانے کا وقت ہے۔ آج مسجدیں بنانے سے زیادہ واجب مسجدیں بچانے کا وقت ہے۔ آج مدرسے بنانے سے زیادہ واجب مدرسے بچانے کا وقت ہے، آج عزاداری کرنے سے زیادہ مہم عزاداری بچانے کا وقت آ گیا ہے کیونکہ جو نظام اور تفرقہ پھیلایا جا رہا ہے وہ سب کو نابود کرنے کے درپے ہے۔

عصر حاضر کے یزید سے مبارزہ کی ضرورت

ہمیں فخر ہے کہ اللہ نے ہمیں یہ توفیق دی ہے کہ ہم امام حسین علیہ السلام کا ذکر کریں اور انشاء اللہ کرتے رہیں گے لیکن یہ ذکر ہمیں کچھ پیغام اور درس بھی دیتا ہے۔ یہ ذکر اُمت کیلئے کچھ اقدام بھی کر رہا ہے۔ سید الشہداء علیہ السلام نے اپنی جان اور کنبہ اس لئے ذبح نہیں کروایا کہ ہم ان کا ذکر کر کے فقط ثوابِ دارین حاصل کریں بلکہ حسینؑ ابن علیؑ نے اسلام اور امت کی نجات کیلئے جان دی ہے۔

آج کس کا فریضہ بنتا ہے کہ اسلام اور اُمتِ رسولؐ کو یزیدیت سے بچائے؟ حسینؑ ابن علی علیہ السلام ہم سے کیا مطالبہ کرتے ہیں؟ امامؑ ہم سے یہ مطالبہ نہیں کرتے کہ فقط میرا ذکر کر کے میری یاد مناتے رہو لیکن اپنے زمانے کے یزیدوں کو کچھ بھی نہ کہنا۔ امامؑ یہ نہیں کہتے کہ تم فقط مردہ یزید پر لعنتیں کرتے رہو بلکہ فرماتے ہیں کہ اس مردہ یزید کے آئینہ میں اپنے زمانے کے زندہ یزیدوں کو پہچانو اور اُن کا بھی وہی حشر کرو جو میں نے اپنے زمانے کے یزید کا کیا ہے۔ جس طرح میں نے اُس یزید کو رسوا کیا ہے تم بھی اپنے زمانے کے یزیدوں کو رسوا کرو۔ آج وہی یزیدیت ایک نئی شکل اور نئے لبادے میں پوری دُنیا کے اندر اور خصوصاً مسلمان اُمت کے اندر چھائی ہوئی ہے۔ استکباریت اور لبرل ازم (Liberalism) یزیدیت کا دوسرا نام ہے۔ سیکولرازم (Secularism) اُسی یزیدیت کے نتائج میں سے ایک نتیجہ ہے جو آج پاکستان اور دیگر اسلامی ممالک کے اوپر پھیلایا جا رہا ہے۔

یزیدیت کا سب سے پہلا ٹارگٹ (Target) اسلام ہوتا ہے۔ یزید نے برسرِ اقتدار آتے ہی سب سے پہلے اسلام کو للکارا اور معاذ اللہ اس نے یہ کہا کہ بنو ہاشم نے ڈھونگ رچا رکھا ہے، نہ کوئی وحی نازل ہوئی ہے، نہ کوئی فرشتہ آیا ہے، نہ کوئی کتاب نازل ہوئی ہے اور نہ کوئی دین آیا ہے۔ آج بھی یزیدی اور اُس کے نمائندے یہی

کہتے ہیں کہ یہ مولویوں نے ڈھونگ رچا رکھا ہے، کوئی دین و مذہب نہیں ہے لہٰذا آپ شراب آزادی سے پیو، زنا آزادی سے کرو اور اس میں محرم و نامحرم کی کوئی تمیز نہیں ہے۔ یزیدیت کی آوازیں آج اکیسویں صدی میں بھی سننے کو مل رہی ہیں۔ چنانچہ سید الشہداءؑ کی سیرت پر عمل کئے بغیر ہم دنیوی و اخروی نجات حاصل نہیں کر سکتے۔

فاسد یزید اور اصلاح امت کی!

سید الشہداءؑ نے فرمایا تھا کہ میں اپنے جدؐ کی اُمت کی اصلاح کیلئے جا رہا ہوں۔ اگر ہم بارگاہِ سید الشہداءؑ میں یہ عرض کریں کہ مولاؑ ! فاسد، فاسق، زانی، شرابی و قاتل یزید ہے لیکن آپؑ علاج امت کا کر رہے ہیں؟ حالانکہ جب آپؑ روانہ ہو رہے تھے تو اُمت حج کر رہی تھی، مسجد النبیؐ کی زیارت کر رہی تھی اور نمازیں پڑھنے میں مشغول تھی تو کیا جو اُمت حج، زیارتیں اور نمازیں پڑھ رہی ہو اُس کی اصلاح کریں گے، کیونکہ وہ تو پہلے سے اصلاح شدہ ہے؟ مولاؑ کا یہ جواب آئے گا کہ یہی حج، زیارتیں اور نمازیں پڑھنے والے فاسد ہو گئے ہیں۔ ان کے فساد کی علامت یہ ہے کہ یزید برسرِ اقتدار آ گیا ہے اور یہ چپ کر کے اپنی عبادتوں میں لگے ہوئے ہیں۔ اگر ان کے ذہن فاسد نہ ہوتے، عبادتیں فاسد نہ ہوتیں، ایمان فاسد نہ ہوتے تو یہ سب سے پہلے یزیدیت کو چیلنج کرتے اور روکتے۔

اگر اُمت بیدار ہو تو کبھی بھی یزیدیت کو مسلط نہ ہونے دے۔ اگر یزیدیت مسلط نہ ہوتی تو پھر کبھی بھی نواسۂ رسولؐ شہید نہیں ہوتا، کبھی بھی نبیؐ کی بیٹیاں اسیر نہیں ہوتیں اور دربار و بازار میں نہیں جاتیں۔ یہ کس کا گناہ ہے؟ یہ صرف یزید کا گناہ نہیں بلکہ اُس تماشائی اُمت کا بھی گناہ ہے کہ جو چپ کر کے اپنی رسومات میں لگی ہوئی ہے اور اُس کو پرواہ ہی نہیں ہے کہ یزید ہمارے ساتھ، ہمارے دین کے ساتھ اور ہماری سرزمین کے ساتھ کیا کر رہا ہے۔

فاسد یزید اور اصلاح امت کی!

عبادتیں کرنے اور بچانے کے اوقات

کچھ وقت کسی کام کو انجام دینے کا ہوتا ہے لیکن کچھ وقت کسی کام کو بچانے کا ہوتا ہے۔ سید الشہداءؑ جب حج کیلئے گئے تو حج کا احرام کھول کر آٹھ ذی الحجہ کو کربلا کیلئے روانہ ہو گئے۔ اُمت کی معتبر شخصیات اور حاجیوں نے امامؑ کو روکا کہ ابھی حج کا وقت ہے اور آپؑ بعد میں بھی جا سکتے ہیں۔ سید الشہداء امام حسینؑ نے اُن بڑی معتبر شخصیات کو جواب دیا کہ یہ حج کرنے کا نہیں بلکہ حج بچانے کا وقت ہے۔ آپؑ اُمت کو یہ بتانا چاہتے تھے کہ اے اُمت! اے حاجی! اے نماز گزار، اے تہجد گزار، اے خدا پرست یہ وقت عبادتیں کرنے کا وقت نہیں بلکہ عبادتیں بچانے کا وقت ہے۔ تم نے حج کرنے کیلئے احرام باندھے ہیں لیکن میں نے حج بچانے کیلئے کفن باندھا ہے۔ مساجد و امام بارگاہ بنانے سے زیادہ اہم انہیں بچانا ہے، نماز پڑھنے سے زیادہ مہم نماز کی حرمت بچانا ہے، میلاد منعقد کرنے سے زیادہ اہم میلاد کی حرمت کو بچانا ہے، عزاداری منعقد کرنے سے زیادہ اہم عزاداری کی حرمت بچانا ہے لیکن کوئی مسلمان یہ حرمتیں تنہا نہیں بچا سکتا چونکہ اس کا دشمن فقط شیعہ یا سنی کا دشمن نہیں ہے بلکہ اسلام کا دشمن ہے۔ جو بھی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا کلمہ پڑھتا ہے وہ اُس کا دشمن ہے۔

حسینؑ ابن علیؑ کی منطق میں وہ حج حج نہیں ہے جو یزیدیت کے سائے میں انجام دیا جائے۔ عبادتیں اُس وقت بچتی ہیں کہ جب عبادتوں اور سرزمینوں کے اوپر یزیدیت کی حکمرانی نہ ہو۔ محفوظ عبادتوں کو جہاں مرضی بیٹھ کر انجام دیتے رہو، عزاداریاں کرتے رہو چونکہ یہ محفوظ ہے، کیوں محفوظ ہے؟ اس لئے کہ عالمی سطح پر یزیدیت کی حکومت نہیں ہے لیکن جب عالمی سطح پر یزید چھا جائے، جب امریکہ و یورپین یونین جیسا یزید اور نیٹو جیسی یزیدی فوج آ کر اسلامی ممالک کو تسخیر کرنا شروع کر دے، مسلمانوں کا ناحق خون بہانا شروع کر دے، مسلمانوں کو آپس میں لڑانا شروع کر دے، آئے دن مسلمانوں کی لاشیں اُٹھنی شروع ہو جائیں تو پھر آرام سے گھر میں بیٹھ کر عزاداری کرنے کا وقت نہیں بلکہ عزاداری بچانے کا وقت ہوتا ہے۔ یہ حسینؑ ابن علیؑ کا درس اور عزاداری کا پیغام ہے۔

ہمارا مکتب و مدرسہ کربلا ہے۔ ہمارا دین حسینی و کربلائی ہے۔ ہم نے کربلا سے سیکھنا ہے۔ کربلا پوری

انسانیت کو یہ درس دیتی ہے کہ بعض اوقات کسی عمل کے انجام دینے کا وقت ہوتا ہے اور بعض اوقات اسی عمل کو بچانے کا وقت ہوتا ہے۔ عقل مند قوم وہ ہے جسے یہ معلوم ہو جائے کہ کب عمل کرنے کا وقت ہے اور کب اس عمل کی حرمت کو بچانے کا وقت ہے۔ کربلا قوموں کی عقلمندی کی آزمائش ہے۔

بی بی زینب جب کوفہ پہنچیں تو دیکھا کہ کچھ لوگ رو رہے ہیں۔ اُن کا رونا دیکھ کر بی بی کو غضب چڑھ گیا اور آپ نے کوفہ کے بھرے بازار میں اعلان کیا کہ اے کوفہ والو! سنو علیؑ کی بیٹی کچھ کہنا چاہتی ہے۔ میں کربلا سے لے کر کوفہ تک عزاداری کرتی آئی لیکن تمہیں دیکھ کر اب میں عزاداری نہیں کروں گی بلکہ عزاداری بچاؤں گی، اب مجھے کربلا بچانی پڑ گئی ہے لہٰذا آپ نے وہاں خطبہ دے کر کربلا اور پیغامِ کربلا کو بچالیا۔ آج بہت سارے لوگ کہتے ہیں کہ ہم تنہا ہیں، ہم مجبور ہیں، ہمارے پاس وسائل نہیں ہیں۔ انہیں یہ سوچنا چاہیئے کہ بنتِ علیؑ کے پاس بازارِ کوفہ میں کتنے لوگ اور کتنے پیسے تھے؟ کیا آپ بنت علیؑ سے زیادہ مجبور ہو؟ آپ میں سے کس کے ہاتھ پس گردن بندھے ہوئے ہیں؟ آپ میں سے کس کے عزیزوں کی لاشیں نیزوں پر اُٹھی ہوئی ہیں؟ آپ میں سے کون ہے کہ جس کی بیٹیاں اُس کے ہمراہ رسیوں میں جکڑی ہوئی ہیں؟ اور جو یتیموں کا قافلہ لے کر بازاروں میں جا رہا ہو؟ ہم میں سے کوئی بھی ایسا مجبور نہیں ہے لیکن اُس وقت بی بی نے احساس کیا۔ ابھی کربلا بچانے کا وقت آگیا ہے۔ اگر دین محفوظ ہو تو اُس پر ساری عمر عمل کرتے رہو لیکن جب دین ہی محفوظ نہ ہو تو نہ تم رہو گے، نہ تمہارا دین رہے گا اور نہ ہی ملک رہے گا۔ انہیں آپ نے بچانا ہے اور بچانے کا واحد راستہ وحدت ہے۔

زیارت ناموں میں شیطانی مثلث کی نشاندھی

لیکن افسوس کے ساتھ درج کرنا پڑتا ہے کہ آج وہی پرانا شیطانی مثلث وجود میں آیا ہوا ہے۔ زیارتِ وارثہ میں ذکر کیا گیا ہے کہ قتل کرنے والا، اس کی تائید وحمایت کرنے والا اور اس ظلم پر چپ رہنے والا خاموش تماشائی بھی ظالم ہے۔ آج وہی شوم مثلث اور منحوس تاریخی ٹرائیکا (Trica) بن چکا ہے جس سے ہمیں دین نے خبردار کیا تھا یعنی

لَعَنَ اللّٰہُ اُمَّۃً قَتَلَتکَ، وَلَعَنَ اللّٰہُ اُمَّۃً ظَلَمَتکَ، وَلَعَنَ اللّٰہُ اُمَّۃً سَمِعَتْ بِذٰلِکَ فَرَضِیَتْ بِہٖ......[1]

یعنی لعنت ہو اس گروہ پر جس نے آپؑ کو قتل کیا، لعنت ہو اس گروہ پر جس نے آپؑ پر ظلم کیا اور لعنت ہو اس گروہ پر جس نے یہ سب کچھ سنا اور اس پر راضی رہا۔

کربلا کا واقعہ انہی تین طبقوں کی طرف سے پیش آیا اور انہی طبقوں نے مل کر نواسہ رسولؐ کو شہید کیا۔ ہمیشہ کی طرح آج بھی اُمت مسلمہ کے اندر یہ تین طبقے مل کر ظلم کر رہے ہیں۔ یہ زیارت نامے درحقیقت امت کیلئے دستور و منشورِ عملی تھے لیکن ہم نے ان کو ورد بنالیا ہے۔ یہ صرف رسم اور ثواب کے حصول کا ذریعہ نہیں ہیں۔ ان زیارت ناموں کو اُس طرح سے نہ دیکھیں کہ جس طرح آج ہم ان سے رسمی استفادہ کر رہے ہیں۔ یہ زیارت نامے ان مقاصد کیلئے نہیں تھے کہ جن کیلئے انہیں آج استعمال کیا جارہا ہے۔ جس طرح قرآن کتابِ ہدایت و نجات اور کتابِ انقلاب تھی لیکن ہم نے اسے کتابِ ثواب بنالیا۔ اسے صرف مردوں پر پڑھتے ہیں اور زندوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

یہ زیارت نامے ہمیں راز سکھارہے ہیں اور ان کے اندر کوڈز (Codes) موجود ہیں جنہیں کھولنے کی ضرورت ہے۔ ان تینوں طبقوں سے بیزاری کا اظہار کریں۔ دہشت گرد کے ماں باپ عورت و مرد نہیں بلکہ یہی طبقے ہیں۔ ظالم حکومتوں اور خاموش قوموں کے اندر دہشت گرد پیدا ہوتے ہیں ورنہ یزیدیت کی حکومت ہو، یزیدیت کا سایہ چھایا ہوا ہو، استکباریت، استعماریت اور آمریت کے سائے میں خاموش زندگی بسر کرنا زندگی نہیں کہلاتا۔ ایسے نظام میں زندگی اسلامی والٰہی زندگی نہیں کہلاتی اور اس سے خدا راضی نہیں ہے۔

---

[1]......(مفاتیح الجنان، زیارتِ امام حسینؑ)(بحار الأنوار، المولف: العلامۃ الشیخ محمد باقر المجلسیؒ، الجزء۹۸، صفحہ۳۶۱، ۲۰۱)

دین اسلام میں تماشائیوں کی سخت مذمت

زیارت ناموں کے علاوہ بھی اسلام کی تعلیمات ظلم پر خاموش تماشائیوں کو مجرم قرار دیتی ہیں۔ اگر کوئی اپنا من گھڑت وخودساختہ اسلام بنالے تو وہ پھر بھی ان ذمہ داریوں کو انجام نہ دے کر مجرم ہی محسوب کیا جائے گا۔ بنی اسرائیل نے دین میں تحریف کر کے اپنا خودساختہ اسلام بھی بنایا ہوا تھا اور اسی پر خوش تھے۔ وہ کہتے تھے کہ

لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلاَّ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ......[1]

جہنم کی آگ ہمیں چند روز کے سوا چھو نہیں سکتی......

چونکہ ہم خدا کے لاڈلے ہیں۔ قرآن نے اس کی نفی کی کہ رنگ ونسل کی وجہ سے جنت وجہنم کی تقسیم نہیں ہوگی۔ وہ بھی یہ کہتے تھے:

لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلاَّ مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى......[2]

جنت میں یہودی اور نصرانی کے علاوہ کوئی ہرگز داخل نہیں ہوسکتا۔

قرآن نے اس کی بھی نفی کی اور فرمایا کہ یہ تمہاری من گھڑت آرزوئیں، تخمینے اور اندازے ہیں۔ من گھڑت دین پر خوش رہنا اور اسی پر ساری عمر بسر کر دینا دین نہیں ہے بلکہ دین وہ ہے جو قرآن، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و ائمہ اطہار علیہم السلام پیش کر رہے ہیں۔ دین وہ ہے جو دین شناس علماء نے سکھایا اور بتایا ہے۔ اس دین کے اندر تماشائی بننا جرم وگناہ ہے۔ خداوند تبارک وتعالیٰ اس انسان کو پسند نہیں کرتا جس کا معاشرے میں کوئی رول (Role) نہ ہو اور جو مسلمین کے امور کے متعلق کوئی قدم نہ اٹھاتا ہو۔

مثلاً کرکٹ میں چند کھلاڑی کھیل رہے ہوتے ہیں اور کروڑوں کی تعداد میں اُمت بیٹھ کر تماشا دیکھ رہی ہوتی ہے۔ اگر ان کی فیورٹ ٹیم جیت جائے تو لوگ تالیاں بجاتے ہیں اور اگر ہار جائے تو آنسو بہاتے ہیں لیکن نہ ان کی تالیاں اس ٹیم کے کام آتی ہیں اور نہ ان کے آنسو، کیونکہ اسٹیڈیم میں تماشائیوں کی کرسی پر بیٹھ کر یہ کام

---

[1]......(سورۂ آلِ عمران، آیہ ۲۴)　[2]......(سورۂ بقرہ، آیہ ۱۱۱)

کرر ہے ہیں۔ اگر انہوں نے ٹیم کی مدد کرنی ہے تو انہیں خود میدان میں اتر کر کھیلنا پڑے گا۔ انہیں ٹیم کا حصہ بننا پڑے گا ورنہ تماشائیوں کی طرح کفِ افسوس ملتے رہنے سے ٹیم کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

خداوند تبارک وتعالیٰ، انبیاءؑ وائمہؑ ہمیں تماشائی دیکھنا نہیں چاہتے بلکہ تماشائیوں کی مذمت کی ہے۔ جب کربلا میں اہل بیتؑ کو اسیر کر کے کوفہ کے بازار کے اندر لے گئے تو جنابِ ثانی زہراؑ زینب علیاؑ نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ رو رہے تھے۔ ان کو روتا دیکھ کر بنتِ علیؑ کو بڑا غضب چڑھا اور اس غضب کی حالت میں کوفیوں سے خطاب کیا:

يَا اَهْلَ الْكُوْفَةِ ، يَا اَهْلَ الْخَتْلِ وَ الْغَدْرِ وَالْخَذْلِ......

اے کوفیو! اے مکارو! اے غدارو! اے بے وفاؤ! اے ہزار چہرہ لوگو!

اَتَبْكُوْنَ اَخِيْ؟......

تم میرے بھیا کو روتے ہو؟[1]

تمہارا یہ رونا تماشائیوں کا رونا ہے۔ جب حسینؑ کربلا میں زیرِ خنجر تھا اس وقت کیوں نہیں آئے؟ اب تمہارے رونے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ تم تماشائی ہو۔ اگر رونا ہے تو یا کربلا کے شہداء میں ہوتے یا پھر قافلۂ اسارٰی میں ہوتے۔ نہ تمہارے سر نوکِ نیزہ پر ہیں اور نہ تمہارے ہاتھ رسن میں بندھے ہیں اور باہر بیٹھ کر رو رہے ہو۔ یہ تماشائیوں کا رونا ہے۔ اہل بیتؑ خود بھی رو رہے تھے، بی بیؑ خود بھی رو رہی تھیں۔

رونے کا کوئی مقام ہوتا ہے اسی طرح ہنسنے کا بھی کوئی مقام ہوتا ہے اور وہ ہے میدانِ عمل۔ میدانِ عمل میں آ کر ہنسنے کا بھی فائدہ ہے اور رونے کا بھی لیکن توہینِ رسالتؐ ہو رہی ہو اور لوگ تماشائیوں کی طرح تالیاں اور جشن مناتے رہیں تو دین کی نظر میں یہ جرم ہے۔

دینِ اسلام میں تماشائیوں کی سخت مذمت

---

[1]......(چهره درخشان حسينؑ بن علیؑ)(حماسهٔ حسينیؑ ـ استاد شهيد مرتضیٰ مطهریؒ)

مسلمانوں کی تماشا بینی، توہین رسالت وموجودہ حالات کا سبب

تفرقہ سے زیادہ رنج ودکھ کی بات ان تمام حوادث واتفاقات پر اُمت کے مختلف طبقات کا تماشائی بن جانا اور ساکت وخاموش رہنا ہے۔ نہ حکمرانوں کے کانوں پر جوں رینگتی ہے نہ علماء وعوام کے۔ سیاستدان اپنے اپنے اقتدار اور کرسیوں کو مضبوط کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ آج اگر دو انسان کسی چیز کو ماننے والے ہوں تو اس کی توہین نہیں کی جاتی۔ ہولوکاسٹ (Holocaust) کو انہوں نے اتنا مقدس بنا دیا کہ چند ملین یہودی کہتے ہیں کہ اس کے بارے میں بات نہیں کرنا اور اگر کوئی بات کرے تو اٹھا کر جیل میں ڈال دیتے ہیں۔ لیکن ایک ارب سے زیادہ مسلمان جس ہستی پر ایمان رکھتے ہیں اور جس کی پیروی واتباع کرتے ہیں اس کو ہالینڈ، ڈنمارک اور امریکہ بار بار توہین کا نشانہ بناتے ہیں۔ وہ ایک ارب مسلمانوں کو خاطر میں نہیں لاتے اور جو جی میں آتا ہے کر رہے ہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک ارب مسلمانوں کے اندر ایک ایسا نکتۂ ضعف وکمزوری موجود ہے جس سے وہ جری و دلیر ہو گئے ہیں۔ وہ کمزوری یہ ہے کہ مسلمان نے میدانِ عمل میں اتر کر اپنا کردار نبھانے کی بجائے تماشائی کی سیٹ پر بیٹھ کر بعض واقعات پر افسوس کرنا شروع کر دیا اور بعض واقعات پر خوش ہونا شروع کر دیا۔ یہ مسلمانی نہیں ہے۔ یہ اسلام نہیں ہے کہ آئے دن وہ توہین قرآن ورسالت کریں اور ہم افسوس کرتے رہیں اور بیانات ریکارڈ کراتے رہیں۔ آج ہم احتجاج کی صورت میں عکس العمل دکھاتے ہیں لیکن وہ ہمارے احتجاج کی بھی پرواہ نہیں کرتے چونکہ انہیں معلوم ہے کروڑوں کی آبادی میں اگر کچھ لوگ باہر نکلتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ گویا باقی لوگوں کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ کوئی اپنی دکان کھول کر بیٹھا ہوا ہے، کوئی اپنے دفتر میں بیٹھا ہوا ہے، کوئی اپنی مسجد میں بیٹھا ہوا ہے، کوئی اپنے کاروبار میں بیٹھا ہوا ہے، کوئی اپنے اسکول، کالج ویونیورسٹی میں بیٹھا ہوا ہے اور کوئی اپنے گھر میں بیٹھا ہوا ہے یعنی عملاً یہ تاثر دیتے ہیں کہ اس اسلام ورسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کا کوئی لین دین نہیں ہے۔

اس ملک میں کوئی دن، کوئی ہفتہ ایسا نہیں گزرتا کہ جب یہاں پر کئی بے گناہوں کا خون نہ گرے۔

پولیس افسران، فوجی افسران، فوج کے سپاہی، بے گناہ مسلمان، مسجدیں، امام بارگاہیں، جلوس ومجلسِ عزا سبھی دہشت گردوں کا نشانہ بن رہے ہیں لیکن اُمت کا کام یہ رہ گیا ہے کہ فقط رات کو بیٹھ کرٹی وی چینل لگا کر کہ یہ نوٹ کرے کہ فلاں چینل کیسے خبر دیتا ہے؟ اور فلاں چینل واردات کو کیسے بیان کرتا ہے؟ یعنی ایک ٹیم کھیل رہی ہے اور کروڑوں لوگ تماشا دیکھ رہے ہیں۔ وہ ٹیم جس کے کروڑوں تماشائی ہوں اس کی کوئی قوت نہیں ہوتی بلکہ اس ٹیم کی قوت ہوتی ہے جس کے کروڑوں کھلاڑی عمل کے میدان میں کھیلنے کیلئے موجود ہوں۔

اسلام ہرگز انسانوں کا تماشائی بننا پسند نہیں کرتا۔ قوم تماشائی بنی رہی تو ملک یہاں تک جا پہنچا کہ دہشت گرد دندناتے پھر رہے ہیں۔ مٹھی بھر دہشت گرد اور کروڑوں کی تعداد میں تماشائی ہیں۔ اس ملک میں سب سے بڑی مشکل یہی ہے کہ اکثریت تماشائی بن گئی ہے۔ ہمارا کام اپنے ڈرائنگ رومز میں بیٹھ کر صرف خبریں سننا اور اعداد وشمار رکھنا ہے کہ آج اتنی لاشیں گریں، پچھلے ہفتے اتنی گری تھیں، اس ہفتے کا ریشو اُس ہفتے کے مقابلہ میں کم رہا جبکہ ایمان اس حالت کو قبول نہیں کرتا۔ ایک تفرقہ باز منبر پر بیٹھ کر تفرقہ آمیز گفتگو کرتا ہے اور نیچے بیٹھ کر ہزاروں لاکھوں لوگ فقط سر دھنتے اور تماشائی بنے رہتے ہیں۔ آج مسلمانوں کی ذلت کا سبب بھی یہی تماشا بنی ہے۔

دشمن سے عزت وامن کی بھیک نہ مانگیں

خدا نے مومنین کو کسی بھی حال میں ذلیل ہونے کی اجازت نہیں دی ہے۔ آج امریکا ایک ارب مسلمانوں کے پیغمبر ﷺ کی توہین کرتا ہے تو یہ مسلمانوں کی توہین ہے لیکن مسلمان تماشائی بنے ہوئے ہیں۔ آج ایسے بھی فرقے موجود ہیں کہ جن کے پیروکار چند سو ہیں لیکن حقوق کے نعرے لگانے والے ان کے حقوق کا دفاع کرتے ہیں۔ وہ آج مرزائیت کو تحفظ دیتے ہیں، قادیانیت کو تحفظ دیتے ہیں، بھائیت کو تحفظ دیتے ہیں کہ ان کے بارے میں کچھ نہ کہا جائے اور ان کو آزادی ہونی چاہئے۔ اگر چند ہزار لوگوں کا مذہب محترم ہے تو کیا ایک ارب کے مقدسات محترم نہیں ہیں؟! کیا ایک ارب مسلمانوں کا نبیؐ اور قرآن محترم نہیں ہے؟!

دشمن سے عزت وامن کی بھیک نہ مانگیں

ان لوگوں سے احترام کی بھیک نہ مانگیں۔علامہ اقبالؒ بھی یہی کہتے تھے کہ

ان شہیدوں کی دیت اہلِ کلیسا سے نہ مانگ ۔۔۔۔۔[1]

شہداء شمعِ اسلام ہیں۔شہداء اسلام کے روشن چراغ ہیں۔ یہ ہمیں زندہ و بیدار کرنے کے لئے موجود ہیں۔

آج لوگوں نے درندوں سے پاکستان، عراق، لبنان اور ساری دنیا کیلئے امن کی بھیک مانگنا شروع کردی ہے۔ان سے بھیک نہیں مانگنی۔امن برقرار کرنے کا آسان طریقہ ہے۔آج اس ملک کے احمق حکمرانوں کی غلط پالیسیوں، غلط فیصلوں اور سب سے بڑھ کر دشمن کی نوکری اور دشمن کا آلۂ کار ہونے کی وجہ سے یہ ملک افراتفری و دہشت گردی کا شکار ہے۔ یہ انہی کے بوٹ چاٹتے ہیں اور انہی سے ڈیل (Deal) کر کے واپس آتے ہیں۔

آج اسی مملکتِ پاکستان میں کہ جس کے بارے میں ہم فخر سے کہتے ہیں اور کہنا بھی چاہئے کہ اسلام کے نام پر یہ سرزمین وجود میں آئی لیکن جتنی تذلیل اس سرزمین کے اندر رہنے والے مسلمین کی ہوتی ہے شاید ہی کسی اور خطے میں بسنے والے لوگوں کی ہوتی ہو۔ جہاں پر سرمایہ اس ملک کا ہوتا ہے لیکن بینک اور جیبیں دوسروں کی بھرتی ہیں، جہاں پر معمولی سی بھی مشکل پیش آجائے لیکن بیرونِ ملک سے لوگ آکر اُس گرہ کو ہمارے لئے کھولتے ہیں۔حکومت کی نگاہیں بھی کسی مغربی یا امریکی سفیر پر لگی ہوتی ہیں کہ کب وہ آئے گا اور انہیں کوئی خوشخبری اور نوید و مژدہ سنائے گا۔سیاستدانوں کی نگاہیں بھی اُنہی کے اوپر لگی ہوتی ہیں کیونکہ انہی سے ڈیل (Deal) کر کے انہیں اقتدار میسر آتا ہے۔انہیں نہ اپنے دین پر اعتماد ہے، نہ اپنے اللہ پر بھروسہ ہے اور نہ ہی اپنی قوم پر بھروسہ و اعتماد ہے یہی وجہ ہے کہ یہ کمزور اور ذلیل و رسوا ہیں۔عرب ممالک ہی کو دیکھ لیں حالانکہ اُن کے پاس ثروت کے عظیم منابع اور ذخیرے موجود ہیں اور تیل جیسی اقتصادی رگِ حیات موجود ہے لیکن اس کے باوجود یہ خود انہی کے

---

[1]۔۔۔۔۔(ضربِ کلیم، صفحہ ۶۸)

دشمن سے عزت و امن کی بھیک نہ مانگیں

سامنے ذلیل ورسوا ہیں جو ان کے محتاج ہیں۔

پاکستان میں ووٹ پاکستانی ڈالتے ہیں لیکن رئیس اور حکومت کے سرپرست کا تعین واشنگٹن سے ہوتا ہے۔ یہ ایک قوم وملت کی توہین ہے۔ یہ ملت عزیز ہے۔ اس کو خدا نے عزت دی ہے لیکن حکمرانوں نے یہ ملک کرائے پر دے دیا ہے۔ دین اس تذلیل کی اجازت نہیں دیتا ہے۔ مومنین عزت کا سودا نہیں کرسکتے۔ سید الشہداؑ نے کربلا میں فرمایا تھا:

اَلَا وَ اِنَّ الدَّعِیَّ ابْنَ الدَّعِیِّ قَدْ رَكَزَ بَيْنَ اثْنَتَيْنِ، بَيْنَ السِّلَّةِ وَ الذِّلَّةِ وَ هَيْهَاتَ مِنَّا الذِّلَّةُ......[1]

یعنی اس (عبیداللہ) نابکار کے نابکار بیٹے نے مجھے چمکتی تلواروں اور ذلت کے درمیان لا کھڑا کیا ہے اور ذلت ہم سے کوسوں دور ہے۔

اس نے مجھے عزت وذلت کے دوراہے پر لا کھڑا کیا ہے۔ ایک طرف عزت کا راستہ ہے لیکن وہ چمکتی تلواروں کا راستہ ہے اور ایک طرف ذلت کا راستہ ہے اور وہ زندگی کا راستہ ہے لیکن میں ظالموں کے ساتھ زندگی بسر کرنے کو اپنے لئے موت سمجھتا ہوں،

فَاِنِّیْ لَا اَرَی الْمَوْتَ اِلَّا سَعَادَةً وَالْحَيَاةَ مَعَ الظَّالِمِيْنَ اِلَّا بَرَماً......[2]

میں جانبازی اور شجاعت کی موت کو ایک سعادت سمجھتا ہوں اور ظالموں کے ساتھ زندگی گزارنا میرے نزدیک ذلت اور حقارت ہے......

یعنی میں ظلم کے سائے میں زندگی بسر کرنے کو اپنے لئے ننگ وعار سمجھتا ہوں اور عزت کی راہ پر مرجانے کو افتخار سمجھتا ہوں۔ پیغمبر اسلامؐ اور نواسۂ رسولؐ ذلت پر راضی نہیں ہیں۔ نواسۂ رسولؐ کا یہ پیغام ابد تک آنے والے

دشمن سے عزت واپسی کی بھیک نہ مانگیں

....

1......(اللهوف-سید علی بن موسیٰ بن طاوسؒ، صفحه ٤٧)(مقتل الحسین خوارزمی، الجزء ٢، صفحه ٧٦)(تاریخ شام ابن عساکر، الجزء ٤، صفحه ٣٣٣)(نفس المهموم، صفحه ١٤٩)

2......(بحار الانوار، جلد ٤٤، صفحه ١٩٢)(سخنان حسین بن علی علیهما السلام از مدینه تا کربلا)

مسلمانوں کیلئے ہے چنانچہ آج بھی امام حسین علیہ السلام کی یہ آواز ہمیں ظالم سے نبرد آزما ہونے کا درس دے رہی ہے۔ لیکن دشمن نے اس جدید دور میں منصوبے بھی جدید و پیچیدہ بنائے ہیں جن کو سمجھے بغیر ہم اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

جدید دور کے جدید تقاضے

اس بات کو قبول کر لیں کہ زمانہ بدل گیا ہے اور بدلے ہوئے زمانے میں لوگ، عادتیں اور ہر چیز ماڈرن (Modern) ہوگئی ہے۔ اس جدید دور میں داخل ہونے کیلئے موبائل فون، لیپ ٹاپ، پچ سسٹم گاڑی اور کیبل نیٹ ورک کافی نہیں ہے بلکہ ماڈرن زمانے میں داخل ہونے کے لئے آپ اپنے ماڈرن دشمن کو بھی سمجھیں، ماڈرن دشمن کی ماڈرن پیچیدہ پالیسیوں، چالوں حربوں اور منصوبوں کو بھی سمجھیں اور ان کیلئے ماڈرن راہِ حل بھی آپ کے پاس موجود ہونی چاہئے۔ اس طرح ہم نئے زمانے کے لوگ کہلائیں گے ورنہ پرانے زمانے کی باتیں سوچ کر نئے زمانے میں رہنے سے مشکلات بڑھ جائیں گی۔ ان چیزوں کو سرسری نہ سمجھیں کہ ہم کسی کو نہیں چھیڑتے تو ہمیں بھی کوئی نہیں چھیڑتا۔ یہی ہماری غفلت ہے کہ ہمیں دشمن کی پرواہ نہیں ہے لہٰذا دشمن کو بھی ہماری پرواہ نہیں ہے۔ آپ کے لئے اس نے کیا کیا سوچا ہوا ہے؟ کیا کیا منصوبے بنا کر رکھے ہوئے ہیں؟ اور کتنے مہرے تیار کر کے رکھے ہوئے ہیں۔ جس طرح درباریوں، بادشاہوں، مہاراجوں، اُمراء، آمروں، بے دردوں اور مرفہین کے جعلی دین نے خاص طور پر ایسے افراد پال رکھے تھے جو پھوٹ ڈلوانے میں ماہر تھے اور اس مجہول دین نے ان تفرقہ بازوں کو بہت تقویت دی اسی طرح اس جدید دور میں بھی یہی سرکاری و درباری افراد جو سفارتخانوں یا ڈائریکٹ اُن سفارتخانوں کے پایۂ تخت و مراکز سے وابستہ ہیں انہیں تفرقہ پھیلانے کا ٹاسک (Task) دیا جاتا ہے۔

ماڈرن زمانے میں ہمیں بہت ساری چیزوں کو Moderate کرنا پڑے گا مثلاً سوچ کو ماڈریٹ کرنا پڑے گا، ذہنیت بدلنی پڑے گی، نظر بدلے گی تو نظارے بدلیں گے درحالیکہ دنیا ہمارے لئے کب کی بدل چکی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ دشمن کے جدید اسلحوں سے آشنائی بھی ضروری ہے۔ کسی زمانے میں تلوار و خنجر سے جنگ ہوتی تھی لیکن آج اسلحہ ترقی کرتا ہوا Space Weapons کی حد تک پہنچ گیا ہے۔ اسی طرح بشریت کے

دشمن کا ایک پرانا اسلحہ تفرقہ ہے۔اس کے ذریعہ وہ بغیر کسی زحمت کے ملتوں میں پھوٹ ڈال کر ایک دوسرے کے سر قلم کروادیتے ہیں اور ان کے وجود کو چھلنی کر دیتے ہیں۔انہوں نے تفرقہ کو بھی ماڈرنائز (Modernize) کیا ہے اور اسے پیچیدہ بنا دیا ہے۔اس جدید تفرقہ کے کئی پہلو ہیں جنہیں سمجھنے اور ناکام بنانے کی اشد ضرورت ہے۔

عالم و ابراھیمؑ زمان بننے کی ضرورت

آج تفرقہ کے اسباب اور وحدت کی راہ میں حائل موانع کے مطالعہ کی شدید کمی ہے۔اسی ابہام کو دور کرنے کیلئے رہبر انقلاب نے پوری اُمت کے علمائے اسلام پر یہ ذمہ داری عائد کی ہے کہ آپ کا کام فقط روایتی انداز سے کتابیں پڑھنا، پڑھانا اور لائبریریاں بھرنا نہیں ہے بلکہ حالات کا مقابلہ کریں اور وقت کے تقاضوں کا جواب دیں۔عالمِ زمان بنیں۔اس دور میں ماضی کے عالم بن کر رہنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

اَلْعَالِمُ بِزَمَانِهِ لَا تَهْجُمُ عَلَيْهِ اللَّوَابِسُ......[1]

جو اپنے زمانے کا عالم ہو اُس کے اوپر فتنے کبھی بھی تہاجم یعنی ہجوم نہیں کرتے۔Up-to-date عالم کبھی بھی فتنوں کی لپیٹ میں نہیں آتا۔Up-to-date عالم وہ نہیں ہے کہ جس کے پاس Latest Model کی گاڑی ہو اور جب چلے تو اُس کے آگے پیچھے لشکر چلتا ہو بلکہ وہ عالم مراد ہے جسے معلوم ہو کہ میرے زمانے کا دشمن کون ہے؟ میری زمانے کے دشمن کی دشمنیاں کس طرز کی ہیں؟ اُس کے حربے، حیلے، مکر اور سازشیں کیا ہیں؟ وہ کیا سوچ رہا ہے؟ کیا کرنا چاہتا ہے؟ اور مجھے اُمت کو کیسے بچانا ہے؟ ہم وہ عالم ہیں جو ماضی کو زیادہ جانتے ہیں اور دیرینہ قصے ازبر کئے ہوئے ہیں۔وہی قصے ہم شعر و نثر اور قلم و سخن کے ذریعہ سنتے سناتے

---

[1]...... (اصول کافی-الکلینیؒ، الجزء ۱، صفحہ ۲۹۰)(مرآۃ العقول فی شرح أخبار آلِ الرسولؐ - العلامۃ المجلسیؒ، الجزء ۸، صفحہ ۲۴۴)

ہیں اور اُن پر سر دھنتے رہتے ہیں لیکن اپنے زمانے کے دشمن، مشکلات، مسائل اور فتنوں سے یکسر بے خبر ہیں۔

نہج البلاغہ، خطبہ ۱۶۰ میں ہے کہ بنی اسد قبیلے سے تعلق رکھنے والے ایک شخص نے مولا علی علیہ السلام سے پوچھا:

''کیا وجہ ہے کہ لوگوں نے آپؑ کو اس منصب سے الگ رکھا حالانکہ آپؑ اس کے زیادہ حق دار تھے''۔

حضرتؑ نے اُس کو سخت ڈانٹ پلائی اور کہا کہ ''اے برادر بنی اسد! تم بہت تنگ دل آدمی ہو اور بے راہ ہو کر چل نکلے ہو''۔ پھر آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ ''چھوڑو اس لوٹ مار کے ذکر کو جس کا چاروں طرف شور مچا ہوا تھا'' اب تو اس مصیبت کو دیکھ جو ابوسفیان کے بیٹے کی وجہ سے آئی ہے۔ یعنی امام علیؑ نے فرمایا کہ تو پچیس سال پرانے مسائل میں دلچسپی رکھتا ہے لیکن آج کے مسائل میں دلچسپی نہیں کیوں رکھتا؟ آج کے بارے میں کیوں نہیں سوچتا؟ یہ کیوں نہیں پوچھتا کہ مجھے آج کیا مشکل درپیش ہے؟ جو امامؑ اتنا بھی پسند نہیں کرتا ہو کہ اُس کے سامنے پچیس سال پرانی بات کی جائے تو کیا انہیں یہ بات ناگوار نہیں گزرتی ہوگی کہ ہم چودہ سو سال گزرنے کے بعد اپنے زمانے کے مسائل، مشکلات اور فتنوں کو نہ دیکھیں اور ان سے پہلوتہی کریں۔

ہمیں معصومین علیہم السلام کا اُسوہ بتاتا ہے کہ اپنے زمانے کے فتنوں کا مقابلہ کیا جائے۔ اگر رسول اکرم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاہتے تو فرعون و نمرود پر لعن طعن کرتے رہتے اور اپنے جد کیلئے محفلیں منعقد کرتے رہتے۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قریش، ابوجہل اور و ابولہب کے مقابلہ میں نہ اُٹھتے تو اسلام کو کبھی بھی غلبہ حاصل نہ ہوتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے دور کے نمرود سے ٹکر لی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے زمانے کے فتنہ کا مقابلہ کیا اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے زمانے کے فتنہ کا سدباب کیا۔ اگر سید الشہداء علیہ السلام چاہتے تو ماضی کے فرعون اور نمرود پر لعن طعن کرتے رہتے لیکن پھر یزید کا مقابلہ کون کرتا؟!

یہ سیرتِ سید الشہداء علیہ السلام ہے کہ اگرچہ تاریخ فرعونوں اور یزیدوں سے بھری پڑی ہے لیکن تمہارا فریضہ اپنے زمانے کے یزید سے نبٹنا ہے۔ مرے ہوئے یزیدوں پر لعنت کرنا آسان ہے لیکن زندہ یزیدوں کی نگاہوں میں نگاہیں ڈالنا اور اُن کا پنجہ مروڑنا مشکل ہے۔ پس دین ہمیں سکھاتا ہے کہ ہم اپنے عہد کے انسان بنیں لیکن لوگوں نے دین کی بہت سی اہم اور بنیادی تعلیمات کو پسِ پشت ڈال دیا ہے جس کے نتیجہ میں دین کے

عالم و ابرار، علم زمان شناسی کی ضرورت

بہت سے ارکان فراموش کر دیے گئے ہیں لہٰذا آج سب سے بنیادی ضرورت یہ ہے کہ دین کے ان متروک حصوں کو احیاء کیا جائے۔

ہر عصر مجددِ دین کا مقتضی

تمام کتب روائی بشمول اہل سنت و امامیہ میں خبر دی گئی ہے کہ ہر عصر کو ایک مجدد کی ضرورت ہے۔ اب ممکن ہے کہ وہ مجدد ایک صدی بعد آئے یا چند صدیوں کے بعد۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ دین یا اُمت کو مجدد کی ضرورت کیوں ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ خواستہ ونخواستہ طور پر کچھ اختیاری و غیر اختیاری اسباب یا امت کے روزمرہ کے مسائل، اتفاقات، حادثات اور آفات کے نتیجہ میں دین کا اکثر حصہ فراموش ہو جاتا ہے اور یہ اتفاق ہر چند گاہ رونما ہوتا ہے۔ اگر یہ سلسلہ مسلسل جاری رہے تو ممکن ہے دین بالکل ہی فراموش ہو جائے۔ جیسے آج کل کھدائیاں ہوتی ہیں تو اُس کھدائی میں نئے یعنی پرانے شہر نکلتے ہیں جو کئی ہزار سال پہلے دب گئے تھے۔ سندھ میں ایسے آثار قدیمہ موجود ہیں جو خاک کے نیچے دبے ہوئے تھے اور آج اُن کو کھود کر نکالا گیا۔ ٹیکسلا میں بہت ساری ایسی آبادیاں تھیں جو کئی ہزار سال پہلے آباد تھیں لیکن بعد میں اُن پر خاک پڑ گئی۔ یہ آثار قدیمہ جہاں بڑی بڑی آبادیاں موجود تھیں زلزلوں، سیلابوں، طوفانوں اور بیماریوں کے نتیجہ میں تباہی سے دوچار ہو کر زمین میں دب گئیں۔ یہ نہ سمجھئے کہ صرف شہر اور سوسائٹیز دب جاتی ہیں بلکہ حق، مذاہب، ادیان اور خدا کی تعلیمات بھی دب جاتی ہیں لیکن ریت اور مٹی کے نیچے نہیں بلکہ خرافات، انسانی ذہن کے من گھڑت خیالات، نظریات، افکار، مفروضوں، تخیلات، بدعتوں، رسوم و رواج اور کلچر کے غبار و دھول کے نیچے دب جاتی ہیں۔

لہٰذا خداوند تبارک وتعالیٰ نے پہلے یہ اہتمام کیا تھا کہ ایک مدت گزرنے کے بعد ایک نبی مبعوث ہوتے تھا لیکن جب پیامبر خاتم ﷺ پر نبوت کا سلسلہ ختم ہوا تو اُس کے بعد خداوند تبارک وتعالیٰ نے ائمہ اطہار علیہم السلام مقرر فرمائے کہ یہ دین دبنے اور مٹنے نہ پائے۔ عصرِ حاضر کو شیعہ اپنی اصطلاح میں غیبت کبریٰ کا زمانہ کہتے ہیں اور تمام مذاہب اسلامی میں یہ زمانہ انتظار کہلاتا ہے یعنی مہدی موعود کا انتظار ہو رہا ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ بالآخر اس زمین کے وارث مستضعفینِ جہان بنیں گے۔

وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ۝ [1]

اور ہم یہ ارادہ رکھتے ہیں کہ جنہیں زمین میں بے بس کر دیا گیا ہے ہم ان پر احسان کریں اور ہم انہیں پیشوا بنائیں اور ہم انہی کو وارث بنائیں۔

یہ ستم رسیدہ و افتادگان جن پر مغضوب ستم گاروں اور سرمایہ داروں نے غضب ڈھایا ہے انہیں خدا ایک دن عزت و غلبہ عطا فرمائے گا۔ اسی لئے ظہور کی روایات میں ہے کہ جب حضرت حجت عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف ظہور فرمائیں گے تو سب سے پہلا طبقہ جو امام علیہ السلام کے مقابلے میں کھڑا ہوگا وہ متدین و دیندار لوگوں کا طبقہ ہوگا اور وہ یہی اعتراض کرے گا کہ آپ نیا دین لے کر آئے ہیں۔ حالانکہ امام علیہ السلام کھدائی کر کے جو دین نکالیں گے وہ دین قدیمی ہوگا نہ کہ دینِ جدید لیکن ان لوگوں کو جدید لگتا ہوگا چونکہ ان کے افکار کے نیچے دب چکا ہوگا۔ حضرت امام مہدی علیہ السلام اُس غبار کو ہٹائیں گے اور نیچے سے اصلی دین، ناب دین، رسالت کا دین، علوی دین، حسینی دین نکال کر دُنیا کے سامنے پیش کریں گے تو یہ کہیں گے کہ یہ تو آپ نیا دین لے کر آئے ہیں۔

اسلام کی اس آخری و نہائی کامیابی تک پہنچ کے دورانیہ میں خداوند تبارک و تعالیٰ نے یہ اہتمام کیا ہے کہ ہر چند گاہ ایک مجدد پیدا ہوتا ہے اور اُس مجدد کا کام دین کے فراموش شدہ حصوں کو دوبارہ زندہ کرنا ہوتا ہے۔ اسی لئے دین کو ہر صدی کے بعد کھدائی کی ضرورت ہے بلکہ اب تو صدی ختم ہونے سے بھی پہلے مجدد کی ضرورت ہے۔ مجدد کا تصور ایک قرن و صدی کے بعد اس لئے ہوتا تھا کہ پہلے دین کی اصلی شکل کو دب جانے میں ایک صدی لگتی تھی لیکن آج جبکہ دُنیا ترقی کر چکی ہے اور سائنس، ٹیکنالوجی، میڈیا و کمیونیکیشن کا زمانہ ہے، روابط اتنے کلوز ہو گئے ہیں کہ آج ہر دس سال بعد کھدائی کی ضرورت ہے تا کہ اسلامِ ناب یعنی حقیقی و خالص دین محفوظ رہے۔ آج دین کی نئے سرے سے تلاش و جستجو کریں کہ جس کے اوپر بہت سارے غبار اور تہیں چڑھ چکی ہیں۔

---

[1] ......(سورۃ قصص، آیہ ۵)

آج حقیقتاً دین کا ایک بڑا حصہ فراموش شدہ ہے۔ بالالفاظِ دیگر دین کا صرف تیرہواں حصہ زندہ ہے کہ جس سے مسلمین تمسک کیے ہوئے ہیں اور اسی کو تمامِ دین سمجھتے ہیں جبکہ بارہ حصے فراموش شدہ ہیں۔ قرآنی دین کا اکثر حصہ اُمت فراموش کر چکی ہے۔

دین کا حقیقی مقام اور ہمارا رویہ

دین کا مقام یہ ہے کہ اس کو منشورِ حیاتِ انسان قرار دیں۔ جاءِ دین لوگوں کی زندگی ہے۔ اسے آئین، قانون اور Constitution بنائیں، اسے Culture بنائیں اور لوگوں کی زندگی کے اوپر نافذ کریں۔ دین کس چیز کو سنوارنے آیا تھا اور کن شعبوں اور خلاء کو بھرنے آیا تھا؟ دین کا کام فقط ہمیں ثواب پہنچا کر جنت پہنچانا نہیں تھا کہ ہم لڑیں تو بھی جنت جائیں اور آپس میں متفرق و منتشر ہو جائیں تو بھی جنت جائیں یعنی ہر راستے سے گھوم پھر کے جنت میں چلے جائیں گے۔ جنت اسلام آباد کی سڑکوں کی طرح نہیں ہے کہ آپ کوئی بھی یوٹرن (U-turn) لے لیں گے تو سیدھا جنت میں جا پہنچیں گے، بلکہ جنت ایک صراطِ مستقیم ہے اور اس کے اپنے اصول، قاعدے اور ضابطے ہیں۔ ان سارے مراحل کو طے کرنے کے بعد وہاں جانا ممکن ہے اور پھر جنت بھی مقصدِ حیات و مقصدِ خلقتِ انسان نہیں ہے بلکہ انسان کا مقصدِ خلقت جنت سے ماوراء اور کہیں زیادہ بالاتر ہے۔

اسی طرح قرآن کو فقط مقدس کتاب سمجھ کر ثواب کیلئے پڑھ لینے سے اس کا حق ادا نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر اگر کسی مملکت میں کوئی آئین نافذ ہو تو اس آئین کو ازبر کرنے والے یعنی وکیل جو عالمِ قانون ہیں اسے فقط ثواب کیلئے یاد نہیں کرتے بلکہ چاہتے ہیں کہ یہ آئین نافذ بھی رہے۔ جیسا کہ وکلاء بظاہر اپنی تحریک کے ذریعے آئین پاکستان کیلئے کوشاں ہیں کہ یہ معطل نہیں ہونا چاہیے باوجودیکہ یہ انسان کا بنا ہوا آئین ہے۔ لیکن کچھ وکیل ایسے ہیں جو قانونِ خدا کے وکیل ہیں، جو قانونِ خدا کے عالم ہیں۔ یہ قرآن کے عالم قرآنی احکامات اور Constitution Quranic کے معطل ہونے پر کیوں راضی ہیں؟ یہ کیوں فقط تلاوت، ثواب، حفظ اور کثیر تعداد میں Print کر کے تقسیم کر دینے پر راضی ہیں۔ قرآن معاشرے میں نافذ بھی ہونا چاہیے کیونکہ انسان کیلئے اللہ کا قانون سب

سے زیادہ اولیٰ وحق دار ہے۔ اس لئے اکثر دین فراموش شدہ ہے۔ وحدت، عدالت اور دیگر دینی اقدار دینی ماحول کے اندر فراموش شدہ ہیں اور ان کے احیاء وتجدید کی ضرورت ہے۔

امام خمینیؒ مجددِ دین

امام خمینیؒ اس عصر کے مجددِ دین ہیں کہ جنہوں نے دین اسلام کے کئی فراموش شدہ حصوں کو دوبارہ زندہ وتابندہ کر دیا۔ اس فراموش شدہ دین کے کئی پہلوؤں میں سے ایک اہم حصہ "وحدتِ مسلمین" تھا جس پر قرآن کی خاص تاکید ہے۔ مقامِ رسالت کی اس معرفت کی وجہ سے امام خمینی رضوان اللہ علیہ نے پیامبر اکرم ﷺ کے میلادِ مسعود کے ایام کو وحدتِ اسلامی کے عنوان سے منانے کا اعلان کیا کہ سرورِ دو عالم ﷺ رازِ بقاءِ دو عالم ہیں۔ ان ایام کے اندر مناسب ترین اقدام وحدتِ اُمت ہے جس کی اشد ضرورت ہے اور یہ کام بیداری سے انجام دیا جا سکتا ہے۔

جب بھی امت بیدار ہو جائے اور موسیٰ علیہ السلام جیسا رہبر مل جائے تو اس زمانے کا فرعون نابود ہو جاتا ہے۔ کتنے فرعون ایسے ہیں جو ہر امت کے موسیٰؑ کے ہاتھوں ڈوبے ہیں۔ امام خمینیؒ نے بھی یہ کام انجام دیا۔ امام راحلؒ کے کارناموں میں سے کچھ کارنامے ایسے ہیں جو بھی گنتے ہیں اور سبھی کو معلوم ہیں مثلاً شہنشاہیت کا تختہ اُلٹنا، آمریت کو نکال باہر کرنا، اپنی قوم کو غلامی سے نکالنا اور امریکہ جیسی شیطانی طاقت کے منحوس سائے سے اپنی سرزمین کو آزاد کرانا اور انہیں رسوا کرنا۔ یہ وہ کام ہیں جو دوسروں نے بھی انجام دیئے ہیں مثلاً ویتنام نے بھی امریکہ کو شکست دی ہے اور کئی ایسے ممالک ہیں جہاں شہنشاہیت اور آمریت کا تختہ گول ہوا ہے۔ یہ کام امام خمینیؒ نے پہلی دفعہ نہیں کیا بلکہ امامؒ کا سب سے بڑا تاریخی کارنامہ جس کو خود امامؒ نے بارہا اپنے خطبوں میں بیان فرمایا وہ یہ تھا کہ امام راحلؒ نے فراموش شدہ دین، دبے ہوئے دین کہ جس دین کو بھلا دیا گیا تھا اسے زندہ کیا ہے۔ اس دین کو عوام، خواص، اُمت اور علماء کب کے بھول چکے تھے۔ امامؒ نے اس دین کو غبار، خرافات، سکوت، لاتعلقی، بے تفاوتی اور رسومات سے باہر نکالا اور وحدت اس گمشدہ وفراموش شدہ دین کا حصہ تھی۔

آپؒ نے بہت ساری چیزوں کے نیچے دبا ہوا دین باہر نکالا، کتابوں، لائبریروں، ذہنیت، مفروضوں اور رسومات کے نیچے سے اصلی دین نکال کر لوگوں کو بتایا کہ دین ناب محمدی ﷺ یہ ہے۔ اُن فراموش شدہ اُمور میں سے ایک اہم ترین چیز جو دبی ہوئی تھی اور صدیوں سے اُس کیلئے کوشش نہیں ہوئی تھی بلکہ اُس کے برعکس کوششیں ہورہی تھیں وہ وحدت کا مسئلہ تھا۔ امامؒ نے آکر اُمت مسلمہ کو متحد کیا، اسے دعوتِ اتحاد دی اور اس کو ضروری قرار دیا۔ ہفتۂ وحدت کے دنوں کا انتخاب کرنا معرفت رسول ﷺ وائمہ علیہم السلام اور دین شناسی کا نتیجہ ہے۔

احیاء و نفاذ دین، مرکز فکر امام خمینیؒ

امامِ راحلؒ کے عظیم کارنامہ کو فقط ظاہری اور سطحی چیز کے طور پر نہ دیکھیں کہ انہوں نے سپر طاقت کو شکست دی اور ایک شہنشاہ کو ملک سے باہر نکال دیا۔ اتفاقاً یہ حادثات دُنیا میں کئی دفعہ رونما ہوئے ہیں کہ قوموں نے امریکہ جیسی شیطانی طاقت کو شکست دی ہے۔ امریکہ اس سے پہلے ویتنام میں شکست کھا چکا تھا اور اب انشاء اللہ عراق میں بھی اس کی شکست قریب ہے۔ ایسی علامات موجود ہیں کہ انشاء اللہ پوری زمین پر یہ منحوس وجود ختم ہونے کے قریب ہے۔ ایک Dictator کو ملک سے چلتا کرنا صرف امام خمینیؒ کا طرۂ امتیاز نہیں ہے بلکہ دوسرے ممالک میں بھی ایسی مثالیں موجود تھیں جہاں پر لوگوں نے کسی شہنشاہ یا آمر کو اپنے ملک سے نکال باہر کیا ہے۔ اگرچہ اُن کا مذہب و دین سے بھی زیادہ تعلق نہیں تھا لیکن اس کے باوجود ایسی زندہ، باضمیر اور باشعور قومیں موجود رہی ہیں کہ جنہوں نے آمریت کے سائے میں زندگی کو پسند نہیں کیا اور مستبد حکمرانوں کی حکمرانی کے سامنے گردنیں نہیں جھکائیں۔

لیکن امام خمینیؒ کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے دین کو حجروں، مسجدوں، مدرسوں، ذہنوں، سینوں، لائبریریوں، کتابوں اور خطی نسخوں سے نکال کر وہاں لا کو کیا جہاں اس کا مقام تھا۔ اگرچہ دشمن نے کوشش کی کہ دین و سیاست کو جدا جدا کردیا جائے تاکہ دین معاشروں میں آئین کی صورت اختیار نہ کرجائے۔ دین و سیاست کی جدائی کی استعماری سازش پر بہت سے سنی و شیعہ علماء نے آواز اٹھائی ہے لیکن ان سب میں سرفہرست امام خمینیؒ ہیں کہ جنہوں نے اس Propaganda اور Conspiracy کو برملا طور پر بے نقاب کیا

ہے۔ان کے علاوہ علامہ اقبالؒ کو بھی دین وسیاست کی جدائی کا المیہ محسوس ہوا۔دین وسیاست کی جدائی کا نقصان سیاست اور دین دونوں کو پہنچا۔جب دین سے سیاست جدا ہوئی تو اس نے چنگیزیت کی شکل اختیار کر لی اسی طرح جب سیاست دین سے جدا ہوئی تو دین نے خانقاہیت کا روپ دھار لیا۔اس طرح دین وسیاست اپنے محور سے ہٹ گئے۔سیاست چنگیزوں کے اختیار میں چلی گئی اور دیانت کسی اور طبقے کے اختیار میں کہ جو اس کو عبادت گاہوں ،مدرسوں، کتابوں، لائبریریوں، سینوں اور ذہنوں کے اندر لے کر محدود ہو گئے درحالیکہ نہ دین ان حجروں کیلئے تھا اور نہ سیاست ان ایوانوں کیلئے تھی جہاں آج محبوس ہے۔

اہم کاموں میں امامِ راحلؒ نے جن مہم کاموں کا احساس کیا ان میں سے ایک ''وحدتِ مسلمین'' ہے۔ وحدت فراموش شدہ موضوع ہے لیکن امام خمینیؒ نے اس کو احیاء کیا ہے اور بہترین ایامِ میلادِ رسول اکرم ﷺ کو ہفتۂ وحدت قرار دیا ہے۔

بحرانوں سے نکلنے کیلئے امام خمینیؒ کے دو نکات

امامِ راحل امام خمینیؒ نے دیگر بعض سابقہ علمائے اسلام کی مانند اُمت مسلمہ کے درد کو محسوس کیا اور امتِ مسلمہ کو بحرانوں سے نکلنے کیلئے دو سادہ نسخے بیان فرمائے جن کا ایک دوسرے کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ان میں پہلی چیز اُمت مسلمہ کی بیداری ہے یعنی خوابِ غفلت سے نکلنا، سکوت کو توڑنا اور اپنے مسائل ومشکلات کی جانب توجہ دلانا، اور دوسری چیز وحدتِ اُمت ہے۔

بعض اوقات لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں ہے کیونکہ اقتدار، پارلیمنٹ اور ایوانوں میں کوئی اور بیٹھا ہوا ہے لہٰذا ہم کیا کر سکتے ہیں؟ اتفاقاً آپ ہی بہت کچھ کر سکتے ہیں۔دراصل آج اسلامی ممالک کے حکمران بیساکھیوں کے سہارے پر کھڑے ہوئے ہیں۔یہ اپنی اُمتوں کے اندر تفرقہ ڈال کر اُمتوں کی گردنوں پر حکومت کر رہے ہیں اور ان کا عوام کے دلوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔نہ عوامی پاور ان کے ساتھ ہے اور نہ یہ اپنے ممالک کے ساتھ مخلص ہیں۔مختلف مصنفوں اور شاعروں نے اپنی تحریروں اور نظموں میں اس کو

خوبصورت انداز سے بیان کیا ہے کہ یہی نادار، بے کس، اُفتادگان اور ستم رسیدہ لوگ جن پر سرمایہ داروں اور حکمرانوں نے غضب ڈھایا ہوا ہے اگر یہ بیدار، ہوشیار اور متحد ہو جائیں تو یہ حکمران، دشمن کے آلہ کار، کٹھ پتلیاں اور مہرے ایوان چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ جس دن اُمت نے ان کو دھتکار دیا اُس دن کوئی شیطان بھی ان کو قبول کرنے کیلئے تیار نہیں ہوگا۔ جب رضا شاہ کو حکومتِ ایران نے نکال دیا تو کوئی اُس کو اپنی گود میں بٹھانے کیلئے تیار نہیں تھا کیونکہ یہ مہرے اُسی وقت کارآمد ہوتے ہیں جب قوموں کے اوپر مسلط ہوں۔

امام خمینیؒ فرماتے ہیں کہ آپ کو ہتھیار و اسلحہ اُٹھانے اور مسلح جنگ کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اگر یہ مسلمان متحد ہو کر ایک ایک بالٹی پانی اسرائیل کی طرف بہادیں تو یہ ناسور اسی وقت مٹ جائے گا۔ عوام اور خصوصاً جوان بہت بڑی طاقت ہیں۔ اس نسل کو بیداری، ہوشیاری اور اتحاد کی ضرورت ہے لہٰذا اس کو تفرقہ کا دین نہ سکھائیں بلکہ دینِ قرآن و رسول ﷺ سکھائیں کہ جس کے ذریعہ یہ پراگندہ نسل وحدت کی لڑی میں پروئی جاسکے۔

حزب اللہ نے ثابت کر دیا ہے ہمیں شعور اور بیداری کی ضرورت ہے۔ آج اس ملک میں نہ شیعہ بیدار ہے نہ سنی۔ اگر شیعہ بیدار ہوا تو حزب اللہ کی طرح بن جائے گا اور اگر سنی بیدار ہوا تو حماس کی طرح بن جائے گا۔ حماس اور حزب اللہ کا کام مسلمانوں کا قتلِ عام نہیں ہے بلکہ یہ دونوں اسرائیل کے دشمن ہیں۔ انہوں نے اپنا دشمن پہچان لیا ہے۔ اگر یہ ایک ارب مسلمان بیدار ہو گئے تو اسرائیل مسلمانوں کے تھوک کے اندر بہہ جائے گا۔

ہم چند عبادتیں کر کے سمجھتے ہیں کہ ہم نے دین کا پورا حق ادا کر دیا ہے اس کے بعد لاتعلق ہو کر بیٹھے ہوئے ہیں۔ وحدت اوجب واجبات یعنی سب سے بڑے واجبات میں سے ہے۔ اگر امت آپس میں لڑ جھگڑ پڑے اور تفریق و تقسیم ہو جائے تو بیداری کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور اگر متحد ہو جائے لیکن بیدار نہ ہو، اسے یہ معلوم نہ ہو کہ ہم کس جہان اور کس عالم میں ہیں؟ ہمارے اردگرد کیا ہو رہا ہے؟ ہمارے لیے کیا سوچا گیا ہے؟ ہمیں کیا خطرات درپیش ہیں؟ ہمیں کرنا کیا ہے؟ تو اس صورت میں اتحاد کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہے۔

بقاءِ مسلمین کیلئے امام خمینیؒ کے دو نکات

امام خمینیؒ نے ایک اور نکتہ کو بہت خوبصورتی سے بیان کیا ہے البتہ امامؒ سے پہلے بھی بعض علماء نے یہ جملہ بیان کیا ہے کہ مسلمانوں کی بقاء دو چیزوں کے اندر ہے ایک کلمۂ توحید کے اندر اور دوسری توحیدِ کلمہ کے اندر۔ کلمۂ توحید، توحیدِ کلمہ کا باعث بنتا ہے۔

......کلمۂ توحید

لا الٰہ الا اللہ رازِ بقاءِ مسلمین ہے اور آج اس کلمۂ توحید کے اظہار کی اشد ضرورت ہے۔ لا الٰہ الا اللہ فقط قول و ذہنیت نہیں ہے بلکہ لا الٰہ الا اللہ ایک عمل ہے، ایک زندگی ہے۔ ہمیں توحید کو اپنی زندگی میں عملی کرنا ہے کہ اللہ کے علاوہ ہمارا کسی معبود پر ایمان نہیں ہے، ہم اللہ کے علاوہ کسی سے نہیں ڈرتے، ہم اللہ کے علاوہ کسی کے سامنے نہیں جھکتے، ورنہ لا الٰہ الاّ اللہ کہہ کر ان نام نہاد سپر طاقتوں اور شیطانی طاقتوں سے ڈر گئے تو ہم نے جھوٹ کہا تھا۔ اگر لا الٰہ الاّ اللہ کہا ہے تو پھر جیسے بت کے سامنے نہیں جھکنا اسی طرح کسی ظالم و ستم گار کے سامنے بھی نہیں جھکنا۔

کلمہ توحید کے ذریعہ انسان دائرہ دین کے اندر داخل ہوتا ہے اور اُس کے نفس و جسم کا احترام پیدا ہوتا ہے۔ کلمۂ توحید کی برکت سے انسان جو مُھدَرُ الدَّم تھا وہ مَحْقُونُ الدَّم ہو جاتا ہے۔ کلمۂ توحید کا اثر فقط انسان کی زبان تک محدود نہیں ہوتا بلکہ دل و دماغ اور سراپا وجود میں اپنا اثر چھوڑتا ہے حتیٰ انسان کو توحید کے رنگ میں رنگ دیتا ہے۔ آج لوگ پوچھتے ہیں کہ پوری دنیا نے نیوکلر پاور کے مسئلہ پر ایران کا محاصرہ کیا ہوا ہے لیکن وہ کسی سے ڈرتے نہیں ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہ چھوٹا سا پریذیڈنٹ کسی سے ڈرتا نہیں ہے! اس کے نہ ڈرنے کا راز کس چیز کے اندر ہے؟ اس کے نہ ڈرنے کا راز اسی لا الٰہ الا اللہ کے اندر موجود ہے۔ جب تک انسان کلمۂ توحید کے ذریعہ توحیدِ کلمہ تک نہ پہنچے تو اس کا معنٰی یہ ہے کہ انسان نے حقیقتِ کلمۂ توحید کا درست ادراک نہیں کیا ہے۔ چونکہ کلمۂ توحید اگر انسان کے وجود میں اُتر جائے تو اُس کا اثر ہے جیسا کہ دوسری عبادتوں کے اپنے آثار ہیں۔

......توحیدِ کلمہ

امام خمینیؒ یہ جملہ اکثر فرماتے تھے کہ کلمہ توحید کا ایک اثر بھی ہے جو مسلمانوں کے اندر ظاہر ہونا چاہیے اور وہ اثر توحیدِ کلمہ ہے یعنی تمہاری بات، تمہارا موقف، تمہاری دلیل، تمہاری ہمدردیاں، تمہارا دکھ سکھ اور درد و مشکلات کو دور کرنے کا راستہ و ہدف ایک ہو جائے۔

قرآن، احادیث نبویؐ و آئمہ اطہارؑ میں مذکور ہے کہ اگر انسان حقیقی عبادت انجام دیتا ہے تو اُس عبادت کا اثر انسان کے عمل، وجود اور جسم و روح میں ظاہر ہو جاتا ہے مثلاً نماز کا اثر یہ ہے کہ

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ ......[1]

یقیناً نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے......

اگر نماز کا یہ اثر ظاہر ہو تو اس کے معانی یہ ہیں کہ انسان نے یہ عبادت ادا کی ہے۔ اسی طرح روزہ، حج اور تمام عبادات کا اپنا اپنا اثر ہے۔ کلمۂ توحید کا اثر توحید در کلمہ و توحید در عمل ہے۔ توحید انسان کی سوچ، اعتقاد، عملی روش اور معاشرہ کے اندر اپنا اثر چھوڑتی ہے اور درحقیقت طرزِ عمل بن جاتی ہے۔ انسانِ موحد کا عمل ہمیشہ عمل توحیدی ہوتا ہے اور عمل توحید کا ظہور انسانی معاشرے میں وحدت کی صورت میں نکلتا ہے یعنی تمام لا الہ الا اللہ کہنے والوں کا موقف، درد و درما، مشکلات، مشکلات کا احساس اور اُن مشکلات سے نکلنے کیلئے راہِ حل سب ایک ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے پیامبر اکرم ﷺ نے مومنین کی مثال دیتے ہوئے فرمایا:

مَثَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ فِیْ تَوَادِّھِمْ وَتَعَاطُفِھِمْ وَتَرَاحُمِھِمْ مَثَلُ الْجَسَدِ اِذَا اشْتَکیٰ مِنْہُ شَیْءٌ تَدَاعیٰ لَہٗ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّھَرِ وَالْحُمّٰی......[2]

یعنی مومنوں کی مثال ایک دوسرے کے ساتھ محبت کرنے میں، مہربانی کرنے میں اور رحم کرنے میں

---

[1]......(سورۂ عنکبوت، آیہ ۴۵)

[2]......(اھل البیتؑ سماتھم وحقوقھم فی القرآن الکریم - الشیخ جعفر السبحانی مدظلہ)(مسند أحمد، الجزء ٤، صفحہ ٢٧٠)

اس جسد کی مانند ہے کہ جب اس میں سے ایک عضو درد میں مبتلا ہو تو جسد کے باقی اعضاء میں وہ درد محسوس ہوتا ہے۔

اسی طرح امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

اَلْمُؤْمِنُ اَخُو الْمُؤْمِنِ کَالْجَسَدِ الْوَاحِدِ ، اِنِ اشْتَکیٰ شَیْئًا مِنْهُ وَجَدَ اَلَمَ ذٰلِکَ فِیْ سَائِرِ جَسَدِهٖ......[1]

یعنی مومن مومن کا بھائی ہے، جیسے جسدِ واحد ہوتا ہے، جب جسد کے ایک حصے کو تکلیف ہو تو اس کا درد جسم کے باقی اعضاء کو پہنچتا ہے......

پس مومنین کی مثال جسد کی مانند ہے اور فرد فرد اُس کے اعضاء کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر ان اعضاء میں سے کوئی ایک عضو دکھ جائے، زخمی ہو جائے، رنجور و پریشان ہو جائے تو اس کیلئے سارے اعضاء تکلیف اُٹھاتے ہیں اور ایک عضو کا درد پورے پیکر کے اندر سرایت کر جاتا ہے۔ یعنی اگر ایک فرد بھی تکلیف میں مبتلا ہے تو اُس تکلیف میں پورا اسلامی معاشرہ مبتلا ہو جاتا ہے۔ اگر انسان کی اُنگلی میں درد ہو اور آنکھ، بازو، پاؤں اور باقی حصوں کو احساس نہ ہو تو اس کے معانی یہ ہیں کہ اس انسان کے اعضاء خشک، شل، مفلوج اور بے حس ہو چکے ہیں اور بے حسی بدن کیلئے موت ہے۔ اگر اُنگلی کا درد پورے بدن میں محسوس نہ ہو تو یہ خوف کی علامت ہے لہٰذا یہاں ڈرنا اور پریشان ہونا چاہیے۔

پس کلمۂ توحید کا اثر یہ ہے کہ جتنے بھی اہلِ توحید ہیں ان کے اندر توحیدِ عمل، توحیدِ سمت و توحیدِ مقصد موجود ہو اور وہ تمام امور جو کہ باہم مشترک امور ہیں ان کے اندر بھی وحدت و یگانگت برقرار ہو۔ آج کلمۂ توحید کا اقرار کرنے والے بہت کم امور پر اتفاق رکھتے ہیں یعنی ہماری توحید نے فقط زبانی اور ذہنی شکل اختیار کی ہے لیکن یہ ہمارے عمل اور معاشرے میں نہیں آئی۔ ہم ایک توحیدی سوسائٹی نہیں بنا سکے۔

---

[1]......(الکافی-الکلینیؒ، الجزء۲، صفحہ ۲۳۸)

علامہ اقبالؒ کے بقول:

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی دین بھی ایمان بھی ایک
حرمِ پاک بھی اللہ بھی قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں.....[1]

اور سب سے بڑھ کر تمہارا دشمن بھی ایک ہے۔ اتحاد کسی محور کا محتاج ہوتا ہے اور بہترین محورِ اتحاد ذاتِ گرامی و تعلیماتِ پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ آیا جس نبیؐ نے دو عالم کو متحد کیا ہوا ہے، جس نے اوس و خزرج کو متحد کر دیا، مہاجر و انصار کو متحد کر دیا تو کیا اس کے گرد شیعہ اور سنی متحد نہیں ہو سکتے؟! بلکہ قرآن تو یہ کہتا ہے کہ اے نبیؐ! اُن لوگوں کو بھی اتحاد کی دعوت دیں جو آپؐ کو رسول اور قرآن کو آسمانی کتاب بھی نہیں مانتے۔

وہ مذاہب جن میں فقط خدا پرستی کا اشتراک ہے قرآن کہہ رہا ہے کہ اُن کو بھی دعوتِ اشتراک دو۔ تو پھر جن کا رسولؐ بھی ایک ہے، قرآن بھی ایک ہے، قیامت بھی ایک ہے اور قبلہ و کعبہ بھی ایک ہے کیا وہ متحد نہیں ہو سکتے؟! لہٰذا پیامبر اکرمؐ کی نبوت کا اقرار، پیامبر اکرمؐ کی رسالت کا اتباع اور محبت پیامبر اکرمؐ اقتضاءِ وحدتِ بین المسلمین کرتی ہے۔

پس امام خمینیؒ کے مطابق اگر کوئی کلمۂ توحید پر صداقت اور سچے دل سے ایمان لائے تو اُس کا اثر توحیدِ کلمہ ہے۔ وحدت میں مسلمانوں کی عزت و بقا کا راز پوشیدہ ہے۔ شیعہ و سنی وحدت کے طفیل باقی رہ سکتے ہیں۔ وحدت نجات کا واحد ذریعہ ہے۔ وحدت ہمارے لئے کشتیٔ نجات ہے۔ اگر ہم متحد نہیں ہوئے تو چھوٹے چھوٹے

---

[1].....(بانگِ درا، جوابِ شکوہ، صفحہ ۲۱۴)

جزیرے بھی ہمارے مقدسات کی توہین کریں گے لیکن اگر ہم ایک ہوگئے تو پھر شیطانِ بزرگ امریکہ، اس کے اذناب اور یورپین یونین کو بھی جرأت نہیں ہوگی کہ اسلام کے خلاف زبان درازی و گستاخی کرسکیں۔

ان کی مذموم سازشوں اور گستاخیوں کا جواب دینے کیلئے ہمیں اسلحے، گولیوں اور کسی ایسی چیز کی ضرورت نہیں ہے جس سے وہ ہمارا چہرہ اور مسخ کر کے پیش کریں۔ ہم اگر جواب دے سکتے ہیں تو متحد ہو کر دے سکتے ہیں۔ اگر مسلمین ایک نماز متحد و متفق ہو کر پڑھیں، ایک جلوس متحد ہو کر نکالیں، ایک محفل و مجلس اتحاد کے ساتھ منعقد کریں تو دشمنانِ اسلام کو جواب مل جائے گا اور وہ آپ کی پرواہ کریں گے۔ ایک ارب مسلمان تو بہت زیادہ ہیں اس عزتِ رفتہ کو بحال کرانے کیلئے صرف پاکستان کے مسلمان کافی ہیں۔ ہمیں اس ذلت سے نکلنا ہے۔ ہمیں امریکہ، ڈنمارک، ہالینڈ اور ان کی پشت پر موجود طاغوتی و شیطانی طاقتوں کو پیغمبر اکرم ﷺ، قرآن و مقدساتِ اسلامی کی توہین کا جواب دینا ہے اور فراموش شدہ دین کے حصوں کو احیاء کرنا ہے۔

امام خمینیؒ کے فرمان کے منابع

امام خمینیؒ نے جو بیان فرمایا تھا کہ "اسلام گمشدہ است" تو یہ بھی ائمہ معصومینؑ کی تعلیمات سے اخذ کر کے بیان فرمایا تھا۔ نہج البلاغہ میں امیر المومنینؑ فرماتے ہیں:

لُبِسَ الْاِسْلَامُ لُبْسَ الْفَرْوِ مَقْلُوْباً۔[1]

اسلام کا لبادہ پوستین کی طرح اُلٹا اوڑھا جائے گا۔

یعنی مسلمانوں نے اسلام کا لبادہ تو اوڑھ لیا ہے لیکن اُلٹا اوڑھا ہے۔ فرو عربی زبان میں عبا کی طرز کے لبادے کو کہتے ہیں۔ اُس زمانے میں چمڑے کا لمبا پیراہن بنا کر پہنا جاتا تھا جسے عرب فرو کہتے ہیں۔ مولائے متقیانؑ کے مطابق علماء، حکمرانوں، عبادت گزاروں، دانش مندوں اور امت نے اسلام کا لبادہ تو اوڑھ لیا ہے

---

[1]۔۔۔۔(نهج البلاغه، خطبه ۱۰۶)(غرر الحکم و درر الکلم، الجزء ۱، صفحه ۳۱۶)

لیکن اُلٹا اوڑھا ہے۔ جب کوئی چیز اُلٹی ہو جائے تو اُس کے اندر ہر چیز اُلٹی ہو جاتی ہے۔

اسی طرح سید الشہداء علیہ السلام نے بھی فرمایا تھا کہ آج اسلام کی حالت اُلٹے برتن کی تہہ میں بچی ہوئی تری کی طرح ہو گئی ہے۔

وَلَمْ يَبْقَ مِنْهَا اِلَّا صُبَابَةٌ كَصُبَابَةِ الْاِ نَاءِ...... [1]

اچھائیوں میں سے صرف اتنا رہ گیا ہے جتنا برتن کی تہہ میں رہ جانے والا پانی......

امام خمینیؒ فرماتے تھے کہ یہی حالت اب تک ہے بلکہ اب تو اُس کی تری بھی خشک ہو چکی ہے۔ فقط چند رسومات، چند عبادات اور چند اقدامات کے اندر دین کو منحصر سمجھ کر جنت پر قبضہ کرنے کی تیاری کر لینا وہی الٹا دین ہے۔

اُلٹے اسلام کا ایک اثر یہ ہے کہ اس کے اندر ثانوی و فرعی چیزیں بہت اہمیت اختیار کر لیتی ہیں لیکن بنیادی چیزوں کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی مثلاً اُمت، معاشرے، معیشت، سیاست اور حکومت کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے یعنی مسیح کا کام عبادت گاہ سنبھالنا اور قیصر کا کام حکومت کرنا ہے۔ اگر مسیح اور قیصر کو جدا کیا تو مسیح سولی پر جا لٹکے گا اور قیصر معاشرے کو تباہ کر دے گا۔ یہی کام اسلامی سرزمینوں بالخصوص پاکستان کے ساتھ ہوا ہے۔ اسی طرح ٹیڑھی کھوپڑیوں کو وحدت سازش لگتی ہے اور تفرقہ عبادت لگتا ہے۔ لہٰذا ہمیں اس لبادے اور برتن کو سیدھا کر کے اس پر عمل کرنا ہے اور دوسروں کو بھی آگاہ کرنا ہے اور یہ کام مشکل نہیں ہے۔

امام خمینیؒ کے فرمان سے فرمان تک

---

[1] ......(لھوف- سید ابن طاؤوسؒ)(بحار الأنوار -علامہ مجلسیؒ)(سخنان حسینؑ بن علیؑ از مدینہ تا کربلا)(المجالس السنیة)(تاريخ الأمم والرسل والملوك - الطبری،الجزء٣، صفحہ٣٠٧)(تاريخ مدينة دمشق وذكر فضلها وتسمية من حلها من الأماثل -أبی القاسم علی بن الحسن ابن هبة الله بن عبد الله الشافعی،الجزء٧،صفحہ٢١٧)

امام خمینیؒ اور احیاءِ حج

امام خمینیؒ نے سب سے زیادہ توجہ حج جیسی عبادت کو دی کہ جو اُمت سازی کے لئے تھی۔ لیکن آج یہ عبادت امت مسلمہ کا فقط ایک کمرشل اجتماع بن کر رہ گئی ہے تا کہ اس کے ذریعہ ملٹی نیشنل کمپنیوں کے فائدے ہوں، ٹرانسپورٹروں کے فائدے ہوں، ہوٹلنگ کے فائدے ہوں اور چائنہ سمیت دوسرے ممالک کی کمپنیوں کے فائدے ہوں۔ حاجی ہر سال کعبہ کے گرد چکر لگا کر لبیک لبیک کا ورد کر کے تبرکات خرید کر واپس آجاتے ہیں حالانکہ حج کی سرزمین کے پڑوس میں عراق کئی سالوں سے جل رہا ہے لیکن اس حج کے اندر اس کی بات تک نہیں ہوتی۔ ساٹھ سال سے اسرائیل فلسطینیوں کے اوپر ظلم ڈھا رہا ہے اور قبلۂ اول غصب ہو چکا ہے لیکن مظلوم فلسطینیوں کے حق میں بات تک نہیں ہوتی۔ وہ اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ حج عبادت کی جگہ ہے سیاست کی جگہ نہیں ہے۔ یہی سب سے بڑا المیہ ہے۔

سید الشہداءؑ جب ساٹھ ہجری میں مکہ پہنچے تو پوری اُمت حج کے لئے تیار تھی لیکن آٹھ ذی الحجہ کو سید الشہداءؑ نے احرام کھول کر مکہ سے نکلنے کا ارادہ کیا اور ان لوگوں کو بھی کہا کہ آپ میرا ساتھ دو تو انہوں نے یہی کہا تھا کہ آپ یہاں سیاست کرنے آئے ہیں لیکن ہم عبادت کرنے آئے ہیں۔ جس قوم کی سیاست و عبادت الگ ہو جائے اس کی عبادت و سیاست دونوں بے روح ہو جاتی ہیں۔

حج ایک عظیم عبادت ہے لیکن جو حج آج کل ہو رہا ہے اسے امام راحلؒ نے حج ابراہیمیؑ بنانے کی بھرپور کوشش کی۔ آج کا حج اگر ابراہیمیؑ حج ہوتا تو یہ مسلمانوں کے مفادات کو فائدہ پہنچاتا لیکن اس کے برخلاف یہ چائنہ، جاپان اور یورپی یونین کو فائدہ پہنچانے والا، ہوٹلوں اور ملٹی نیشنل کمپنیوں کو فائدہ پہنچانے والا حج بن گیا ہے۔ امام خمینیؒ نے اس کیلئے قربانیاں بھی دیں لیکن اُمت ابھی اتنی بیدار نہیں ہوئی کہ امام راحلؒ کے اس نکتہ کو سمجھتی اور ان کا ساتھ دیتی۔

امام خمینیؒ اور احیاءِ حج

امام خمینیؒ کے مطابق نماز سے بڑا واجب

امام خمینیؒ فرماتے تھے کہ واجبات سے بڑا واجب مسلمین کے درمیان وحدت ہے۔ بعض اوقات امامؒ نے یہ فرمایا کہ حکومت اسلامی کا دفاع کرنا یا حکومت اسلامی کا برپا کرنا نماز سے بڑا واجب ہے لیکن بہت سارے روحانیوں اور علماء سے بھی یہ بات ہضم نہیں ہوتی تھی کہ نماز و حج سے بھی بڑا واجب کیا ہوسکتا ہے؟ لیکن سیرت سید الشہداءؑ سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام کا دفاع نماز و حج سے بھی بڑا واجب ہے۔

اگر دین ہے تو دین کی حرمت بھی ہے لیکن اگر ہم فقط دین لے لیں اور دین کی حرمت کا احساس نہ کریں اسی طرح عبادتیں کرلیں لیکن عبادتوں کی حرمت کا خیال نہ رکھیں تو یہ روحِ اسلام کے منافی ہے۔ سید الشہداء حضرت امام حسینؑ کے زمانے میں جو قوم اس وقت حج کررہی تھی اُس کو حج کا احساس تھا لیکن حج کی حرمت کا احساس نہیں تھا۔ اگر اُمت کی نظر میں فقط کعبہ کا طواف کرنا ہی دین تھا تو امام کی ضرورت ہی نہیں تھی چونکہ امام کے بغیر بھی چکر لگائے جاسکتے ہیں۔ خدا امتوں کے اندر امام اسی لئے بناتا ہے کہ امتوں کو بتائے کب عبادت کا وقت ہوتا ہے اور کب عبادت کی حرمت بچانے کا وقت ہوتا ہے۔

امام خمینیؒ وہ بزرگوار و عالیشان فقیہ ہیں کہ جنہیں دین بھی پتہ تھا اور دین کی حرمت بھی معلوم تھی یعنی انہوں نے ایسی فقہ نہیں پڑھی تھی کہ جس میں فقط تیمم اور طہارت تھی بلکہ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ اس فقہ کی حرمت بھی موجود ہے۔ اگر حرمتِ فقہ محفوظ رہی تو آنے والی نسلوں کیلئے فقہ بھی محفوظ ہوگی۔ اس لئے حرمت دین بچانا اہم ترین فریضہ ہے۔ آج امام خمینیؒ کے خلفِ صالح رہبر معظم انقلابِ اسلامی حضرت آیت اللہ خامنہ ای دام ظلہ العالی نے جو اُمت مسلمہ کو وحدت کی طرف بلایا ہے تو یہ قرآنی حکمت، قرآنی اصل اور دینی بنیاد کے تحت بلایا ہے لہٰذا اُمتِ مسلمہ کو آپ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے بیداری کا ثبوت دینا ہے۔ آج دشمن اپنے قبیح منصوبوں کے تحت پوری امتِ مسلمہ کو خطروں کی اتھاہ گہرائیوں میں جھونکنا چاہتا ہے اور ان کے ہتھکنڈوں اور سازشوں سے آگاہ و نبرد آزما ہونے کیلئے بابصیرت میر کاروان کی ضرورت ہے۔

اقبالؒ کا میر کارواں

قوم و ملت کو یہ خطرے ایک آگاہ و بیدار رہبر اور اقبالؒ کا میر کارواں ہی بتا سکتا ہے۔ اقبالؒ کا میر کارواں وہ نہیں ہے جو صرف ہاتھ چھوا سکتا ہو، بوسے دلوا سکتا ہو، اپنے بینرز دیکھ کر خوش ہو سکتا ہوں، اپنے گلے میں ہارڈلوا سکتا ہو یا اپنی کرسی حاصل کر سکتا ہوں بلکہ اقبالؒ کا میر کاروان وہ ہے جو

موت کے آئینے میں تجھ کو دکھا کر رُخِ دوست
زندگی تیرے لئے اور بھی دشوار کرے......[1]

لیکن ہم ایسا میر کاروان ڈھونڈتے ہیں جو کچہریوں میں ہماری مدد کرے، ہمارے ڈل بچوں کو بھی اعلیٰ تعلیم کیلئے داخلے دلوا سکے، ہمیں جعلی ویزے دلوا سکے، ہمارے غلط اور خلاف قانون کاموں میں ہماری حمایت کر سکے اور ہمیں جیلوں سے باہر نکلوا سکے۔

اقبالؒ کا میر کارواں وہ ہے جو تیرا سکھ اور چین چھین لے، تجھے گھر سے اُٹھا کر میدان میں لے آئے اور موت کے آئینہ میں خدا دکھا کر تیری زندگی اور بھی دشوار کر دے۔ حضرت شبیرؑ میر کاروانِ اقبالؒ ہیں اور یہ اقبالؒ کا اپنا کہنا ہے:

تیر و سنان و خنجر و شمشیرم آرزوست
بامن میا کہ مسلکِ شبیرم آرزوست......[2]

اقبالؒ کا کہنا کیا ہے کہ میں تیغ وسناں کا عاشق ہوں۔ تیرا امام وہ ہے جو تجھے میدان سے نکال کر ڈرائنگ روم میں بٹھا دے لیکن میرا امام وہ ہے جو مجھے گھر سے اُٹھا کر کربلا میں جا بسائے۔ بامن میا یعنی میرے ساتھ نہ آ کہ میرا مسلک شبیرؑ کا مسلک ہے۔ میرا مسلک خانقاہی نہیں ہے کہ میں ایک جگہ بیٹھ کر تسبیح و مصلّی سے خدا کو راضی رکھنے کی کوشش کروں بلکہ میرا مسلک وہ ہے کہ راہِ خدا میں اپنی گردن بھی کٹوا سکتا ہوں۔

---

[1]......(ضربِ کلیم، صفحہ ۶۳)   [2]......(پیامِ مشرق)

اقبالؒ کا میر کارواں

آپؒ میرِ کاروان کی مزید خصوصیات ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

نگہ بلند، سخن دل نواز، جاں پرسوز
یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کیلئے.....[1]

اقبالؒ کے مطابق وہ میرِ کاروانِ اُمت مسلمہ نہیں ہوسکتا جو تنگ نظر انسان ہو، جو صرف اپنا قبیلہ، اپنی قوم، اپنا علاقہ، اپنا مسلک، اپنی فقہ، اپنی کتاب دیکھتا ہو اور جس کو باقی اُمت مسلمہ نظر نہ آتی ہو۔ اقبالؒ کا میر کاروان وہ ہے جو اگرچہ رہتا ایران میں ہو لیکن اُس کا دل فلسطین کیلئے تڑپتا ہو، کشمیر کیلئے تڑپتا ہو، لبنان کیلئے تڑپتا ہو اور غزہ کے مظلوموں کا تاوان وہ ادا کرے۔

وہ اتنی بلند نگاہ رکھتا ہو کہ پوری اُمت بھی اُس کی نظروں میں ہو اور اُمت کے دشمنوں پر بھی نظر لگائے رکھے۔ اُمت کے دشمنوں کو سمجھتا ہو کہ وہ کس وقت کیا سوچ رہے ہیں اور ان کی چالیں کیا ہیں؟ میرِ کارواں کی جان پرسوز ہو یعنی اُس کا سینہ ساری دُنیا کے درد سے بھرا ہوا ہو۔

خناس حکمرانوں کا دین و مذہب یہ تعلیم دیتا ہے کہ

رند خراب حال کو زاہد نہ چھیڑ تو
تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو

جبکہ اسلام کی تعلیم اس کے برخلاف ہے۔ امیؔر مینائی کے بقول اسلام کہتا ہے:

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیؔر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

ایسا سینہ خدا کو بہت پسند ہے کہ جس کے اندر تمام مسلمین و مظلومینِ جہان کا درد موجود ہے۔

---

[1].....(بالِ جبرئیلؒ، صفحہ ۵۶)

رہبر انقلاب، درد شناسِ امت وداعیٔ وحدت

آج اگر پوری دنیا میں دیکھیں تو پوری قاطعیت کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ اس وقت اُمت اسلامی و مظلومینِ جہان کیلئے سب سے زیادہ درد رکھنے والی اور سب سے زیادہ کوشش کرنے والی شخصیت رہبر انقلاب اسلامی حضرت آیت اللہ خامنہ ای دام ظلہ العالی ہیں۔ آج پوری اُمت مسلمہ کو وحدت کی طرف بلانے والی شخصیت رہبر انقلاب حضرت آیت اللہ خامنہ ای دام ظلہ العالی ہیں۔ آج سب حکمرانوں میں صرف رہبر انقلابِ اسلامی حضرت آیۃ اللہ خامنہ ای مدظلہ العالی بیدار و بابصیرت رہبر ہیں۔ یہ ایک شخصیت پوری شیطانی طاقتوں کے مقابلے میں ڈٹی ہوئی، ان کی چالوں کو سمجھنے والی، ان کی سازشوں کو سمجھنے والی اور اُمتِ مسلمہ کا درد رکھنے والی ہے۔

رہبرِ معظمِ انقلاب اسلامی حضرت آیۃ اللہ خامنہ ای دام ظلہ العالی نے ایک سال کو حالات کے تناظر میں اتحاد بین المسلمین کیلئے وحدتِ اسلامی کا سال قرار دیا تھا کیونکہ دشمن نے وہ سال تفرقہ کا سال قرار دیا تھا۔ اسی سال دشمنانِ دین نے مسلمانوں کو تقسیم کرنے کا خطرناک منصوبہ بنایا تھا اور تفرقہ کا بازار گرم کردیا تھا۔ دشمن نے رسمی طور پر ڈیکلئر (Declare) کیا تھا کہ ۲۰۰۳ء میں ایران کے اندر انقلاب ختم ہوجائے گا اور وہاں پر ان کی دلخواہ حکومت آجائے گی، یعنی وہی جمہوریت جو افغانستان وعراق میں آئی ہوئی ہے، وہی جمہوریت جس کے ذریعے جمہور کا ناطقہ بند ہوچکا ہے، وہی جمہوریت جس کے نتیجہ میں جمہور سانس بھی نہیں لے سکتے اور وہی جمہوریت جس نے لوگوں کو جمہور کی لاشیں اٹھانا سکھا دیا ہے۔ دشمنوں نے اسی طرح کی پلاننگ کئی ملکوں کے لئے کی ہوئی تھی اور پاکستان کو اپنے ٹارگٹ کے بہت ہی قریب پہنچادیا ہے لیکن ابھی وہاں پہنچے نہیں ہیں لہٰذا اب انہوں نے گیم اوور کا اعلان کیا ہے اور نئے انداز سے دوبارہ گیم شروع کیا ہے۔ اقبالؒ کے بقول:

بدلتے رہتے ہیں اندازِ کوفی و شامی.....[1]

یعنی برسرِ نبرد طاقتیں وہی ہیں لیکن صرف چہرے اور مہرے بدل گئے ہیں۔ انہوں نے پاکستان،

[1].....(بالِ جبرئیلؒ، صفحہ ۷۴)

افغانستان، ایران، عراق، لبنان، فلسطین، لبنان، سوریا، جورڈن، کویت، سعودی عرب، اومان، متحدہ عرب امارات، یمن اور ترکی کے حوالہ سے گریٹر اسرائیل (Greater Israel) کے قیام کیلئے جو نقشہ اور روڈ میپ (Roadmap) بنایا تھا وہ فقط مسلمانوں کو آپس میں لڑانا تھا اور سب سے بڑھ کر شیعہ سنی جنگ کرانی تھی۔ اس وقت مڈل ایسٹ میں یہ کافی حد تک کامیاب بھی ہو چکے ہیں اسی طرح پوری دنیائے اسلام اور دیگر ممالک کے لئے بھی ان کے بھرپور نقشے تھے لیکن رہبرِ معظم حضرت آیۃ اللہ خامنہ ای مدظلہ نے ان کی سازشوں و چالوں کو بھانپا اور امت مسلمہ سے وحدت کا تقاضا کیا۔ اگر دشمن نے ہمارے لئے نقشہ بنایا ہے تو ہم بھی نقشہ بناتے ہیں۔

وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ......[1]

اوران لوگوں نے مکاری کی اور اللہ نے بھی اس کے دفعیہ کی تدبیر کی......

انہوں نے بھی مکر کیا ہے اور اللہ نے بھی ان کے مقابلہ میں چال چلی ہے۔ اللہ جب چال چلتا ہے تو اپنے مخلص بندوں اور مجاہدوں کے ذریعہ چلتا ہے لیکن شیطان جب چال چلتا ہے تو بش، اوبامہ، یورپین یونین، نیٹو، ورلڈ بینک اور دیگر عالمی اداروں کے ذریعے چلتا ہے۔

وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ۝[2]

اور خدا سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔

اللہ کے مقابلے میں ان کی چال چلتی نہیں ہے اور ان کا مکر بے اثر ہو جاتا ہے۔ لہٰذا رہبرِ معظم نے تمام امتِ مسلمہ سے فرمایا کہ اگر وہ ہمیں تفرقہ کی طرف لے جانا چاہتے ہیں تو ہم اپنی نجات کی خاطر وحدت کی دعوت دیں۔ آپ نے پوری امتِ مسلمہ سے چاہا تھا کہ اس سال آپس میں متحد و متفق ہونے کی ہر سال سے زیادہ کوششیں کریں۔ چونکہ وہ ایک ایسے مقام پر ہیں اور پوری دنیا سے آگاہ و باخبر ہیں، دوست و دشمن سے باخبر ہیں کہ

---

[1]......(سورۃ آلِ عمران، آیہ ٥٤)　[2]......(سورۃ آلِ عمران، آیہ ٥٤)

رہبرِ انقلاب، دردِ شناسِ امت و داعیِ وحدت

دوست کیا کر رہا ہے اور دشمن کیا کر رہا ہے؟ اس سال ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ پاکستان جہاں سے تفرقہ ودہشت گردی کی خبریں آئے دن دنیا میں پھیلتی ہیں اس کے قریہ قریہ میں وحدت کی محفلیں برپا ہوتیں اور وہ میڈیا جو دنیا کو پاکستان سے تفرقہ کی خبریں منتقل کرتا تھا ربیع الاول کے اندر اور خصوصاً ہفتۂ وحدت کے اندر وحدت کی خبریں منتقل کرتا تاکہ دنیا کو باور کرایا جاتا کہ ابھی اس قوم کے اندر دیندار، عقلمند، سمجھدار اور درد رکھنے والے لوگ موجود ہیں لیکن افسوس یہی ہے کہ لوگ بیدار نہیں ہیں۔

آج بھی رہبر انقلاب اسلامی نے پوری دنیا کے علماء سے درخواست کی ہے کہ آپس میں مل بیٹھیں اور مل بیٹھ کر اس امت کیلئے منشورِ وحدت مہیا کریں۔ رہبر معظمؒ نے امام راحلؒ کی برسی کے موقع پر بعنوانِ رہبر، ولی امر مسلمین، مجتہد وولی فقیہ اس بات کا برملا اظہار کیا کہ میرے نزدیک جوانسان بھی زبان یا قلم سے ایسی بات کہے اور لکھے کہ جس سے مسلمانوں کے اندر تفرقہ پڑتا ہے تو ایسی بات کرنا حرام ہے۔ آج پاکستان کے اندر کسی بے گناہ کا خون گرتا ہے تو یہی تفرقہ پھیلانے والے اس خون کے ذمہ دار ہیں۔

رہبر مسلمین نے اپنے متعدد خطبات میں بیان فرمایا ہے کہ وحدت اہم ترین واجبات میں سے ہے، یہ سب سے عظیم واجب ہے اور آپ سے پہلے آپ کے پیشرو رہبر کبیر امام خمینیؒ نے پوری اُمت مسلمہ کو اس نکتے کی طرف متوجہ کیا کہ اُمت مسلمہ کا سب سے بڑا ضعف اور کمزوری تفرقہ اور آپس کی پھوٹ ونزاع ہے۔ آج مسلمان حکمرانوں نے رسوائی اور غلامی کا جو طوق گلے میں ڈال رکھا ہے اور اس کے نتیجہ میں عالمِ اسلام کو جس کیفیت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے ایسے عالم میں یہ شخصیت اُمت کا درد بھی رکھتی ہے، اس کیلئے عملی اقدامات بھی کرتی ہے اور فراوان قربانیاں بھی دے رہی ہے۔ انہیں دردِ اُمت ودردِ اسلام کا کتنا عظیم تاوان دینا پڑ رہا ہے اور کیا کچھ برداشت کرنا پڑ رہا ہے ورنہ وہ ذلیل حکمران جنہوں نے خود بھی ذلت کا راستہ اختیار کیا، اپنی قوموں کو بھی ذلت کے راستہ پر ڈالا اور اپنی سرزمینوں کو بھی بیچ ڈالا ان کو بھی مشورہ دیتے ہیں کہ آپ کو ساری دنیا سے ٹکر لینے کی کیا پڑی ہے؟! آپ بھی سمجھوتہ کریں، ان کے ساتھ مل بیٹھیں اور جو باتیں وہ کہتے ہیں اُنہیں مان لیجئے۔

دراصل الا اللہ کہنا مشکل نہیں بلکہ لا الہ کہنا دشوار ہے۔ امام خمینیؒ فرماتے تھے کہ یہ ''لا'' سیکھ لیجئے۔ حضرت

اقبالؒ بھی رمزِ لا الٰہ سے واقف تھے اور فرماتے تھے:

صنم کدہ ہے جہاں اور مردِ حق ہے خلیل

یہ نکتہ وہ ہے کہ پوشیدہ لا الٰہ میں ہے ...... [1]

آپؒ نے اس نکتہ پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا:

خرد دیکھے اگر دل کی نگہ سے

جہاں روشن ہے نورِ لا الٰہ سے ...... [2]

قرآنی تعلیم یہی ہے کہ

فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا...... [3]

پس جو طاغوت کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لے آئے اس نے نہ ٹوٹنے والا مضبوط سہارا تھام لیا......

دراصل اُس کے ہاتھ میں یہ حبل المتین آتی ہے جو طاغوت کا انکار کرے اور خدا کے اوپر ایمان لائے۔

اسی قرآنی بنیاد پر دردِ اسلام و دردِ مسلمین رکھنے والے رہبرِ انقلاب حضرت آیۃ اللہ خامنہ ای مدظلہ العالی پوری دُنیا کے طاغوتوں کے مقابلہ میں سینہ سپر ہیں اور تمام اہلیانِ اسلام کو دعوتِ وحدت واتحاد دے رہے ہیں۔

رہبر انقلاب اسلامی بابصیرت منذر

آج نبیؐ ہماری دسترس میں نہیں ہیں اور امامؑ بھی بحکمِ خدا پردۂ غیب میں ہیں۔ اس بات پر اہل سنت اور امامیہ دونوں کا اعتقاد ہے۔ یہ مسلمین کے درمیان وحدت کا نکتہ ہے، لہٰذا زمانہ غیبتِ امامؑ میں کوئی تو ہونا چاہئے جو اُمت کو خطرات سے آگاہ کرے۔ الحمد للہ کہ خداوند تبارک وتعالیٰ نے اس امت کے اوپر اپنی نعمت تمام کی اور رہبرِ معظم حضرت آیۃ اللہ خامنہ ای مدظلہ کی صورت میں ایک آگاہ وبصیر رہبر عطا کیا۔ اس رہبر نے فرمایا کہ آج

---

[1]......(بالِ جبرئیلؒ، صفحہ ۷۱) [2]......(ارمغانِ حجاز، صفحہ ۴۳) [3]......(سورۃ بقرہ، آیہ ۲۵۶)

دشمن کی طرف سے امتِ مسلمہ کو ختم کرنے کے لئے ناپاک سازش بنائی گئی ہے اور اس کیلئے جو اسلحہ استعمال کر رہا ہے وہ امت کے اندر تفرقہ ہے۔ مذہب کو دستاویز قرار دے کر، مذہب کے اندر گروہ بنانا، فرقے بنانا، ٹکڑے بنانا اور ان کو ایک دوسرے کے خلاف لڑانا، ایک دوسرے کو دست بہ گریبان کرنا دشمن کی چالوں میں سے ایک چال ہے۔

رہبر مسلمین کے مطابق نیٹو (NATO) کی اقسام

آگاہ و با بصیرت رہبر انقلاب حضرت آیت اللہ خامنہ ای حفظہ اللہ نے ہمیں بتا دیا ہے کہ اس وقت چار قسم کے نیٹو (NATO;North Atlantic Treaty Organization) نے عالم اسلام پر حملہ کیا ہوا ہے اور اُمت مسلمہ کو دراصل انہی چار قسم کے نیٹو سے خطرہ ہے جو شیطان نے بنائے ہیں اور عالم اسلام پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔

۱) عسکری نیٹو (Military NATO)

۲) سیاسی نیٹو (Political NATO)

۳) کلچرل نیٹو (Cultural NATO)

۴) اقتصادی نیٹو (Financial NATO)

اگر ہم نیٹو کا تعارف کارکردگی کے لحاظ سے کریں تو نیٹو سے مراد وہ حملہ آور فورسز ہیں جنہوں نے خاص طور پر عالم اسلام پر یلغار کی ہوئی ہے۔ عسکری و فوجی نیٹو تو سب کیلئے واضح ہے یعنی چند ممالک کے درمیان عسکری اتحاد (Military Alliance) جس کا مرکز شیطانِ بزرگ امریکہ ہے۔ اسی نیٹو نے افغانستان پر قبضہ کیا ہوا ہے اور یہی عراق کے اندر موجود ہے۔ اب یہ سارے اسلامی ممالک پر قبضہ کرنے کیلئے پر تولے ہوئے ہے۔

کلچرل نیٹو، سب سے بڑا خطرہ

اس وقت جو چیلنجز (Challenges) ہمیں درپیش ہیں ان میں سب سے بڑا چیلنج مغربی ثقافتی یلغار ہے۔ اس وقت آرمی نیٹو سے زیادہ خطرناک اور پاورفل کلچرل نیٹو ہے کہ جس کا حملہ سب سے زیادہ سخت ہے۔ آرمی نیٹو کے حملوں سے گری ہوئی لاشیں تو ہمیں نظر آرہی ہیں لیکن کلچرل نیٹو کی گرائی ہوئی لاشیں جو گلی گلی، کوچہ کوچہ پڑی ہوئی ہیں ہمیں نظر نہیں آتیں۔

دشمنانِ اسلام نے کلچرل نیٹو کو باقاعدہ طور پر منظم کیا ہوا ہے اور اس کو مختلف نام بھی دیئے ہوئے ہیں مثلاً Hollywood, Bollywood, Lollywood, Tollywood, Nollywood اور Sandalwood وغیرہ کے نام سے کلچرل نیٹو کے حملے اسکولز، کالجز، یونیورسٹیز اور گھروں میں نیٹ، ڈش، سینما اور کیبل نیٹ ورک کے ذریعے 24 گھنٹے روزانہ ہو رہے ہیں۔ معاشرے میں جتنے بھی بے حیا مرد، عورتیں اور نئی نسل ہے ان سب کو کلچرل نیٹو نے موت کے گھاٹ اتارا ہے۔ ہمیں اس نیٹو سے مقابلہ کرنا ہے۔ بقول شاعر:

ہم امن چاہتے ہیں مگر ظلم کے خلاف
گر جنگ لازمی ہے تو پھر جنگ ہی سہی

خود سے جنگ کا آغاز نہ کریں لیکن جو جنگ ٹھونسی جاتی ہے اگر وہ نہ لڑی جائے تو نسلیں مٹ جاتی ہیں۔

یہ کلچرل وار (Cultural War) بنام کلیش آف سیویلائزیشنز (Clash of Civilizations) ہم پر ٹھونسی گئی جنگ ہے۔ آپ چاہیں یا نہ چاہیں لیکن یہ جنگ ہمیں لڑنی پڑے گی۔

کلیش آف سویلائزیشنز کے حوالے سے Huntington نامی امریکی Political scientist نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام (The Clash of Civilizations and the Remaking of World Order) ہے۔ یہ شخص اس سارے معرکے کا theoretician ہے جو ابھی جاری ہے۔ اس نے اپنے سابقہ سیاسی پیش رووں کو Blame کیا ہے کہ وہ غلط سوچتے رہے ہیں اور ان کی غلط سوچ کی وجہ سے امریکہ اتنا پیچھے رہ گیا کہ دنیا پر غلبہ نہیں پا سکا۔ ہم ایک صدی سے کوشش کر رہے ہیں لیکن

کلچرل نیٹو، سب سے بڑا خطرہ

اب تک ہمارا غلبہ دنیا پر نہیں ہو سکا کیونکہ ہم نے ہمیشہ سیاسی اور اقتصادی میدان فتح کرنے کی کوشش کی ہے۔ایک زمانے میں ہمارا مقابلہ کیمونزم اور سوشلزم کے ساتھ تھا لیکن ہم نے وہ اقتصادی جنگ جیت لی اور آج سرمایہ داری نظام دنیا کا تنہا نظام ہے جو غالب ہے اور اسی طرح سے ہم نے سیاسی نظام بھی جیت لیا کہ پوری دنیا کے اوپر ہم نے غالب حد تک مغربی جمہوریت اور لبرل ڈیموکریسی رائج کر دی لیکن اس کے باوجود آج بھی ہمارا خواب ادھورا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک اصلی گراؤنڈ تھا جو ہمارے سابقہ تھنک ٹینک (Think tank) نے نظر انداز کیا ہوا تھا اور وہ کلچرل یعنی ثقافتی میدان ہے۔ جب تک ثقافتی میدان ہموار نہیں ہوتا اس وقت تک سیاسی و اقتصادی فتح ہمیں اپنے مقصد تک پہنچنے نہیں دے گی۔ اس کے مطابق اس وقت آٹھ بڑی ثقافتیں و تہذیبیں دنیا کے اندر موجود ہیں اور ان تہذیبوں میں سے سب سے بڑی خطرناک تہذیب جو ہمارا راستہ روکتی ہے وہ اسلامی تہذیب ہے۔

ہم ڈیموکریسی لے کر افغانستان میں جاتے ہیں لیکن وہ اس کا انکار کرتے ہیں۔ عربوں کے لئے ڈیموکریسی کا نسخہ لکھتے ہیں لیکن انہیں بھی یہ نظام نہیں چاہئے۔ کون سی چیز انہیں روکتی ہے؟ کہا کہ وہ صرف ان کا کلچر ہے اور وہ بھی اسلامی کلچر لہٰذا جب تک اسلامی تہذیب سرنگوں اور ختم نہیں ہوتی ہم اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ اس وقت چوتھی جنگِ عظیم جاری ہے جس کا ہدف اور ٹارگٹ اسلام اور مسلمان ہیں۔ اس جنگ سے غفلت نہ برتیں۔

کلچرل یلغار سب سے بڑا خطرہ

دشمن نے تفرقہ کے ذریعہ اسلام کو ختم کرنے کا قصد کر رکھا ہے۔ اس وقت دشمنِ دین نے "کلیش آف سویلائزیشنز" کے نام سے چوتھی جنگِ عظیم شروع کر رکھی ہے۔ پہلی دو جنگوں کے بارے میں آپ جانتے ہیں اور تیسری جنگِ عظیم سرد جنگ تھی یعنی کیمونزم اور امپیریل ازم کے درمیان کہ جس جنگ کا نتیجہ کیمونزم و سوشل ازم کی شکست تھی۔ اب چوتھی جنگ عظیم جاری ہے اور تہذیبوں کی اس جنگ کا رُخ اسلام و مسلمین کی طرف ہے۔ اس جنگ میں بندوق کا استعمال کم ہے اور فکر یعنی فتنوں اور منصوبوں کا استعمال زیادہ ہے۔ اس جنگ کو عالمِ اسلام کے

خلاف جیتنے کیلئے ان کا عالمی منصوبہ فقط تفرقہ پر استوار ہے۔ یہ وہ ہتھیار ہے کہ جس سے مسلمان خود مسلمان کو تباہ کر دے گا اور مسلمانوں کے مشترکہ دشمن کو گولی تک نہیں چلانی پڑے گی۔

کلچرل نیٹو ھر گھر میں موجود

میڈیا نے ہمیں کبھی آگاہ نہیں کیا کہ چار نیٹو ہیں۔ وہ فقط ایک نیٹو کا تذکرہ کرتے ہیں کیونکہ اسے چھپا بھی نہیں سکتے لیکن اُن تین کو چھپا کر رکھا ہوا ہے۔ اس نیٹو کا کام چڑھائی کرنا ہے اور وہ تین پس پردہ کام کرتے ہیں۔ پاکستان کے اوپر یہ چاروں نیٹو حملہ آور ہیں۔ عرصہ دراز سے پاکستانی معاشرے پر کلچرل نیٹو نے قبضہ کیا ہوا ہے اور پوری دُنیا کے اوپر ''کلیش آف سیولائزیشنز'' (Clash of Civilizations) کے نام پر جنگ شروع کی ہوئی ہے کہ ہم یہ آخری جنگ لڑ رہے ہیں اور اس کے بعد ہمارے مقاصد پورے ہو جائیں گے۔

اس کلچرل نیٹو کا ہراول دستہ Hollywood اور اُس کی پروڈکشنز ہیں جو آج مومنین کے گھروں میں موجود ہیں۔ ہر بیڈ روم میں کیبل کے ذریعہ کلچرل نیٹو کی فوج اُتری ہوئی ہے۔ ابھی عسکری نیٹو چھاؤنیوں میں موقع کے انتظار میں ہے لیکن کلچرل نیٹو ہمارے گھروں کے اندر گھس آئی ہے۔ اسی طرح سیاسی و اقتصادی نیٹو کے اپنے الگ منصوبے اور محاذ ہیں۔ ہمیں اپنی سوسائٹی کو سمجھنے اور اس کی مشکلات کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمیں اس کو اپنے حال پر نہیں چھوڑنا اور اگر ہم پڑھ لکھ کر اسے اپنے حال پر چھوڑ کر بھاگ جائیں تو یہ خود خواہی ہے اور اس طرح نجات ممکن نہیں ہے۔ ہمیں اسی ملک میں رہتے ہوئے خود کو اور اپنے ملک کو بچانا و سنوارنا ہے۔

کلچرل نیٹو ھر گھر میں موجود

نیو ورلڈ آرڈر کیلئے کلچرل وار

پاکستان کے اندر جو کچھ ہو رہا ہے اس کا عالمی سیاست سے گہرا تعلق ہے۔ یہ باتیں پسِ پردہ کی یا انڈر گراؤنڈ نہیں ہیں بلکہ میڈیا پر بھی آ چکی ہیں، ان کے مختلف افراد نے اپنی گفتگوؤں میں کہی ہیں اور کتابیں بھی لکھی ہوئی ہیں۔ یہ لوگ نہ ان چیزوں کا انکار کرتے ہیں اور نہ ہی چھپاتے ہیں۔ انہوں نے واضح طور پر نیو ورلڈ

آرڈر (New World Order) کا اعلان کیا ہوا ہے۔ یہ ایک اصطلاح ہے جو مدت سے استعمال ہو رہی ہے جس سے مراد دنیا کیلئے نظم جدید ہے۔ اس نیو ورلڈ آرڈر (NWO) کا مرکزی نکتہ یہ ہے کہ ہم نے پوری دنیا میں چند چیزیں Globalized کرنی ہیں مثلاً پوری دنیا میں ایک حکومت ہو، ایک سیاسی نظام ہو، ایک اقتصادی نظام ہو، ایک تعلیمی نظام ہو، ایک آئیڈیالوجی اور ایک کلچر ہو۔ ایک سیاسی نظام کے لئے انہوں نے جس سیاسی نظام کا انتخاب کیا ہے اسے وہ اپنی سیاسی یا علمی زبان میں لبرل ڈیموکریسی (Liberal Democracy) کا نام دیتے ہیں۔ یہ ایک الگ اور خاص قسم کی ڈیموکریسی ہے اور جو ملک اس نظام کو قبول نہیں کرے گا اس سے طاقت کے ذریعہ زبردستی قبول کروائیں گے۔ اسی طرح لبرل کیپیٹل ازم (Liberal Capitalism) ساری دنیا میں نافذ ہو، جو ہمارے ملک میں بھی ہے۔ جس کے نتائج یہ ہیں کہ غریب غریب سے غریب تر اور امیر امیر سے امیر تر ہوتا جائے۔ لہٰذا آپ دیکھ رہے ہیں کہ پہلے جن بچوں کو پڑھایا جا رہا تھا اب یہ توفیق بھی نہیں ملتی کہ انہیں اسکول میں داخل کرا سکیں۔ دوسری جانب ہر ملک میں دوڑ لگی ہوئی ہے کہ کتنے لوگ لاکھوں پتی، کروڑوں پتی، اربوں پتی بن گئے ہیں۔ یہ سرمایہ دارانہ نظام کی دوڑ ہے۔

اسی طرح انہوں نے اس شعبہ پر زیادہ توجہ دی ہوئی ہے کہ کلچر (Culture) ایک ہونا چاہئے۔ نائن الیون کا واقعہ اسی کا نکتۂ آغاز تھا چونکہ جب وہ افغانستان میں جمہوریت کی بات کرتے ہیں تو وہ ہنستے ہیں کہ جمہوریت کیا ہوتی ہے؟ چونکہ افغان کلچر ہی ایسا ہے کہ جس میں جمہوریت کی کوئی گنجائش نہیں ہے مثلاً قبائلی نظام میں جمہوریت کی بات کریں تو ہنسی آتی ہے، اسی طرح وہ عربوں کے اندر جمہوریت کی بات کرتے ہیں تو قبول نہیں ہوتی۔ اس وجہ سے انہوں نے یہ تشخیص دیا اور اعتراف بھی کیا کہ گزشتہ پچاس سال سے ہم ایک غلطی کر رہے ہیں۔ وہ غلطی یہ ہے کہ ہم نے ساری توجہ سیاسی، عسکری اور اقتصادی شعبوں پر لگائی ہوئی تھی اور کلچرل فیلڈ (Cultural Field) نظر انداز کی ہوئی تھی جس کی وجہ سے ہمیں کوئی کامیابی نہیں مل رہی۔ یعنی نہ سرمایہ دارانہ نظام اس طرح پنپ رہا ہے اور نہ لبرل ڈیموکریسی قبول کی جا رہی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ کلچر ہی ڈیموکریسی کے لئے سازگار نہیں ہے۔ ہر قوم اپنے اپنے الگ کلچر کے مطابق زندگی بسر کر رہی ہے۔ اس لئے انہوں نے کہا کہ بہترین

کلچر مغربی کلچر ہے جس میں ہر طرح کی آزادی (Liberalism) ہے۔ اگر پوری دنیا کے اندر یہ کلچر ہوگا تو پھر لوگ ہماری بات سنیں گے۔ اس طرح وہ نیو ورلڈ آرڈر کے لئے گراؤنڈ بنانے کی کوشش کررہے ہیں۔

کلچرل میدانوں کی مشکلات

اس تناظر میں انہوں نے تشخیص دیا ہے کہ پہلے ہم نے کلچرل میدان فتح کرنا چاہئے پھر بعد میں دوسرے میدانوں میں اتریں گے۔ کلچرل میدانوں میں انہیں مشکلات پیش آرہی ہیں مثلاً اقتصادی شعبے میں جب وہ کیپیٹل ازم کی طرف آئے تو اس کے مقابلے میں سوشل ازم (Socialism) تھا لیکن انہوں نے سوشل ازم کو شکست دے دی۔ روس کے ٹوٹنے کے بعد دنیا کے اندر سوشل ازم عملاً موجود نہیں ہے حتیٰ چین بھی سرمایہ دارانہ نظام کے تحت زندگی بسر کررہا ہے۔ اپنی ظاہری ترقی دیکھ کر انہوں نے یہ نظام قبول بھی کیا ہوا ہے۔ لیکن کلچرل یا ثقافتی میدان میں ان کیلئے سب سے بڑی رکاوٹ دنیا کی سات یا آٹھ بڑی تہذیبیں ہیں۔

ان سب تہذیبوں میں ان کیلئے سب سے خطرناک تہذیب اسلامی کلچر ہے کیونکہ اسلام و قرآن ایسی ذہنیت بنادیتا ہے کہ جس کی روشنی میں لوگ نہ ڈیموکریسی کی طرف آتے ہیں، نہ لبرل ازم کی طرف آتے ہیں اور نہ کیپیٹل ازم کی طرف آتے ہیں مثلاً آپ دیکھ لیں کہ اس وقت غیر سودی بینکاری کو کتنی مقبولیت ملی ہے اگرچہ وہ بھی برائے نام ہے اور اس میں اصل روح وہی سود والی ہے۔ حتیٰ سٹی بینک یا اس طرح کے بڑے بڑے بینکوں نے بھی غیر سودی بینکاری یعنی اسلامی بینکاری کے نام کا شعبہ شروع کیا ہے چونکہ لوگوں میں اسلام کی جڑیں ہیں۔ اگرچہ مسلمان اسلام سے اتنے آشنا نہیں ہیں۔ علامہ اقبالؒ کے کلام کے مطابق یہ حاملِ قرآن نہیں ہیں۔ یہ فقط محبِ قرآن ہیں اور قرآن سے فقط عقیدت رکھتے ہیں لیکن یہ اس پر عمل نہیں کرتے۔ لیکن پھر بھی قرآنی تعلیمات کی جڑیں لوگوں کے اندر ہیں۔ وہ اسی سے ڈرتے ہیں خصوصاً ایران کے اندر انقلابِ اسلامی کے بعد انہیں یقین ہوگیا ہے کہ اسلام ایک پوٹینشل (Potential) ہے، اسلام میں اتنی پاور (Power) ہے کہ کسی بھی وقت کسی بھی سرزمین پر ایک بڑا انقلاب برپا کرسکتا ہے۔ اس لئے انہوں نے پہلے ٹارگٹ کے طور پر اسلام کو نظر میں رکھا ہے۔

کلچرل وار میں کامیابی کیلئے دشمن کے مراحل

اسلامی تہذیب کے خلاف اس جنگ میں کامیابی کیلئے دشمن نے اپنے منصوبوں کو کئی مراحل میں تقسیم کیا ہے۔اسلام میں بھی انہوں نے مختلف سیکٹرز (Sectors) پر تحقیق کی کہ ہم کہاں کہاں اسلامی تہذیب کو نقصان پہنچا سکتے ہیں یا اسلام کو بدنام کرسکتے ہیں اور لوگوں کو اس سے دور کرسکتے ہیں۔اس ضمن میں اسلام کو سرکوب کرنے کے لئے، اسلام کا چہرہ بھیانک بنانے کے لئے، اسلام کا مسخ شدہ وخشن چہرہ پیش کرنے کے لئے اور اسلام کو دہشت گردی کا مذہب بنا کر پیش کرنے کیلئے انہیں پاکستان کی سرزمین بہترین نظر آئی۔لہٰذا انہوں نے پاکستان میں یہ عمل تقریباً ۱۹۸۰ء کی دہائی سے شروع کردیا نتیجتاً یہاں جہادی لشکر بننے لگے، جگہ جگہ جہادی کیمپ لگے اور پاکستان کا ذرہ ذرہ جہاد جہاد کررہا تھا۔ یہ اس کا پہلا فیز (Phase) تھا۔ پھر یہی جہادی بعد میں بنیاد پرست (Fundamentalists) بن گئے اور وہی بنیاد پرست آج ٹیررسٹز (Terrorists) بن گئے ہیں۔یہ سب باقاعدہ ایک پری پلاننگ (Pre-Planning) کے تحت ہوا ہے یعنی اگر وہ مشرق ومغرب کی جوان نسل سے کہیں گے کہ اسلام چھوڑ دو تو یہ اور زیادہ اسلام کی طرف آئیں گے لیکن اگر اسلام کو خطرناک اور وحشی صورت میں پیش کریں تو یہ خود اسلام سے بھاگیں گے۔

انقلاب کے بعد لوگوں میں اسلام کی طرف بہت رجحان پیدا ہوا۔اگر دشمن یہ کہتا کہ اسلام کی طرف نہ جاؤ تو یہ اور زیادہ آتے چونکہ مسلمانوں کی عادت ہے کہ جس سے روکیں اس طرف زیادہ جاتے ہیں، لیکن انہوں نے روکا نہیں بلکہ دوسری سرزمینوں میں دنیا کے سامنے اسلام کا چہرہ بھیانک بنا کر پیش کردیا، اب لوگ اس اسلام کو پسند نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ ہمیں یہ اسلام نہیں چاہیئے۔دوسری طرف سے دشمن نے میڈیا کے ذریعہ پروپیگنڈہ پھیلایا ہوا ہے کہ اسلام تو بس یہی ٹیررازم ہے اور کچھ بھی نہیں ہے۔انہوں نے پاکستان میں اسلام کو کڑوا بنا کر پیش کیا چونکہ کسی اور سرزمین پر یہ کام نہیں ہوسکتا تھا۔یہاں کا ملا صرف ڈالروں پر نظر رکھے ہوئے تھا اور دونوں جیبیں ڈالروں سے بھری ہوئی ہوتی تھیں جن سے جہادی کیمپ چلا رہا تھا۔اسے نہیں پتہ تھا کہ یہ ہم سے کیا کروا رہے ہیں۔دشمن نے گھرانوں، سیاستدانوں اور جرنیلوں کی جیبوں کو ڈالروں سے بھر دیا اور سب نے مل کر اسلام کا چہرہ

مسخ کر کے پیش کیا۔ ان کی سازشوں کے نتیجہ میں بھائی بھائی کا خون گرا رہا ہے، مسجد، امام بارگاہوں، جلوسوں میں بم بلاسٹ ہو رہے ہیں اور نمازی نمازی کو مار رہا ہے لہٰذا یہ کام فرقہ واریت نہیں بلکہ دشمن کی سازش کا حصہ ہے۔ ایک طرف سے یہ ٹیرارسٹ کا برین واش (Brainwash) کرتے ہیں اور دوسری طرف سے پیڈ (Paid) ایجنسیاں ان سے سارے کام کرواتی ہیں۔

لیکن اب دشمن نے تھیوری بدل دی ہے۔ پہلے استعماری دور ہوتا تھا جیسے انگریزوں نے آکر ہندوستان پر قبضہ کرلیا تھا۔ استعماری دور کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ لوگ کسی ملک کی تعمیر و ترقی یعنی نوآبادیاتی نظام کے بہانے سے اس ملک پر قبضہ کر لیتے ہیں۔ یہ طریقہ انہیں مہنگا پڑتا تھا لیکن اب انہوں نے اس سے سستا نظام ڈھونڈ لیا ہے۔ اب استحماری نظام ہے۔

پہلے وہ خود نظریئے بنا کر ان کی ترویج کیا کرتے تھے اور بائے فورس (By Force) لوگوں کو مجبور کرتے تھے کہ اُن کی بتائی ہوئی گائڈلائنز (Guidelines) پر چلیں لیکن اب یہ کام نہیں کرتے۔ چونکہ زمانہ ترقی کر گیا ہے لہٰذا سائنس و ٹیکنالوجی کے وسائل سے مدد لے کر انہوں حالات ایسے بنا دیئے ہیں کہ جیسا یہ چاہتے ہیں ویسا ہی ہم بھی سوچیں۔ وہ اپنا تھنک ٹینک (Think-tank) بٹھا کر تھیوری تیار کر کے نہ دیں تا کہ ہم یہ نہ کہیں کہ کسی نے ہمیں ڈکٹیٹ (Dictate) کیا ہے بلکہ جو وہ چاہتے ہیں ہم وہ خود سوچیں۔

مثلاً فرض کرلیں کہ فرقہ واریت کی جنگ میں کسی قوم کو اتارنا چاہتے ہیں تو ایک طریقہ یہ ہے کہ پیسے دے کر کہیں کہ اس سے اسلحہ خریدو، ٹولہ بناؤ اور مارو لیکن آج کل یہ کام نہیں چلتا کیونکہ پوری قوم اس پر اترنے کے لئے تیار نہیں ہوتی۔ اس کی بجائے بہترین اور سستا کام یہ ہے کہ آپ ایسے حالات پیدا کر دیں کہ قوم کا ہر فرد جنگ میں اترنے کے لئے جذبات اور طیش میں آجائے۔ یہ جو گلے کاٹ کر ان کی ویڈیو بنا کر سی ڈیاں تقسیم کرتے ہیں یہ کوئی سادہ کام نہیں ہے بلکہ یہ کس لئے کر رہے ہیں؟ یہ اتنا بھیانہ اور اتنا وحشیانہ منظر ہے کہ کوئی آدمی دیکھ نہیں سکتا لیکن جو دیکھتا ہے تو اس کی آنکھوں میں خون اتر آتا ہے، پھر وہ آرام سے ٹک کر نہیں بیٹھ سکتا۔ کافی ہے کہ ایک آدمی چنگاری جلائے اور ساری قوم اٹھ کر کھڑی ہو کہ وہ ہمارے ساتھ ایسا کرتے ہیں تو ہم ان کے ساتھ کیوں نہ کریں؟

اس کام پر عمل پیرا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہم وہی کام کر رہے ہیں جو دشمن چاہتے ہیں۔

سازشوں کے خلاف پلاننگ، ہوشیاری و بیداری کی ضرورت

ہمیں دشمن کی سازشوں کے ان تمام مراحل سے نبرد آزما ہونے کیلئے ہوشیاری و بیداری کا ثبوت دینا ہے مثلاً ابھی ایران پر اٹامک نیوکلیئر پاور کے لحاظ سے بہت پریشر ہے لیکن ایران بھی ان کی چالوں کو سمجھ گیا ہے اور ان کے خلاف ڈپلومیسی کی جنگ اچھی لڑ رہا ہے۔ پوری دنیا ایک طرف اور وہ اکیلا ایک طرف ہے۔ رہبر معظم حضرت آیۃ اللہ خامنہ ای مدظلہ العالی کا یہ بہت بہترین جملہ ہے کہ ہمیں ان کے ساتھ لڑنا تو ہے لیکن لڑائی کے میدان کا تعین دشمن خود کرنا چاہتے ہیں، اور یہ ہماری شکست ہے کہ ہم اس میدان میں جا کر لڑیں جہاں دشمن چاہتے ہیں۔ ہماری کامیابی اس میں ہے کہ جس میدان میں ہم لڑنا چاہتے ہیں دشمن وہاں آ کر لڑیں۔

بالآخر جو جنگ کسی قوم پر ٹھونسی جائے وہ لڑنی پڑتی ہے۔ یہ جنگ لڑے بغیر چارہ نہیں ہے اور اس سے بھاگنا راہِ حل نہیں ہے۔ اس وقت پاکستانیوں کو جو راہِ حل نظر آ رہی ہے وہ یہ ہے کہ ملک چھوڑ کر چلے جائیں، سب ویزوں کے چکر میں لگے ہوئے ہیں، جس کی تھوڑی بہت رسائی ہے وہ چاہتا ہے کہ ملک سے نکل جائے۔ یہ راہِ حل نہیں ہے اور جو وہ چاہتے ہیں وہ ہم کریں یہ بھی راہِ حل نہیں ہے۔ یہیں پر اپنی صلاحیتوں کو ثابت کرنے کا وقت ہے کہ ہمیں اس مشکل کا راہِ حل تلاش کرنا ہے۔

کتے کو اگر پتھر مارا جائے تو وہ پتھر کو کاٹتا ہے یا پتھر مارنے والے کو کاٹتا ہے۔ اگر باؤلا کتا ہو تو پتھر کو کاٹتا ہے لیکن نارمل کتا پتھر مارنے والے کو کاٹتا ہے۔ جب جانور میں اتنا شعور ہے تو انسان کو تو اس سے زیادہ شعور کا مظاہرہ کرنا چاہیئے۔ لوگوں کو اس وقت شعور کا ثبوت دینا ہے، ان پر پتھر پھینکا گیا ہے لیکن انہیں کس کو اپنا دشمن سمجھنا ہے؟ پتھر کو یا پتھر مارنے والے کو؟ یقیناً پتھر مارنے والے کو۔ چونکہ پتھر کو اگر کاٹ بھی لیں تو اُن کا اپنا دانت بھی ٹوٹے گا۔ دشمن کے پاس پتھروں کی کمی نہیں ہے، اگر لوگ ایک پتھر توڑ بھی دیتے ہیں تو وہ دوسرا پتھر پھینک دیتا ہے۔ اگر پتھر پھینکنے والا ختم ہو جائے تو پتھر خود ہی ناکارہ ہو جائیں گے لیکن جب تک پتھر مارنے والا موجود ہے تو

اگر سارے پتھر اٹھا کر دریا میں بھی ڈال دیں تو وہ اور پتھر لے آئے گا۔ اگر آپ دوسرا پتھر اُٹھا کر رکھ لیں تو وہ تیسرا پتھر لے آئیں گے۔ آپ خوش نہ ہو کہ چند گروہوں پر پابندی لگنے سے یا انہیں جیل میں ڈالنے سے اس ملک کے اندر امنیت برپا ہو جائے گی۔ جس دن سے ان پر پابندی لگی ہے اُس دن سے اس ملک کا چین چھن گیا ہے چونکہ اُن کے پاس فراوان پتھر موجود ہیں بلکہ پتھروں کی معدنیات ہیں۔ اس ملک کے نادان، ناعاقبت اندیش، احمق، سفیہہ و بیوقوف حکمران اُن کے آلہ کار بنے ہوئے ہیں جو بیس ہزار کلومیٹر دور سے اس سرزمین پر خون کی ہولی کھیل رہے ہیں۔ یہ اپنے ہی ملک وقوم کو توڑنے کے درپے ہیں اور وہ جو منصوبہ دیتے ہیں اُس پر عمل کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس جنگ کا منصوبہ اتنا دقیق اور گہرا ہے کہ ہم اسے جذبات سے نہیں لڑ سکتے۔ یہ جنگ لڑنی ضرور ہے لیکن جذبات سے نہیں بلکہ پلاننگ (Planning)، ہوشیاری اور بیداری کے ساتھ لڑنی ہے۔

کلچرل نیٹو سے مقابلہ کا قرآنی طریقہ

اس کا مقابلہ کرنے کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ ہم خانقاہی طریقہ اختیار کریں اور اپنے گھر میں کیبل بھی کاٹ دیں، اپنی خواتین کو بھی گھر میں باندھ دیں، خود کسی مولانا سے رابطہ رکھیں اور صرف نماز و روزہ میں مشغول رہیں۔ یہ وہی خانقاہی نجات ہے اور کافی نہیں ہے۔ آپ اس طرح خود کو کب تک بچائیں گے اور ہوسکتا ہے کہ اس میدان میں اگر آپ نہ بھی جائیں تو آپ کی اولاد چلی جائے۔

اس یلغار سے بچنے، بچانے اور مقابلہ کرنے کیلئے ہم اپنی طرف سے خود ساختہ طریقے نہ بنائیں بلکہ ہمیں قرآنی طریقہ اپنانا ہوگا جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ اپنی وسعت کے ساتھ اس قرآنی و اسلامی طریقہ سے ہم اس یلغار کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ خود کو بچانے کیلئے پہلے اپنی سوسائٹی (Society) کو بچائیں۔ اگر معاشرہ میں بیماری کی وباء پھیل جاتی ہے تو پوری سوسائٹی میں اسپرے کرنا چاہئے تاکہ گھر میں ہمارا بچہ بھی محفوظ رہے یا اگر ہم چاہتے ہیں کہ وبائی بیماری سے ہمارا بیمار بچہ ٹھیک ہو جائے تو اپنے بچے کے ساتھ ساتھ پوری سوسائٹی کو ویکسینیٹ (Vaccinate) کرنا پڑے گا ورنہ اگر ہم اپنے بچے کو بچالیں اور پوری سوسائٹی بیمار رہے تو ہمارا

کلچرل نیٹو سے مقابلہ کا قرآنی طریقہ

بچہ پھر بیمار ہوجائے گا۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کے گھر میں موسم ٹھنڈا اور خوشگوار ہوجائے تو کیا خدا سے یہ دعا مانگیں گے کہ خدایا! تھوڑی سی بارش میرے گھر کے اندر ہوجائے تا کہ یہاں ٹمپریچر اچھا ہوجائے؟ یہ بیوقوفوں والی دعا ہے اور یہ خدا کا قانون بھی نہیں ہے۔ عقلمندوں والی دعا یہ ہے کہ خدایا! اس پورے علاقے میں بارش ہوجائے۔ جب پورے علاقے کا ٹمپریچر معتدل ہوگا تو میرے گھر کا بھی معتدل ہوجائے گا۔ ہم سوسائٹی کو نظر انداز کر کے اپنے آپ کو نجات نہیں دے سکتے لہٰذا ہمیں سب کو بچانا ہے پھر ہم خود بھی بچ سکتے ہیں۔ صاحب نظر لوگ جو واقعاً ملکی حالات و مسائل سے آگاہ بھی ہیں اور درست تجزیہ تحلیل بھی کر سکتے ہیں انہیں چاہیے کہ خصوصاً جوانوں کو اَپ ٹوڈیٹ (Up-to-date) رکھیں۔ اگر یہ نسل آگاہ نہ ہوئی اور ہم نے انہیں صرف تعلیم اور کتابوں میں ہی ڈالے رکھا تو پھر نا آگاہ یہ معاشرہ کے مسائل کو فیس (Face) بھی نہیں کر سکے گی۔ آگاہی سب سے بڑی ضرورت ہے۔

ندائے رہبرانِ دین لبیک کی مقتضی

اللہ، رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات و سیرت، قرآن، ائمہ اطہار علیہم السلام، دین، اولیائے دین، امام خمینیؒ اور ہمارے رہبر معظم ولی امر مسلمین حضرت آیۃ اللہ خامنہ ای دام ظلہ العالی مسلمانوں کو دعوتِ وحدت دے رہے ہیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ ہم اپنے رہبروں کی آواز پر لبیک کہتے۔ آج اگر امریکہ آواز دیتا ہے تو نیٹو واتحادی فورس وجود میں آجاتی ہے۔ ساری دنیا اپنے اپنے فوجی اس کے اندر بھیج دیتی ہے۔ ایسے ممالک بھی موجود ہیں جنہوں نے افغانستان وعراق کے اندر اپنے ایک یا دو فوجی علامتی طور پر بھیجے ہوئے ہیں تا کہ وہ مسلمانوں کی نابودی کیلئے ان کی نمائندگی کر سکیں۔

اس دور میں رہبر نے ہمیں وحدت واتحاد کی طرف بلا کر قرآن وسیرتِ رسول اللہ ﷺ کو زندہ کیا ہے لہٰذا تمام علمائے اسلام واُمتِ مسلمہ کا فریضہ ہے کہ ندائے وحدتِ رہبر پر لبیک کہیں اور آپس میں متحد ومتفق ہوجائیں۔ ہمارے اختلافات اتنے نہیں ہیں جو ہمیں ملا نہ سکیں۔ شیعہ اور سنی کے درمیان اگر فقہی، اصولی، فروعی و تاریخی اختلافات اکٹھے کر کے کتاب لکھی جائے تو دس فیصد سے زیادہ اختلافات نہیں ہیں۔ نوے فیصد میں مسلمان

اُمت آپس میں متفق ہے۔ ہم نوے فیصد اشتراک کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور دس فیصد اختلافات کو خود بھی اچھالتے ہیں اور دشمن بھی ان کو ہوا دیتا ہے۔ اس طرح دشمن تفرقہ ایجاد کر کے ہمیں ایک دوسرے کا دشمن قرار دیتا ہے۔

اس وقت کوئی ایسا کام نہ کریں جس سے ہم دشمن دین کے ساتھی شمار ہونا شروع ہو جائیں۔ ہم مظلوم ہیں اور اس مظلومیت کا خدا کے ہاں اجر موجود ہے لیکن ایسا نہ ہو کہ اس مظلومیت میں ہماری غلطیاں بھی شامل ہو جائیں۔ ہمیں چاہیئے کہ تفرقہ باز جو میدان میں تنگ کرتے ہیں ان سے یہ میدان چھین لیں اور اس کی جگہ وحدت کا پرچار کریں۔ خدا نے ہمیں ولی امر مسلمین حضرت آیۃ اللہ خامنہ ای مدظلہ جیسا آگاہ و بابصیرت رہبر نعمت کے طور پر دیا ہے جو دشمنوں کی چالوں سے آگاہ بھی کرتا ہے اور اس کے پاس قوم کو بچانے کی تدبیریں بھی موجود ہیں۔ ہمارا فریضہ ہے کہ ہم رہبر انقلاب حضرت آیۃ اللہ خامنہ ای مدظلہ العالی کی وحدت کی کوششوں کی بھرپور پیروی کریں۔

وحدت کے منشور پر کام کی ضرورت

آج ذہنوں میں وحدت ایک مبہم چیز ہے اور زیادہ واضح و روشن مفہوم نہیں ہے۔ وحدت کو پارہ پارہ کرنے والے اسباب متعدد ہیں اور ان کی طرف توجہ کرنے، سوچنے، مطالعے، تجزیہ و تحلیل اور آگاہی کی ضرورت ہے۔ ولی امر مسلمین حضرت آیۃ اللہ خامنہ ای دام ظلہ العالی فرماتے ہیں کہ علماءِ اسلام کی کوششوں سے وحدتِ اسلامی کے لیے منشور کی تدوین وہ ضروری امر اور تاریخی تقاضا ہے کہ اگر آج اس فریضہ پر عمل نہ ہوا تو آنے والی نسلیں ہمیں ہرگز معاف نہیں کریں گی۔ پس رہبر معظم نے اُمت مسلمہ کے علماء سے مطالبہ کیا ہے کہ وحدت کا عملی منشور مہیا کریں اور اس میں یہ سارے مسائل وضاحت سے بیان کریں کہ وحدت کس چیز کا نام ہے؟ تفرقہ کے اسباب کیا ہیں؟ تفرقہ کے نقصانات کیا ہیں؟ وحدت کی راہ میں کون کون سے موانع حائل ہیں؟ کون سے اسباب وحدت کو پارہ پارہ کر دیتے ہیں؟ اور وحدت کے ثمرات کیا ہوں گے؟

حقیقت یہ ہے کہ وحدت پر کام نہیں ہوا ہے اور لوگ اس کی طرف آئے ہی نہیں ہیں۔ قبرستانوں میں

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا......

کی آیت بہت پڑھی گئی ہے۔ قاری صاحب فیس لے کر قبرستان میں اس آیت کی تلاوت خوش الحانی کے ساتھ کر رہے ہوتے ہیں۔ مردے شاید متحد ہو گئے ہوں لیکن جو لوگ قبروں سے باہر موجود ہیں وہ پڑھتے ہی مردوں کیلئے ہیں اور خود کو اس آیت کا مخاطب قرار نہیں دیتے۔ اگر غور کیا ہوتا تو آج کوئی مسلمان دوسرے مسلمان سے نفرت نہ کرتا۔

جتنی تفسیر ان آیات کے متعلق بیان کی جانی چاہیے تھی اتنی نہیں کی گئی مثلاً بعض آیات ایسی ہیں جن کی تفسیر کیلئے کتابوں کی کئی جلدیں تحریر کر دی گئیں لیکن جب سنی یا شیعہ مفسر

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا......

کی آیت پر پہنچتا ہے تو وہاں سے دو چار جملے کہہ کر فوراً نکل جاتا ہے کہ جیسے اس آیت میں کوئی پیغام ہی نہ ہو۔ وحدت کے موضوع کو کھولنے کی ضرورت ہے۔ اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ وحدت کے اوپر کوئی کتاب بتایئے تو کم از کم ایک ناچیز طالب علم کی حیثیت سے میں اس کے جواب سے قاصر ہوں۔ واقعاً یہ رونے کا مقام ہے کہ وحدت کے اوپر کام نہیں کیا گیا۔ مصائبِ اُمت میں سے ایک بڑی مصیبت یہ ہے کہ دین کے اوپر فراوان پیسے خرچ کئے جاتے ہیں مثلاً دینی عمارتیں، مدرسے، مسجدیں و امام بارگاہیں تعمیر کی جاتی ہیں اور ماشاء اللہ سے دینی شخصیتیں بھی موجود ہیں لیکن اگر ان کا کارنامہ دیکھا جائے کہ انہوں نے وحدت کیلئے کیا کیا؟ تو ہمیں اس چیز کے اوپر بہت کم مواد ملتا ہے۔ رہبر معظم انقلابِ اسلامی نے علماءِ اسلام کا یہ وظیفہ مقرر کیا ہے کہ سب مل کر قرآن، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و اہلبیتِ رسول علیہم السلام کی تعلیمات کی روشنی میں اُمتِ مسلمہ کے لئے وحدت کا عملی منشور مہیا کریں۔

وحدت کے منشور پر کام کی ضرورت

دشمن متحد لیکن مسلمان لاتعلق

دشمن یہ کام بہت پہلے کر چکے ہیں۔ یورپ کے متفرق ممالک نے اپنا منشورِ وحدت بنا لیا ہے اور یورپین یونین (European Union) کی شکل میں متحد ہو چکے ہیں، لیکن کس کے خلاف؟ اس منتشر جہانِ اسلام کے خلاف۔ آج ڈنمارک، ہالینڈ اور شیطانِ بزرگ امریکا مسلسل توہینِ رسالت ؐ کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ وہ

ایک ارب سے زیادہ مسلمانوں کی مقدس ترین ہستی کی توہین کرتے ہیں اور انہی دنوں میں اسلامی سربراہان کی کانفرنس ہوتی ہے لیکن یہ سربراہان ممالکِ اسلامی کھاپی کر اپنے گھروں کو چلے جاتے ہیں۔ یہ نہ ان ممالک کے سفیروں کو اپنے ملک سے باہر نکالتے ہیں، نہ اپنے سفیران ممالک سے واپس بلاتے ہیں اور نہ ان ممالک کا بائیکاٹ کرتے ہیں۔ ان کو ڈنمارک جیسے چھوٹے سے ملک کے خلاف کوئی اقدام کرنے کی بھی جرأت نہیں ہوتی کیونکہ اگر ڈنمارک کے خلاف کوئی اقدام کرتے ہیں تو یہ یورپی یونین کے خلاف اقدام ہوگا اور یورپی یونین میں اتحاد ہے۔ اتحاد نے چند ملین یورپینز (Europeans) کو گستاخ رسولؐ بنادیا ہے جبکہ انتشار نے ایک ارب مسلمانوں پر حکومت کرنے والوں کو ذلت ورسوائی سہتے رہنے پر مجبور کردیا ہے۔

تفرقہ دشمن کے ہاتھ میں وہ تند وتیز ہتھیار ہے جس کی دھار سے عالمِ اسلام کا سر قلم کیا جارہا ہے۔ جس قدر موثر یہ ہتھیار ہے اتنا موثر کوئی ہتھیار نہیں ہے۔ جو لوگ تفرقہ پھیلاتے ہیں وہ اس ساری قتل وغارت گری کے ذمہ دار ہیں۔ آج نیٹو دُنیا کی شیطانی فوجی طاقتیں جمع کرکے کئی اسلامی ممالک کو خون میں نہلا رہا ہے مثلاً فلسطین، عراق اور افغانستان کے اندر جو کچھ ہورہا ہے وہ آپ دیکھ رہے ہیں، اگر عراق میں پچاس سے کم لوگ مریں تو خبروں میں بھی نہیں آتا۔ اب لبنان کو تقسیم کرنے کی تیاریاں ہیں اور ایران کو آئے دن دھمکیاں دے رہے ہیں۔ سب سے بڑھ کر ان شیطانی طاقتوں نے متحد ہوکر مملکت پاکستان کا براحشر کردیا ہے۔ آیا اُمت مسلمہ کو اتحاد کی ضرورت نہیں ہے؟ ہمیں مغلوب اتحاد کی ضرورت نہیں ہے۔

آج بعض لوگ اتحاد کی تعلیم اس طرح دیتے ہیں کہ شیعہ سنی سے کچھ نہ کہے اور سنی شیعہ سے کچھ نہ کہے۔ لیکن اس کو تو اتحاد نہیں کہتے بلکہ اس کو لاتعلقی کہتے ہیں یعنی شیعہ سنی سے لاتعلق ہوجائے اور سنی شیعہ سے لاتعلق ہوجائے۔ ہمیں عالمِ اسلام کا محاصرہ کرنے والے اور توہین مقدساتِ اسلامی کرنے والے اسٹراٹیجک دشمن (Strategic Enemy) کے مقابلے کیلئے ٹیکٹکل وحدت (Tactical Unity) کی نہیں بلکہ فعال، دشمن شکن اور اسٹراٹیجکل وحدت (Strategical Unity) کی ضرورت ہے۔

رہبر معظم مدظلہ یا امامِ راحلؒ جس وحدت کا حکم دیتے ہیں وہ لاتعلقی کا پہلو نہیں رکھتی کہ بس آپ اُنہیں

کچھ نہ کہیں اور وہ ہمیں کچھ نہ کہیں۔ اس سے تو اسلام کے دشمن کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا کہ آپ اپنے گھر میں بیٹھیں اور ہم اپنے گھر میں بلکہ اس وحدت کا حکم دیتے ہیں کہ سنی و شیعہ دونوں اپنے رسول ﷺ کی حرمت کیلئے، اپنے قرآن کی حرمت کیلئے، اپنے کعبہ وقبلہ کی حرمت کیلئے اور اپنے دینِ اسلام کی حرمت کیلئے متحد ہو جائیں۔ اتحاد کا مطلب سنی کو شیعہ بنانا اور شیعہ کو سنی بنانا نہیں ہے بلکہ اتحاد کا مطلب یہ ہے کہ مشترکاتِ دین جو مسلسل دشمنانِ اسلام کے تیروں کا نشانہ بنے ہوئے ہیں ان کی حفاظت کیلئے مشترک ہو جائیں۔

اس وقت دشمنِ دین، دین کے بارے میں اتنا لاتعلق نہیں ہے جتنا ہم دین دار دین کے بارے میں لاتعلق بیٹھے ہیں۔ امیر المومنین علیہ السلام کا بھی فرمانا ہے کہ

وَلَا تَغْفُلْ فَلَسْتَ بِمَغْفُوْلٍ عَنْکَ......[1]

اور غافل نہ ہو اس لئے کہ تمہاری طرف سے غافل نہیں ہوا جائے گا......

یعنی جو آدمی سو گیا ہے تو دوسرے اُس کی بابت غفلت کا شکار نہیں ہیں۔ اگر کسی گاڑی کا مالک یا ڈرائیور سو گیا ہے تو چور غافل نہیں ہوتا۔ ہم نے دین سے متعلق غفلت کی لیکن ہمارے دشمن نے دین کے بارے میں ذرہ برابر غفلت نہیں برتی بلکہ تفرقہ پر بھرپور کام کیا۔ تفرقہ ڈالنا زمانہ قدیم سے ایک حربہ رہا ہے۔ جیسے کسی زمانے میں سادہ سی چھریاں، چاقو اور تلوار اسلحہ ہوتے تھے لیکن آج جنگی اسلحہ لیزر گائڈڈ اور ڈیجیٹل بن گیا ہے اسی طرح سے تفرقہ بھی کسی زمانے میں بڑا سادہ سا ہتھیار تھا لیکن آج اُس کو بہت پیچیدہ بنا دیا گیا ہے۔ تفرقہ کی تلوار سے وہ کام کیا جا سکتا ہے جو فولاد کی تلوار سے نہیں ہو سکتا۔ تفرقہ کی آگ میں وہ کچھ جل سکتا ہے جو تیل کی آگ میں نہیں جلتا چونکہ تیل اور لکڑی کی آگ میں انسان کی روح اور ایمان نہیں جلتا بلکہ جسم جلتا ہے لیکن تفرقہ کی آگ میں انسان کی گردنیں بھی کٹ جاتی ہیں اور دین و ایمان بھی جل جاتا ہے۔ اس اسلحہ کو انہوں نے بہت پیچیدہ بنا دیا ہے اور اس کی دھار کو بہت تیز کیا ہے۔ انہوں نے یہ آگ جلائی تو شیعہ و پیروانِ اہل بیت علیہم السلام کیلئے تھی لیکن یہ آگ بڑھ کر آج خود

---

[1]......(نہج البلاغہ، کلماتِ قصار ۳۹۱)

اُن کے دامن تک پہنچ گئی۔ اس وقت پاکستان حساس ترین نقطہ پر جا پہنچا ہے۔ بعض اوقات قوم کی سادگی پر خیال آتا ہے کہ انسان ہنسے یا روئے،

اس سادگی پر کون نہ مرجائے اے خدا
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

فقط کسی جگہ پر عبادت کر لینا کافی نہیں ہے بلکہ ایمان ذمہ داریاں بھی ساتھ لاتا ہے۔ وحدت کیلئے ہمیں نہ پیسے چاہئیں نہ جان چاہیے بلکہ تھوڑا سا ٹائم چاہئے اور وہ ٹائم بھی آپ نے کمایا ہوا نہیں ہے بلکہ اللہ نے مفت دیا ہوا ہے۔ خدا فرماتا ہے:

وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ [1]

اور جو کچھ ہم نے انہیں عطا کیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

خدا کہہ رہا ہے کہ جو کچھ ہم نے دیا ہے اُسے ہماری راہ میں خرچ کرو۔ یہ عمر اور یہ وقت جو تم اپنی خواہشات کیلئے خرچ کرتے ہو اس کو تھوڑا سا راہِ خدا کیلئے خرچ کر دو۔ ہفتۂ وحدت گزر جاتا ہے اور کسی کے کان پر جوں بھی نہیں رینگتی بلکہ سب اپنے اپنے کاموں میں مشغول رہتے ہیں۔ دشمن ہفتۂ وحدت میں زیادہ تفرقہ پھیلاتا ہے اور ہم اس میں وحدت کا نام تک نہیں لیتے۔ تفرقہ ڈالنے کیلئے مٹھی بھر لوگ پورے شہر میں آگ لگا دیتے ہیں جبکہ وحدت کیلئے اتنی جمعیت ہے لیکن لاتعلق تماشائی بنی بیٹھی ہے۔ اگر سب عہد کر لیں کہ ہم نے عمر بھر مختلف مناسبتوں اور فرصتوں میں مسلمین و مومنین کو متحد کرنا ہے تو یہ سب سے بڑی عبادت ہے۔ چونکہ باقی عبادتیں کرنے سے انسان خود ثواب حاصل کرتا ہے لیکن وحدت جیسی عبادت کرنے سے عبادتیں بھی محفوظ ہوتی ہیں اور انسان دوسروں کو بھی عبادت کرنے کا موقع دیتا ہے۔ کربلا ہمیں اس کا درس دیتی ہے۔ شیعہ و سنی اور تمام مذاہب کے ساتھ قربت

---

[1] ......(سورۂ بقرہ، آیہ ۳)(سورۂ انفال، آیہ ۳)(سورۂ حج، آیہ ۳۵)(سورۂ قصص، آیہ ۵۴)
(سورۂ سجدہ، آیہ ۱۶)(سورۂ شوریٰ، آیہ ۳۸)

ہونی چاہئے فقط چند مفسد عناصر کو بہانہ قرار دے کر اکثریت سے دور ہونا صحیح نہیں ہے۔ چند مخرب افراد ہر قوم میں ہوتے ہیں۔ اگر ہم متحد ہو جائیں، میدان ہموار کریں اور اتحاد و اتفاق کیلئے ذہنیتیں بنائیں تو ملک بھی امن کا گہوارہ بن سکتا ہے اور پھر ملک سے بھاگنے کی ضرورت بھی نہیں پڑے گی بلکہ اُمید ہے کہ انشاء اللہ بھاگے ہوئے بھی واپس لوٹ آئیں گے۔

حضورِ اُمت در میدانِ عمل

میدان میں اُتر آنا بھی ایک پیغام ہے۔ آج کل پہلوانیاں ختم ہو گئی ہیں اور صرف مقابلے رہ گئے ہیں لیکن جس زمانے میں واقعاً پہلوانی ہوتی تھی تو وہ لوگ مردانگی دکھاتے تھے اور جس کو معلوم ہوتا تھا کہ میں اس میدان میں کچھ بھی نہیں کر سکتا وہ بھی میدان میں ضرور اُترتا تھا تاکہ میدان خالی نہ رہے۔ آج اس ملک میں دہشت گرد کیوں چھا گئے ہیں؟ آج اس گلستان کی ہر شاخ پر اُلو کیوں بیٹھا ہوا ہے؟ آج سیاست، مذہب اور اجتماع و سماج کی ہر شاخ پر اُلو بیٹھا ہوا ہے کیونکہ جن لوگوں کو یہاں ہونا چاہیے تھا انہوں نے وہ گلستان خالی کر دیا۔ جن حویلیوں میں کوئی رہتا نہیں ہے اُن میں بھوت آجاتے ہیں لیکن جن گھروں میں لوگ رہتے ہیں وہاں کوئی جن بھوت نہیں آتا۔ پاکستان آج بھوت زدہ ملک کیوں بن گیا ہے؟ اس وجہ سے وہ بلبلیں جن کو اس گلستان کی شاخوں پر چہکنا چاہیے تھا اور جن غنچوں کو مہکنا چاہیے تھا وہ آج موجود نہیں ہیں، کیونکہ وہ جاب میں مصروف ہیں، اُن کا بزنس ہے، اُن کا خاندان ہے، اُن کی تعلیم اور روزمرہ کی فراوان ضروریات ہیں لہٰذا پھر ایسا ہی ہوگا کہ ان کی جگہ تفرقہ پھیلانے والے آجائیں گے۔

تفرقہ پھیلانے والے تفرقہ کیلئے اپنی جان تک دے رہے ہیں لیکن وحدت کا پیغام دینے والے وقت تک دینے کیلئے تیار نہیں ہیں۔ لوگ اپنی جان و عزت بچانے کیلئے گھروں اور دکانوں میں جا بیٹھے، آیا ان کی جان و عزت بچ گئی؟ وہ بم لے کر آپ کے گھروں اور دکانوں میں آگھسیں گے اور پھر لوگوں کو وہی ایس ایم ایس والا نعرہ لگانا پڑے گا کہ پاکستان سے زندہ بھاگ اور یہ بھی آج بڑی ہمت کا کام ہے کہ کوئی زندہ بھاگ جائے ورنہ یہیں

دفن ہو جائے گا۔ اس بھوت زدہ ملک کو نجات دیں۔ اس کی نجات آپ کے ہاتھ میں ہے۔ آپ خود کو کم نہ سمجھیں۔ جس میدان میں آپ کو ہونا چاہیے وہاں آپ موجود ہوں۔

یہ نہ سمجھیں کہ یہ وحدت کے سلسلے میں بند کمرے میں منعقد کی جانے والی محفل سے کس کو پیغام ملے گا اور اس کا کیا اثر ہوگا؟! لوگوں کا ایسے پروگرامز میں شرکت کرنا اس بات کا اعلان ہے کہ ابھی تک یہ میدان تفرقہ بازوں کے اختیار میں تھا لیکن آج سے منادیانِ وحدت نے بھی میدان میں حضوری کا اعلان کر دیا ہے۔ اگرچہ تفرقہ پھیلانے والوں کے ہاتھوں میں بم ہیں، انہوں نے اپنے وجود کے ساتھ جیکٹیں باندھی ہوئی ہیں اور آپ نہتے ہیں لیکن کربلا ہمیں یہ بتاتی ہے کہ بے گناہ لہو ہمیشہ شمشیروں، بموں اور قاتلوں پر غالب آ جاتا ہے۔ شہید ہمیشہ ظالموں کو مٹا دیتے ہیں۔ یہ قرآن کا قانون اور کربلا کا درس ہے کہ نہتے ہمیشہ غالب آ جاتے ہیں۔

كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً ۢ بِإِذْنِ اللّٰهِ......[1]

بسا اوقات ایک قلیل جماعت نے خدا کے حکم سے بڑی جماعت پر فتح حاصل کی ہے......

آج نیٹو، یورپین یونین اور عالمِ کفر متحد ہو کر اسلام کے خلاف نکل آیا ہے۔ اگر آج ایک شہر کے جوان متحد ہو کر توڑ پھوڑ کے بغیر فقط ایک پر امن جلوس نکالیں اور پرچم وحدت اُٹھا کر اُن پر یہ شعار لکھیں کہ مسلمانوں ایک ہو جاؤ! رسولؐ کے صدقے ایک ہو جاؤ! قرآن کے صدقے ایک ہو جاؤ! اپنا تفرقہ مٹا دو! اپنی دشمنیاں مٹا دو! تو خدا شاہد ہے کہ یہ دشمن اپنی جگہ جا بیٹھے گا۔ تفرقہ کا جواب صرف وحدت ہے، اس کا جواب بھاگ جانا نہیں ہے اور اگر بھاگ بھی جاؤ گے تو وہ باہر بھی آپ کا تعاقب کریں گے۔

ایک ملک میں تبلیغ کیلئے گیا تو وہاں پر کچھ لوگ کسی ملک سے بھاگ کر آئے ہوئے تھے اور آ کر اپنی داستانیں سنانے لگے کہ نائن الیون میں ہمارے ساتھ کیا کیا ہوا؟ میں نے اُن کی خدمت میں عرض کیا کہ پتہ نہیں کیوں یہ ساری مظلومیت کی داستانیں سننے کے بعد بھی آپ کے دل میں ہمدردی پیدا نہیں ہوتی۔ اس کی وجہ یہ ہے

---

[1]......(سورۃ بقرہ، آیہ ۲۴۹)

کہ آپ پاکستان کو ناامن سمجھ کر چھوڑ آئے ہیں اور جسے آپ جنت اور امن کا گہوارہ سمجھ کر آئے وہ بھی جہنم بن گیا ہے۔ آپ بجائے بھاگنے کے اگر اُسی ملک کو امن کا گہوارہ بناتے، اُسی ملک کے اندر رہتے اور اتحاد کا مظاہرہ کرتے تو نہ یہ بیس ہزار کلو میٹر دور سے اُٹھ کر آپ کے ملک کو ناامن کرتے اور نہ آپ بیس ہزار کلو میٹر ہجرت کر کے بھی اس جہنم میں ہوتے۔ یہ راہِ حل نہیں ہے کہ ویزہ لگوا کر یہاں سے نکل جائیں۔ نہ یہ ہماری ذمہ داری ہے اور نہ ہی اسلام اس کو قبول کرتا ہے۔

پس جس میدان میں ہمیں ہونا چاہیے وہاں ہم موجود ہوں۔ اگر ان مسجدوں اور مدرسوں کے اندر ذمہ دار لوگ آتے تو یہ آج بھوتوں کے اختیار میں نہ ہوتے۔ اگر اس پارلیمنٹ میں ذمہ دار لوگ ہوتے تو آج دشمن کے مہرے اس پارلیمنٹ میں نہ بیٹھے ہوتے۔ ہمیں ان بھوتوں سے کوئی امید نہیں رکھنی چاہیے۔ ہمارے پاس بہترین ذریعہ قرآن، تعلیمات و سیرتِ پیامبر اکرم ﷺ اور بزرگوں کی تعلیمات ہیں۔ یہی قرآن کی تعلیم بھی ہے، یہی وقت کا تقاضا ہے اور عقل بھی یہی کہتی ہے کہ آپس میں تفرقہ نہ کرو۔ جھگڑو نہیں بلکہ شرحِ صدر و تحمل سے کام لو۔ ایک دوسرے کے ساتھ الفت و محبت پیدا کریں کیونکہ وحدتِ اُمت اس ملک، قوم اور ملت کی بقاء کا آخری چانس (Last chance) ہے۔

وحدت کیلئے با بصیرت علماء کی ضرورت

یوں تو وحدت برقرار کرنا ہر فرد کا فریضہ ہے لیکن با بصیرت علماء اس سلسلے میں بہترین کردار ادا کر سکتے ہیں۔ تاریخ میں مکتبِ انبیاء علیہم السلام کے پروردہ ایسے مصلحین گزرے ہیں جنہوں نے اسلامی تعلیمات کا صحیح درک رکھتے ہوئے اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق امت مسلمہ کو بیدار اور متحد رکھنے کی فراوان کوششیں کی ہیں خصوصاً سید جمال الدین افغانی، شیخ محمد عبدہ، شیخ محمود شلتوت، علامہ شرف الدین عاملی اور امام موسیٰ صدر اور علامہ اقبال وغیرہ۔

سب سے بڑھ کر بیداری و وحدتِ اُمت کے کاروان کے سرخیل رہبر عظیم حضرت امام خمینیؒ ہیں اور میں

خصوصاً جوانوں سے ہمیشہ عرض کرتا رہتا ہوں کہ اللہ کا ہزار شکر کرو کہ خدا نے تمہیں عصرِ امام خمینیؒ میں پیدا کیا ہے ورنہ معلوم نہیں ہم کن جہالتوں اور گمراہیوں میں بھٹکتے ہوتے؟ اس وقت نہ جانے کن کاموں میں مشغول ہوتے؟ اور شاید تفرقہ کو عبادت سمجھ کر انجام دے رہے ہوتے۔ امام خمینیؒ کو خداوند تعالیٰ نے بہت عالی بصیرت عطا فرمائی اور آپ نے اسلام کے حقیقی چہرے کو مسلمانوں کے سامنے پیش کیا۔ آپؒ نے مسلمانوں کو درپیش خطرات سے آگاہ کیا اور مسلمانوں کے درمیان تفرقے اور اختلافات کے نقصانات کو دیکھ کر ندائے وحدت بلند کی۔

امام خمینی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ وحدت مسلمانوں کی بقاء کا تنہا ذریعہ ہے۔ آپؒ نے شیعہ سنی کے درمیان اختلافات کو ہوا دینے والوں کے بارے میں فرمایا کہ یہ لوگ نہ شیعہ ہیں نہ سنی بلکہ یا تو نادان ہیں یا دشمن کے آلہ کار ہیں۔

اگر آج انہی کے خلف صالح رہبر انقلاب اسلامی حضرت آیۃ اللہ خامنہ ای مدظلہ العالی امت مسلمہ کی اصلی مشکلات کی طرف نشاندہی کر کے ہمیں راہ حل بھی بتا رہے ہیں اور اپنی بابصیرت رہبری میں امتِ مسلمہ میں وحدت برقرار کرنے کیلئے گراں قدر کوششیں انجام دے رہے ہیں۔ رہبر انقلاب اسلامی ولی امر مسلمین حضرت آیۃ اللہ خامنہ ای دام ظلہ العالی نے پرچم وحدت اٹھا کر تمام جہانِ اسلام کو وحدت کی دعوت دی ہے۔ آج ملتِ پاکستان کو دردمند اور بابصیرت علماء اور افراد کی ضرورت ہے کہ جو اس ملت کو ناامیدی و مایوسی سے نکالیں۔

یقین جان لیں کہ اسلامی رہبروں میں اس سطح کی بصیرت کی انگشت شمار شخصیات موجود ہیں مثلاً سید جمال الدین افغانیؒ اور علامہ اقبالؒ البتہ اس سطح کے علماء و مفکرین اور بھی ہیں اور ایسے علماء کی ضرورت ہے۔ امام خمینیؒ فرماتے تھے کہ درسِ دین کافی نہیں ہے بلکہ ساتھ دردِ دین کی بھی ضرورت ہے اور اگر عالم کے اندر درسِ دینی بھی ہو اور دردِ دینی بھی ہو وہ انسان جمال الدین افغانی بنتا ہے۔

سید جمال الدین افغانی ایک بہت بزرگوار شخصیت اور منادیانِ وحدت میں سے ہیں۔ آپ امت مسلمہ کو بیدار کرنے والی شخصیت ہیں اور امت کو ہمیشہ ایسے ہی علماء اور رہبروں کی ضرورت ہے۔ آپ آگاہ، بابصیرت، نڈر، شجاع، قربانی کے جذبے سے سرشار اور پوری امت کا درد رکھنے والے تھے جس کو امت کی کوئی

وحدت کیلئے بابصیرت علماء کی ضرورت

پریشانی دیکھ کر چین نصیب نہیں ہوتا تھا۔ جب یہ امت کی مشکلات و مسائل کی طرف توجہ کرتے تھے تو ان کی نیندیں حرام ہو جاتی تھیں۔ آپ نے اپنی عمر زندانوں میں گزار دی لیکن امت مسلمہ کو وحدت کا حکم دیا۔ کوئی ایسا مسلمان ملک یا خطہ نہیں تھا جس کی جیل میں جمال الدین افغانیؒ نہ رہے ہوں۔ اس سیدزادے کا صرف ایک جرم تھا کہ وہ اُمت کو بیدار کرتا تھا اور وحدت کی طرف بلاتا تھا اور اقبالؒ کے بقول جو بھی اُمت کو بیدار کرے گا اسے چمن سے نکال دیا جائے گا،

اقبال کے نفس سے ہے لالے کی آگ تیز
ایسے غزل سرا کو چمن سے نکال دو!.....[1]

وحدت کی بات کرنا آسان نہیں ہے کیونکہ اس کے لئے انسان کو خود اپنے ہی خون میں نہانا پڑتا ہے۔ کربلا جیسا منظر ہوتا ہے کہ انسان اپنے خون میں نہا کر اُمت کو نجات دیتا ہے۔ سید جمال الدین افغانیؒ کو اقبالؒ بھی اپنا پیر و مرشد مانتے ہیں اور ان سے اقبالؒ نے بہت سارے الہامات بھی لئے ہیں، اس انسان نے اپنی ساری عمر اُمتِ مسلمہ کی بیداری و اتحاد کے لئے صرف کر دی۔ افغانستان، ہندوستان، ایران، ترکیہ، مصر، پیرس غرض جہاں بھی یہ سید بزرگوار گئے انہوں نے اپنے جد کے دین اور مقصدِ نبوت کو اجاگر کیا۔

سید جمال الدین افغانی کے بعد انہی کے ایک پیروکار یا خلف جناب شیخ محمد حسین کاشف الغطاء جو شیخ جعفر کاشف الغطاء کبیر کی اولاد میں سے ہیں، بہت ہی بابصیرت انسان تھے انہوں نے بھی اُمتِ اسلامی کی بیداری کیلئے تحریک چلانے چلائی۔ انہوں نے عالمی سطح پر حوزۂ علیہ نجف، مراجع نجف اور مکتب تشیع کی نمائندگی کرتے ہوئے عالمی کانفرنسوں میں شرکت کی اور دنیا کو قرآن و اہل بیت علیہم السلام کا پیغامِ وحدت پہنچایا۔ جب روس کے اندر کیمونزم (Communism) کا انقلاب آیا تو اُس وقت امریکہ کی سرپرستی میں یورپ میں ایک کانفرنس کا انعقاد کیا گیا۔ اس کانفرنس میں تمام ادیان اور مذاہب مثلاً یہودیت، مسیحیت اور خصوصیت کے ساتھ عالمِ اسلام کی

---

[1].....(ضربِ کلیم، صفحہ ۱۵۹)

برجستہ شخصیات کو دعوت دی گئی۔ حوزۂ علمیہ نجف سے بھی تقاضا کیا گیا کیونکہ حوزۂ علمیہ نجف اس وقت شیعہ مرکز تھا لہٰذا وہاں سے انہی بزرگوار شخصیت کو بھیجا گیا۔ آپ نے وہاں پر یہ نکتہ اُٹھایا گیا کہ چونکہ الحاد و دہریت خداوند تبارک وتعالیٰ وتمام اقدارِ دین کا انکار ہے لہٰذا ہم سب مل کر اپنی تمام طاقتیں و وسائل بروئے کار لاکر کیمونزم (Communism) اور سوشل ازم (Socialism) کا مقابلہ کریں۔ لیکن عملی طور پر اگر ہم ظلم وستم کا مشاہدہ کریں اور خصوصاً جہانِ اسلام پر ظلم وستم دیکھیں تو یہ سارا ظلم وستم ہم نے امپیریل ازم (Imperialism) کی طرف سے دیکھا ہے۔ ابھی کیمونزم نے امپیریل ازم کا عشر عشیر ظلم بھی نہیں کیا ہے لہٰذا اگر ادیان کا کوئی متحدہ محاذ بننا ہی ہے تو مل کر سب سے پہلے امپیریل ازم (Imperialism) کے خلاف محاذ قائم کریں۔ امپیریل ازم کا مرکز درحقیقت یہود ونصاریٰ ہیں اور یہ ظلم وستم خود تمہاری جانب سے دیکھا گیا ہے اور آج ہمیں اپنے ساتھ ملا کر یہ کہتے ہو کہ ہم کیمونزم کا مقابلہ کریں۔ ہماری نظر میں کیمونزم وامپیریل ازم دونوں شیطانی مکتب ہیں اور ہم جس طرح کیمونزم کے خلاف ہیں اسی طرح امپیریل ازم کے بھی خلاف ہیں۔

عبدالرحمٰن کواکبی جیسی عظیم متفکر شخصیت نے علمی طور پر بنیادی گتھیاں سلجھائیں ہیں اور سب سے بڑھ کر اُمتِ مسلمہ کے اندر بہت بڑی بیماری کی نشاندہی کی ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ استبداد اور آمریت اُمتِ مسلمہ کو سر اٹھانے نہیں دیتی۔ یہ وہی منحوس سایہ ہے جو آج پورے جہانِ اسلام کے اوپر چھایا ہوا ہے البتہ علامہ اقبالؒ کے بقول کبھی یہ آمریت وشیطانی نظام لبادے اوڑھ کر آجاتا ہے، یہ کبھی مقدس لبادے میں، کبھی بغیر لبادوں کے، کبھی جمہوریت کا لبادہ اوڑھ کر اور کبھی کسی اور نظام کا لبادہ اوڑھ کر آجاتا ہے لیکن ہوتی وہی آمریت ہی ہے۔ اس بزرگوار نے اُمت کو متوجہ کیا کہ اُمتِ مسلمہ کی نجات یہ ہے کہ وہ آمریت واستبداد سے نجات پائیں۔

ایک اور اہم ترین شخصیت جو اگرچہ رسمی علماء کے زمرے میں شمار نہیں ہوتی لیکن ایک عالم کے تمام فکری و نظری معیارات اُن کے اندر موجود ہیں وہ علامہ اقبالؒ ہیں۔ علامہ اقبالؒ کی شخصیت درد شناسِ ملت و درد شناس امت ہے جس نے نبض بھی دیکھی اور پھر ان دردوں کا علاج بھی بتایا۔ خداوند تبارک وتعالیٰ نے ہمیشہ ایسے ہی علماء کے ذریعے سے امت کو بحرانوں سے نکالا ہے۔ آج علامہ اقبالؒ جیسے پیغمبرِ امید اور دردمند دل کی ضرورت ہے کہ

جس کا دل اُمت کی لاچارگی اور بے چارگی پر تڑپتا رہے اور اُمت سے التماس کرتا ہے کہ اے اُمت آپس میں اتحاد و اتفاق پیدا کر کیونکہ جب تیرا خدا، قرآن، رسولؐ، دین اور قبلہ سب ایک ہے تو پھر تجھے آپس میں ایک ہونے سے کیا چیز مانع ہے؟ اُمت کی آگاہی و شعور کیلئے اللہ تعالیٰ علامہ اقبالؒ جیسی نعمتوں کو بھیجتا ہے۔ اقبالؒ نے حدیثوں کا ترجمہ بڑے خوبصورت انداز میں اپنی اس نظم میں پیش کیا ہے:

اے بادِ صبا! کملی والے سے جا کہیو پیغام مرا
قبضے سے اُمت بیچاری کے دیں بھی گیا دُنیا بھی گئی ......[1]

اے نبی مکرمؐ! آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ عراق، پاکستان، افغانستان، لبنان، ایران و شام پر دشمنانِ دین نے کیا قیامت برپا کر رکھی ہے اور پاکستان کے اندر تو امت کے ہاتھ سے دین و دُنیا دونوں چلے گئے ہیں۔ یہ دین کی جگہ سیکولرازم، لبرل ازم اور روشن اسلام کے نام پر آگ لے آئے ہیں۔

ایک مقام پر اقبالؒ نے اپنے نازنین کلام اور زبان میں اُمت کو متوجہ کیا کہ

عزت ہے محبت کی قائم اے قیس حجابِ محمل سے
محمل جو گیا عزت بھی گئی، غیرت بھی گئی، لیلیٰ بھی گئی ......[2]

شہوت اور محبت میں فرق ہوتا ہے۔ شہوت بھی کشش و رجحان کا نام ہے اور محبت بھی لیکن شہوت رسوا ہوتی ہے اور محبت عزیز ہوتی ہے۔ شہوت کی حرمت نہیں ہوتی لیکن محبت کی حرمت ہوتی ہے۔ ہر عاشق خدا، عاشقِ نبی ﷺ اور عاشقِ انسانیت کو معلوم ہونا چاہیے کہ اسے اس عشق کی حرمت کا بھی خیال رکھنا ہے۔

آج ہمیں پاکستان کے حکمران حب الوطنی کا درس دیتے ہیں۔ یہ کیمروں کے سامنے قوم کو جھانسہ دینے اور بیوقوف بنانے کیلئے پاکستان زندہ باد، پاکستان پائندہ باد کے جھوٹے نعرے لگاتے ہیں لیکن جب پاکستان کا سودا کر رہے ہوتے ہیں تو انہیں وطن اور وطن کی حرمت کا خیال نہیں آتا۔ آج مسلمان اُمت کے ساتھ یہی اتفاق ہوا

---

[1] ......(بانگِ درا، صفحہ ۲۹۳)
[2] ......(بانگِ درا، صفحہ ۲۹۳)

ہے کہ اس کی لیلیٰ کو لوگ اُٹھا کر لے جا چکے ہیں چونکہ اُس کا محمل نہیں تھا۔ محمل غیرت نہ ہونے کی وجہ سے ختم ہو گیا ہے اور غیرت اس وجہ سے ختم ہو گئی کہ ان کے اندر احساسِ حرمت موجود نہیں ہے۔

آج ڈنمارک جیسا چھوٹا سا ملک اس وجہ سے مسلمان فوجوں کو خاطر میں نہیں لاتا کیونکہ اُنہیں معلوم ہے کہ ان فوجوں کے اندر غیرت موجود نہیں ہے۔ استیں ایٹم بم سے نہیں بلکہ غیرت سے بچتی ہیں۔ حزب اللہ نے اسرائیل کے اوپر کون سے ایٹم بم چلائے تھے تھے؟ ان کے پاس ایٹمی پاور سے زیادہ طاقت موجود تھی اور وہ ایمان و توکل بر خدا، غیرتِ دینی، غیرتِ وطنی و غیرتِ ملت تھی۔ ساری عرب دُنیا مل کر بھی اسرائیل سے اپنی زمینیں واپس نہیں لے سکے بلکہ اور گنوا بیٹھے لیکن حزب اللہ نے اس آہنی طاقت کو اس طرح رسوا کیا کہ اب اُنہیں شرم سے منہ چھپانے کی جگہ نہیں مل رہی کہ کس طرح سے اس شرمساری و خفت کو مٹائے۔

برصغیر کی سرزمین پر علامہ اقبالؒ وہ شخصیت ہے کہ جس کو خداوند تبارک و تعالیٰ نے اتنی عظیم بصیرت دی کہ اس نے اُمت کے دردوں کو بھی سمجھا اور اُن دردوں کا علاج بھی بتایا۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا تھا کہ بحرانوں سے نکلنے کا راستہ رہبرانِ دین کے پاس موجود ہے۔ آپؒ کا ایک خوبصورت شعر ہندی زبان اور اردو لب ولہجہ میں ہے کہ

شکتی بھی شانتی بھی بھگتوں کے گیت میں ہے
دھرتی کے باسیوں کی مکتی پریت میں ہے[1]

شکتی اقتدار، حکومت و قدرت کو کہتے ہیں اور شانتی صلح، امن اور چین کو۔ یہ سب بھگتوں کے گیت میں مضمر ہیں۔ بھگت ہندی زبان میں مذہبی پیشوا اور رہنما کو کہتے ہیں۔ رہبر کے فرمان کے اندر تمہارے لئے صلح، امنیت، بھائی چارہ، چین اور حکومت و قدرت ہے۔ اور زمین کے اوپر رہنے والوں کی بقاء فقط وحدت کے اندر ہے۔ اگر وحدت ہوئی تو یہ سب محفوظ رہیں گے ورنہ نہیں۔ اقبالؒ کے مطابق اپنے رہبروں کے دل سے اُٹھی ہوئی ندا و فریاد

[1]...... (بانگِ درا، صفحہ ۹۹)

سننے اور اُس پر لبیک کہنے سے ہم سب کچھ بچا سکتے ہیں اور رہبروں کی آواز وحدت ہے۔ آج ہمارے مذہبی و دینی رہنما اور رہبر یعنی ولی امر مسلمین حضرت آیت اللہ خامنہ ای مدظلہ العالی نے یہ حکم دیا ہے کہ اے اُمتِ مسلمہ! آج کا فرعون تمہیں نابود کرنے پر تُل گیا ہے اور اس نے اپنی فوجیں متحد کر لی ہیں تا کہ مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دے اور مسلمان کی بقاء صرف وحدت کے اندر ہے لہٰذا آج سب سے اہم واجب مسلمانوں کے اندر اتحاد و اتفاق ہے۔

علامہ اقبالؒ کے بقول صلح، چین، اقتدار، عزت، احترام اس غزل سرا کے پاس ہے کہ جس کی غزل کے نتیجہ میں گُلِ لالہ تازہ تر ہو جاتا ہے۔ درحقیقت بھگتوں کی غزل اور نغمے امت کو بحرانوں سے نکالتے ہیں کیونکہ ان کے گیت خدا، رسول اللہ ﷺ اور قرآن و اہلبیت علیہم السلام کی تعلیمات سے ماخوذ ہیں۔ ان کی تعلیمات کے اندر ہماری شکتی، شانتی، بھکتی، وطن کا دفاع اور عزت و احترام موجود ہے۔ آئے اور بجلی کو رونے والی اُمت کی اور بھی زیادہ قیمتی متاع لٹ چکی ہے یعنی آپ کی حیثیت، شخصیت، کرامت اور شرف لٹ چکا ہے جو خداوندِ عالم نے عطا کیا تھا۔ آپ کا انسانی، اسلامی اور پاکستانی شرف وطن سمیت نااہل و نالائق حکمرانوں کے ہاتھوں بیچا جا چکا ہے لیکن لوگ پھر بھی ان سے آس لگائے بیٹھیں ہیں! شکتی اور شانتی بھگتوں کے گیت میں ہے اور وہ گیت یہ ہے کہ اے قوم! جس کے اندر یہ دو صفتیں پیدا ہو جائیں یعنی وہ اہل کو نظر انداز کرتی ہو اور نااہلوں کو نااہلوں کی جگہ پر بٹھا دیتی ہو اُس قوم کو ذلت، رسوائی اور پسپائی سے کوئی بھی نہیں بچا سکتا۔

علامہ اقبالؒ نے آج سے نصف صدی پہلے اُمت مسلمہ کو بیدار کرنے کیلئے تگ و دو کی کہ شیعہ و سنی بیدار ہو جائیں ورنہ نہ شیعہ بچے گا اور نہ سنی۔ امام خمینیؒ سے بھی پہلے علامہ اقبالؒ جنہوں نے سرزمینِ برصغیر پر مسلمانوں کو تفرقہ میں مبتلا دیکھا تو پیغامِ بیداری دیا:

اے کہ نشناسی خفی را از جلی ہشیار باش
اے گرفتارِ ابوبکر و علی ہشیار باش......[1]

---

[1]......(بانگِ درا، صفحہ ۲۷۹)

اے وہ قوم جس کو خفی اور جلی میں فرق محسوس نہیں ہوتا بیدار و ہوشیار ہوجا اور غفلت سے نکل آ۔ اگر آج آپ متحد و متفق نہ ہوئے تو جو علیؑ کا پیروکار ہے وہ بھی نہیں رہے گا اور جو ابوبکر کا پیروکار ہے وہ بھی نہیں رہے گا۔ چونکہ آج وہ دشمن آپ دونوں کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا ہے اور ایک دوسرے کو مٹانے سے آپ اس کی مدد کر رہے ہیں۔ اس وقت غفلت کی نیند سے بیدار ہو کر تفرقہ کی لعنت سے باہر آنا ہے۔ آٹا اور بجلی ملے یا نہ ملے لیکن ہمیں اپنا مذہب، اپنا وطن اور اپنی قوم عزیز ہے۔ صرف امت کا اتحاد و بیداری انہیں بچا سکتی ہے۔

ایک مصنف نے اقبالؒ کے بارے میں اپنی کتاب کا بہت خوبصورت عنوان قرار دیتے ہوئے اقبالؒ کو پیغمبرِ امید کا نام دیا ہے۔ مایوس قوم ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جاتی ہے لیکن اقبالؒ نہ خود مایوس تھے اور نہ انہوں نے مایوسی پھیلائی۔ مایوسی کی باتیں کرنا خدمتِ قوم و ملت نہیں ہے بلکہ انہیں امید دلانا اہم کام ہے کیونکہ اگر قوموں میں امید زندہ رہی یہ قومیں ایک دن اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کر لیں گی۔

وحدت کیلئے بابصیرت علماء کی ضرورت

پس آج ان علماء کی ضرورت ہے جو اپنی فکر، اپنے دردِ دین اور اپنے ایمان اور تقویٰ کے ذریعہ امت کو نجات دیں نہ کہ امت کے دوش پر سواری لیں اور امت کے ذریعہ اپنے آپ کو نجات دیں۔ ایسے بہت سارے موجود ہیں جو امت کی گردن پر سوار ہیں اور امت نے ان کو سنبھالنا ہے گویا امت پر ان کا نان و نفقہ واجب ہو چکا ہے۔ المیہ یہ ہے کہ آج بعض مولوی نادانی و حماقت کی وجہ سے یا کچھ کھا پی کر دشمن کے آلۂ کار بنے ہوئے ہیں۔ پاکستان میں اہلِ تشیع و اہلِ سنت کے اندر ایسے دردمند علماء بھی موجود ہیں جو وحدت کے ذریعہ دشمن کے ہر حربے کو ناکارہ بنا سکتے ہیں۔ امام خمینیؒ فرماتے تھے کہ عالم کا کام فقط درسِ دین ہی نہیں ہے بلکہ دردِ دین بھی ہے۔ عالم کہلانے کا مستحق فقط وہ نہیں ہے کہ جس نے درسِ دین پڑھا ہوا ہو بلکہ عالم وہ ہے جس کے اندر درس کے ساتھ دردِ دین بھی موجود ہو۔ پورے ملک میں ایسے علماء موجود ہیں اور ان علماء کو چاہئے کہ شرحِ صدر، وسعتِ ظرفی و وسعتِ نظر کا ثبوت دیں اور ان اختلافات کو برداشت و قبول کریں یعنی اختلاف کو تفرقہ نہ بننے دیں، دشمن کے لئے مواد نہ بننے دیں کہ وہ ان اختلاف سے تفرقہ بنادے بلکہ ان اختلاف سے اپنے لیے ایک بہتر راہ نکالیں۔ تاریخ میں دردِ دین رکھنے والے علماء کی زحمتیں اُمتوں کیلئے رحمتوں کی نوید ثابت ہوئیں ہیں۔

دین سکھانے کیلئے علماء کی زحمتیں

علمائے کرام نے ہمیں دین سکھانے کیلئے مختلف انداز سے مرحلہ وار کوششیں کی ہیں۔ وہ تمام بزرگان جن سے ہم نے کوئی کلمہ سیکھا ہے، جن کی وجہ سے ہم تک کوئی حدیث، قول یا کتاب پہنچی ہے اُن لوگوں کا ہم سب کی گردنوں پر عظیم حق ہے۔ اگر وہ نہ ہوتے تو آج ہم سب شاید کلمۂ توحید سے بھی محروم ہوتے۔ یہ اُن کی زحمتوں کا ایک اثر ہے کہ بہت سے لوگ آج خدا پرست و خداشناس ہیں۔ ان بزرگوں نے دین سکھانے کیلئے جب مذہبی تعلیمات کو تدوین کیا تو ان کتابوں کی درجہ بندی کی مثلاً پہلی کلاس میں بنیادی بات سکھاتے ہیں پھر دوسری میں اُس سے آگے کا مرحلہ سکھاتے ہیں۔ مؤلف کے بعد اگلی زحمت معلّم کرتا ہے اور وہ اسباق کو بچوں کیلئے مزید آسان بنا کے پیش کرتا ہے۔

یہی کام ہمارے بزرگ علماء نے کیا کہ ہمیں دین سکھانے کیلئے اسے دو حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ عقائد اور دوسرا حصہ اعمال پر مشتمل ہے جس کو ہم عام زبان میں اصولِ دین اور فروعِ دین کہتے ہیں۔ عموماً ہم سب کے ذہنوں میں یہی بات راسخ ہے کہ اصولِ دین وہ چیزیں ہیں جن کیلئے ایمان وعقیدہ چاہیے اور فروعِ دین وہ چیزیں ہیں جن کے بارے میں عقیدہ نہیں بلکہ عمل چاہیے مثلاً نماز کے بارے میں فقط عقیدہ کافی نہیں ہے بلکہ اس کیلئے عمل بھی چاہیے اسی طرح روزہ، حج اور باقی اعمال جو خدا نے مقرر کیے ہیں ان پر صرف اعتقاد کافی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ انہیں انجام دینا بھی ضروری ہے، لیکن توحید پر عقیدہ کافی ہے کیونکہ یہ تو عملی چیز نہیں ہے۔ اگر کوئی مجھ سے کہے کہ آپ نماز انجام دیں تو میں عملاً بتا سکتا ہوں کہ یہ نماز ہے لیکن اگر کوئی کہے کہ توحید پر عمل کرو تو میں اسے فزیکلی نہیں بتا سکتا کہ یہ تو عملی چیز نہیں ہے بلکہ ذہنی، قلبی و اعتقادی چیز ہے اور اس پر دل سے ایمان لاتا ہے۔

آج کے جوان کمپیوٹر کی زبان زیادہ سمجھتے ہیں۔ کمپیوٹر کے ذریعہ آپ بڑے بڑے حساب وکتاب تفصیل سے بتانے کی بجائے گراف (Graph) بنا کر آسانی سے سمجھا سکتے ہیں مثلاً الیکشن کا رزلٹ ایک تو اناؤنس (Announce) ہوتا ہے اور دوسرا لکھا جاتا ہے کہ کس پارٹی کو کتنے Percent ووٹ ملے۔ آپ نے دیکھا

دین سکھانے کیلئے علماء کی زحمتیں

ہوگا کہ ایک دائرہ بنا ہوتا ہے اور اُس کے اندر مختلف رنگ بھرے ہوتے ہیں۔ یہ رنگ اُس کی Percentage بتانے کیلئے استعمال ہوتے ہیں۔ انہیں دیکھ کر اَن پڑھ کو بھی سمجھ میں آجاتا ہے کہ اس پارٹی کو کتنے ووٹ ملے۔

اسی طرح دین کو سمجھانے کیلئے بزرگ علماء نے روایات سے الہام لے کر ہمیں تعلیم دی کہ دین میں اصولِ دین اور فروعِ دین ہیں۔ اَصل وفَرع عربی زبان میں درخت کے بارے میں استعمال ہوتا ہے۔ اُصول سے مراد جڑیں اور فُروع سے مراد شاخیں ہیں۔ یعنی بزرگ علماء ہمیں یہ سمجھانا چاہ رہے تھے کہ دین سیکھنا کیسے چاہیے؟ دین کی بنیادیں کیا ہیں اور دین کے اوپر بہار کیسے آتی ہے۔ جب پودے کی جڑیں راسخ ہوجاتی ہیں تو پھر اُس کے اوپر شاخیں اُگتی ہیں، شاخوں کے اوپر سبزہ آتا ہے اور سبزوں کے اندر پھول وپھل لگتے ہیں۔ وہ ہمیں یہ ہرگز نہیں سمجھانا چاہ رہے تھے کہ ان میں سے ایک عمل کی چیز ہے اور دوسری کا عمل سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ صرف درجہ بتا رہے تھے کہ بنیاد کیا ہے اور بنیاد کے اوپر بنی ہوئی عمارت کیا ہے۔ وہ جڑ اور شاخ میں فرق بتا رہے تھے ورنہ یہ دونوں دراصل عملی چیزیں ہیں۔

علامہ اقبالؒ کی توحیدی معرفت

علامہ اقبالؒ کو خدا نے توفیق دی ہوئی تھی کہ وہ دین کے بہت سارے رموز سمجھتے بھی تھے اور بہت کچھ سمجھا بھی گئے۔ وہ توحید کے بارے میں یہی نکتہ کہتے ہیں کہ توحید کسی زمانے میں مسلمانوں کی قوت کا راز تھی لیکن آج فقط ایک مسئلہ علمِ کلام ہے، یعنی وہ علم جس میں اصول، عقائد اور ایمان کی بحث کی جاتی ہے مثلاً صفاتِ خداوند تبارک وتعالیٰ، عدالت، نبوت، امامت اور قیامت کے موضوعات زیرِ بحث لائے جاتے ہیں۔ ایک علم کو فقہ کہا جاتا ہے جس کے اندر اعمال مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوۃ ودیگر اعمال بیان کئے جاتے ہیں۔

اقبالؒ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ توحید بھی نماز کی طرح عملی چیز تھی۔ آپؒ نے ''شکوہ'' میں سوال اُٹھا کر ''جوابِ شکوہ'' میں اسے حل کیا ہے کہ وہ کیا راز اور کیا فسوں تھا کہ صدرِ اسلام کے ہمارے بزرگ اتنے قوی ومحترم تھے

اور آج اُن کی اولاد کیوں ذلت ورسوائی کے ساتھ زندگی بسر کر رہی ہے حالانکہ اُن کے اور ہمارے درمیان بہت سی چیزیں مشترک ہیں۔ اذانیں وہ بھی دیتے تھے اور ہم بھی دیتے ہیں، نمازیں وہ بھی پڑھتے تھے اور ہم بھی پڑھتے ہیں، سجدے وہ بھی کرتے تھے او ہم بھی کرتے ہیں لیکن ان میں بہت فرق ہے۔ اقبالؒ فرماتے ہیں:

رہ گئی رسمِ اذاں روحِ بلالی نہ رہی.....[1]

رسمِ اذاں تو باقی ہے لیکن اس میں روحِ بلالیؓ موجود نہیں ہے۔ سجدے رہ گئے ہیں لیکن اُن کے اندر بندگی نہیں ہے۔ ہماری عبادتیں کھوکھلی ہوگئی ہیں۔ اسی طرح توحید جو رازِ قوتِ مسلم تھی آج فقط علمِ کلام کا ایک مسئلہ بن گئی ہے۔ توحید فقط گفتگو، مباحثہ اور اثبات ونفی کا موضوع بن گیا ہے درحالیکہ توحید عملی چیز ہے۔ نبوت وامامت بھی عملی چیزیں ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ ان کا تعلق فقط عقیدہ سے ہے اور نماز وروزہ کا تعلق عمل سے ہے۔ اگر توحید عملی نہ ہو تو نماز بھی عملی نہیں ہوسکتی۔

اسلام میں اصول و فروع عملی ہیں

تعلیماتِ دین پر گہری و دقیق نگاہ ڈالنے سے ثابت ہوجاتا ہے کہ اصولِ دین و فروعِ دین دونوں عملی چیزیں ہیں۔ صرف ہمیں سمجھانے کیلئے اس کے دو حصے کئے گئے مثلاً ایک اُستاد اپنے شاگرد کو کیمرے کے بارے میں تفصیل سے سمجھانا چاہتا ہے تو ضروری ہے کہ کیمرے کو کھولے اور اُس کے سارے پارٹز (Parts) الگ الگ کرکے ہر ایک کے بارے میں سمجھائے۔ سمجھانے کی حد تک تو کھولنا ضروری ہے لیکن اب اس کیمرے نے عمل کرنا ہے اور مووی یا تصویر بنانی ہے لہٰذا عمل کیلئے اس کھلی ہوئی چیز کو دوبارہ جوڑنا ضروری ہے۔ کھلا ہوا کیمرہ کوئی اثر نہیں رکھتا بلکہ اس کو اسمبل (Assemble) کرنا ضروری ہے کیونکہ اسمبلڈ (Assembled) کیمرہ ہی تصویر بناتا ہے۔ بزرگ علماء نے کلاس میں ہمیں سمجھانے کیلئے دین کھول دیا تھا، عبادتیں الگ کردیں، عقیدے الگ

[1].....(بانگِ درا، صفحہ ۲۱۵)

کر دیئے، اخلاق الگ کر دیا، رسومات اور دوسری چیزیں الگ کر دیں لیکن ہم اسے کھلا ہوا اُٹھا کر گھروں میں لے آئے لہٰذا آج اس کا کوئی اثر نہیں ہے۔

عمل اثر کب کرے گا؟ جب ہمارا دین اسمبلڈ ہو جائے یعنی جس طرح قرآن نے دین پیش کیا ہے۔ قرآن میں توحید اور دیگر ارکانِ دین پر غور کریں کہ کس طرح پیش کیے گئے ہیں مثلاً قرآن میں حج اس طرح سے بیان ہوا ہے کہ یہ فروع کا فروع اور توحید کی توحید ہے۔ حج درحقیقت توحیدِ عملی ہے۔ اس فروعِ دین کے اندر ایک روح موجود ہے۔ وہ روح یہ ہے کہ ساری اُمت روئے زمین سے اکٹھی ہو کر بظاہر کعبہ کے گرد گھوم رہی ہے لیکن حقیقتاً اُس نے عہد یہ کرنا ہے کہ ہماری زندگی کی حرکات وسکنات، افعال اور تمام طور طریقے فقط محورِ خدا میں بسر ہوں۔

اگر ہم اصول کو ذہن میں رکھیں اور فروع کو عمل میں لے آئیں تو یہ اسمبلڈ چیز نہیں ہے بلکہ کھلی ہوئی چیز ہے لہٰذا اس کا اثر نہیں ہوگا۔ عقیدہ اُٹھ کر علمِ کلام میں چلا جائے گا اور فروع توضیح المسائل میں چلی جائیں گی۔ علمِ کلام اور توضیح المسائل کو اسمبلڈ کرنے کی ضرورت ہے تاکہ توضیح المسائل میں توحید بھی آجائے اور علمِ کلام میں عمل بھی آجائے۔ علمِ کلام بھی علمِ عملی ہو جائے اور توضیح المسائل بھی علمِ توحیدی ہو جائے۔ اُس وقت نمازوں اور حج کے اندر اثر ظاہر ہوگا۔

حقیقی حج مسلمین کو مشکلات سے نجات دلاسکتا ہے لیکن آج کل جو حج انجام پا رہا ہے اس سے سعودی گورنمنٹ کی مشکلات حل ہوتی ہیں۔ اس حج سے وہاں کے بلڈنگ مالکان، ٹرانسپورٹرز، ملٹی نیشنل کمپنیز، ائیر لائنز اور ہوٹل مالکان کی مشکلات حل ہو جاتی ہیں۔ چائنہ کی فیل فیکٹریاں چلنا شروع ہو جاتی ہیں۔ دُنیا کا سارا ریجیکٹڈ مال حج کے سیزن میں بیچ دیا جاتا ہے لیکن اُسی حج کے پڑوس میں فلسطین وعراق کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ اُس حج سے پاکستان میں امن برقرار نہیں ہوتا کیونکہ شیعہ اور سنی وہاں ایک ساتھ اکٹھے ہو کر حج کا ثواب حاصل کرتے ہیں اور پھر دوبارہ منتشر و پراگندہ ہو کر واپس آجاتے ہیں۔ اس سے نہ سنی کی مشکل حل ہوتی ہے اور نہ شیعہ کی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے فروع کو رسم بنا دیا ہے اور توحید کو علمِ کلام کا مسئلہ۔ ہمیں حج پر اس لئے بلایا گیا تھا تاکہ ہم خداپرست و

خداشناس بن سکیں اور سب مسلمین کو توحید کے گرد جمع کر سکیں۔

خونی رشتہ توحیدی رشتہ سے بڑھ کر نہیں

درج بالا نکات سے ثابت ہے کہ خدا کو ایک ماننا معمولی بات نہیں ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ لوگ اپنے رشتہ داروں کے بڑے بڑے جرموں کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور نہیں مجرم کہنے کو تیار نہیں ہوتے مثلاً اکثر مومنین مولانا سمجھ کر اپنا دردِ دل بیان کرتے رہتے ہیں کہ مولانا! عجب زمانہ ہو گیا ہے، عجیب حالات ہیں کہ ایک آدمی جو ہمارا پارٹنر تھا اس نے ہمارے مال، دکان، ارث و میراث سب کو ہڑپ کر لیا ہے اور پھر کیس بھی ہمارے ہی خلاف درج کرا دیا ہے۔ جب اس سے پوچھتے ہیں کہ وہ شخص کون ہے جس نے آپ کے ساتھ یہ حشر کیا ہے؟ تو کہتے ہیں اپنا ہی ایک مومن ہے۔ سب کچھ کر کے پھر بھی ابھی مومن ہے۔ اس کا ایمان اتنا کنکریٹڈ (Concreted) ایمان ہے کہ جو کسی چیز سے خراب ہی نہیں ہوتا۔ اس نے اسے تباہ کر دیا ہے لیکن ہے پھر بھی مومن کا مومن۔

اسی طرح بعض اوقات کہتے ہیں کہ اسے کیا کہہ سکتے ہیں کیونکہ ہے تو اپنا ہی خون یا پھر کہتے ہیں کہ ہے تو اپنی ہی برادری کا۔ مثلاً ایک شخص جو معاذ اللہ دہریہ و کیمونسٹ ہے اور فیشن کے طور پر سرے سے خدا کو مانتا ہی نہیں ہے جیسے آج کل لبرل ازم (Liberalism) کا فیشن عام ہو گیا ہے اور جو دو چار جماعتیں پڑھ لیتا ہے وہ اپنے آپ کو لبرل کہنا شروع کر دیتا ہے حتیٰ میں نے ایک چینل پر دیکھا کہ ایک مولانا جن کی الحمدللہ داڑھی بھی تھی اور ظاہری حلیے سے بھی صوم و صلاۃ کے پابند لگ رہے تھے لیکن وہ بھی لوگوں کے ساتھ بیٹھے پتہ نہیں کہ کس ترنگ میں آئے ہوئے تھے اور کہہ رہے تھے کہ میں بھی آپ کی طرح لبرل (Liberal) ہوں۔

بہر حال اگر ایک دہریہ و ملحد انسان معاذ اللہ ہماری برادری سے تعلق رکھتا ہو اور اُس کو کوئی مشکل پیش آجائے تو پھر خاندان کے لوگ اس کے ساتھ مل بیٹھتے ہیں اور بات چیت کرتے ہیں۔ اگر کوئی دوسرا روکے کہ یہ تو ملحد و لبرل ہے لہٰذا آپ کے تعلقات لبرل کے ساتھ کیسے ہو گئے؟ تو کہتے ہیں کیا کریں پھر بھی اپنا خون ہے۔ حتیٰ اگر دور کا رشتہ دار ہے پھر بھی یہی بات کہتے ہیں۔ آپ کے دلوں میں خون کا اس قدر کا احترام موجود ہے کہ اگر خون

ایک ہوتو انسان سب کچھ بھول کر اُس کو گلے لگالیتا ہے تو آیا ہمارے دلوں میں خدا کی خون جتنی قدر بھی نہیں؟ ہم سب کا خدا ایک ہے۔ خون کے ایک ہونے پر تو ہم برے سے برے فرد کو گلے لگا لیتے ہیں لیکن خدا کے ایک ہونے پر آپس میں متحد نہیں ہوتے۔ اس وقت رنگ، نسل، قوم، قبیلہ، گروہ اور داڑھی کے سائز کی مماثلت ڈھونڈتے لگ جاتے ہیں۔ کسی کو اپنا کرنے کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ جس خدا کو مانتا ہے میں بھی اُسی خدا کو مانتا ہوں اور جس کو وہ پکارتا ہے میں بھی اسے پکارتا ہوں۔ کیا ہماری نظروں میں توحید کی اتنی اہمیت بھی نہیں ہے کہ اس کے ذریعہ دلوں میں الفت و وحدت ایجاد ہو سکے؟!

اسلام دین محبت

اسلام محبت کا مذہب ہے۔ پیامبر اکرم ﷺ نے بھی جب اپنی رسالت کا اجر طلب کیا تو پیسے نہیں مانگے بلکہ فرمایا:

قُلْ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى......[1]

کہہ دیجئے: میں اس (تبلیغِ رسالت) پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا سوائے قرابتداروں کی مودت کے......

صرف مودت مانگی۔ اسلام تمہیں فقط محبت کرنے والا دیکھنا چاہتا ہوں۔

ایک اور مقام پر فرمانِ خدا ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ......[2]

کہہ دیجئے: اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا......

محبت کا ایک تقاضا ہوتا ہے، جیسے کہتے ہیں کہ دوست کا دوست، دوست ہوتا ہے مثلاً سب اپنی اولاد سے محبت کرتے ہیں اور اپنی اولاد سے اس محبت کا اظہار بھی کریں کیونکہ بعض اسے اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں کہ

---

[1]......(سورۂ شوریٰ، آیہ ۲۳)　[2]......(سورۂ آلِ عمران، آیہ ۳۱)

گھر میں اولاد کو بیٹا، بیٹی کہہ کر پکاریں۔ اولاد کو بیٹا یا بیٹی کہنے سے احساس محبت پیدا ہوتا ہے۔ اگر کوئی آپ کے گھر آئے اور آپ کے چھوٹے بچے سے محبت کا اظہار کرے تو آپ کے دل میں اس کیلئے اچھا احساس پیدا ہوتا ہے حالانکہ اُس نے پیسے نہیں دیئے ہیں فقط اس نے یہ کیا ہے کہ جس سے آپ کو محبت تھی اُس سے اظہار محبت کیا ہے۔ بچے کی نسبت تو ہم یہ کام کرسکتے ہیں لیکن جو خدا سے محبت کرتا ہے، جو عاشقِ خدا ہے، جو اسی خدا کو مانتا ہے جسے میں مانتا ہوں تو آیا وہ مجھے اچھا نہ لگے؟! یہ کیسا ایمان ہے کہ انسان کو خدا پرستوں سے عناد و بیر اور دشمنی ہو جائے۔

قرآن کریم نے مومنین کی دُعا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ [1]

ہمارے پروردگارا! ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لاچکے ہیں اور ہمارے دلوں میں ایمان لانے والوں کیلئے کوئی عداوت نہ رکھ، ہمارے رب! تو یقیناً بڑا مہربان رحم کرنے والا ہے۔

یہ دعا ہمیشہ مانگا کریں۔ قنوت میں، نماز کے بعد یا جب بھی دل دعا کیلئے آمادہ ہو خدا سے یہ دعا کریں۔ مومن یہ نہیں کہتا کہ مجھے گندم، چاول اور سرسوں زیادہ سے زیادہ ملے بلکہ اس کی دعا یہ ہیکہ اے پروردگارا! ہمیں بھی معاف فرما اور ہمارے اُن مومن بھائیوں کو بھی معاف فرما جو ایمان پر ہم سے سبقت رکھتے ہیں اور اے پروردگارا! میرے دل کے اندر کسی مومن کی نفرت نہ ڈالنا۔ مبادا کسی مومن کی نفرت کسی کے دل میں آجائے تو ایسا دل میلا ہے لہٰذا اللہ سے دُعا مانگے۔

امام سید الساجدین علیہ السلام کی "مناجات خمسہ عشر" مثالی مناجات ہیں اور ہر مناجات کا ایک خوبصورت عنوان بھی ہے۔ انہیں عمر میں ایک دفعہ ضرور پڑھیں۔ اگر آپ ان کو ترجمہ کے ساتھ پڑھیں گے تو شاید پھر کبھی بھی ترک نہیں کریں گے۔ مومن کو مومن سے نفرت نہیں کرنی بلکہ نفرت کیلئے خدا نے الگ ایڈریس دیا ہے۔ خدا نے خود

[1]-----(سورۂ حشر، آیہ ۱۰)

بتا دیا ہے کہ محبت ونفرت کس کس سے کرنی ہے۔ خدا نے خود فرمایا ہے کہ جن سے مجھے نفرت ہے اُن سے تم بھی نفرت کرو چنانچہ فرمایا:

أَنَّ اللّٰهَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ......۱

اللہ و رسولؐ مشرکین سے بیزار و بری ہیں اور پھر مومنین سے کہا کہ تم بھی بری ہو جاؤ،

اور جب محبت کی باری آئی تو پہلے خدا نے خود بتایا کہ

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ......۲

پھر مومنین سے کہا کہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۝

یعنی پہلے فرمایا کہ میں اور میرے ملائکہ ان سے محبت کرتے ہیں لہٰذا اے مومنوں تم بھی ان سے محبت کرو اور مشرکین و بت پرست اللہ کو اچھے نہیں لگتے لہٰذا آپ کو بھی اچھے نہ لگیں۔

توڑنے اور جوڑنے والی اشیاء

پس اسلام و توحید ہمیں الفت و محبت کے ذریعہ وحدت کی لڑی میں پرو سکتے ہیں۔ قومیت اور زبان تقسیم کے ذریعے ہیں مثلاً آپ چھری سے چیزیں جوڑتے نہیں ہیں بلکہ کاٹتے ہیں۔ فرض کریں ایک بکرے کا سر کٹا ہوا ہے اور آپ اس کے پاس چھری لے کر جائیں تو لوگوں کے پوچھنے پر آپ کہیں کہ چھری کے ذریعہ اس بکرے کا سر جوڑنے جا رہا ہوں۔ چھری کے ذریعہ سر جڑتا نہیں ہے بلکہ جڑا ہوا سر کٹتا ہے۔ چھری اور ہتھوڑے آلے ہیں جن کے ذریعہ چیزیں جوڑی نہیں جاتیں بلکہ توڑی جاتی ہیں۔ جوڑنے کی چیزیں اور آلے الگ ہوتے ہیں مثلاً قومیت، زبان، رنگ و نسل کے نعرے آیا توڑنے کیلئے ہیں یا جوڑنے کیلئے؟ یہ ایسے ہی ہیں جیسے کوئی چھری لے کر

۱......(سورۂ توبہ، آیہ ۳)
۲......(سورۂ احزاب، آیہ ۵۶)

جائے اور کہے کہ میں جوڑنے جارہا ہوں۔ یہ چیزیں بشریت کو تقسیم کرتی ہیں۔ وہ ٹولز (Tools) کون سے ہیں جن سے ٹوٹے ہوئے لوگ ملتے ہیں؟ ٹوٹے دلوں کو جوڑنا عبادت ہے۔ صوفیاء شعراء خاص طور پر اس مطلب کو بیان کرتے ہیں۔ کسی صوفی کا پنجابی شعر ہے:

مسجد ڈھادے، مندر ڈھادے، ڈھادے جو کچھ ڈھیندا

اک بندے دا دل نہ ڈھاویں رب دلاں وچ رہیندا

یعنی مسجد بھی گرادے، مندر بھی گرادے اور جو چیز گرسکتی ہے گرادے لیکن کسی بندے کا دل نہیں توڑنا کیونکہ دل کے اندر خدا ہوتا ہے۔ حدیث میں آیا ہے:

اَلْقَلْبُ حَرَمُ اللّٰهِ......[1]

قلب اللہ کا حرم ہے......

مسجد و مندر اگر ٹوٹ بھی گئے تو دوبارہ بن جائیں گے لیکن اگر دل ٹوٹ گیا تو دوبارہ بنانا بہت مشکل ہے۔ انبیاء علیہم السلام کو خدا نے توڑنے کے لئے مبعوث نہیں کیا بلکہ ٹوٹی ہوئی چیزوں کو جوڑنے کے لئے مبعوث کیا ہے۔

صوفیاء کے استاد اور مرشد کامل مولانا روم ہیں۔ آپ نے حضرت موسیٰؑ کی حکایت جو گزشتہ فصل میں بیان کی گئی ہے اسے منظوم پیرائے میں بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وحی آمد سوی موسیٰ از خدا

بندۂ ما را ز ما کردی جدا

تو برای وصل کردن آمدی

نی برای فصل کردن آمدی......[2]

---

[1]......(بحار الأنوار- علامه مجلسیؒ، الجزء ٦٧، صفحه ٢٥)

[2]......(مثنوی معنوی، دفتر دوم: عتاب کردن حق تعالیٰ با موسیٰ علیہ السلام از بهر آن شبان، صفحه ٢٦٧)

توڑنے اور جوڑنے والی اشیاء

آج جن ناموں پر جوڑنے کی کوشش کی جاتی ہے وہ چھریاں، خنجر اور تلوار ہیں۔ لسان پرستی، رنگ پرستی، نژاد پرستی اور علاقہ پرستی سے بشریت تقسیم ہوتی ہے۔ انسانیت کو متحد کرنے کے لئے دین یعنی توحید اور انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کی ضرورت ہے۔

اقبالؒ کے بقول ہمیں منفعت، نقصان، اللہ، حرم، رسول قرآن و دین ایک کریں گے اور یہ آئیڈیالوجی کے اجزاء ہیں۔ آج دیکھا جاسکتا ہے کہ کن لوگوں نے ترقی کی ہے؟ ان لوگوں نے ترقی نہیں کی جو ہاتھ میں خنجر لہراتے ہوئے نکلے اور ترقی کے بام عروج پر جا پہنچے بلکہ انہوں نے ترقی کی ہے جن کی کوئی آئیڈیالوجی تھی، اگرچہ وہ آئیڈیالوجی الٰہی نہ بھی ہو لیکن پھر بھی اس آئیڈیالوجی نے انہیں کہیں نہ کہیں پہنچایا ہے۔ یہ چیز جوڑنے کے لئے ہے۔ انبیاء علیہم السلام یہی لے کر آئے۔ انبیاء علیہم السلام کے پاس غیر از وحی وغیر از تعلیمات دین کوئی اور چیز تو نہیں تھی۔ وہ آبائی دین اور اپنے تجربے لے کر نہیں آئے تھے۔ انبیاء علیہم السلام دین کی ترویج صرف خدا کی خوشنودی کیلئے کرتے تھے اور انہیں اس سلسلے میں لوگوں سے منفعت حاصل کرنے کی کوئی غرض نہ تھی۔

اسلام کو دینے والے بنیں

قرآن نے ذکر کیا ہے کہ کچھ مسلمان ایسے تھے جو فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے اور کچھ ایسے تھے جو فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہوئے۔ زیادہ افضیلت ان لوگوں کی ہے جو فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہوئے۔ یہ افضیلت صرف تاریخ یا ٹائم کے لحاظ سے نہیں ہے بلکہ اس وجہ سے ہے کہ فتح مکہ کے بعد بہت سارے علاقے فتح ہوئے جن میں خصوصاً جنگ حنین کے اندر ایک ایسا علاقہ فتح ہوا جس میں بہت زیادہ مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا تھا اور اب بیت المال بھرا ہوا تھا یا کم از کم کچھ کھانے پینے کے لئے تھا تو جب کھانے پینے کے لئے کچھ موجود ہو اور پھر کوئی اسلام کی طرف آئے اس سے بہتر و افضل وہ ہے جو ایسے عالم میں مسلمان ہوا کہ جب مسلمانوں کے پیٹ پر پتھر بندھے ہوئے تھے۔ یہ نہیں ہے کہ جس مجلس میں تبرک پکا ہوا ہو اس میں ہزاروں لوگ جائیں اور جس مجلس میں کوئی تبرک نہ ہو اس میں کوئی بھی نہ جائے۔ جو تبرک دیکھ کر جائے وہ فتح مکہ کے بعد کا مسلمان ہے اور وہ جو تبرک کھانے

اسلام کو دینے والے بنیں

کے لئے نہ جائے بلکہ اس لئے جائے کہ یہ ایک دینی والٰہی کام ہے جسے میں نے انجام دینا ہے تو یہ فتح مکہ سے پہلے کا مسلمان ہے۔

فتح مکہ سے پہلے کے مسلمانوں میں ایک بہت ہی سرشناس، سرکردہ ومعروف شخصیت جنابِ خدیجۃ الکبریٰ علیہا السلام ہیں۔ آپ علیہا السلام مسلمانوں کے بیت المال سے کچھ لینے کے لئے مسلمان نہیں ہوئیں بلکہ آپ علیہا السلام کا گھر پہلے ہی مال سے بھرا ہوا تھا لیکن جب آپ علیہا السلام نے وفات پائی تو اس بی بی کے پاس اپنے کفن کے پیسے بھی موجود نہیں تھے۔ آپ علیہا السلام نے نہ صرف اپنا سارا مال راہِ خدا میں انفاق کر دیا بلکہ اس بی بی کے بطن سے خداوند تبارک وتعالیٰ نے عالمِ اسلام کو جو کوثر عطا فرمائی اس نے دین کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔ مکہ میں جنابِ خدیجہ علیہا السلام کا مال خرچ ہوا لیکن کربلا کے اندر اس بی بی علیہا السلام کی اولاد بھی راہِ خدا میں خرچ ہوگئی۔ یہ خاندان ہمیں بتاتا ہے کہ تم لینے کے لئے مسلمان نہ بنو بلکہ دینے کے لئے مسلمان بنو۔

امام خمینیؒ ایرانی قوم سے خطاب میں کہا کرتے تھے کہ بار بار یہ نہ سوچا کرو کہ انقلاب نے ہمیں کیا دیا؟ بلکہ اپنے آپ سے یہ پوچھو کہ تم نے انقلاب کو کیا دیا ہے؟ ہم جو خود کو اولادِ حضرت خدیجہ علیہا السلام کا ماننے والا کہتے ہیں تو ہمیں بھی اپنے آپ سے یہی پوچھنا چاہئے کہ ہم نے دین کے لئے کیا کیا ہے؟ آج المیہ یہ ہے کہ اول تو لوگ وحدت کے متعلق سوچنے پر آمادہ نہیں ہیں اور جو لوگ اس سے متعلق سوچ بچار کرتے ہیں وہ صرف نصیحتوں پر اکتفاء کئے بیٹھے ہیں لہٰذا معاشرے میں عملی طور پر وحدت ناپید ہے۔

نصیحتوں پہ اکتفاء نہ کریں

وحدت کے لئے نصیحتیں کافی نہیں ہیں۔ ہم ہر چیز کو فوراً نصیحتوں کی زبان میں لے آتے ہیں مثلاً فرض کریں ایک بچہ جوان ہو گیا ہے اور اس کو بیوی چاہئے لیکن بڑے اس کو نصیحتوں پر ٹالنے کی کوشش کرتے ہیں کہ بیٹے پہلے آپ کو اپنی ایجوکیشن مکمل کرنی چاہئے، پہلے آپ کو کام کاج کرنا چاہئے یا مثلاً آپ کو شدید بھوک لگی ہوئی ہو اور مولانا آپ کو کھانوں کے اوپر دو چار وعظ سنا دیں تو کیا بھوک مٹ جائے گی؟! نصیحت نصیحت کی جگہ ہو اور کھانا

کھانے کی جگہ پر۔ نصیحت سے کھانے کا کام نہ لیں اور کھانے سے نصیحت کا کام نہ لیں۔ ہر چیز کے لئے اپنا محل ومقام ہے۔

ہم عمل کرنے اور پڑھنے، لکھنے کے کام بھی نصیحتوں سے حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ بہت سارے والدین ایسے ہیں جو صرف نصیحتوں کی وجہ سے اولاد کو بگاڑ دیتے ہیں۔ اس سے کوئی غلط مطلب اخذ نہ کرے کہ آج سے نصیحت کرنا چھوڑ دے۔ نصیحت کے وقت نصیحت کریں لیکن جب اولاد کی کوئی ضرورت ہے تو اس ضرورت کو پورا کریں۔ مثلاً بیٹا کسی ضروری چیز کیلئے پیسے مانگتا ہے تو بجائے روپے دینے کے وہاں بھی نصیحت کرتے ہیں۔ ریاضی کے استاد نے ایک بچے سے ریاضی کا مسئلہ پوچھا کہ فرض کرو تمہارے پاس دس روپے ہیں اور تمہارے ابا بھی تمہیں دس روپے دیتے ہیں پھر تم پانچ روپے کی کوئی چیز خرید لیتے ہو تو اب تمہارے پاس کتنے پیسے ہیں؟ تو اس نے کہا میرے پاس پانچ روپے ہیں۔ استاد نے پھر سوال سمجھایا اور کہا کہ غور کر کے جواب دو تو اس نے پھر کہا پانچ روپے ہی بچے۔ استاد نے کہا مجھے لگتا ہے کہ تم ریاضی صحیح طرح سے نہیں جانتے۔ بچے نے کہا کہ میں ریاضی صحیح جانتا ہوں لیکن آپ میرے ابا کو نہیں جانتے۔ وہ دس روپے دینے والا نہیں ہے۔ وہ وہاں بھی نصیحت کر دیتا ہے لیکن دس روپے نہیں دیتا۔ لہٰذا جوان بچے کی جوانی کی ضرورتیں پوری کریں۔ اسی طرح اگر شدید گرمی میں بھی کسی آدمی کا پنکھا لانے کا موڈ نہیں ہے تو وہ ایسی ایسی دلیلیں دینا شروع کرتا ہے کہ آدمی کا دل کرتا ہے لگا ہوا پنکھا بھی اتار دے۔

وحدت صرف نعروں اور سیمیناروں سے برپا نہیں ہوتی بلکہ اس کے کچھ ارکان وستون ہیں۔ جب ہم روح وحدت کو اپنائیں گے تو پھر وحدت کی طرف آئیں گے۔ وحدت اور وحدت جیسے موضوعات کیلئے حرکت، تگ ودو اور جدوجہد کی ضرورت ہے۔ ہر چیز کی خاص ریکوائرمنٹ (Requirement) ہوتی ہے جسے پورا کرنا ہوتا ہے مثلاً جن کاموں کے لئے حرکت ضروری ہوتی ہے وہاں حرکت کرنی پڑتی ہے، جن کاموں کے لئے قربانیوں کی ضرورت ہے وہاں قربانیاں دینی ہوتی ہیں اور جن کاموں کے لئے وقت دینے کی ضرورت ہوتی ہے وہاں وقت دینا پڑتا ہے لہٰذا جن کاموں کے لئے ہمیں ایک ہونے کی ضرورت ہے وہاں ایک ہوا جائے۔ ہم وحدت پر فقط

نصیحتیں کرنے کے قائل ہو رہے ہیں اور وحدت کی میٹنگز ہو رہی ہیں۔ مولانا بھی وحدت پر دو تین حدیثیں سنا دیتے ہیں کہ وحدت بہت اچھی چیز ہے اور اس سے بڑا ثواب ملتا ہے لیکن جب ان سے کہو کہ فلاں مولانا سے ملیں تو کہتے ہیں کہ میں اس سے نہیں ملتا۔

اس وجہ سے ہمیں وحدت کے موضوع کو بہت سادہ وعظ ونصیحت کی حد تک نہیں رکھنا چاہئے کہ لوگو! متحد ہو جاؤ، متحد ہونے کا بہت ثواب ہے، جو متحد ہوتے ہیں وہ خدا کو بڑے پسند ہیں، جو متحد ہوتے ہیں وہ بہشت میں جائیں گے یہ وعظ ونصیحت کی زبان ہے۔ مسلمان نے جب یہ تہیہ کر رکھا ہے کہ وعظ ونصیحت ہی نہیں سننی تو عمل کب کرے گا؟! ہمیں وعظ ونصیحت کے ساتھ اس کے اخلاقی، فقہی پہلو انفرادی، اجتماعی اور علمی وعملی پہلو کو بیان کرنے اور اسے سمجھنے کی ضرورت ہے پھر ہم کامیاب ہوسکتے ہیں۔

جب ہم سماج اور سماج سے متعلقہ سائنسز کی طرف توجہ نہیں کریں گے اور صرف وعظ ونصیحت سے معاملے کو چلانے کی کوشش کریں گے تو یہی حالت ہوگی جو ابھی ہے۔ وحدت کے متعلق علمی تجزیہ وتحلیل کے ساتھ عملی قدم کی بھی ضرورت ہے مثلاً اگر کسی نے اپنی اولاد کو عملی زندگی میں کسی مقصد تک پہنچانا ہے تو اس کے اسباب بھی مہیا کرنے ہوں گے۔ صبح وشام اور جمعہ جمعہ اگر اسے فقط وعظ ونصیحت کرتے رہے تو یہ بچہ نہ پڑھ پائے گا اور نہ کچھ بن پائے گا۔ والدین ہونے کے ناتے آپ بچے کو وعظ ونصیحت بھی کریں اور ساتھ ساتھ تعلیم وترقی کے وسائل بھی مہیا کریں مثلاً اس کے لئے ایک اچھا تعلیمی ادارہ تلاش کریں اور پھر اس کی مالی وغیر مالی ضروریات بھی برداشت کریں۔ اس وقت اس بچے سے توقع ہوگی کہ یہ کہیں پہنچ پائے گا۔

ہم اپنا فریضہ صرف وعظ ونصیحت سمجھتے ہیں اور بعض تو آخر میں کہہ بھی دیتے ہیں:

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ۝[1]

اور ہم پر تو فقط واضح طور پر پیغام پہنچانا (فرض) ہے اور بس۔

---

[1]......(سورۂ یٰس، آیہ ۱۷)

یعنی وعظ ونصیحت کر کے سمجھتے ہیں کہ ساری ذمہ داری ادا ہوگئی۔اب سیاست دانوں اور حکمرانوں نے بھی یہی وعظ شروع کر دیا ہے یعنی ایگزیکٹو (Executive) ہو کر بھی وعظ شروع کر دیتے ہیں۔آئے دن ٹی وی پر بیٹھ کر بجائے قوم کو ترقی کے منصوبے اور لائحہ عمل دینے کے وعظ ونصیحت شروع کر دیتے ہیں۔ہر ایک نے اپنا وطیرہ اور معمول بنالیا ہے کہ ہم نے سارے کام وعظ ونصیحت کے ذریعے کرنے ہیں لہٰذا مذہبی دنیا، سائنسی دنیا اور علمی دنیا میں کوئی پیشرفت نہیں ہو رہی۔صرف نصیحتاً کہتے رہتے ہیں کہ روڈ ٹھیک ہونے چاہئیں، ٹریفک جام نہیں رہنا چاہئے اور بجلی ٹھیک ہونی چاہئے۔بجلی کے بارے میں وعظ ونصیحت کرنے سے بجلی پیدا نہیں ہوگی بلکہ بجلی کو بڑھانے کے لئے وسائل مہیا کرنے کی ضرورت ہے۔وحدت کے لئے سائنٹیفک طریقہ سے علمی، تحقیقی اور تحلیلی سفر کی ضرورت ہے اور اس کی طرف عملاً بڑھنے کی ضرورت ہے۔

ان محفلوں اور مجلسوں سے ثوابِ دارین حاصل ہو جاتا ہے لیکن وحدت کبھی حاصل نہیں ہوتی۔جس طرح عموماً ایصال ثواب کی مجالس اور قرآن خوانی سے ثوابِ دارین مل جاتا ہے لیکن ہماری زندگیوں میں کوئی فرق اور انقلاب نہیں آتا کیونکہ ہم قرآن کو کتابِ انقلاب اور منشورِ زندگی سمجھتے ہی نہیں ہیں بلکہ صرف ثواب دارین کی ایک مقدس دستاویز اور مسودہ سمجھ کر چوم لیتے ہیں۔

وحدت کے عملی لوازمات اور تگ و دو کی ضرورت

وحدت کا کوئی میدان ہوتا ہے۔ہم سکوت وسکون کی حالت میں بیٹھے بیٹھے متحد نہیں ہو سکتے۔وحدت کیلئے بیداری اور حرکت چاہئے۔نیند کی حالت میں انسان شعوری حالت میں نہیں ہوتا۔حرکت اس وقت ہوتی ہے جب کوئی مقصد پیشِ نظر ہو اور مقصد کی طرف جانے کے لئے کوئی راستہ موجود ہو اور اس راستے کے لئے کچھ ضروریات واسباب ہوں تو انسان متحد ہوتا ہے۔وحدت بیٹھے بیٹھے نہیں ہوتی بلکہ اس فراغت کی وجہ سے تفرقہ اور بھی بڑھ جاتا ہے چونکہ احادیث میں آیا ہے کہ اوقاتِ شیطان میں سے ایک وقت فراغت کا وقت ہے۔فراغت کے دنوں میں ہی فساد پیدا ہوتا ہے اور وہ فساد فرقہ واریت، تفرقہ، دہشت گردی اور دوسری مہلک چیزوں کی صورت

میں سامنے آتا ہے۔

اگر پوری دنیا کا سروے(Survey) کیا جائے تو جس طرح کے فسادات پاکستان کے اندر رونما ہو رہے ہیں دوسری جگہ ان کا ریشو(Ratio) اتنا نہیں ہے بلکہ بہت کم ہے خصوصاً مصروف قوموں میں مثلاً چین میں یہ چیزیں کیوں نہیں ہیں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں بہت کم لوگ فارغ ہیں۔ ان کی حکومت کا ایک نصب العین اور ہدف تھا جو انہوں نے قوم کو دیا۔ اگر چہ وہ دنیاوی مقصد تھا لیکن وہاں پہنچ گئے اور آج اقتصاد کے عروج پر پہنچ گئے ہیں۔ اس ہدف کے حصول کے لئے انہیں متحد ہونا پڑا۔ اگر چہ جس محور میں وہ متحد ہوئے وہ اتنا مضبوط نہیں تھا لیکن اس ہدف نے انہیں متحد کر دیا۔

جنہیں اپنے ملک وقوم کو کہیں پہنچانا ہوتا ہے ان کو متحد ہونے کی ضرورت ہوتی ہے اور جنہیں بیٹھ کر گپ شپ لگانی ہوتی ہے وہ سارا دن چسکا لگانے کیلئے اسٹیڈیم میں تماشے دیکھتے ہیں۔ تماشائیوں کے اتحاد کا کیا فائدہ ہے؟ بلکہ ٹیم کو متحد ہونا چاہئے۔ کبھی کبھار عجیب وغریب قسم کے ذہنی مالیخولیائی لوگ جو بیماریوں کا شکار ہیں اور نام نہاد انٹیلیکچوئل(So-called Intellectuals) میڈیا پر آبیٹھتے ہیں اور آزادو بے لاگ تبصرے کرتے ہیں۔ ان سب کو ہسپتالوں میں ایڈمٹ کر کے ذہنی معائنہ کی ضرورت ہے تا کہ ان کا دماغی توازن درست ہو جائے۔

اگر ہمیں وحدت کی طرف جانا ہے تو اس کیلئے نصب العین، منشور، سمت اور راہ کی ضرورت ہے۔ وحدت کے لیے ہمیں ایک ایسے کانسٹیٹیوشن(Constitution) کی ضرورت ہے جو امت کو وحدت کے سفر کے تمام فوائد سے آگاہ کرے اور نشیب وفراز میں راہِ حل مشخص ومعین کرے کہ ہمیں کدھر جانا ہے اور کیا بننا ہے؟ اگر میں ایسے ہی آپ سے کہوں کہ آپ سب ایک ہو جاؤ تو خیال آئے گا کہ کس لئے ایک ہو جائیں؟ مثلاً شادیوں میں آج کل تو بوفہ سسٹم ہے اور کھڑے ہو کر کھاتے ہیں لیکن پرانے زمانوں میں جب روایتی آداب کے ساتھ کھانا کھایا جاتا تھا تو وہاں چار چار آدمی مل کر بیٹھ جاتے تھے اور مٹی کے برتنوں کے ساتھ کھانے سے بھری ڈش ان کے بیچ میں رکھ دیتے تھے لہٰذا وہ چار چار مل بیٹھ کر کھا لیتے تھے۔ اگر کھانا ہے تو چار چار مل بیٹھتے ہیں کیونکہ ہدف ایک ہوتا ہے لیکن اگر میں ایسے ہی کہوں کہ آپ سب چار چار ہو کر بیٹھو تو آپ کے ذہن میں سوال آئے گا کہ کیوں چار چار ہو کر

بیٹھیں؟ کس کام کے لئے بیٹھیں؟

ابھی ہم ایڑھی چوٹی کا زور لگاتے ہیں کہ ایک ہو جاؤ لیکن سب کے ذہن آتا ہے کہ کیوں ایک ہو جائیں؟ لہٰذا پہلے وہ چیز اُمت کو بتانے کی ضرورت ہے۔ اس لئے رہبر معظم انقلاب اسلامی حضرت آیت اللہ خامنہ ای دام ظلہ العالی نے علمائے اسلام کو خصوصیت کے ساتھ اور پوری اُمتِ مسلمہ کو جہاں پر وحدت کی دعوت دی تو ساتھ ایک بہت خوبصورت اشارہ کیا کہ منشورِ وحدت اُمتِ مسلمہ کا ایک تاریخی مطالبہ ہے اور علمائے اسلام آج اس تاریخی مطالبہ کو پورا کریں۔ جس کے ذریعہ اُمت کو پتہ چلے کہ کرنا کیا ہے؟ ہمیں جانا کہاں ہے؟ ہمارا مقصد کیا ہے؟ ہمیں سفر کیسے کرنا ہے؟ ہمارا دشمن کون ہے؟ وہ ہمارے لئے کیا سوچے ہوئے ہے؟ اور ہمیں کہاں پہنچانا چاہتا ہے؟ اس وقت انسان وحدت کی اہمیت کو سمجھتا ہے۔ ورنہ وہ عالمِ دین جو مدرسہ کے حجرے میں بیٹھا ہوا ہے اور نام نہاد انٹیلیکچوئل جسے وحدت کی افادیت کا علم اور احساس نہیں ہے وہ وحدت کی دعوت کس بنیاد پر دے گا؟! جن دو آدمیوں کو کہیں جانا ہے اور جو کچھ کام کرنا چاہتے ہیں ان کو وحدت کا احساس ہوگا۔ اس وجہ سے آج بہت سارے لوگ وحدت کا نام نہیں لیتے بلکہ اس کے برعکس وحدت کا نام لینے سے بلبلانا اور وامصیبتا کہنا شروع کر دیتے ہیں۔

کیا کوئی امیر المومنین علیہ السلام سے بڑا شیعہ ہو سکتا ہے؟ اگر کوئی سمجھتا ہے کہ میں امیر المومنین علیہ السلام سے بھی زیادہ ولایت پر قائم ہوں تو وہ بیمار ہے۔ کیا کوئی سنی ایسا ہو سکتا ہے جو خلفاء سے بھی زیادہ خلیفہ پرست ہو؟ ایسا ممکن نہیں ہے۔ امیر المومنین علیہ السلام نے وحدت کی خاطر بہت قربانیاں دی ہیں۔ نہج البلاغہ میں ہے کہ میرے لئے یہ حالات اور مسائل ایسے تھے جیسے گلے میں ہڈی ہے، جو نہ نیچے جاتی ہے نہ باہر آتی ہے لیکن اس کے باوجود میں اس کرب، درد اور شدت کو برداشت کئے ہوئے ہوں، کس کی خاطر؟ دین کی خاطر، اُمت کی خاطر، وحدت کی خاطر۔

آپ جس مولاؑ کو ماننے والے ہیں انہوں نے وحدت کی خاطر بہت ناگوار سختیاں تحمل کی ہیں۔

ہم نے وحدت کو بہت سادہ انداز میں لیا ہے اور اسے اخلاقیات، نصیحتوں اور وعظ و نصیحت کی حد تک رکھا ہے حالانکہ امام راحلؒ کی نظر میں وحدت کا فقط ایک اخلاقی پہلو ہی نہیں ہے بلکہ اعتقادی، فقہی، سیاسی، اجتماعی، سماجی اور علمی پہلو بھی موجود ہے۔ آج سب سے زیادہ اہم وحدت کا Strategic پہلو ہے کہ امامؒ نے اسی نقطۂ

نظر سے فرمایا تھا کہ اُمت کو اکٹھا ہو جانا چاہئے۔ امام راحلؒ فرماتے تھے کہ سنی اور شیعہ اپنے اپنے خول سے باہر میدان میں آئیں کیونکہ تمہارا دشمن خول سے نکل آیا ہے۔ تم اپنے اپنے خول میں بند رہ کر اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

ہمیں ایک فعال وحدت کی ضرورت ہے۔ بعض لوگ اس طرح کا درسِ اخلاق دیتے ہیں کہ لوگوں کی روح ہی کھینچ کر نکال لیتے ہیں۔ وہ اخلاق کے نام پر ایسا درس دیتے ہیں کہ جو جوان اچھا خاصا بانشاط، فعال اور ایکٹو ہوتا ہے اس کو بھی مرجھا دیتے ہیں۔ اس کی بجائے شہید مطہریؒ فرماتے تھے کہ ہمیں امام خمینیؒ قم کے اندر ایسا درسِ اخلاق دیا کرتے تھے کہ یہ درسِ اخلاق سنتے ہی ہم ایسا چارج ہو جاتے تھے کہ آرام سے ٹک کر بیٹھا نہیں جاتا تھا۔ صبح و شام ہم اس درسِ اخلاق کے نتیجہ میں حرکت کرتے اور چین و سکون نہیں تھا لیکن تھکاوٹ نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی تھی۔ اسی طرح ہم وحدت کا پرچار ایسے نہ کریں کہ اُمت کے اندر سے روح نکال دیں۔

وحدت وعظ، پند و نصیحت اور اسی چند محفلیں جمانے سے برقرار نہیں ہو جاتی بلکہ وحدت کے لئے باقاعدہ ایک منشور اور مینوفیسٹو (Manifesto) کی ضرورت ہوتی ہے جس میں اُمت کا نصب العین مندرج ہوتا ہے کہ اُمت کو کرنا کیا ہے۔ رہبر معظم حضرت آیۃ اللہ خامنہ ای مدظلہ نے فرمایا ہے کہ منشورِ وحدت اسلامی اُمت کا تاریخی مطالبہ ہے۔ امت اس منشور کو علمائے اسلام سے صدیوں سے مانگ رہی ہے لیکن اُمت کو روزمرہ کے مسائل میں الجھا دیا جاتا ہے۔ ایسی اُمت جس کو آٹا نہ ملتا ہو، جس کے گھر میں بجلی نہ ہو، جس کو روزمرہ کی اشیائے صرف مہنگے داموں ملتی ہوں وہ اپنے فطری، دینی اور اصلی مطالبات بھول جاتی ہے۔ چونکہ جب امت کی زبان پر روزمرہ کے مطالبات چڑھ جاتے ہیں تو اس کو اپنی بقا اور عزت کے مطالبہ کی فرصت ہی نہیں ملتی۔ ہمیں ان مطالبات کو احیاء کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ بھی کافی نہیں ہے کہ ہم حق پر ہیں تو کامیابی ہمارے قدم چوم لے گی۔ اگر ہم صبح و شام بیٹھے اپنے قدموں کی طرف دیکھتے رہیں کہ کب کامیابی آتی ہے اور ہمارے قدموں پر سجدے کرتی ہے تو یہ ہماری بھول ہے، اس طرح کبھی بھی کامیابی آپ کی طرف رخ نہیں کرے گی۔

وحدت کے عملی لوازمات اور تنگ وودی کی ضرورت

بے مقصد اور فارغ قوم کی سرگردانی

جب تک قوم کے پاس ایک مدوّن آئیڈیالوجی موجود نہ ہو تو انہیں پتہ ہی نہیں ہوتا کہ ہمیں جانا کدھر ہے؟ نتیجتاً یہ سرگردان اور حیران و پریشان رہتی ہیں۔ مثلاً کچھ لوگ اپنی بیویوں سے لڑ کر باہر آ جاتے ہیں اور سرگردان پھرتے ہیں کہ انہیں خود بھی معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کہاں جا رہے ہیں؟! یہ کہیں بھی نہیں جا رہے ہوتے لیکن ہر طرف جا رہے ہوتے ہیں! چونکہ یہ ناراض اور روٹھے ہوئے ہوتے ہیں۔ روٹھا ہوا آدمی سرگردان آدمی ہوتا ہے جو اپنے غم کے مداوے کیلئے گلیوں میں ادھر ادھر پھر رہا ہوتا ہے۔ اسے سناٹے میں کوئی سگریٹ پیتا نظر آتا ہے تو وہیں چلا جاتا ہے کیونکہ اسے سگریٹ کی روشنی بھی امید کی کرن نظر آتی ہے۔ ممکن ہے وہ ہیروئن و چرس پی رہا ہو لیکن وہ اس کو بھی ساتھ ملا لیتا ہے اور اس کے لئے بیوی کے غموں کا مداوا سگریٹ کے کش ہوتے ہیں۔

جن قوموں کے پاس نشانِ راہ، منزل، نصب العین، مقصد اور حرکت نہ ہو تو ایسی فارغ قوموں کا بھی یہی حال ہوتا ہے۔ جیسے مداری محلوں اور چوکوں میں بندر یا ریچھ لا کر ان کا تماشا دکھاتے ہیں اور ان کے گرد فارغ لوگوں کا ایک حلقہ بن جاتا ہے۔ وہ لوگ وہاں کھڑے ہو کر سارا دن تماشا دیکھتے رہتے ہیں۔ فارغ قوم کو تماشائی بنانا مشکل نہیں ہے۔ قوم چونکہ فارغ ہے اور اللہ سے روٹھی ہوئی ہے لہٰذا اس کو پتہ نہیں ہے کہ ہم نے کہاں جانا ہے؟ ہماری نجات کہاں ہے؟ لہٰذا جو بھی مداری مجمع لگاتا ہے فوراً اُس کے گرد جمع ہو جاتے ہیں۔ الیکشن کا ڈھونگ شروع ہوتا ہے تو سب کچھ چھوڑ کر اس تماشا گاہ میں اتر جاتے ہیں اور بعض تو ایسے ہیں کہ جاتے ہوئے کسی پارٹی کے ٹرک پر ہوتے ہیں اور آتے ہوئے کسی اور پارٹی کے ٹرک پر، کیونکہ یہ ان کا شغل ہے۔ پوری دنیا میں کہیں بھی اس طرح الیکشن نہیں ہوتے جیسے پاکستان میں ہوتے ہیں۔ یہاں الیکشن تماشا اور مشغلہ ہوتا ہے۔

جب کہا جاتا ہے کہ پارلیمنٹ اپنی مدت پوری کرے تو عوام کو یہ بات بہت بری لگتی ہے۔ کیونکہ تماشا ہر سال ہونا چاہئے اور پانچ سال تک ہم کیا کریں گے۔ پارلیمنٹ ٹوٹتی ہے تو لوگ خوش ہو جاتے ہیں چونکہ فارغ قومیں ایسی ہی ہوتی ہیں لیکن جو قومیں بیکار نہ ہوں وہ آئے دن یہ تماشا برداشت نہیں کر سکتیں۔ آئین معطل ہونے سے ان کی کمر ٹوٹتی ہے۔ حکومت کا سسٹم درہم برہم ہونے سے ان کی کمر ٹوٹتی ہے لیکن اپنی قوم کی کمر اور مضبوط ہوتی

ہے۔اتنی فلیکسبل (Flexible) کمر ہے کہ جتنی بینڈ کروائی ٹائٹ ہوتی ہے کیونکہ فراغت زیادہ ہے یعنی ہدف و مقصد نہیں ہے مثلاً سرحد میں اہم ترین مسئلہ نئے سیٹ اَپ کا تھا لیکن جو لوگ آئے انہوں نے آ کر سب سے بڑا پروجیکٹ یہ شروع کیا کہ ہمیں صوبہ کا نام بدلنا ہے! نام بدلنے کیلئے انہوں نے اتنی تگ و دو اور سخت کوششیں کیں لیکن نام بدلنے کے بعد کیا صوبہ کو ترقی مل گئی؟ صوبہ کے لوگ پڑھ لکھ گئے؟! صوبہ کے فقیر امیر ہو گئے؟! انہوں نے یہ نہیں سوچا کیونکہ فارغ قوم کے لئے یہی مشغلہ ہے۔ سارے حکمران اپنی اپنی قوموں کو سبز باغ دکھاتے ہیں لیکن ہمیں کالا باغ دکھاتے ہیں کیونکہ انہیں بھی اپنی قوم کا پتہ چل گیا ہے۔

دو بیروزگار کہ جن کے پاس سگریٹ کے پیسے بھی نہیں تھے کسی جگہ بیٹھے ہوئے تھے۔ گپ شپ کے دوران ایک نے کہا کہ میری آرزو ہے اللہ مجھے زیادہ مال دے! دوسرے نے کہا کہ پھر کیا کرو گے؟ اس نے کہا کہ اس سے انویسٹمنٹ (Investment) کروں گا اور زیادہ کماؤں گا۔ پوچھا کہ زیادہ کما کر کیا کرو گے؟ کہا پھر فیکٹری لگاؤں گا۔ پوچھا کہ فیکٹری لگا کر کیا کرو گے؟ کہنے لگا پھر مزید فیکٹریاں بنواؤں گا اور جب بہت مال بن جائے گا تو پھر الیکشن لڑوں گا۔ کہا الیکشن لڑ کر کیا کرو گے؟ کہا کہ حکمران اور شہنشاہ بن جاؤں گا۔ پوچھا کہ شہنشاہ بن کر کیا کرو گے؟ اس نے کہا کچھ بھی نہیں، تو دوسرے بیروزگار نے کہا: اگر اتنے پیسے لگا کر بھی کچھ نہیں بنو گے تو میں تو بغیر زحمت کے کچھ نہیں ہوں۔ یہ نعرے ہمیں کہاں لے جائیں گے؟ آخر میں ہم بے مقصد ہو جاتے ہیں۔

وحدت کیلئے آئیڈیالوجی کی اہمیت

وحدت کے لئے ہمیں ایک آئیڈیالوجی کی ضرورت ہے یعنی وہ ٹولز (Tools) جو ٹوٹے ہوؤں کو جوڑتے ہیں۔ وہ چیزیں قومیتیں، لسانیتیں اور رنگ و نسل نہیں ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے آخری خطبے میں وہی بات کی جو پہلے دن کی تھی۔ فرمایا کہ اسلام کسی گورے کو کالے پر ترجیح نہیں دیتا، کسی عرب کو غیر عرب پر اور غیر عرب کو عرب پر ترجیح نہیں دیتا بلکہ رسول اللہ ﷺ نے جو سوسائٹی بنائی وہ لوگوں نے اس طرح قبول کی کہ آپؐ نے ایک سیاہ حبشی کو ایک قریشی کا بھائی بنا دیا یعنی ایک غلام اپنے سردار کے ساتھ مل کر ایک جگہ بیٹھتا ہے، ایک جگہ

نماز پڑھتا ہے، ایک جگہ کھانا کھاتا ہے، یہ کس طرح ممکن ہوا؟ یہ قوم پرستی اور لسان پرستی سے نہیں ہوسکتا بلکہ یہ آئیڈیالوجی سکھاتی ہے۔ آئیڈیالوجی دونوں کو ایک کر دیتی ہے۔ جس کے اندر ہوا بھری ہوئی ہے یہ آئیڈیالوجی اس کے غبارے سے ہوا نکال دیتی ہے اور جو پسا ہوا ہے اس کو اٹھاتی ہے اور دوسرے کے درجے پر پہنچا دیتی ہے کہ تم بھی اسی جیسے ہو۔

انبیاء علیہم السلام الٰہی آئیڈیالوجی لے کر آئے۔ وحدت کا منشور لے کر آئے کہ بکھری ہوئی انسانیت کو ایک کر دیں۔ کیا انبیاءؑ فقط وحدت کی نصیحتیں کرتے یا اس کے لئے عملی منشور چاہئے تھا اور وہ منشور وہی تھا جو آسمانی کتابوں یا شریعت و دین کی شکل میں آیا۔ یہ چیز اتحاد کا باعث ہے لیکن ہم نے آئیڈیالوجی چھوڑ دی ہے اور دوسری چیزیں اپنالی ہیں۔ حتیٰ ہم نے مذہب کی بنیاد کو نہیں تھاما اور مذہب کی ثانوی چیزوں کو اہمیت دی۔

واجبات اور مستحبات میں فرق ہے مثلاً وضو کے مستحبات بھی ہیں اور واجبات بھی۔ غسلین و مسحین یعنی امامیہ کے نزدیک چہرہ اور دونوں بازو دھونا پھر سر اور پاؤں کا مسح کرنا واجب ہے۔ اہل سنت کے نزدیک پاؤں دھونا بھی واجبات میں سے ہے۔ فقہی آراء مختلف ہیں۔ مستحبات میں کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، استنشاق کرنا شامل ہے۔ لہٰذا اگر ایک آدمی آپ کی طرح کلی نہیں کر رہا یا کر ہی نہیں رہا لیکن باقی واجبات انجام دے رہا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ اس سے دور ہوئیں اور اس کے پیچھے نماز ہی نہ پڑھیں چونکہ اس نے کلی نہیں کی یا اس کے ساتھ سفر ہی نہ کریں کہ اس نے ناک میں پانی نہیں ڈالا۔ مستحبات پر جھگڑا نہ کریں بلکہ واجب چیزوں کو اہمیت دیں۔ لیکن ہماری عادت یہ بن گئی ہے کہ جیسے عرب سانڈے پر لڑتے تھے ہم بھی اسی طرح چھپکلی پر لڑنے والے ہیں۔ مذہبی دنیا کے جھگڑے اسی طرح کے چھوٹے چھوٹے جزئیات کے اوپر ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے مذہب کو بعنوانِ آئیڈیالوجی قبول نہیں کیا بلکہ بعنوانِ جنتر قبول کیا ہوا ہے۔ جنتری جنت سے نہیں آئی بلکہ جنتر سے آئی ہے۔ چار کتابیں آسمان سے اتری ہیں اور جنتری ہندوستان سے اتری ہے۔ ہم نے قرآن و مذہب کا رنگ بھی جنتری والا بنا دیا ہے۔

قرآن، آئیڈیالوجی لے کر آیا ہے نہ کہ زائچے اور وہ چیزیں لے کر جو آج قرآن کے ساتھ ہو رہی ہیں۔

وحدت کیلئے آئیڈیالوجی کی اہمیت

قرآن کے اوپر اتفاق اسی لئے نہیں ہوتا کیونکہ ہم اس کو آئیڈیالوجی کی کتاب ہی نہیں سمجھتے اور اس کے کسی حکم پر کان نہیں دھرتے مثلاً قرآن کہتا ہے ''لاتفرقوا'' لیکن کوئی اثر ہی نہیں ہوتا اور اس کے باوجود تفرقہ کرتے ہیں۔ دوسروں نے سائنس و ٹیکنالوجی پر کام کیا ہے اور چاند پر جا پہنچے ہیں لیکن ہم نے تفرقہ پر کام کیا ہے اور تفرقہ کی معراج پر جا پہنچے ہیں۔ آج کوئی قوم تفرقہ میں ہمارا مقابلہ نہیں کرسکتی لہٰذا جس کو بھی اپنے ملک میں تفرقہ کرنا ہوتا ہے اس کو پاکستان ضرور آنا پڑتا ہے۔ وہ اپنے اسٹوڈنٹ پاکستان بھیجتے ہیں تاکہ یہاں سے ٹریننگ لے کر پھر وہاں جا کر تفرقہ ڈالیں۔ الٰہی آئیڈیالوجی پر عمل پیرا نہ ہونا اس بات کا سبب بنا ہے کہ مسلم ممالک باوجود اس کے کہ قدرتی وسائل اور ٹیکنالوجی سے مالا مال ہیں لیکن آپس میں تفرقہ کے سبب اغیار کے سامنے ذلیل وخوار بنے ہوئے ہیں۔

قدرتی وسائل اقتصادی ہتھیار

آج اگرچہ مسلم ممالک کے پاس ویلتھ (Wealth)، پٹرولیم (Petroleum)، فوسل فیولز (fossil fuels)، ٹمبرز (Timbers) اور دیگر نیچرل ریسورسز (Natural resources) وافر مقدار میں ہیں لیکن یہ انہی ممالک کی غلامی کر رہے ہیں جو خود ان کے محتاج ہیں۔ روس باوجود اینکہ بہت سے شعبوں میں ایک طاقتور ملک ہے لیکن اُس کے پاس گیس کا ایک بڑا ذخیرہ بھی موجود ہے جو وہ یورپی ممالک کو فراہم کرتا ہے۔ جب بھی روس کو یورپ سے کوئی بات منوانی ہوتی ہے یا اپنے خلاف ہونے والے اقدامات کا توڑ کرنا ہوتا ہے تو وہ اُن کی گیس کاٹ دیتا ہے۔ گزشتہ چند سالوں سے وہ یہ حربہ مسلسل آزما رہا ہے۔ سخت سردیوں کے زمانے میں گیس کی فراہمی منقطع کر کے روس اہلِ مغرب کو شدید پریشان کر چکا ہے اور اپنی مرضی کے تمام منصوبے اُن سے تصویب کروا چکا ہے۔ چونکہ یورپ برفانی علاقہ ہے اور ان کے پاس ایندھن نہیں ہے لہٰذا اگر ان کے پاس گیس نہ ہو تو وہ مر جائیں گے کیونکہ مائنس ٹمپریچر میں زندگی بسر کرنا ممکن نہیں ہے۔ روس کے ہاتھ میں یورپ کی رگ ہے اور وہ اس سے بخوبی استفادہ کرتا ہے۔ اُسے معلوم ہے کہ میرے پاس یہ نقطہ قوت ہے اور میں اس سے یہ فائدہ اُٹھا سکتا ہوں۔ اسی طرح پوری دُنیا کی معیشت کی رگِ حیات اس وقت مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے اور وہ تیل کی

قوت ہے جوکہ مڈل ایسٹ میں یکجا موجود ہے۔ اگر خلیج فارس اور اُس سے ملحقہ ممالک ایک دن مل کر طے کرلیں کہ ہم نے تیل نہیں بیچنا تو اُس دن دُنیا کی معیشت میں ایک بھونچال آجائے گا اور معیشت اتنی بگڑ جائے گی کہ سب تباہ ہو جائیں گے۔

دنیا کی بڑی بڑی معیشتی طاقتیں جیسے چائنہ، یورپین یونین، امریکہ اور جاپان وغیرہ جو آج اپنی اقتصادی قوت کی بنیاد پر دُنیا کو تسخیر کئے ہوئے ہیں یہ سب کے سب نہ صرف ایک دن میں بیٹھ جائیں گی بلکہ ختم ہو جائیں گی، لیکن مسلمان نہ صرف اس طاقت کو استعمال نہیں کرتے بلکہ سوچ بھی نہیں سکتے کیونکہ ان کے اندر عزت اور احساسِ عزت نہیں ہے بلکہ ذلت آ گئی ہے اور جو قوم ایک دفعہ ذلت کا طوق اپنی گردن میں ڈال لے اُس کو کوئی بھی آسودگی و عزت نصیب نہیں کرسکتا۔ امام خمینیؒ نے پہلے دن سے کہا ہوا تھا کہ دُنیا کی اقتصاری رگِ حیات ہمارے ہاتھ میں ہے لہٰذا ہم اس سے استکباری و استعماری مقاصد کیلئے نہیں بلکہ اپنی بقاء، عزت، شرف، دفاع اور تحفظ کیلئے استفادہ کریں۔

عزت کا پاس رکھیں

خداوندِ عالم قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ......[1]

حالانکہ ساری عزت تو اللہ، اس کے رسول اور مومنین کیلئے ہے......

آج روئے زمین پر ایک ارب مسلمانوں کے پاس ہر چیز موجود ہے لیکن تفرقہ کی وجہ سے عزت واحترام نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج ان کے مقدسات کی توہین ہوتی ہے۔ آج مسلمان حکمران اپنی اُمتوں کو اُس نقطے پر لے گئے ہیں جو امت مسلمہ کا حق نہیں تھا مثلاً پاکستان کا چپہ چپہ نا امن ہے، مسلمان کے ہاتھوں مسلمان کا خون بہہ

[1]......(سورۂ منافقون، آیہ ۸)

رہا ہوتا اور پاکستان بدنام ترین ملک کے طور پر دنیا میں جانا جا رہا ہے۔ سبز پاسپورٹ کو دیکھتے ہی فوراً اُن کے ذہن میں کسی اسمگلر یا دہشت گرد کا خیال آتا ہے۔ اگر ہم پروف (Proof) دے دیتے ہیں تو پھر بھی ہمیں زیرِ نظر ضرور رکھتے ہیں کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ پاکستانی ہو کر یہ دہشت گرد نہ ہو یا کوئی غلط کام نہ کر رہا ہو۔ پاکستانی قوم کا یہ چہرہ مفاد پرست حکمرانوں اور سیاسی پارٹیوں نے پیش کیا ہے حالانکہ پاکستانی ایسے نہیں ہیں۔ امام خمینیؒ نے شہید حسینیؒ کی شہادت کی مناسبت سے ملت پاکستان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ملت غیور و شریف پاکستان یعنی پاکستانی قوم شرافت مند و باغیرت قوم ہے۔

کسی زمانے میں یہ راگ الاپا جا رہا تھا کہ مسلمانوں کی ذلت و رسوائی کا سبب یہ ہے کہ ان کے پاس ٹیکنالوجی نہیں ہے لیکن آج الحمدللہ مسلمانوں کے پاس سب کچھ موجود ہے۔ آبادی اور تعدادِ نفوس بھی دنیا میں برتری کیلئے ایک فیکٹر (Factor) سمجھا جاتا ہے اور یہ بھی مسلمانوں کے پاس موجود ہے۔ اتنی ٹیکنالوجی اور عظیم تعداد کے باوجود بھی آج مسلمان ذلت کے ساتھ موجود ہیں۔

اسی طرح الیکشن کے زمانے میں یہ رسوائے زمانہ مغربی لوگ آتے ہیں اور مختلف سیاستدانوں سے ملتے ہیں۔ کیا دنیا کے کسی ملک میں غیر ملکیوں کو اتنی کھلی چھٹی دی جاتی ہے کہ جہاں پر الیکشن ہوئے ہوں اور اس الیکشن میں ابھی حکومت نے ٹھیک طرح سے نظم و ضبط بھی قائم نہ کیا ہو کہ ایسے میں ڈپلومیٹ آجائیں اور مختلف سیاستدانوں سے ملاقاتیں کرنے لگیں؟ دنیا کا کوئی ضعیف ترین ملک بھی اس کی اجازت نہیں دیتا۔

امام خمینیؒ فرماتے تھے کہ مسلمانوں کی عزت اس میں ہے کہ جب مسلمانوں کی تقدیر کے فیصلے مسلمانوں کے اندر ہوں یعنی ان کی اپنی پارلیمنٹ اور اقتدار کے ایوانوں میں ہوں، واشنگٹن اور برطانیہ میں نہ ہوں۔ جب تک ہماری تقدیر کے فیصلے واشنگٹن اور برطانیہ میں ہوتے ہیں، ہم ذلیل ہیں۔

اس کے علاوہ آج عقلمندوں کی ایک مشکل یہ ہے کہ ان کو اپنا رول ادا کرنا نہیں آتا یا ادا کر نہیں رہے۔ یہ صرف اس وجہ سے بیٹھے ہوئے ہیں کہ ہم کسی کو نہیں چھیڑتے۔ اقبالؒ نے بھی ''جوابِ شکوہ'' میں اسی کی ترجمانی کرتے ہوئے فرمایا کہ

جن کو آتا نہیں دنیا میں کوئی فن تم ہو

نہیں جس قوم کو پروائے نشیمن تم ہو

بجلیاں جس میں ہوں آسودہ وہ خرمن تم ہو

بیچ کھاتے ہیں جو اسلاف کے مدفن تم ہو

ہو نکو نام جو قبروں کی تجارت کرکے

کیا نہ بیچو گے جو مل جائیں صنم پتھر کے......[1]

اسی طرح اقبالؒ فریاد کرتے ہیں:

ہر کوئی مستِ مئے ذوقِ تن آسانی ہے

تم مسلماں ہو! یہ اندازِ مسلمانی ہے!

حیدری فقر ہے نے دولتِ عثمانی ہے

تم کو اسلاف سے کیا نسبتِ روحانی ہے؟

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہوکر

اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہوکر......[2]

ہم انہی کے بعد آنے والی نسل ہیں اور آج ہماری تعداد، ثروت، علم وٹیکنالوجی ان سے زیادہ ہے لیکن پھر بھی رسوا ہیں۔ وہ بوریا نشین ہوکر معزز تھے اور ہم کاخ نشین ہوکر بھی ذلیل ورسوا ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہیں قرآنی اصولوں کا پاس تھا۔ انہیں معلوم تھا کہ ہماری عزت کا راز ہماری وحدت کے اندر موجود ہے لیکن اُمت اور اَخلاف یہ نکتہ بھول گئے اور وہ دوسروں کے ہاتھوں میں کھلونے بن گئے لہٰذا انہوں نے ان سے عزت واحترام چھین لیا۔

عزت کا پاس رکھیں

....

[1]......(بانگِ درا، صفحہ ۲۱۳)　　[2]......(بانگِ درا، صفحہ ۲۱۶)

اسلامی دنیا نا امنی کی لپیٹ میں

اسی طرح آج دُنیا کے کسی خطہ میں اتنی نا امنی نہیں ہے جتنی اسلامی دنیا میں نظر آتی ہے۔ عموماً سب سے پسماندہ خطہ افریقہ کو سمجھا جاتا ہے جس کی زمین نعمتوں سے مالا مال ہے لیکن استکباری، استعماری اور شیطانی طاقتوں نے اُس خطہ کو بڑا پسماندہ رکھا ہوا ہے جس کے نتیجہ میں وہاں جہالت، بھوک، افلاس غربت اور فقر ہے۔ لیکن خطۂ افریقہ میں بھی اتنی نا امنی و افراتفری نہیں ہے جتنی مسلمان ممالک میں ہے۔ فقط مشرق وسطیٰ (Middle East) کو نا امنی کا شکار کیا کیوں کیا گیا ہے؟ مشرق وسطیٰ میں مسلمانوں کے قبلۂ اول میں یہودیت کا اسرائیل نامی ناسور کھڑا کیا گیا تا کہ یہ اُمت کے پیکر کے اندر دکھتا و رستا رہے اور ساری اُمت ہمیشہ کیلئے درد میں مبتلا رہے۔ کیوں فقط پاکستان کے اندر نا امنی ہے؟ آیا ساری دُنیا کے اندر شیعہ وسنی نہیں رہتے لیکن پاکستان میں کیوں خصوصیت کے ساتھ شیعہ وسنی جھگڑا ہوتا ہے۔ عراق میں امن کی حالت بھی ناگفتہ بہ ہے۔ مشرق وسطیٰ مسلمان ایریا ہے اور اس خطہ کو اسی لئے انتخاب کیا گیا ہے کہ یہاں اسلامی سرزمینیں ہیں اور بسنے والے مسلمان ہیں۔ لاطینی امریکہ، افریقہ، یورپ اور خود امریکہ کے اندر یہ حالات کیوں نہیں ہیں؟ انہوں نے عمداً یہ منصوبہ بنایا ہے کہ ہمیں اسلام اور اُمتِ مسلمہ کو نابود کرنا ہے۔

شیعیت کا خطرہ، ایک شیطانی سازش

اپنے منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کیلئے بش نے کچھ عرصہ پہلے مشرق وسطیٰ کا دورہ کیا اور ایک عربی ملک کے اندر بیٹھ کر اعلان کیا کہ ہم عربوں کے ساتھ مل کر ایران کے خطرے کا مقابلہ کریں گے۔ یعنی مسلمان ملک کے اندر بیٹھ کر دوسرے مسلمان ملک کو ان کیلئے خطرہ کہہ رہا ہے تا کہ عربوں کا تیل اور ریال لے کر انہیں اپنا اسلحہ فروخت کرے۔ عرب ممالک کے اسلحہ ڈپو ناکارہ اسلحہ سے بھرے ہوئے ہیں جو شاید چلیں بھی نہیں۔ یہ عرب حکمران ہمارے ملک کے حکمرانوں کی طرح نااہل، خیانت کار، احمق اور شہوت ران ہیں۔ میں عرب عوام کی بات نہیں کر رہا بلکہ عرب حکمرانوں کی بات کرتا ہوں کہ ان سے بڑھ کر بے حیا و بے شرم دُنیا کے اندر کوئی نہیں ہے۔ اگر امریکہ ان

کے ملک کے اندر آ کر ان سے کہہ رہا ہے کہ ہم تمہارے ساتھ مل کر ایران کا مقابلہ کریں گے تو ان بے شرموں نے اتنی بھی جرأت نہیں کی کہ اس کو کہتے ہمارا دشمن اسرائیل ہے جس نے ہمارے قبلۂ اول پر قبضہ کیا ہوا ہے۔

دشمن نے شیعہ اور سنی کی جنگ کا اعلان کیا ہے اور شیعی ہلال سے عربوں کو ڈرایا ہے۔ انہوں نے شیعی ہلال کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ ہلال ابتدائی چاند کو کہتے ہیں اور جب پورا ہوجاتا ہے تو اُس کو بدر کہتے ہیں۔ دشمن نے شیعہ کو خطرہ بنا کر پیش کیا ہے کہ شیعی ہلال طلوع ہو رہا ہے۔ وہ شیعی ہلال یہ ہے کہ شیعہ اکثریت والے ممالک ایران، عراق، بحرین اور اسی طرح لبنان جو نقشہ میں ایک ہلال یعنی پہلی کے چاند کی شکل کو ظاہر کر رہے ہیں یہ مضبوط ہو رہے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ اس طرح دائرہ مکمل کر کے بیچ میں غیر شیعہ کو نابود کر دیں۔ ان کے پروپیگنڈے کے مطابق جغرافیائی طور پر خلیج فارس کے اردگرد بننے والا یہ ہلالی حلقہ عربوں اور سنیوں کو ہڑپ کر جائے گا لہٰذا دشمن نے عربوں کو ورغلایا کہ کویت، سعودی عرب اور UAE کا تیل جانے والا ہے چونکہ تیل کے علاقوں پر شیعہ کا قبضہ ہونے والا ہے۔ شیعہ تقویت میں آ رہے ہیں، ایران میں شیعہ قوت میں آ گیا ہے، عراق میں شیعہ قوت میں آ گیا ہے، بحرین میں شیعی طاقت موجود ہے، لبنان میں حزب اللہ موجود ہے۔ پھر کمال بے شرمی سے بش ایک عربی ملک میں بیٹھ کر ان کے ساتھ پریس کانفرنس کرتا ہے کہ ہم عربوں کے ساتھ مل کر ایران کے خطرے کا مقابلہ کریں گے۔

عرب حکمرانوں کی وسوسہ زدگی اور شیعوں کا کردار

نتیجتاً یہ نااہل واحمق عرب حکمران اُن کے شیطانی وسوسے میں آ گئے اور انہوں نے بھی شیعہ کو اپنے لئے خطرہ سمجھ لیا۔ میں اس لئے ان کو احمق کہہ رہا ہوں کیونکہ ساٹھ سال سے زائد عرصہ سے اسرائیل ان کا منہ چڑا رہا ہے اور قبلۂ اول سمیت ان کی سرزمینوں پر قبضہ کر کے بیٹھا ہوا ہے لیکن اس کے خلاف سوچنے اور بیان دینے کی جرأت بھی نہیں کرتے۔ انہوں نے مل کر تین مرتبہ اسرائیل کے خلاف جنگ کی اور ہر دفعہ اپنی ہی سرزمین اُس کے ہاتھوں دے بیٹھے لیکن آج انہوں نے دیکھ لیا کہ دو ہزار شیعہ جوان اُٹھے اور انہوں نے ساٹھ سالہ ذلت ورسوائی کا انتقام

لے کر اسرائیل کی ناک خاک میں رگڑ دی۔ حالانکہ فلسطین میں تو کوئی شیعہ نہیں رہتا، حماس تو شیعہ گروہ نہیں ہے، غزہ کے اندر شیعہ نہیں ہے، صرف حزب اللہ شیعہ ہے لیکن اس شیعہ نے اپنے سنی بھائی کے دفاع کیلئے اُس جنگ کا رُخ اپنی طرف موڑ دیا۔ انہوں نے اسرائیل کو بتادیا کہ اے اسرائیل! اب وہ خواب دیکھنا چھوڑ دے کہ جب تیرے مقابلہ میں نااہل اور عیاش حکمران ہوا کرتے تھے بلکہ اب تیرے مقابلہ میں پیروئے حسینؑ ابن علی علیہ السلام آئے ہیں۔ اگر شیعہ عربوں کیلئے خطرہ ہوتے تو اتنا بڑا خطرہ کبھی مول نہ لیتے بلکہ شیعہ ان کی عزت و آبرو کو بچانے والے ہیں۔ گریٹر اسرائیل کے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کیلئے دشمن نے مسلمانوں کے درمیان اور بھی بہت سے جال بچھائے ہوئے ہیں جن کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔

شیعہ جو قدس کو آزاد کرانا چاہتے ہیں، جو حماس کو بچانے کے لئے اپنے اوپر جنگ لے آتے ہیں، حزب اللہ نے فلسطین و غزہ کی جنگ کو لبنان میں منتقل کیا لیکن دشمن نے نہ صرف ان قربانیوں کو نظر انداز کیا بلکہ ایسے نام نہاد مفتی پیدا کئے جو فتویٰ سے مفتی نہیں ہیں بلکہ مفت کے مفتی ہیں، ان مفتیوں نے فتویٰ دیا کہ حزب اللہ کے لئے دعا بھی نہ کرو کیونکہ یہ شیعہ ہیں۔ لیکن صد آفرین اُن علمائے مصر اور دوسرے علماء کو کہ جنہوں نے نہ صرف یہ کہا کہ دعا کریں گے بلکہ کہا کہ اگر آج حزب اللہ چاہے اور اعلان کرے تو ہم لشکر بنا کر اس کی مدد کے لئے جانے کو تیار ہیں کیونکہ یہ جنگ شیعہ کی جنگ نہیں ہے بلکہ اسلام کی صیہونزم و یہودیت کے ساتھ جنگ ہے اور ہم اس جنگ میں برابر کے شریک ہیں، پھر انہوں نے حق بھی ادا کیا۔

ان کے سروے کے مطابق اس وقت مڈل ایسٹ میں سب سے محبوب شخصیت احمدی نژاد اور اس کے بعد سید نصر اللہ ہیں۔ چنانچہ آج عرب عوام میں کوئی جوان ایسا نظر نہیں آئے گا جس کے گھر یا گاڑی میں سید مقاومت کی تصویر نہ لگی ہوئی ہو۔ اس سروے میں اکثریت اہل سنت کی ہے۔ وہ بیدار ہیں اور انہیں پتہ ہے کہ کون ہمارا خیر خواہ ہے اور کون ہمیں فروخت کر رہا ہے؟ پاکستان کے اندر بھی بیداری کی کرن اور لہر موجود ہے لیکن اس بیداری کے ساتھ ایک چیز کا اضافہ کرنا بہت ضروری ہے اور وہ وہی وحدت ہے۔

القاعدہ، شیطانی تخیلاتی و سیاسی چڑیل

اپنے منصوبوں اور سازشوں کو جاری رکھتے ہوئے دشمن نے مسلمانوں کے اندر القاعدہ کے نام سے ایک ناسور بنایا ہے اور اُسے مسلمان کشی کا ٹاسک (Task) دیا ہے۔ اس گروہ کو یہ مختلف کاموں کیلئے استعمال کر رہے ہیں۔ جس شیطانی ذہن نے بھی یہ گروہ ڈیزائن کیا ہے اُس نے بڑی مہارت کے ساتھ ایک معمولی خرافاتی سوچ سے فائدہ اٹھایا ہے۔ میں آپ کی دیکھی بھالی ایک چیز کی طرف اشارہ کرتا ہوں۔ چڑیل کا تصور پاکستان کے اندر زیادہ ہے چونکہ ہمارا کلچر اور ماحول ذرا خرافاتی ہے۔ ہم بیماریوں کو بھی کہتے ہیں کہ جن، بھوت، چڑیل یا سایہ آ گیا ہے اور اسی طرح گھروں میں دیگر مشکلات آتی ہیں تو لوگ ان کے حل کیلئے بابوں کے پاس چلے جاتے ہیں۔ بابا خود اپنی اقتصادی مشکلات کو حل کرنے کیلئے آپ کا منتظر بیٹھا ہوتا ہے۔ چنانچہ وہاں جانے سے آپ کی مشکل حل ہو نہ ہو لیکن بابا کی مشکل حل ہو جاتی ہے۔ بابا کا بجلی کا بل ادا ہو جاتا ہے اور آپ کی بجلی کٹ جاتی ہے۔

یہ خرافات ہیں جو معاشرے کے اندر رائج ہیں۔ انہی خرافات میں سے ایک خرافاتی وجود چڑیل کا ہے۔ چڑیل ایک خیالی مخلوق ہے اور اُس کا کوئی وجود ہمارے ذہن سے باہر نہیں ہے۔ یہ بزدلوں اور ایک چوروں کو بہت نظر آتی ہے مثلاً فرض کریں کہ چور آپ کا جوتا اُٹھا کر لے جاتا ہے چنانچہ آپ جوتا ڈھونڈ رہے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد چور واپس آ کر آپ سے پوچھتا ہے کہ کیا ہوا؟ آپ کہیں گے جوتا اچانک غائب ہو گیا ہے۔ وہ کہے گا کہ کل میرا بھی غائب ہو گیا تھا لیکن میں نے وہاں الٹے قدموں کے نشان دیکھے تو ان کا تعقب کیا لیکن وہ نشانات آگے موجود نہ تھے پس سمجھ گیا کہ چڑیل اُٹھا کر لے گئی ہے۔ تیسرا آدمی جوان کی باتیں سن رہا ہوتا ہے کہتا ہے کہ میری بھینس بھی گم ہو گئی تھی؟ چور کہتا ہے کہ وہ بھی چڑیل لے گئی تھی۔ چوروں کیلئے چڑیل اور دیگر خرافات بہترین چیزیں ہیں تا کہ تھانے نہ جانا پڑے چونکہ چڑیل کے خلاف کوئی مقدمہ قائم نہیں ہوتا۔ بہت سارے کیسز ایسے تھے کہ اگر آپ ان کا مقدمہ درج کراتے تو یہ چیزیں آپ کے پاس لوٹ آتیں لیکن آپ نے مقدمہ اس لئے نہیں کیا چونکہ چور نے خود کہا تھا کہ یہ چڑیل لے گئی ہے۔

دشمنوں نے جب دیکھا کہ یہ خرافاتی لوگ جب چڑیل سے اتنا ڈرتے ہیں تو کیوں نہ عالمِ اسلام کے

اندر چڑیل نما کوئی گروہ بنایا جائے جس کو دیکھ کر لوگ اسلام سے ہی ڈر جائیں۔ اور شاید چڑیل کا تصور بھی انہوں نے ہم ہی سے لیا ہے کہ اس کا ان کی زندگی میں بہت عمل دخل ہے۔

چڑیل کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ہر جگہ ہوتی ہے۔ ابھی یہاں ہے تو وہاں بھی ہے۔ جہاں جہاں مسلمان ہیں وہاں پر چڑیل ضرور موجود ہوتی ہے۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ چڑیل ہوتی بھی ہے اور نہیں بھی ہوتی۔ اس طرح چڑیل کے نام پر بہت سارے کام کئے جاسکتے ہیں لہٰذا انہوں نے القاعدہ کے نام سے سیاسی چڑیل بنائی ہے۔ جو جرم و جنایت یہ خود کرتے ہیں اس کے بارے میں کہتے ہیں یہ القاعدہ نے کیا ہے۔ القاعدہ اگر ہے تو ان کا اپنا بنایا ہوا گروہ ہے اور اگر نہیں ہے تو ان کی بنائی ہوئی چڑیل ہے۔ اس کا نام لے کر کبھی شیعہ مسجد میں بم دھماکہ ہوتا ہے کبھی سنی مسجد میں، کبھی حرمِ سامرہ کو شہید کر دیتے ہیں تو کبھی بغداد کے اندر دھماکہ ہوتا ہے۔ مختلف جگہوں کے دھماکوں کی وجہ القاعدہ کو قرار دیتے ہیں۔

عراق میں ان کے ڈھائی لاکھ فوجی کیا کر رہے ہیں؟ اگر دہشت گرد اتنے آزاد ہیں تو یہ وہاں کیا لینے آئے ہیں؟ سامرہ اور اس کے گرد و نواح میں ان کے تقریباً پچاس ہزار فوجی موجود ہیں لیکن انہی کی موجودگی میں دہشت گردوں نے حرمین عسکرین علیہما السلام کا گنبد شہید کر دیا۔ اُس کے گرد بارود باندھنے کیلئے بھی کم از کم بارہ گھنٹے چاہیے تھے لیکن یہ پچاس ہزار فوج کہاں تھی؟ اس نے حرم کا دفاع کیوں نہیں کیا؟ کیونکہ یہ ان کے منصوبے میں شامل تھا کہ یہ حرم مسمار ہوگا تو اُس وقت شیعہ سنی تفرقہ پھیلے گا۔ صدام بڑا جنایتکار اور ظالم ترین انسان تھا جس نے تیس سال حکومت کی۔ آج یہ کہتے ہیں کہ یہ حرم صدام کے حامیوں نے خراب کئے ہیں اگر صدام چاہتا تو اپنے دور میں کربلا، نجف، سامرہ و کاظمین کو شہید کروا سکتا تھا۔

انہیں اسرائیل کو وسعت دینے کیلئے مشرقِ وسطیٰ میں شیعہ اور سنی جنگ کروانی ہے تاکہ اپنے شوم مقاصد حاصل کرسکیں اور ان کا وہ دیرینہ خواب پورا ہو جائے۔ اس تفرقہ کے پیچھے نقشے و منصوبے موجود ہیں اور آج جو بھی تفرقہ کی طرف جائے گا وہ دراصل یزید زمان کے نقشوں و منصوبوں کا ساتھ دے رہا ہے اور اُس کی حمایت کر رہا ہے۔ بعض لوگ اپنی بیوقوفی کی وجہ سے نہ چاہتے ہوئے بھی وہی کر رہے ہیں جو دشمن چاہ رہے ہیں۔ وہ

ماحول ایسا بنا رہے ہیں کہ ہم تفرقے میں الجھ جائیں اور اس تفرقہ کا فائدہ اٹھا کر وہ سنی و شیعہ دونوں کو نابود کرنا چاہتے ہیں لہٰذا اپنے اس منصوبے پر Phase wise کام کر رہے ہیں۔ یہ تفرقہ و انتشار کو ہر اسلامی ملک میں پھیلانا چاہ رہے ہیں اور ایسے کاموں کی شروعات کیلئے انہیں پاکستان کی سرزمین آمادہ تر نظر آتی ہے۔

پاکستان بحیثیت لیبارٹری و نرسری

آج دنیائے اسلام کی مشکلات پاکستان سے شروع ہوتی ہیں اور پھر باقی دنیا میں پھیل جاتی ہیں۔ پاکستان مشکلات کی فرنٹ لائن (Front Line) بنا ہوا ہے۔ یہاں ایسی فیکٹریاں اور کارخانے نصب ہیں جو مشکلات کو ایکسپورٹ (Export) کرتے ہیں۔ آج پاکستان منحوس نقشوں، فسادی تھیوریوں اور شیطانی سازشوں کیلئے لیبارٹری (Laboratory) بن گیا ہے۔ پاکستان دشمنانِ اسلام کیلئے تفرقہ کی بہترین لیبارٹری (Laboratory) ہے۔ وہ یہاں تفرقہ و دہشت گردی کا تجربہ کر کے اسے ساری دنیا میں Apply کرتے ہیں۔ انہیں اگر اسلحہ آزمانا ہو تو یہاں آزماتے ہیں، فارمولا آزمانا ہو تو یہاں آزماتے ہیں اور جب کامیاب ہو جاتا ہے تو دوسرے ممالک مثلاً عراق و لبنان لے جاتے ہیں اور لبنان میں کامیاب ہوتا ہے تو ایران لے جاتے ہیں۔ مثلاً اگر کوئی دوا بنانی ہے تو پہلے اس کو چند مریضوں پر ٹیسٹ کیا جاتا ہے اور اگر تجربہ کامیاب رہے تو دوسرے مریضوں کو بھی وہ دوا پلائی جاتی ہے۔ دشمن نے مسلمانوں کے اندر تفرقہ ڈالنے کے لئے پاکستان کو بعنوانِ تجربہ گاہ استعمال کیا ہے۔

اس وقت مڈل ایسٹ (Middle East) دشمن کی سازشوں کا محور بنا ہوا ہے جس کیلئے انہوں نے تفرقہ کا بڑا خطرناک راستہ منتخب کیا ہے۔ مڈل ایسٹ کے اندر دشمن کا منصوبہ یہ ہے کہ وہ پاکستان کو لیبارٹری بنا کر اور یہاں سے خام مال تیار کر کے ایران، سوریا (شام) اور سعودی عرب کو تباہ کرنا چاہتا ہے جبکہ عراق، افغانستان اور لبنان و فلسطین پہلے ہی جلایا ہوا ہے۔ ساری دنیا میں شیعہ سنی اکٹھے رہتے ہیں۔ سعودی عرب، ایران، عراق، لبنان اور انڈیا میں شیعہ سنی اکٹھے رہتے ہیں لیکن پاکستان کے شیعہ سنی الگ ہی ہیں۔ یہاں کا شیعہ بھی نرالا ہے اور سنی بھی

نرالا ہے۔ ساری دنیا میں سنی شیعہ کوئی بھی اس طرح سے ایک دوسرے کی جان کے در پے نہیں ہوتا لہٰذا دشمن کو یہ سرزمین تفرقہ کیلئے زرخیز نظر آتی ہے۔

لہٰذا اس وقت دشمن نے پاکستان کو نرسری (Nursery) بنایا ہوا ہے۔ کچھ فصلیں ایسی ہوتی ہیں جن کی پہلے کسی جگہ پنیری لگائی جاتی ہے پھر وہ پنیری اکھاڑ کر ایک ایک پودا الگ لگایا جاتا ہے تا کہ وہ خوب پھلے پھولے۔ یہ پاکستان آکر اپنا مذموم بیج بوتے ہیں اور پھر اس کی پنیری اگاتے ہیں پھر اسے اٹھا کر دوسری جگہوں پر کاشت کرتے ہیں۔ لہٰذا اگر آج اُمتِ مسلمہ اور خصوصاً پاکستانی قوم بیدار نہ ہوئی اور اس نے آپس میں اتحاد و بھائی چارے کی فضا قائم نہ کی تو پھر ہمیں عمر بھر کفِ افسوس ملنے کی فرصت بھی نہیں ملے گی۔ ابھی ہم خوش ہیں کہ ہماری باری نہیں آئی لیکن یہ خوشی دیرپا نہیں ہوتی۔ جب سیلاب کی وجہ سے بالائی حصے ڈوب رہے ہوتے ہیں تو نشیب میں بیٹھے ہوؤں کو خوش نہیں ہونا چاہیے کیونکہ ایک رات بھی نہیں گزرے گی کہ یہ سیلابی ریلہ ہمارے گھر کو بھی ملیامیٹ کر کے خش و خاشاک بنا کر رکھ دے گا۔

پاکستان میں بے وقوفوں کی حکمرانی

ہمارے ملک کے حکمران اپنے آپ کو عقلِ کل سمجھتے ہیں لیکن ان کی غفلت، حماقت، سفاہت و بیوقوفی کی وجہ سے بوئی ہوئی فصل آج پاکستانی قوم کاٹ رہی ہے۔ انہوں نے اپنے ذاتی مفادات کیلئے ہر چیز داؤ پر لگا دی ہے اور آج ملک کو یہاں تک لا پہنچایا کہ اب نہ فوج، رینجرز، پولیس، سیاستدان لیڈرز، عوام، مذہبی و تعلیمی مراکز اور کوئی چیز محفوظ نہیں ہیں۔ پاکستان کے اندر آج تک بے وقوفوں نے حکومت کی ہے اور بے وقوفیاں بھی دکھائی ہیں۔ مجھے سردار بہادر کا ایک خوبصورت شعر یاد آتا ہے کہ

یہ باغ نہیں اب باغ رہا سب اہلِ چمن یہ جان گئے
ہر شاخ پہ اُلو بیٹھا ہے انجامِ گلستاں کیا ہوگا

باغ میں بلبل ہو تو وہ باغ ہوتا ہے کیونکہ ہر ٹہنی پر بلبل چہکتی ہے اور سننے والوں کو لطیف نغمے سننے کو ملتے

ہیں لیکن اگر ایک خوبصورت باغ کی ہر شاخ پر اُلو جا بیٹھیں تو وہ باغ ڈراؤنا اور وحشت ناک ہو جاتا ہے۔ یہ باغ پاکستان تھا لیکن اس کی سیاسی، مذہبی، فوجی اور بیوروکریسی کی شاخوں پر ہر طرف الو بیٹھے ہوئے ہیں۔

ناعاقبت اندیش، نااہل، بیوقوف اور احمق حکمرانوں نے اپنے ذاتی مفادات کی خاطر اس ملک وقوم کو آگ کے اندر جھونک دیا ہے۔ یہ اپنے اقتدار کی خاطر تو سب کچھ کرتے ہیں لیکن احترامِ رسول ﷺ کی خاطر کوئی قدم نہیں اٹھاتے۔ اگر ان حکمرانوں میں سے کسی حکمران کے بارے میں کوئی ملک بیان دے دے کہ پاکستان میں جمہوریت نہیں آمریت ہے یا اگر کوئی یہ کہے کہ الیکشن میں دھاندلی ہوئی ہے تو یہ فوراً اپنا سفیر واپس بلا لیتے ہیں اور اس ملک سے اپنے رابطے کاٹنا شروع کر دیتے ہیں۔ اگر آپ کو آمر کہا جائے تو آپ کو برا لگتا ہے لیکن اگر آپ کے رسول ﷺ کو معاذ اللہ دہشت گرد کہا جائے تو آپ کو برا نہیں لگتا۔

ان بے وقوف حکمرانوں کے باعث آج ہمارے ہاتھ سے بہت کچھ چلا گیا ہے۔ جو لوگ اس ملک کو ایڈوانس دنیا میں داخل کرانے اور ملک کو معراج کرانے کے لئے آئے تھے اور روز اقتصادی معیشت کے بارے میں بتاتے تھے لیکن جب گئے تو اپنے ساتھ آٹا بھی لے گئے۔ جس سال ملک کے اندر ریکارڈ گندم پیدا ہوئی اسی سال ملک میں آٹا نہیں ملا۔ بجلی کی آنکھ مچولی آپ کھمبوں اور گھروں میں ملاحظہ کرتے رہتے ہیں۔ ایک شخص نے مجھ سے آکر کہا کہ پچھلی حکومت نے ہم پر بڑا ظلم کیا کہ حتیٰ آٹا نہیں ملتا تھا لیکن اب حالات بدل گئے ہیں لہٰذا ممکن ہے کہ کچھ بہتر ہو جائے۔ میں نے ان سے طنزاً کہا کہ پہلے حکومت نے آٹا غائب کیا لیکن اب اس نمک کی چٹکی کا خیال کرو جو آٹے میں ڈالتے ہو۔

پوری دنیا کے حکمران اور سیاستدان اتنے بیوقوف نہیں ہیں جتنا کہ پاکستان کے حکمران وسیاستدان ہیں کہ جو بڑی سادگی سے اپنی سرزمین دوسروں کو دے دیتے ہیں کہ وہ یہاں پر آکر کسی کے بھی خون کی ہولی کھیلیں۔

پاکستان کرائے پر خالی

ناعاقبت اندیش، احمق اور نادان حکمرانوں نے یہ ملک (Hall) ہال اور تھیٹر روم کے طور پر کرائے پر دے دیا ہے۔ جس طرح ایک کرائے کا ہال (Hall) ہوتا ہے کہ جسے کوئی بھی اپنے پروگرام کیلئے بک کراسکتا ہے۔ آپ ان کی بکنگ بک میں جا کر دیکھ سکتے ہیں کہ وہاں Hall ایک دن مجرے کیلئے بک ہوتا ہے، ایک دن شادی کیلئے، ایک دن میلاد کیلئے، ایک دن سیمینار کیلئے، ایک دن یہاں ڈانس (Dance) ہو رہا ہوتا ہے تو دوسرے دن نعتیں پڑھی جا رہی ہوتی ہیں یعنی ایک دن کفر کیلئے اور ایک دن اسلام کیلئے ہوتا ہے۔ کبھی کسی کو دے دیتے ہیں کہ تم لبرل ازم کا ڈانس کراؤ، کبھی کسی اور کو دے دیتے ہیں کہ تم سیکولرازم کا گیت گاؤ۔ ایک ہی جگہ پر یہ متضاد پروگرامز اس لئے منعقد ہوتے ہیں کہ یہ کرائے کی جگہ ہے۔ کرائے کی جگہ سے مراد یہ ہے کہ کرایہ دیں اور اس جگہ سے استفادہ کریں۔

جس طرح کرایہ دار نے شادی ہال میں کچھ لوگ لیبر اور ویٹر کے طور پر رکھے ہوئے ہوتے ہیں جو مہمانوں کو کھانا کھلاتے ہیں، پانی پلاتے ہیں، میزیں اور کرسیاں لگاتے ہیں، ڈیکوریشن کا کام کرتے ہیں اور مہمانوں کی آؤ بھگت کرتے ہیں اسی طرح بے ضمیر حکمرانوں نے پاکستان کو شیطانی طاقتوں کیلئے کرائے پر چڑھا دیا ہے اور پاکستانی قوم سے کہہ رہے ہیں کہ آپ سب ٹوپیاں اور وردیاں پہن کر ان کے سامنے میزیں لگائیں اور پلیٹیں دھو کر سجائیں۔ آج عوام کی حیثیت شادی ہال میں ان سروس بوائز کی طرح ہے جنہوں نے رنگ برنگا لباس پہنا ہوتا ہے اور آنے والے مہمانوں کی خدمت کر رہے ہوتے ہیں۔ کبھی کبھار عید اور جشن پر خوبصورت لباس پہن کر باہر آجاتے ہیں کہ کسی نے مذہبی لباس پہنا ہوتا ہے اور کسی نے انٹلیکچولز (Intellectuals) کا لباس پہنا ہوتا ہے تاکہ جب باہر سے کوئی فرمان آئے تو اُس کو بسر و چشم بجالائیں۔ قوم نادانی میں اُن کی خدمت وسیوا کرنے میں لگی ہوئی ہے۔ جس نے بھی یہاں دہشت گردی (Terrorism) کرانی ہے، جس نے میراتھن (Marathon) کرانی ہے، جس نے کوئی مذہبی کام کرنا ہے یا سیکولرازم (Secularism) پھیلانا ہے وہ ان حکمرانوں کی جیب میں پیسے ڈال کر اس سرزمین پر جو چاہے کرتا ہے۔ انہوں نے پہلے اس ملک کو توڑ کر دو

حصے کئے تھے لیکن اب اس بچے ہوئے ملک کو قوم سمیت بیچ چکے ہیں۔

قوم کی سادگی ایک المیہ

اسی طرح بعض لوگ ایک قوم کے تجربے دوسری قوم پر ٹھونستے ہیں مثلاً یورپ کا مطالعہ کر کے آتے ہیں اور پھر پاکستان کو یورپ بنانا چاہتے ہیں۔ ہماری قوم بھی تو خوب ہے کہ ایک دم دام میں اترتی ہے۔ اقبالؒ کے بقول:

تاویل کا پھندا کوئی صیاد لگا دے
یہ شاخِ نشیمن سے اترتا ہے بہت جلد[1]

یہ خود ہی درخت سے اتر کر جال میں پھنس جاتی ہے حتیٰ شکاری کو زحمت بھی نہیں کرنی پڑتی۔ ایسی سادہ قوم کو جو بھی جس راستے پر لگانا چاہے لگا دیتا ہے۔ معذرت کے ساتھ یہ تعبیر درج کر رہا ہوں کہ مذہبی و سیکولر سیاستدانوں کا کام مل کر پوری قوم کو بے وقوف بنانا ہے اور قوم بھی بڑی خوشی خوشی بن جاتی ہے۔ اسے بے وقوف بننے میں کوئی عار محسوس نہیں ہوتی مثلاً ان کے مطابق عورتوں کو ننگا کرنے سے پاکستان پہلی دنیا کا حصہ بن جائے گا۔ جیسے ایک پاکستانی جرنیل وڈکٹیٹر نے انگلینڈ میں اپنی بیوی کا ہاتھ پکڑ کر بلند کر کے کہا تھا کہ یہ اسلام کی ماڈل خاتون ہے اور کہا کہ عورت پردے میں پسماندہ نظر آتی ہے۔

اسی طرح وہ وزیر اعظم جو عوام کو بہلانے کیلئے کیمروں کے آگے چہکتا تھا کہ ایکسچینج کے انڈیکس آج فلاں جگہ جا پہنچے ہیں اس ملک کو ایسا تباہ کر کے گیا کہ پھر ملک میں واپس بھی نہ آیا۔ اب یہ سیاستدان پوچھا لگانے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں جسے فارسی میں شیرہ مالی کہتے ہیں۔ اس ملک میں ایک اور طبقہ پیدا ہوا تھا جس نے کہا تھا کہ ہم سوشلزم کے ذریعہ ملک کو ترقی دیں گے۔ جب قوم ہر راگ الاپنے والے طبقے کے پیچھے سرپٹ دوڑ پڑے تو

---

[1]......(ضربِ کلیم، صفحہ ۷۴)

ٹھوکریں کھا کر گرنا اس کا مقدر بن جاتا ہے۔ اتنا ڈر ان لوگوں کی بیوقوفی سے نہیں لگتا جتنا عوام کی سادگی سے لگتا ہے کہ ہر الیکشن کے بعد آس لگاتے ہیں کہ اب تبدیلی آگئی ہے لہٰذا اب حالات بہتر ہو جائیں گے۔ ان بیساکھیوں کا سہارا نہ لیں۔ ڈوبتے وقت تنکے نہ پکڑیں بلکہ ہمارے پاس عروۃ الوثقیٰ ہے:

فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا.....[1]

پس جو طاغوت کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لے آئے اس نے نہ ٹوٹنے والا مضبوط سہارا تھام لیا......

طاغوت کا انکار کرنا اور اللہ پر ایمان لانا عروۃ الوثقیٰ ہے۔ آپ ہر طاغوت، اس کے چیلوں و ایجنٹوں کا انکار کریں اور ان کی باتوں پر کان نہ دھریں۔ یہ نجات کا تنہا ذریعہ ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہم اس قرآنی فکر کو عام کریں، ذہنوں کو آمادہ کریں اور وحدت کیلئے میدان ہموار کریں۔ عوام سادہ ضرور ہے لیکن اس کے خلوص پر کوئی شک نہیں کیا جاسکتا۔

عوام کی گمراہی کا بڑا سبب اور راہِ حل

اگرچہ عوام ملک وقوم کو بچانا اور ذلت سے نکلنا چاہتے ہیں لیکن جو لوگ عوام کو راستے بتاتے ہیں وہ غلط ہیں۔ پاکستان اس وقت دو قسم کے بیوقوفوں کے ہاتھ میں ہے۔ ایک سیاسی بیوقوفوں اور دوسرا مذہبی بیوقوفوں کے ہاتھ میں اور ان دونوں نے بے وقوفیوں کی انتہا کرتے ہوئے اس قوم کو سیاست اور مذہب کے نام پر بانٹ دیا ہے۔

پیغمبر اکرم ﷺ کی حدیثِ مبارکہ میں آیا ہے کہ میری اُمت اُس وقت فاسد ہو جائے گی جب اس کے دو طبقے فاسد ہو جائیں گے۔ ایک امراء اور دوسرے علماء۔ آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ یہ فساد حکمرانوں کے اندر بھی موجود ہے اور بعض نام نہاد علماء کے اندر بھی جو اپنے آپ کو علمائے دین کہتے ہیں۔ یہ بھی اُمت کو مختلف

---

[1]......(سورۂ بقرہ، آیہ ۲۵۶)

گمراہیوں، نفرتوں اور تفرقوں میں مشغول رکھتے ہیں اور حکمران بھی تماشائی بنے ہوئے ہیں۔ یہ دونوں طبقے مل کر عوام کی آنکھوں میں دھول جھونک رہے ہیں اور ظلم کے خلاف آواز نہیں اٹھاتے۔ بعض نام نہاد جو عالم بنے ہوئے ہیں یہ اپنے ٹکڑے سیدھے کرنے کے لئے امت کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے میں مشغول ہیں۔

امام راحلؒ مسلسل تکرار فرماتے تھے کہ عوام کے اندر بیداری اور اتحاد آ جائے تو پھر گنجائش نہیں رہتی کہ کوئی انہیں غلط سمت پر ڈال سکے۔ پھر یہ ممکن ہی نہیں رہے گا کہ پاکستان کے ایوانوں میں بیٹھے ہوئے مہرے مغربی اور امریکی مفادات کا تحفظ کریں اور امریکہ کی جنگ اپنی عوام کے ساتھ لڑیں۔ لیکن عوام پر ایسا خوف مسلط کر دیا گیا ہے کہ جس کی وجہ سے عوام سہمے سہمے لگتے ہیں اور نہ صرف رول ادا کرنے سے ڈرتے ہیں بلکہ آواز اٹھانے سے بھی ڈرتے ہیں۔ حالانکہ جب آپ نے کلمۂ توحید کا اقرار کر لیا تو کس بات کا ڈر ہے۔ لا سے ڈرتے کیوں ہو؟ جس کو ہیچ کر دیا، جس کو نیست کر دیا، جس کا انکار کر دیا، جس کا وجود نہیں مانا تو اب اس سے ڈرتے کیوں ہو؟

فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا......

پس جو طاغوت کا انکار کر دے، اسے لا کہہ دے اور اللہ پر بھروسہ کر کے ایمان لے آئے اسے کوئی نہیں ڈرا سکتا۔ اس ملک کی سیاسی و مذہبی لیڈر شپ نے عوام کو غلط راستوں پر ڈالا ہے۔ جن ایوانوں کے اوپر استکباریت اور استعماریت کا منحوس سایہ پڑا ہوا ہو ان ایوانوں میں جا کر بیٹھنا کوئی اعزاز نہیں ہے بلکہ عوام کے دلوں میں بیٹھنا اعزاز ہے۔

امام خمینیؒ شاہ کی پارلیمنٹ میں اپوزیشن بینچ پر بیٹھ کر کامیاب نہیں ہوئے۔ اگرچہ شاہ نے تمام مراجع کو خط لکھا تھا کہ آپ مجھے اپنی اپنی تجاویز لکھ کر دو، اپنے نمائندے بھیجیں اور میں انہیں کابینہ میں بھی شامل کرتا ہوں لیکن امام خمینیؒ نے ایک ہی جواب دیا تھا کہ میں اپنے نمائندے تیری منحوس پارلیمنٹ میں نہیں بھیجتا بلکہ میں یہ چاہتا ہوں کہ میری عوام اور میری مملکت سے تیرا منحوس وجود باہر نکل جائے۔ جب تو باہر چلا جائے گا تو یہ ملک بھی سرفراز ہو جائے گا اور یہ اُمت بھی سرفراز ہو جائے گی۔ آج انہیں یہ عزت اسی وجہ سے نصیب ہوئی ہے۔ آبرو فروشوں، عزت فروشوں، وطن فروشوں، قوم فروشوں اور دین فروشوں کے ساتھ پارلیمنٹ میں مل بیٹھنے سے ملک نہیں بچتا۔ یہ

سب متاع اُمت لٹا چکے ہیں۔ اقبالؒ کا یہی درد تھا کہ آج یہ ہماری متاع لوٹ کر لے جا چکے ہیں اور ہمیں ایک دوسرے کا گریبان تھما دیا ہے۔

کتنے ایسے حکمران ایسے ہیں کہ جن کی فیملیاں پاکستان میں رہتی ہیں، جن کے اکاؤنٹ پاکستانی بینکوں میں ہیں اور جنہوں نے اپنے مستقبل کے لئے پاکستان ہی کو انتخاب کیا ہوا ہے لیکن نمونہ کے طور پر شوکت عزیز جس دن پرائم منسٹر بنتا ہے اس دن پاکستان آتا ہے اور جس دن اس کی منسٹری ختم ہو جاتی ہے اسی دن ایئرپورٹ سے واپس چلا جاتا ہے۔ اگر اس نے پاکستان کو تھرڈ ورلڈ سے اٹھا کر فرسٹ ورلڈ کا حصہ بنایا ہے تو پھر اس فرسٹ ورلڈ سے بھاگتا کیوں ہے؟ دراصل انہی جیسے لوگوں نے پاکستان کو جہنم بنا دیا ہے۔ ان تمام مشکلات سے نبرد آزما ہونے کیلئے امام خمینیؒ کی الٰہی تعلیمات پاکستانی قوم کیلئے بہترین راہِ حل فراہم کر رہی ہیں۔

حکمرانوں کا پاکستانی قوم سے ناروا رویہ

آج پاکستانی قوم کو ذلیل کرنے کے لئے یہ جھانسہ دیا جاتا ہے کہ اس ملک کے اندر آپ امریکہ کے خلاف کچھ نہ کہو ورنہ بھوکے مر جاؤ گے۔ اس ملک کا حکمران کہ جس کے ہاتھ میں قوم کی زبان ہے ذلت کی اس انتہا تک آ گیا ہے کہ امریکہ کے خلاف بولنے میں اس کو بھوک نظر آتی ہے۔ امریکہ کی جوتیاں چاٹنے سے ان حکمرانوں و سیاستدانوں کی جیبیں بھری ہوئی ہوں گی لیکن قوم آج بھی بھوکی ہے اور اس کے پاس آج بھی وسائل نہیں ہیں، بچوں کو تعلیم مہیا نہیں ہے، پینے کا صاف پانی نہیں ملتا، امن و امان، چین و سکون سب کچھ ناپید ہو چکا ہے۔ دین خدا ہمیں کہتا ہے کہ تم اپنی روٹی سے بھی پہلے اپنی کرامت اور عزت و شرف کی طرف آؤ۔ باشرف قوم بھوکی ہو تو بھی اپنا شرف نہیں بیچتی۔ بے وقوف حکمرانوں، بے وقوف نام نہاد علماء کہ جن کو دین سے کوئی دلچسپی نہیں بلکہ اپنے مفادات سے دلچسپی ہے اور بے وقوف نام نہاد دینداروں نے مل کر اس ملک و قوم کو یہاں تک پہنچا دیا ہے کہ جس کے یہ حقدار نہیں تھے۔

حالانکہ اس قوم میں Potential بھی ہے اور قربانی کا جذبہ بھی۔ جب زلزلہ یا سیلاب آتا ہے تو

پاکستان کی یہی بھوکی قوم کہ جس کے پاس خود کھانے کے لئے کچھ نہیں ہوتا اپنا سب کچھ آفت زدہ لوگوں کی فلاح کیلئے صرف کر دیتی ہے۔ انہوں نے سورۂ دہر میں اہلبیتؑ کا تذکرہ پڑھا ہوا ہے کہ جنہوں نے بیماری کی شفا کے لئے منت کے روزے رکھے ہوئے تھے لیکن انہوں نے تین دن تک فقیر، مسکین و اسیر کو اپنی افطار کا سامان اٹھا کر دے دیا۔ اس ملک کے عوام بااین کہ معرفت و شعور عالی نہیں رکھتے لیکن اپنے ہم وطن کے ساتھ اتنی ہمدردی ضرور ہے کہ عورتوں نے آفت زدہ لوگوں کی مدد کیلئے اپنے زیورات اور گھر کا ضروری سامان اٹھا کر دے دیا تھا جو اتنا زیادہ تھا کہ سنبھالا نہیں جا رہا تھا اور ان سے ضائع بھی ہوا۔ یہ قوم قربانیاں دینے کے لئے تیار ہے لہٰذا یہ حقدار نہیں تھی کہ اس کیلئے ایسا ماحول بنا دیا جائے کہ جو ناروا و نامناسب ہے۔

بحرانات، بے وقوفیاں چھپانے کی کوشش

یہ حکمران ملک و قوم کو تباہ و برباد کر کے اپنی بے وقوفیوں و حماقتوں کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کی گھریلو مثال یہ ہے کہ بچے گھر میں چونکہ آئے دن نقصان کرتے رہتے ہیں لہٰذا ماں کو دھوکہ دینے کیلئے ٹیکنکز (Techniques) سیکھ لیتے ہیں مثلاً جب بچہ کوئی چیز نکالنے کے لئے فریج کھولتا ہے تو وہاں سے کوئی شیشے کا برتن گر کر ٹوٹ جاتا ہے لیکن فوراً اپنے اس کام کو چھپانے کے لئے شیشے کے ٹکڑوں کو کسی کوڑے دان میں ڈالتا ہے اور اس کا متبادل پلاسٹک کا برتن گراتا ہے تا کہ ماں کو یہ پتہ چلے کہ کوئی برتن ٹوٹا نہیں ہے بلکہ پلاسٹک کی کوئی ٹوکری گری ہے یا دروازہ اتنا زور سے بند کرے گا تا کہ یہ پتہ نہ چلے کہ اصل نقصان کیا ہوا ہے؟ اگر کوئی پوچھے کہ کیا ہوا ہے تو میں یہ کہوں گا کہ دروازہ بند ہوا ہے۔

یہ حکمران بھی بچوں جیسے ہی ہیں اور یہ پوری قوم کو بچہ ہی سمجھتے ہیں۔ جس طرح وہ بچہ اپنی ماں کو بیوقوف بنا رہا ہوتا ہے اسی طرح سے یہ حکمران بھی پوری امت کو بیوقوف بناتے ہیں لیکن ان کو معلوم نہیں کہ حماقتیں کبھی چھپتی اور دبتی نہیں ہیں بلکہ ان حماقتوں کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں اور آج ظاہر ہو رہے ہیں۔ ان حماقتوں کا سب سے بڑا اثر یہ ہے کہ آج پاکستان کی عوام، حتیٰ پولیس، رینجرز اور فوج تک محفوظ نہیں ہے۔

یہ بے وقوف حکمران اصل نقصان پر پردہ ڈالنے کیلئے یہ آپ کے گرد مصنوعی طور پر کوئی بحران کھڑا کرتے ہیں تاکہ یہ اندازہ نہ ہو کہ اصل ماجرا کیا ہوا ہے؟ آج ہمیں روزمرہ کی مشکلات میں ڈال کر اصلی بحران سے غافل کر دیا گیا ہے۔ ہم اسی میں الجھے ہوئے ہیں کہ ملک میں آٹا نہیں ہے، بجلی نہیں ہے، مہنگائی ہے جبکہ یہ مصنوعی بحرانات ہیں۔ روزمرہ کی مشکلات انسان کو خدا اور دین سے دور کر دیتی ہیں۔

کچھ عرصہ پہلے بجلی معمول پر تھی کہ ناگہاں ایک ہی دن میں بجلی کا بحران پیدا ہو گیا، کھمبے زمین میں گڑ گئے اور تار ختم ہو گئے، یہ اچانک کیا ہوا؟ کیا ملک میں جن بھوت بجلی لے گئے؟ یہ بحران اسی لئے پیدا کئے گئے کہ اگر پاکستانی قوم روزمرہ کی مشکلات کی جانب سے آسودہ ہو تو پھر اصلی مسائل کی طرف سوچنا اور غور کرنا شروع کر دے گی لہٰذا اس کو روزمرہ کے مسائل میں اتنا الجھاؤ کہ یہ اصلی بحران و مشکل بھول ہی جائے۔

فقر، مقصد تک پہنچنے میں مانع

مشکلات اچھے خاصے دیندار انسان کا نہ صرف دین بدل دیتی ہیں بلکہ انسان کی ریاضی و دیگر علوم وفنون بھی بدل جاتے ہیں جیسے مشہور ہے کہ کسی بھوکے سے پوچھا گیا کہ دو اور دو کتنے ہوتے ہیں تو اس نے فوراً جواب دیا: چار روٹیاں۔

امیر المومنین علیہ السلام نہج البلاغہ میں فرماتے ہیں:

فَاتَّقُوْا سَكَرَاتِ النِّعْمَةِ وَاحْذَرُوْا بَوَائِقَ النِّقْمَةِ...... [1]

عیش و تنعم کی بدمستیوں سے بچو اور عذاب کی تباہ کاریوں سے ڈرو......

یعنی نعمتیں تمہیں بدمست نہ کریں اور محرومیاں بدبخت نہ بنائیں۔ یہ نہ ہو کہ مال و دولت آئے تو بدمست ہو جاؤ اور جب کم ہو جائے یا فقیر ہو جاؤ تو بدبخت بن جاؤ۔ آج آدھی اُمت بدمست اور آدھی بدبخت ہے۔ سب

[1]......(نهج البلاغه، خطبه، ۱٤۹)

سے بڑا فقر ذہنی فقر ہے۔ روایت میں بھی ہے کہ سب سے بڑا فقیر وہ نہیں ہے جس کے پاس مال نہیں ہے بلکہ سب سے بڑا فقیر وہ ہے جس کے اندر عقل نہیں ہے۔ عقل کے فقیر سب سے بڑے فقیر ہیں۔ امام علی علیہ السلام کا فرمانِ نورانی ہے:

لَا غِنَی کَالْعَقْلِ وَ لَا فَقْرَ کَالْجَهْلِ......[1] (نہج البلاغہ، حکمت ۵۴)

عقل سے بڑھ کر کوئی ثروت نہیں اور جہالت سے بڑھ کر کوئی بے مائیگی نہیں......

اسی طرح امامِ صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

کَادَ الْفَقْرُ أَنْ يَكُوْنَ كُفْراً......[2]

یعنی غربت اور فقر انسان کو کفر تک پہنچا دیتا ہے۔ یہ اسی تناظر میں کہا گیا ہے چونکہ روزمرہ کی مشکلات انسان کو مقصد سے دور کر دیتی ہیں۔ اگر کوئی مومن ہو تو وہ ایمان بھول جاتا ہے، اگر کوئی بہت بڑا فیلسوف ہو تو وہ فلسفہ بھول جاتا ہے۔ روزمرہ کی مشکلات کی وجہ سے خدا پرست خدا کو بھول جاتا ہے اور آج یہ حربہ دشمن کے پاس موجود ہے کہ اس قوم کو روزمرہ کی مشکلات میں مشغول رکھو۔ ہماری تاریخی مشکلات بھی ہیں لیکن وہ ہمیں اتنا پریشان نہیں کرتیں جتنی روزمرہ کی مشکلات پریشان کرتی ہیں۔ مثلاً بل ادا نہیں ہو رہا، بل زیادہ بن رہا ہے، بجلی کی لوڈشیڈنگ بہت زیادہ ہے، لوڈشیڈنگ کے باوجود بل بہت زیادہ آ رہا ہے، بجلی موجود نہ ہونے کے باوجود بل اتنا ہی آ رہا ہے یہ ہماری روزمرہ کی مشکلات ہیں اور جب تک یہ قوم روزمرہ کی مشکلات میں گھری رہی اسے ہرگز اس کی خبر تک نہیں ہوگی کہ اس کے ملک میں ہو کیا رہا ہے؟ چونکہ سوچنے کا موقع ہی نہیں ملے گا۔ روزمرہ کی مشکلات انسان کو سوچنے کا موقع تک نہیں دیتیں مثلاً دین شناسی اور اللہ کی معرفت حاصل کرنے کا موقع نہیں دیتیں۔

کسی جگہ ایک جوان نے مجھ سے کہا کہ یہ باتیں جو آپ کرتے ہیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں۔ میں نے

---

[1]......(نہج البلاغہ، حکمت ٥٤) [2]......(الکافی-الکلینیؒ، الجزء۲، صفحہ ٤٣٠)(بصائر ذوی التمییز فی لطائف الکتاب العزیز، المولف: مجد الدین أبو طاھر محمد بن یعقوب الفیروز آبادی، الجزء٤، صفحہ ٣٩٩)

کہا کیوں نہیں آتیں؟ میری باتیں تو اردو زبان میں ہی ہوتی ہیں تو انہوں نے کہا اس وجہ سے سمجھ میں نہیں آتیں کہ ہماری روزمرہ کی مشکلات بہت زیادہ ہیں لہٰذا ہم ان مسائل کی طرف سوچ ہی نہیں سکتے۔ حکومتوں کا فریضہ یہ ہے کہ امتوں کو آسائش ورفاہ فراہم کریں تاکہ قومیں آسودگی سے ارتقاء ونشو ونما کرسکیں اور امتوں کا شعور بلند ہو لیکن جب روزمرہ کی مشکلات انسان کے دامن گیر ہو جائیں تو اس وقت کچھ بھی نہیں ہوسکتا۔

اس وقت اختلافات کو ہوا دینے اور حماقتوں و بیوقوفیوں کی گنجائش نہیں ہے۔ ہماری مشکل یہ ہے کہ آج امت میں کرامت، شرف اور عزت کا بحران ہے۔ آج خدا سے اس رحمت کو طلب کرنے کی ضرورت ہے کہ جس کے ذریعہ پاکستان، امت، دین اور اس کے مقدسات کی حرمت باقی رہے۔ آیا ہم یہ کہیں کہ خدایا ہمیں آٹا، چینا، چاول اور بجلی زیادہ دے۔ جس بحران سے پاکستان اور دین وملت کا وجود خطرے میں پڑ گیا ہے کیا وہ آٹے و بجلی کا بحران ہے؟ یہ بحران مصنوعی ہے تاکہ آپ اصلی بحران کی طرف متوجہ نہ ہوں اور اگر بجلی چلی جائے تو آپ کئی گھنٹے بیٹھ کے بجلی کے پیچھے لگے رہیں گے کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ یہ کیسا ملک ہے؟ تاکہ اس اندھیرے میں آپ کی نظروں سے بہت ساری چیزیں چھپ جائیں۔ اسی طرح جب یہ حکمران کسی دوسرے ملک جاتے ہیں تو بجائے قوم کی مشکلات حل کرنے کے وہاں سے ڈکٹیشن (Dictation) لے کر آتے ہیں۔

حکمرانوں کو اپنی قوم پر اعتماد نہیں

درحقیقت ان حکمرانوں کا اپنی قوم پر کوئی اعتماد وایمان نہیں ہے۔ یہ مہرے اپنی قوم کا ایجنڈہ لے کر دوسرے ممالک نہیں جاتے بلکہ دوسرے ملکوں کا ایجنڈہ لے کر اپنی قوم میں آتے ہیں۔ اگر ان کا اپنی قوم پر ایمان ہوتا تو یہ کبھی بھی دوسروں کی طرف نگاہ نہ کرتے اور اپنی قوم کے سہارے بات کرتے۔ آج ایرانی پریذیڈنٹ پوری دنیا کی نظروں کا محور بنا ہوا ہے۔ یہ کس جرأت وشجاعت وشہامت کے ساتھ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتا ہے۔ ایک وقت ایسا تھا کہ جب ایرانی وفد بڑی منتیں کر کے کسی ملک کے عہدہ دار سے ملاقات کا وقت لیتا تھا لیکن ایک وقت ایسا بھی آیا کہ جرمنی، برطانیہ اور فرانس کے وزرائے خارجہ کو بڑی مشکل سے منت کر کے ایرانی

پریذیڈنٹ سے وقت لینا پڑا۔ انہوں نے کہا کہ آپ یورینیم کی انویسٹمنٹ روک دیں یہ ہم آپ کو فراہم کریں گے تو ایرانی پریذیڈنٹ نے کہا کہ آپ کس ریٹ (Rate) پر دیں گے؟ جب اُنہوں نے کوئی ریٹ بتایا تو پریذیڈنٹ نے ان کو جواب دیا کہ آپ سب اٹیمی پاورز ہو اب آپ انویسٹمنٹ روک دیں، ہم اپنا کام جاری رکھیں گے اور جب کامیاب ہو جائیں گے تو آپ کو اس سے کہیں زیادہ سستا مہیا کریں گے۔

یہ زبان انہوں نے کسی مسلمان ملک سے کبھی نہیں سنی تھی لہٰذا انہوں نے فوراً بیان دیا کہ یہ عجیب پریذیڈنٹ ہے جو ڈپلومیسی (Diplomacy) کی زبان بھی نہیں بولتا۔ وہ اس لئے ایمان، اعتماد و توکل کی زبان بولتا ہے اور اس وجہ سے کسی سے نہیں گھبراتا کیونکہ اسے صرف اپنے سامنے دشمن ہی نظر نہیں آتے بلکہ پیچھے اپنے عوام بھی نظر آتے ہیں اور سر پر خدا کا سایہ بھی نظر آتا ہے۔ لہٰذ جب تک ہمارے ملک کے حکمران اپنی قوم پر اعتماد و ایمان نہیں رکھیں گے یہ اپنا ملک، قوم، دین، عزت، شرافت و کرامت کچھ بھی نہیں بچا سکتے۔

احساسِ زیاں اور بیداری کی ضرورت

آج ان بے وقوفوں سے ملک آزاد کرانے کی ضرورت ہے اور یہ الیکشن سے نہیں ہوگا بلکہ شعور و بیداری سے ہوگا۔ سب سے پہلے قوم اپنی قیمتی متاع کے لٹ جانے کا احساس کرے۔ ساٹھ سال سے زائد عرصہ تک یہ قوم بار بار انہی کو ووٹ دیتی رہی ہے جو ملک کو لوٹ کر گئے ہیں۔ اس کی مثال کیلئے مولانا روم نے جو کہ خود صوفیاء میں سے تھے ایک واقعہ ذکر کیا ہے۔

ایک صوفی بھوکا تھا اور اپنے گدھے پر سوار ہو کر کھانے کی تلاش میں گھوم رہا تھا۔ راہ چلتے ہوئے وہ ایک خانقاہ کے قریب سے گزرا جہاں ایک دیا جل رہا تھا اور کچھ صوفیاء بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ یہ سمجھا کہ شاید یہاں کچھ کھانے کو مل جائے گا لہٰذا خانقاہ میں چلا گیا۔ سب صوفی بہت خوش ہوئے کہ یہ ضرور کچھ کھانے کے لئے لایا ہوگا کیونکہ انہیں خود ایک ہفتہ سے کھانا نہیں ملا تھا۔ جب انہوں نے صوفی سے پوچھا کہ آیا کچھ کھانے کیلئے لائے ہو تو اس نے کہا کہ میرے پاس کچھ نہیں ہے اور میں خود کھانے کے لئے آیا ہوں لیکن ان صوفیاء کی نگاہ اس کے گدھے پر

پڑ گئی لہٰذا انہوں نے اس صوفی کو باتوں میں مشغول کر دیا اور اس کا گدھا پکا کر کھالیا۔ صوفیاء کا ایک طریقہ کار ہے کہ وہ اپنی عبادت یا ایک خاص سماع کی محفل میں رقص اور ورد کرتے ہیں۔ ایک ہفتہ کی بھوک کے بعد جب ان کا پیٹ بھرا تو انہیں وہ رقص و ورد یاد آیا لہٰذا سب نے اٹھ کر دھمال مارنا شروع کر دیا اور ایک ورد بھی ساتھ تکرار کرتے رہے کہ خر برفت و خر برفت یعنی گدھا گیا، گدھا گیا۔ جب انہوں نے مل کر گانا اور قدموں کو زمین پر مار مار کر رقص کرنا شروع کیا تو وہ صوفی بھی آ گیا جس کا گدھا تھا۔ اس نے دیکھا کہ اتنی خوبصورت محفلِ سماع ہے لہٰذا وہ بھی ان کے ساتھ شامل ہو گیا اور ناچ ناچ کر وہی ورد کرتا رہا جو سب صوفی کر رہے تھے۔ جب سب کچھ ختم ہو گیا تو اس صوفی نے وہاں سے جانے کا ارادہ کیا اور خانقاہ کے خادم سے پوچھا کہ میرا گدھا کہاں ہے؟! خادم نے کہا کہ وہ تو ہم نے پکا کر کھالیا ہے۔ اس نے کہا کہ تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا؟ خادم نے کہا کہ میں تو بتانے آیا تھا لیکن تو اتنا محوِ رقص تھا اور ان کے ساتھ ورد میں لگا ہوا تھا کہ میں سمجھا کہ تو نے اپنی رضا و خوشی سے ان کو گدھا بخش دیا ہے۔

آج ہماری حالت یہی ہے۔ یہ بے وقوف سیاستدان اور بے وقوف ملا ہمارا گدھا پکا کر کھا چکے ہیں اور اس ملک میں دھمال ڈالے ہوئے ہیں لیکن اس دھمال میں عوام بھی شامل ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا اقبالؒ رسولِ اکرم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے حضور اپنے دردِ دل کا اظہار کرتے ہیں:

اے بادِ صبا! کملی والے سے جا کہیو پیغام مرا
قبضے سے اُمت بیچاری کے دیں بھی گیا دُنیا بھی گئی......[1]

اے بادِ صبا کملی والے سے میرا پیغام کہہ دینا کہ اس بیچاری امت کے قبضہ سے دین و دنیا دونوں چلے گئے اور پھر اس متاع کے لٹ جانے پر اس کو احساسِ زیاں بھی نہیں ہے۔

وائے ناکامی! متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا......[2]

[1]......(بانگِ درا، صفحہ ۲۹۳) [2]......(بانگِ درا، صفحہ ۱۹۸)

نہ صرف یہ کہ احساسِ زیاں چلا گیا بلکہ ان کے ساتھ اٹھ کر اسی رقص میں مشغول بھی ہو گئے ۔ جو سیکولرزم اور لبرازم کے نعرے لے کر آئے اور ہم سے دینی اقدار چھین کر لے گئے آج بعض متدینین بھی ان کے ساتھ اس رقص میں شامل ہو گئے ہیں ۔ جنہوں نے اس ملک کو تباہی کے دہانے پر پہنچا کر قوم کو بھی اپنے ساتھ لگا دیا ہے، انہی سے قوم امیدیں باندھ کر بیٹھی ہوئی ہے کہ بڑی تبدیلی آنے والی ہے جبکہ یہ سادگی اور خیالِ خام ہے۔ ان لوگوں کو پاکستانیوں کی مشکلات کا نہ علم ہے اور نہ یہ ان کو حل کرنے میں سنجیدہ ہیں۔

پاکستان میں الیکشن کا ڈھونگ

کبھی کبھی اس ملک میں الیکشن کا ڈھونگ بھی رچایا جاتا ہے اور کانڈیڈیٹز (Candidates) ووٹ مانگنے آتے ہیں تو اس وقت اندازہ ہوتا ہے کہ ان کو پاکستان کی ساری مشکلات کا علم ہے۔ اس وقت یہ ملک کی علاقائی، قومی، اجتماعی، سیاسی، اقتصادی، تعلیمی اور مالی مشکلات کا تذکرہ کرتے ہیں اور وعدہ بھی دیتے ہیں کہ اگر آپ ہمیں ووٹ دیں تو ہم آپ کی ساری مشکلات حل کریں گے ۔ 65 سال سے زائد عرصہ سے پاکستانی قوم ان کے وعدوں پر اعتماد کر کے کسی نہ کسی کو چن لیتی ہے تا کہ ہماری مشکلات حل ہو جائیں گی لیکن جب ان کا دور ختم ہوتا ہے تو پہلی مشکلات اپنی جگہ باقی رہتی ہیں اور رکئی گنا زیادہ مشکلات مزید پیدا ہو جاتی ہیں ۔ پھر ہماری امیدیں دوبارہ انہی سے جالگتی ہیں۔

پاکستان کے اندر نرالے الیکشن ہوتے ہیں ۔ یہاں الیکشن سے پہلے اتنی دلچسپی پاکستانیوں کو نہیں ہوتی جتنی امریکیوں کو ہوتی ہے۔ امریکی سفیر ایک ایک کانڈیڈیٹ اور پارٹیوں کے سربراہوں سے آکر ملتا ہے اور بعد میں کہتا ہے کہ ہم الیکشن دیکھ رہے ہیں اس میں دھاندلی نہیں ہونی چاہئے۔ اس کے بعد جب الیکشن ہو جاتے ہیں اور ابھی حکومت بننے کے مراحل میں ہوتی ہے جس کیلئے کسی نے طنزاً یہ تعبیر استعمال کی تھی کہ حکومت ابھی بین الماء والطین کی حالت میں ہوتی ہے تو یہ لوگ پھر ڈکٹیشن دینے پہنچ جاتے ہیں۔

اسکے برعکس جب ایران میں انتخابات ہوتے ہیں تو پوری دنیا کو بخار چڑھ جاتا ہے اور ساری دنیا کا میڈیا

عجیب وغریب اول فول کہنا شروع کر دیتا ہے لیکن جس دن الیکشن ہوتے ہیں اس دن سے ان کے لبوں پر مہر لگ جاتی ہے مثلاً پاکستان کے بڑے نام نہاد صحافی جنہوں نے کہا ہوا تھا کہ اب کوئی الیکشن میں نہیں آئے گا اور پولنگ اسٹیشنوں پر کوے بولیں گے لیکن جب بڑی تعداد میں ووٹ پڑے تو پھر خاموشی چھا جائیگی۔ ایران کے الیکشن میں دشمن کے شور شرابے کی ایک وجہ یہی ہے کہ یہ امریکہ کو اپنے ملک کے الیکشن پر اثر انداز نہیں ہونے دیتے۔ پوری دنیا میں الیکشن ہوتے ہیں لیکن وہ امریکی سفیر کو وہاں آنے نہیں دیتے لیکن پاکستان میں امریکیوں کا دائمی حضور رہتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ہمارے اندر تفرقہ ہے اور تفرقہ نے ہمیں کمزور کر دیا ہے۔ سازشیں تفرقہ کے پیٹ سے نکلتی ہیں۔ ان سارے مسائل کے علاج اور ان سارے دردوں کے مداوے کیلئے ہم ملک، قوم، ملت اور امتِ مسلمہ سے صرف ایک چیز مانگتے ہیں اور وہ وحدت ہے۔

یہ بات طے شدہ ہے کہ آپ ہزاروں الیکشن لڑیں، لڑوائیں اور ووٹ ڈالیں لیکن حکومت واشنگٹن سے ہی بنے گی۔ آپ ہزار انکار کریں مگر حکمران وہیں سے آئیں گے۔ یہاں جس سے عوام کو نفرت ہو جاتی ہے وہ دوبارہ محبوب بن جاتا ہے اور بھاری مینڈیٹ لے کر پھر آجاتا ہے۔ پس یہ تعجب آمیز اور سحر آمیز ملک ہے کہ جس میں ووٹ پاکستان میں ڈلتے ہیں اور نتیجہ واشنگٹن سے نکلتا ہے لہٰذا کوئی ووٹ دے کر یہ نہ سمجھے کہ میں نے اپنا فریضہ انجام دے دیا ہے اور اب میری گردن پر کوئی ذمہ داری نہیں بچی بلکہ آپ کی گردن پر پہلے سے زیادہ بوجھ آچکا ہے کیونکہ ان سیاسی مہروں کی ڈور بہت دور سے ہلائی جارہی ہے۔

سیاسی مہروں کی تبدیلی ذریعۂ نجات نہیں

الیکشن کے بعد لوگ مطمئن ہو جاتے ہیں کہ چونکہ اب نیا سیٹ اپ آگیا ہے لہٰذا اب ہماری ساری مشکلات حل ہو جائیں گی جیسے پہلے قوم کو بڑی اُمیدیں پیدا ہوئی تھیں اور گلی گلی نعرے لگاتے تھے کہ ساری مشکلات حل ہو گئیں لیکن جب وہ گئے تو آٹا بھی ساتھ لے گئے لیکن اب نمک کی بھی فکر کرنی چاہئے کہ کہیں یہ بھی ہاتھ سے نہ چلا جائے۔ حکومتیں جتنی بھی بدلیں لیکن ان سے بے جا امیدیں بھی نہ باندھیں کیونکہ یہ سارے انہی کے مہرے ہیں

پاکستان میں الیکشن کا ڈھونگ

اور کہیں اور سے قوم کے اوپر مسلط کئے جاتے ہیں ۔اس ملک کی بقاء کا راستہ الیکشن اور ڈیلنگ (Dealing) کرنے والے حکمران نہیں ہیں کہ جن کی نگاہیں واشنگٹن پر لگی ہوئی ہیں اور ان کے سفیر انہیں روز نئے نئے ڈکٹیشن دینے کیلئے آتے ہیں۔ یہ دراصل سیسی شطرنج کے مہرے ہیں جو اپنی قوم کا کوئی مطالبہ نہیں مانتے جبکہ شیطانی طاقتوں کا ہر مطالبہ ذلت کے ساتھ قبول کرتے ہیں۔

شطرنج کی ایک بساط یعنی تختی ہوتی ہے اور اُس کے اوپر خانے بنے ہوتے ہیں ۔اس میں دو کھلاڑی آپس میں بیٹھ کر کھیل رہے ہوتے ہیں اور ہر ایک کا اپنا لشکر ہوتا ہے اور اُس لشکر میں مختلف مہرے ہوتے ہیں ۔ یہ دونوں کھلاڑی بساط پر موجود خانوں پر شطرنج کے مہروں کو آگے پیچھے کرتے رہتے ہیں اور ایک دوسرے کو شکست دیتے ہیں ۔اسی طرح دشمن کی سیاست بھی شیطانی شطرنج کی بازی ہے۔ شطرنج کے کھیل میں مہروں کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی بلکہ کھلاڑیوں کی اہمیت ہوتی ہے۔ کھلاڑی یہ دیکھتا ہے کہ اس وقت کس مہرے کی ضرورت ہے لہٰذا مقابل کی چال کے مطابق دونوں اپنے اپنے مہروں کو آگے پیچھے کرتے رہتے ہیں ۔لہٰذا جب ملک میں سیاست دانوں کو آگے پیچھے کیا جائے تو ہمیں خوشی میں بغلیں نہیں بجانی چاہئیں کیونکہ یہ انہی کے مہرے ہیں چاہے وہ وردی ،کوٹ ،ٹائی ،دوپٹہ یا شلوار قمیض کے لبادے میں ہوں ۔ان سے امید نہ لگائیں کہ یہ ملک بچائیں گے ۔اگر یہ ملک کو بچانے والے ہوتے تو ملک کو اس حال تک نہ پہنچاتے ، ملک دشمنوں کے اشارے پر نہ ناچتے ،انہیں اپنی قوم ، دین و مذہب کی فکر ہوتی ۔قوم جو مطالبہ کرے انہیں اُس کی کوئی پرواہ نہیں ہے لیکن باہر سے ایک ٹیلیفون آ جائے تو فوراً اُس کو انجام دے دیتے ہیں۔

سیاسی مہروں کی تبدیلی ذریعۂ نجات نہیں

اسی طرح آج دنیا کے اہم ترین مسائل کے بارے میں یو این او (UNO) میں بیٹھ کر اقدامات کیے جاتے ہیں جس میں عرب ممالک اور مسلمانوں کی بڑی نمائندگی موجود ہے لیکن وہاں بڑی سادگی سے اسرائیل کے حق میں اور فلسطینیوں کے خلاف قرار دادیں پاس ہو جاتی ہیں ۔ یہ مہرے ملت کے نمائندے نہیں بلکہ امریکہ کے نمائندے ہیں ۔مسلمانوں کی عرب سرزمینیں ہوں یا غیر عرب انہوں نے ذلت کا طوق اپنے گلے میں ڈالا اور کشکولِ گدائی اپنے ہاتھ میں پکڑ کر اپنے ساتھ اپنی امتوں کو بھی ذلیل و رسوا کیا ۔ان حکمرانوں نے اپنی قوموں کے

اندر بھی غیرت کے ساتھ دین کیلئے آواز اٹھانے والی حس مار دی۔ اگر کوئی فوجی فقط اپنے آپ کو رسوا کر کے بیرکوں (Barracks) میں واپس چلا گیا ہے تو یہ انہوں نے جان بوجھ کر کیا ہے۔ اس سے فوج کو بھی رسوا کرنے کی کوشش کی گئی کہ اگر ڈیل کر کے آنے والے مہروں سے امن برقرار نہیں ہوسکتا تو فوج کے ذریعہ بھی نہیں ہوسکتا۔ پس یہ سیاسی مہرے ملک وقوم کو نجات نہیں دلا سکتے۔

تفرقہ و اقتدار کی جنگ کا اسلحہ

اس وقت عاقبت اندیشی کا وقت ہے۔ ہم پر بقاء کی جنگ مسلط ہو چکی ہے اور ہم کو یہ جنگ لڑنی ہے۔ یاد رکھیں کہ یہ بندوقوں سے لڑنے کی جنگ نہیں ہے بلکہ تفرقہ کی جنگ وحدت سے جیتی جاسکتی ہے۔ اقتدار کی جنگ کسی اور طریقے سے جیتی جاتی ہے جبکہ اقتدار کی جنگ کسی اور طریقے سے۔ سید الشہداءؑ جو لشکر کربلا لے کر گئے تھے وہ اقتدار کی جنگ جیتنے والا لشکر نہیں تھا۔ آپ اس لشکر میں صرف انگشت نما جنگجو ساتھ لے کر گئے۔ سید الشہداءؑ کے لشکر کے اندر کون سی ہستیاں شامل تھیں؟ اس لشکر کے اندر نبی ﷺ کی بیٹیاں تھیں، مخدرات عصمت وطہارت تھیں ؟ آیا خواتین اقتدار کی جنگ لڑنے کے لئے جاتی ہیں؟ خواتین اقتدار کی جنگ نہیں لڑسکتیں لیکن اقدار کی جنگ جیسی خواتین لڑسکتی ہیں ویسی کوئی بھی نہیں لڑسکتا۔ لیکن کون سی خواتین؟ باپردہ، باحیا، باطہارت اور باعصمت خواتین اقدار کی جنگ جیت سکتی ہیں۔ اس لئے سید الشہداءؑ کے لشکر نے اقدار کی جنگ جیت لی۔ ہر جنگ کا اسلحہ الگ ہوتا ہے۔ تفرقہ کی جنگ کا اسلحہ کلاشنکوف، بارود، ٹینک اور میزائل نہیں ہے بلکہ اس جنگ کا اسلحہ وحدت و بیداری ہے۔ آج سب سے بڑا واجب اس مملکت پاکستان اور اس کی ناموس کو بچانا ہے۔ یہ قوم وحدت کے ذریعہ فوج، ملک اور دین و مذہب کو بھی بچا سکتی ہے۔ جس دن عالم اسلام میں یونٹی (Unity) ہوگئی، جس دن مسلمان اخوت کے قرآنی رشتے میں پیوست ہوگئے اس دن اسلام دُنیا پر چھا جائے گا لیکن ہم نے سوائے قرآنی رشتے کے اپنی مرضی سے بہت سے سبھی رشتے اپنا لئے ہیں۔

اپنی مرضی کا دین نہ اپنائیں

قرآن مجید نے مومنین کا آپس میں یہ رشتہ ذکر کیا:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ......[1]

مومنین تو بس آپس میں بھائی بھائی ہیں لہٰذا اپنے بھائیوں کے درمیان اصلاح کرو......

مومنین آپس میں رشتہ اُخوت میں منسلک ہیں۔ ہمیں اپنی پسند اور مرضی کی دینداری کی اجازت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمانا ہے:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ......[2]

آج ہم نے تمہارے دین کو تمام کر دیا اور تمہارے لئے نعمت کو کامل کر دیا اور تمہارے لئے اسلام کو بعنوانِ دین پسند کر لیا ہے یعنی اللہ کی مرضی و رضا کا دین اسلام ہے اور ہمیں یہی دین اپنانا ہے۔ جس طرح ہمیں اللہ کی مرضی کا دین اپنانا ہے اسی طرح ہم دینداری بھی اپنی مرضی کی نہیں اپنا سکتے۔

دینداری سے مراد دین کے ساتھ انسان کا رابطہ و تعلق ہے یعنی دین کو اپنانے اور اپنے وجود میں منتقل کرنے کی کیفیت دینداری ہے۔ دینداری کیلئے بھی اللہ نے کچھ اصول، ضابطے اور قاعدے مقرر فرمائے ہیں اور ہمارا کام اُن اصولوں، ضابطوں اور قاعدوں کو اپنی زندگیوں پر نافذ کرنا اور اُن کی پیروی کرنا ہے۔ جو لوگ ان ضابطوں اور اصولوں کو نہیں مانتے یا نہیں اپناتے تو قرآن مجید اُن کی سختی سے مذمت کرتا ہے۔ قرآن میں مذمتوں کا ایک خوبصورت مجموعہ موجود ہے کہ کون کون سے لوگ مذمت یافتہ ہیں۔ جو لوگ ناپسندیدہ رویوں کو اختیار کرتے ہیں قرآن اُن کے بارے میں خاموش نہیں ہے اس کے برعکس آج بعض لوگ یہ تلقین کرتے ہیں کہ ہر ایک کو اپنی قبر میں جانا ہے، جبکہ یہ مغالطہ ہے۔

---

[1]......(سورۂ حجرات، آیہ ۱۰)　[2]......(سورۂ مائدہ، آیہ ۳)

جملہ حق، مراد باطل

صدرِ اسلام میں مسلمانوں میں خوارج نام کا ایک گروہ پیدا ہوا جس کی اسلام شناسی کمزور وضعیف تھی۔ وہ خود بھی مشکل میں پڑے اور پوری اُمت کو بھی مشکل میں ڈالا اور آج تک اس اثرات باقی وجاری ہیں۔ قرآن مجید کی آیت ہے:

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ......[1]

خوارج نے اس آیت کو لے کر نعرہ بنایا کہ لاحکم الا اللہ یعنی اللہ کے علاوہ کسی کو حقِ حکومت حاصل نہیں ہے ،لہٰذا وہ خلفاء کی حکومت کی نفی کرتے تھے اور خصوصاً امیر المومنین علیہ السلام کی حکومت کی مذمت کرتے تھے۔ کہتے تھے کہ نہ صرف علیؑ کو حقِ حکومت نہیں ہے بلکہ کسی انسان کو حقِ حکومت حاصل نہیں ہے۔ حکومت فقط اللہ کا کام ہے۔ امیر المومنین علیہ السلام نے اُن کا یہ نعرہ سنا تو فرمایا:

كَلِمَةُ حَقٍّ يُرَادُ بِهَا بَاطِلٌ......[2]

یہ ایک کلمہ حق ہے لیکن اس سے باطل معنٰی مراد لئے گئے ہیں......

فرمایا کہ نعرہ تو حق ہے لیکن اس سے جو مراد لیتے ہیں وہ باطل ہے۔ انہوں نے اس آیت کی غلط تفسیر وتوضیح کی ہے اس وجہ سے خود بھی گمراہی میں مبتلا ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کر رہے ہیں۔

اسی طرح آج بھی بعض لوگ بظاہر جو مطلب بیان کرتے ہیں وہ حق ہوتا ہے لیکن مراد باطل لی جاتی ہے از جملہ یہی بات کہ ہر ایک نے اپنی قبر میں جانا ہے۔ جب ہر ایک نے اپنی قبر میں جانا ہے تو آپ کو کیا تکلیف ہے، ہر انسان جو مرضی میں آئے کرے، آپ سے کسی اور کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا۔ حالانکہ یہ بات اپنی جگہ پر درست ہے کہ ہر ایک نے اپنی قبر میں جانا ہے لیکن اس سے مراد باطل لی جاتی ہے۔ باطل مراد یہ ہے کہ آپ کو کسی سے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے یعنی آپ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا حق نہیں رکھتے چونکہ آپ کو تو اُس کی قبر میں

---

[1]......(سورۂ انعام، آیہ ۵۷)(سورۂ یوسف، آیہ ۶۷، ۴۰)

[2]......(نہج البلاغہ، خطبہ ۴۰، حکمت ۱۹۸)

نہیں جانا بلکہ وہ خود اپنی قبر میں جائے گا، خود اپنے سوالوں کا جواب دے گا اور آپ سے اُس کے منکرات اور بداعمالیوں کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا۔ ایک اور غلط بات یہ کرتے ہیں کہ

تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو

یہ مقولہ قرآن وتعلیماتِ پیغمبر اکرم ﷺ کی صراحت اور بینات، مسلمات وواضحاتِ دین کی روح کے خلاف ہے۔ رسولؐ یہ فرماتے ہیں:

مَنْ اَصْبَحَ لَا یَهْتَمُّ بِاُمُوْرِ الْمُسْلِمِیْنَ فَلَیْسَ بِمُسْلِمٍ......[1]

یعنی اگر مسلمان پوری زندگی میں ایک دن اس عالم میں صبح کا آغاز کرے کہ اُس دن اُمورِ مسلمین و مومنین واُمورِ اسلام میں کوئی دلچسپی نہ لے، کوئی اہتمام و اقدام نہ کرے تو اُس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بیشک عبادتیں کرتا رہے لیکن اگر وہ اُمت مسلمہ سے متعلقہ مسائل میں دلچسپی نہیں لیتا تو کم از کم اُس دن کیلئے دین سے باہر ہے۔

اگر افغانستان پر حملہ ہوتا ہے تو یہ بھی پاکستان پر ہی حملہ ہے، اگر ایران پر ہوتا ہے تو یہ بھی پاکستان پر ہی حملہ ہے۔ کسی بھی اسلامی خطے پر حملہ درحقیقت پاکستان پر حملہ ہے اور اگر پاکستان پر حملہ ہوتا ہے تو یہ ساری دنیائے اسلام پر حملہ ہے۔ حکمرانوں نے ہمارے کانوں میں غلط پھونکا کہ

تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو

یہ پرائے منصوبے اور ایجنڈے لے کر اس ملک کے اندر آتے ہیں لیکن قوم سے کہتے ہیں کہ دوسرے ملک کے مسلمانوں کی بات نہ کرے۔ یہ قوم کو جو درس دیتے ہو اس پر خود عمل کیوں نہیں کرتے؟ یہ کیوں اپنے اندر غیرتِ دینی، غیرتِ ملکی وغیرتِ قومی پیدا نہیں کرتے؟ تا کہ کوئی ان کا محاسبہ اور پوچھ گچھ نہ کر سکے کہ اس ملک کو یہاں تک کیوں پہنچایا ہے؟! انہوں نے آج مسلمان کو مسلمان کا دشمن بنا دیا تا کہ کوئی ان سے سوال نہ کر سکے۔ اس

[1]......(الکافی-الکلینیؒ، باب ۱ لاھتمام بامور المسلمین والنصیحة لهم ونفعهم، الجزء۲، صفحه ۲۳۵)

کے بجائے امت نے آٹے اور بجلی کے مطالبے شروع کر دیے ہیں۔ یہ آپ کے اصلی مطالبے نہیں ہیں بلکہ آپ کے اصلی مطالبے یہ ہونے چاہئیں کہ ہمیں امن، صلح، اخوت اور بھائی چارہ دو، اس ملک وقوم کو بچاؤ اور اس کی عزت کا دفاع کرو لیکن آٹا اور بجلی ہمیں اس کام کی اجازت نہیں دیتے۔

لہٰذا کسی ایسے خرافاتی اور گمراہ کن جملے ونعرے پر کان نہ دھریں جو انسان کو معاشرے کی نجات دلانے والے راستے پر چلنے اور اپنے بنیادی حقوق کے حصول سے روکتا ہو۔ ہمیں اس ملک وقوم کو دقوفوں سے نجات دینی ہے اور یہ کام اس ملک کے عقلمند افراد بحسنِ خوبی انجام دے سکتے ہیں۔

عقلمند عقلمندی کا ثبوت دیں

اب وقت ہے کہ یہ ملک احمقوں، تفرقہ بازوں اور دہشت گردوں سے چھڑایا جائے۔ آیا واشنگٹن ان سے یہ سب کچھ چھڑا کر آپ کو دے گا؟! اس نے تو خود یہ ملک پاکستانی قوم سے لے کر دہشت گردوں اور ان کی سر پرستی کرنے والوں کے حوالے کیا ہے۔ یہ کام اس ملک کے عقلمندوں کا ہے۔ اس ملک کی اکثریت عقلمند ہے لیکن مصیبت اور المیہ یہ ہے کہ عقلمند خاموش، عافیت طلب اور آرام طلب ہیں جو اپنے گھروں میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ اپنی ذاتیات کے قائل ہیں اور صرف اپنے بزنس کو بچانے میں لگے ہوئے ہیں لیکن قوم اور معاشرے کی فکر نہیں ہے ورنہ یہ ملک بچایا جاسکتا ہے۔ یہ حکمران قوم کے دوش پر ایک بوجھ ہیں لہٰذا ان سے ہرگز توقع نہ کرنا کہ یہ ملک کو بچائیں گے۔ انہیں ملک سے ہرگز محبت نہیں ہے اور یہ جھوٹے دعوے کرتے ہیں بلکہ اس ملک سے عوام کو محبت ہے۔ سب سے پہلے دین سے محبت کرنی ہے چونکہ دین ہمیں سکھاتا ہے کہ اپنی قوم سے بھی محبت کرو اور دین کہتا ہے کہ اپنے وطن سے بھی محبت کرو۔ اگر دین چھوڑ کر وطن اور قوم سے محبت کرو گے تو یہ بت پرستی اور قوم پرستی ہو جائے گی لیکن جب دین کہتا ہے کہ تیرے ملک وقوم پر آنچ آجائے تو اُس کا بھی دفاع کرنا ہے تو یہ خدمت وعبادت ہو جاتی ہے اور یہ کام آپ کو کرنا ہے۔ آپ نے اپنے ملک کو سیاسی ومذہبی بیوقوفوں سے بچانا ہے اور یہ سب کی ذمہ داری ہے۔ بعض اوقات لوگ فوراً ٹال دیتے ہیں اور گیند کسی اور کی طرف پھینک دیتے ہیں حالانکہ ٹالنے سے بات

بنتی نہیں ہے۔ یہ کام ہمیں کرنا ہے اور اس کے بغیر چارہ نہیں ہے ورنہ آپ کی نسلیں بھی اسی آگ میں جلتی رہیں گی جس میں آج یہ ملک جل رہا ہے۔ اگر تفرقہ کو ہم اپنی اگلی نسلوں کیلئے چھوڑ کر جائیں گے تو وہ یہی سوچیں گے کہ ہمارے آباء و پیش رو کتنے بیوقوف تھے کہ ہمارے لئے تفرقہ، آگ، فتنہ، دہشت گردی، قتل وغارت اور نا امنی چھوڑ کر گئے ہیں لہٰذا اپنی نسلوں اور مستقبل پر رحم کریں اور میدان میں آئیں۔

میدان میں آنے کے لئے بے وقوفوں کو زیادہ مشکلات پیش آتی ہیں جبکہ عقلمندوں کو اتنی مشکلات درپیش نہیں ہوتیں۔ وہ کلاشنکوف، بارود، بم، خودکش بمبار، امریکی ایجنڈہ، یورپین یونین کے مفادات اور غیروں کی حکمت وحکومت کو یہاں پر لاگو کرنے کے لئے لاتے ہیں لیکن آپ کو بارود و اسلحے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ آپ صرف اپنی موجودیت، اجتماع اور وحدت سے آسانی کے ساتھ یہ سب کچھ بیوقوفوں کے ہاتھ سے واپس لے سکتے ہیں۔ آج حالت یہ ہوگئی ہے کہ بیوقوف بول رہا ہوتا ہے اور سمجھدار سن رہے ہوتے ہیں۔ بیوقوف کو ووٹ دے کر سمجھدار اس کو اعوانوں تک پہنچا دیتے ہیں اور جب وہ بیوقوفیاں کرتا ہے تو پھر کہتے ہیں کہ یہ کیا کر رہا ہے؟

آپ وحدت کیلئے اپنا ٹائم دیجئے، بیشک اپنی جان نہ دیں بلکہ اس کو سنبھال کر رکھیں اور خدا آپ کی جان کو سلامت رکھے لیکن ایسا نہیں ہے کہ آپ بچائیں گے تو بچ جائے گی بلکہ وہ جیکٹ پہن کر کسی جگہ بھی آ جائے گا۔ پھر جو جان اور ٹائم بچا بچا کر ذخیرہ کر رکھا ہوا ہے یہ اسی حادثے میں نکل جائے گا۔ اس سے پہلے کہ وہ ہمارے سراغ میں آئے آپ اس سے یہ ملک اور دین آزاد کروالیں۔

آج دہشت گرد نہ سنی کو معاف کرتے ہیں اور نہ شیعہ کو، نہ فوج کو معاف کرتے ہیں اور نہ پولیس کو اور نہ ہی کسی اور بے گناہ شہری کو معاف کرتے ہیں کیونکہ جب آگ جل اٹھتی ہے تو پھر خشک وتر سب کو جلاتی ہے۔ اگرچہ ٹارگٹ شیعہ ہوں لیکن آج یہ آگ پھیل چکی ہے اور اگر آپ ایک سال کے اعداد وارکان گنیں کہ ان وارداتوں کے اندر کتنے شیعہ دہشت گردی کا شکار ہوئے اور کتنے سنی تو یقیناً اہل سنت زیادہ شکار ہوئے ہیں۔ یہ تاثر غلط ہے کہ یہ فرقہ یا گروہ جو یہاں دہشت گرد بنا ہوا ہے اس کا کسی اسلامی مذہب سے تعلق ہے بلکہ یہ نہ شیعہ ہیں اور نہ سنی۔ امام خمینیؒ نے فرمایا تھا کہ جو بھی شیعہ اور سنی کے درمیان اختلاف کو ہوا دیتا ہے وہ نہ شیعہ ہے نہ سنی ہے بلکہ وہ یا احمق و

نادان ہے یا پھر دشمن کا ایجنٹ ہے۔ آج یہ دونوں احتمال موجود ہیں۔

آج عقلمند لوگوں سے اظہارِ برأت اور لاتعلقی کا اعلان کر کے دنیا کو باور کرائیں کہ ان کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے اور اپنی خردمندی کا ثبوت دیں۔ خردمندی کا تقاضا یہ ہے کہ ہم مل بیٹھیں۔ ہمارے پاس اس اتحاد کا بہترین موقع میلادِ رسولِ اکرم ﷺ ہے کہ جس ہستی کے ذریعہ خداوند تبارک وتعالیٰ نے کونین، عالمِ ملک وملکوت وعالمِ دُنیا وآخرت کا رابطہ جوڑا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نقطۂ اتحادِ ثقلین ہیں۔ اُسی رسول ﷺ کے ذریعہ سے یہ فرقے بھی آپس میں متحد ومتفق ہو جائیں اور اپنے مشترکہ دشمن کے خلاف ایک دیوار بنیں۔ دشمن کو موقع نہ دیں اُمت کے اندر دراڑیں ورخنے ڈال کر ہمیں ایک دوسرے کا دشمن بنائے اور ہماری کمزوریوں سے فائدہ اُٹھائے۔ جس میڈیا کے ذریعہ تفرقہ کی باتیں دینا کے سامنے جاتی رہی ہیں اسی میڈیا کے ذریعہ وحدے کا عملی مظاہرہ دنیا کے سامنے پیش کیا جائے کہ پاکستان کے اندر صرف دشمن کے ایجنٹ موجود نہیں ہیں کہ جن کو تم نے پالا ہے بلکہ یہاں پر عقلمند بھی بستے ہیں کہ جن کو دین، قوم اور وطن کا بھی درد ہے۔

چنانچہ ہم سب کا فریضہ بنتا ہے کہ اس وقت کرامت وشرفِ مسلمین کے لئے، اپنے ملک وقوم کے وقار کیلئے کے لئے کام کریں۔ اگر کسی خطہ میں ایک دہشت گردی کی واردات ہوتی ہے تو ساری دُنیا کے میڈیا میں اُس کا چرچا ہوتا ہے لیکن ہمیں اس پر کام کرنے کی ضرورت ہے کہ کہیں وحدت کی محفل برپا ہو تو اس کا بھی ساری دنیا میں پرچار ہو کہ مسلمین ومومنین ایک دوسرے کے خیرخواہ، ہمدرد اور بھائی ہیں۔ خردمندی کا وقت آ گیا ہے۔ بے وقوفوں نے پاکستان کو بقدر کافی تباہ کر دیا ہے لیکن اب عقلمندوں کی باری ہے کہ یہ میدان میں اتریں۔ عقلمند کبھی بھی بے وقوفوں کو اجازت نہیں دیں گے کہ وہ آ کر ان کی سرنوشت اور تقدیر سے کھیلتے رہیں۔

پاکستان کو آپ نے بچانا ہے اور یہ واجبات میں سے ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ میرے لئے صرف اپنی ذات بچانا واجب ہے۔ اگر آپ کے گھر پر کوئی حملہ کرتا ہے تو کیا آپ پڑوسی سے کہیں گے کہ تم نے میرا گھر کیوں نہیں بچایا؟ پڑوسی کہے گا کہ میں تو اپنے گھر کو بچانے میں لگا ہوا تھا لہٰذا تجھے چاہیے تھا کہ اپنا گھر خود بچاتا۔ مردانگی یہ ہے کہ اگر آپ کے گھر میں کوئی چور جائے تو اسے خود نکالیں نہ کہ کسی دوسرے کو ٹیلیفون کر کے یہ کہیں کہ میرے گھر

سے چوروں کو نکالو۔ لہٰذا آپ کو اپنا گھر، دکان، دفتر، دین، ایمان قوم، مقدسات ملک اور حرمت رسول ﷺ کو خود بچانا ہے۔

قوم کے اندر لاکھوں کروڑوں عقلمند موجود ہیں لیکن جو تفرقہ و نا امنی پھیلا رہے ہیں وہ بے خرد و بے عقل کم تعداد میں ہیں۔ معلوم نہیں کہ عقلمند اپنی عقلمندی کا ثبوت کیوں نہیں دیتے؟ کیوں گھروں میں بیٹھے رہتے ہیں؟ آج وقت آ گیا ہے کہ اپنی عقلمندی کا ثبوت وحدت اور اتحاد سے دیں۔ سنی و شیعہ ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر پوری دُنیا کو پیغام دیں کہ پاکستان کے اندر عقلمند ختم نہیں ہوئے جو اس ملک کو بچا سکتے ہیں۔ آیا یہ عقلمندی ہے کہ ہم دس فیصد اختلاف کی وجہ سے ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں اور نوے فیصد اتفاق کی وجہ سے ایک دوسرے کو قبول نہ کریں؟! آپ کو یہ ملک کرائے والوں سے واپس لینا ہے اور اس ملت کیلئے قرار دینا ہے لیکن عملی جد و جہد کے بغیر یہ کام ناممکن ہے۔ ایسا نہ ہو کہ آپ یہ کام بھی امامؑ کے ظہور کیلئے رکھ چھوڑیں کیونکہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر فقط علاماتِ ظہورِ امام علیہ السلام کا انتظار کرنا فلسفۂ انتظار نہیں ہے۔

علاماتِ ظہور اور اسبابِ ظہور میں فرق

اہم بات یہ نہیں ہے کہ علاماتِ ظہور پوری ہو گئیں ہیں یا نہیں بلکہ زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ہم نے اپنے امام علیہ السلام کیلئے خود کو تیار کیا ہے یا نہیں۔ اگر ہمیں یہی ایک نکتہ سمجھ میں آ جائے تو ہماری تقدیر بدل سکتی ہے اور اس کیلئے ہمیں زیادہ لمبی چوڑی داستانوں کی ضرورت نہیں ہے۔ امام علیہ السلام علاماتِ ظہور کے منتظر نہیں ہیں حالانکہ روایات میں مصدقہ علامات بھی بیان ہوئی ہیں لیکن علامات کا مطلب اسباب نہیں ہوتا۔ ظہور کے کچھ اسباب ہیں اور کچھ علامتیں ہیں۔ علامتیں وہ ہوتی ہیں جو ظہور کی وجہ سے ظاہر ہوتی ہیں، نہ وہ کہ جن کی وجہ سے ظہور ہوتا ہے لیکن جن چیزوں کی وجہ سے ظہور ہوگا وہ اسبابِ ظہور ہیں۔

اسبابِ ظہور میں یہ شامل نہیں کہ مشرق و مغرب میں کیا ہوگا؟ اُدھر عبداللہ نام کا کوئی شخص ہوگا، ادھر سفیانی ہوگا وغیرہ۔ یہ سب ظہور کی علامتیں ہیں لیکن ہمیں اسباب کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے اور اسبابِ

ظہور میں سے ایک اپنی تیاری ہے کہ آیا ہم ظہور کے لئے آمادہ ہیں یا نہیں؟ یہ دیکھنے کیلئے کہ ظہورِ امامؑ کب ہوگا ہمیں منجموں کے پاس جانے اور مشرق و مغرب دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اپنے گریبانوں میں جھانکنے کی ضرورت ہے۔ جس دن ہم نے اپنے گریبان میں جھانک کر علامتِ ظہور کو دیکھ لیا تو پس سمجھو اُس دن ظہور ہو جائے گا اور وہ علامت یہ ہے کہ امام اُمتوں میں آتے ہیں ریوڑوں میں نہیں آتے۔

جس دن ہم اُمت بن گئے اُس دن خدا ہماری زمام امامؑ کو تھما دے گا لیکن جب تک ہم اُمت نہیں بنتے تو اُس وقت تک خدا بھی امامؑ کو اذنِ ظہور نہیں دے گا۔ خدا نے پہلے گیارہ معصومینؑ کو ریوڑوں میں بھیج کر دیکھ لیا کہ انہوں نے ان کا کیا حشر کیا۔ کوئی پچیس سال تک گھر کے اندر گوشہ نشین رہا اور بظاہر جب اُس کو حکومت ملی تو اشقیاء کی شمشیر سے اُس کا سر شگافتہ ہوا۔ کسی کو میدان جنگ میں اس کے ساتھی تنہا چھوڑ گئے اور اُسے بادلِ نخواستہ صلح نامہ پر دستخط کرنا پڑے۔ کوئی کربلا کے صحرا میں اپنے کنبہ سمیت مارا گیا۔ کوئی اسیری و زندان کاٹ کر واپس مدینہ آ گیا لیکن وہاں بھی لوگوں نے ساتھ نہیں دیا۔ کوئی چودہ سال تک زندانوں میں رہا اور کوئی کسی اور بادشاہ و خلیفہ کے زندان میں زندگی بسر کرتا رہا۔

اس لئے خداوند تبارک و تعالیٰ نے اس ذخیرے کو سنبھال لیا ہے کہ میں یہ ذخیرہ ریوڑوں کے اندر ضائع کرنا نہیں چاہتا۔ میں اس کو اُس وقت اذنِ ظہور دوں گا کہ جب تم اُمت بن جاؤ گے۔ جس دن ہم اُمت بنیں گے وہ ظہور کا دن ہو جائے گا۔ اُمت بننے کیلئے ہمیں اُفق پر کچھ نظر نہیں آئے گا بلکہ اپنے آپ کو دیکھنے کی ضرورت ہے۔ اُمت بننے کیلئے ایک اہم ترین رکن وحدت ہے۔ آج امتِ مسلمہ بالخصوص پاکستان میں وحدت کی اشد کی محسوس ہو رہی ہے کیونکہ تفرقہ اس ملک کو دیمک کی طرح چاٹ رہا ہے۔

پاکستان میں وحدت کی فوری ضرورت

پاکستان درحقیقت ایک ایسے بارود کے اوپر رکھا ہوا ہے جو کسی وقت بھی منفجر ہو کر سب کو ویران کر سکتا ہے اور وہ بارود قومی و مذہبی اختلاف ہے۔ اگرچہ اس وقت زیادہ شدت اور حدت مذہبی تفرقہ کے اندر پائی جاتی ہے یا

اس کو زیادہ ہائی لائٹ (Highlight) کیا جاتا ہے لیکن قومی تفرقہ و تقسیم بندی بھی اتنی ہی نقصان دہ۔ جب قوم پرستی مذہبی تفرقہ کے ساتھ مل جاتی ہے تو اس تفرقہ کی شدت میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا ہے یعنی ایک آتش فشاں بن جاتا ہے یا ایسا خطرناک بم وجود میں آجاتا ہے کہ جس میں بڑی تباہی پھیلانے والے دو الگ الگ انفجاری مادے شامل ہوں مثلاً ٹی این ٹی (TNT) کے ساتھ سی فور (C4) بھی بھاری مقدار میں شامل ہو۔

آج جب پاکستان سے باہر جائیں تو ائرپورٹ پر سب سے پہلے آپ کو ان نگاہوں سے دیکھتے ہیں کہ جیسے کوئی مجرم، ہیروئن فروش اور دہشت گرد آ گیا ہے۔ جب وہ آپ کی جامہ تلاشی لیتے ہیں تو ایسے جیسے چرس، بھنگ یا پھر اسلحہ ڈھونڈ رہے ہوں یا کسی دہشت گرد گروپ سے آپ کا لنک (Link) تلاش کر رہے ہوتے ہیں۔ یہ ہمارا چہرہ ہے جو ہم نے باہر پیش کیا ہے۔ ہماری یہ تصویر پوری دنیا کے ذہنوں میں ہے اور دنیا والے پوچھتے ہیں کہ کیا پاکستان میں کوئی عقل مند نہیں رہتا۔ پوری دنیا کے سامنے انہوں نے ہمارا یہ چہرہ پیش کیا ہے کہ جس کی وجہ سے آج ملک میں ایسے تباہ کن حالات ہیں۔

پاکستان میں وحدت کی فوری ضرورت

یہ دہشت گردی اس لئے ہے تاکہ کوئی محفلِ میلاد اور جلوس و مجالس میں شرکت نہ کرے اور لوگ یہ کہنے لگیں کہ کہیں کوئی حادثہ نہ ہو جائے، ہم گھر میں بیٹھ کر سی ڈی سن لیں گے، کیبل کے ذریعہ سن لیں گے، فلاں چینل پر فلاں عالم کی مجلس سن لیں گے۔ اسی طرح ماں باپ بچوں کو مسجد و امام بارگاہ جانے سے روک دیں کہ کہیں دھماکہ نہ ہو جائے۔ دشمن کا مقصد ہی یہی تھا کہ پورا ملک نا امنی کا شکار ہو جائے اور یہ لوگ اپنے دین سے دستبردار ہو جائیں چنانچہ ہر قسم کے حالات میں وحدت کی ضرورت ہے جیسے نماز ہر صورت میں واجب ہے۔ اگر آپ کے مالی حالات اچھے ہیں یا بگڑے ہوئے ہیں تو بھی نماز آپ کے لئے واجب ہے اور اگر آپ کسی اور وجہ سے زندگی میں پریشان ہیں یا آسودہ خیال ہیں تو بھی آپ کے لئے نماز واجب ہے۔ ممکن ہے کہ خاص حالات کے اندر بعض احکامات کی اہمیت کم ہو جاتی ہو لیکن کچھ فرائض ہمیشہ کے لئے اہم ہیں۔ اگر پاکستان امن کا گہوارہ ہوتا تو بھی وحدت ضروری تھی اور آج جبکہ پاکستان پوری دنیا کیلئے ایک نمونۂ عبرت بن گیا ہے تو پہلے سے زیادہ وحدت کی اشد اور فوری ضرورت ہے۔

پاکستان کو اندرونی خطرہ

آج پاکستان کو تفرقہ کی وجہ سے اندرونی خطرہ لاحق ہے۔ پاکستانی فوج نے بھی کورکمانڈرز کانفرنس میں واضح طور پر اپنی پالیسی میں تبدیلی کرتے ہوئے ڈکلیئر کیا ہے کہ پاکستان کو بیرونی خطرہ سے زیادہ اندرونی خطرہ درپیش ہے۔ جب تک پاکستانی خود پاکستانی کا دشمن بنا ہوا ہے کوئی دوسرا پاکستان پر حملہ نہیں کرے گا کیونکہ ایسا کرنا حماقت ہے۔ جو قوم خود ہی ایک دوسرے کو نوچ کر کھا رہی ہے اس پر حملہ کرنے کا مطلب اسے متحد کرنا ہے۔ گزشتہ آٹھ سال میں انہوں نے ایران کی انقلابی قوم کے اندر دراڑ ڈال کر اختلاف بڑھا دیا تھا۔ پہلے یہ دراڑ پڑ گئی تھی کہ کچھ لبرل لوگ آگے آ گئے تھے اور لبرل و انقلابیوں کے اندر تھوڑا سا فاصلہ بڑھ گیا تھا لیکن جب نیوکلیئر پاور کے مسئلہ پر انہوں نے ایران پر پریشر ڈالنا چاہا تو اس نے دوبارہ اس قوم کو متحد کر دیا۔

کہا جاتا ہے کہ بش کی حماقتوں میں سے ایک حماقت عراق و افغانستان پر حملہ کرنا اور ایران کا نیوکلیئر مسئلہ چھیڑنا ہے۔ خود امریکی کہتے ہیں کہ یہ بش احمق ترین انسان ہے کہ جس نے کمزور ایران کو مضبوط کر دیا ہے یعنی وہ قوم جس میں ہم نے ڈپلومیسی، مطبوعات، لٹریچر اور میڈیا کے ذریعہ اختلاف ڈال دیا تھا اس احمق نے نیوکلیئر مسئلہ اُٹھا کر اسے دوبارہ متحد کر دیا۔ باہر کا پریشر قوم کو اندر سے متحد کر دیتا ہے اس لئے پاکستان پر باہر سے حملہ کا امکان نہیں ہے۔ پس آج ضرورت اس امر کی ہے کہ پاکستان کو اس اندرونی خطرہ سے نجات دلائی جائے۔

اہلِ تدین میدان میں اتریں

اس ملک و قوم کی نجات صرف دین و قرآن کی رو سے ہو سکتی ہے کیونکہ یہ سیاستدانوں اور فوجیوں کے بس کی بات نہیں ہے۔ آج سیرت حسینیؑ کا وقت آ گیا ہے اور اقبالؒ کے بقول خانقاہوں سے نکلنے اور آئینِ شبیریؑ پر عمل کرنے کا وقت آ گیا ہے۔ یہ کام متدین عوام یعنی دین دار لوگ کر سکتے ہیں۔ بجائے اس کے کہ کوئی دوسرا آ کر ڈگڈگی بجائے اور یہ دین دار اُس کی ڈگڈگی پر ناچنا شروع کر دیں دین دار خود قرآن سے پوچھے کہ میرا فریضہ کیا ہے؟ مجھے آج کیا کرنا چاہیے؟ اس ملک میں میرا کیا فریضہ ہے؟ اس قوم کے اندر میرا کیا فریضہ ہے؟ قرآن بتاتا

ہے کہ جو لوگ باہر سے آکر تیری سرزمین کو استعمال کرتے ہیں تجھے ان کا ہمنوا نہیں بننا چاہیے، ان کے نقشوں کے مطابق عمل نہیں کرنا چاہیے کیونکہ یہ کبھی بھی تیرے سرپرست نہیں بن سکتے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ......[1]

اے ایمان والو! یہودیوں اور نصرانیوں کو اپنا سرپرست نہ بناؤ، یہ لوگ آپس میں دوست ضرور ہیں اور تم میں سے جو انہیں اپنا سرپرست بناتا ہے وہ یقیناً انہی میں سے ہے......

رہبر انقلاب آیۃ اللہ خامنہ ای مدظلہ العالی نے فرمایا ہے کہ پوری اُمت کیلئے ان کا نقشہ تفرقہ پر مشتمل ہے۔ پہلے اسے پاکستان میں آزمایا پھر عراق، لبنان و ایران لے گئے اور اب ایک ایک کرکے ساری سرزمینوں میں اس تجربہ شدہ فارمولہ کو عملی کررہے ہیں۔ پاکستانی قوم کا فریضہ بنتا ہے کہ ہم اس سرزمین پر وحدت اور اتحاد کا تجربہ کرکے پورے جہانِ اسلام کو پیغام دیں کہ پاکستانی شیعہ و سنی متحد ہو کر اپنا ملک بھی بچا سکتا ہے، اپنی قوم بھی بچا سکتے ہیں، اپنی عزت و ناموس بھی بچا سکتے ہیں اور تمام اسلامی سرزمینوں کو پیغام دے سکتے ہیں کہ جس طرح ہم نے تفرقہ چھوڑ کر اتحاد کیا ہے اس طرح تم لوگ بھی وحدت کی لڑی میں پروئے جا سکتے ہو۔ یہ ٹالنے کی بات نہیں ہے کہ یہ کام کون کرے گا کیونکہ بسا اوقات کہتے ہیں کہ یہ تو لیڈر یا علماء کا کام ہے۔ یہ سب اہل دین کا کام ہے۔

وہ مذہب جو وحدت کیلئے آیا تھا آج اُس مذہب کے اندر بھی تفرقہ ڈال دیا گیا ہے۔ اختلاف مذہبی ایک فرقے کے اندر بھی ہیں مثلاً شیعہ علماء میں ایک فقیہ کا فتویٰ دوسرے فقیہ سے مختلف ہوسکتا ہے اسی طرح سنیوں کے مذاہب اربعہ میں شافعی، مالکی، حنفی اور حنبلی ائمہ اربعہ کے فتاویٰ مختلف ہیں۔ آیا اختلاف در فتویٰ دشمنی پیدا کرتا ہے؟ اختلاف اور چیز ہے اور دشمنی الگ چیز ہے لیکن آپ پاکستان سے باہر میڈیا کے تبصرے پڑھیں تو آپ کو اندازہ ہوجائے گا کہ ناعاقبت اندیش حکمرانوں کی وجہ سے میڈیا نے پاکستان کا چہرہ بگاڑ کر پیش کیا ہے۔ ہم پوری

[1]......(سورۃ مائدہ، آیہ ۵۱)

دُنیا کو وحدت واتحاد کے ذریعہ یہ پیغام دے سکتے ہیں کہ پاکستان میں ان حکمرانوں کی طرح ساری قوم احمق نہیں ہے بلکہ اس قوم کے اندر صاحبِ فکر وبصیرت اور اہل تدین بھی موجود ہیں۔اب اس ملک کے عاقلوں کی باری ہے کہ وہ تماشائی نہ بنیں بلکہ میدان میں اُتریں اور آپس میں متحد ہوکر اس قوم کو متحد کریں۔ پہلے پاکستان کو بچانا ہے اور پھر پوری دُنیائے اسلام کو پیغامِ وحدت دینا ہے۔

اگر صرف چند اہلِ دین آپس میں مل بیٹھیں ،ایک دوسرے کے ہمدرد ہوجائیں، ہم فکر ہوجائیں اور بارگاہِ خداوند تبارک وتعالیٰ میں عہد کرلیں کہ ہم متحد ہوکر تمام مسلمین کے لئے وحدت کا میدان ہموار کریں گے تو خدا شاہد ہے کہ آپ لوگوں کا عہد اور عمل اس پورے خطے کے مسلمانوں کے اتحاد کیلئے کافی ہے کیونکہ تفرقہ پھیلانے والے زیادہ تعداد میں نہیں ہیں۔بعض اوقات پورے شہر میں تفرقہ پھیلانے والے ایک دو ہی ہوتے ہیں۔ایک ایک طرف ہوتا ہے اور دوسرا دوسری جانب ہوتا ہے لیکن دونوں کے ٹکڑے ایک ہی دسترخوان سے آتے ہیں۔ممکن ہے کہ یہ کبھی شیعہ بن کر تفرقہ ڈال رہے ہوں اور کبھی سنی بن کر۔یہ دونوں امپورٹڈ کھانے کھاتے ہیں چونکہ اگر دیسی چیزیں کھاتے تو انہیں دیس، دیس والوں اور دیس کے دین سے محبت ہوتی لیکن پرائے ٹکڑوں پر پلنے کی وجہ سے ان کو دیسی چیزوں سے محبت نہیں ہے۔

اگر دو آدمی پورے شہر میں آگ لگا کے چلے جاتے ہیں تو کیا دوسو متدین آدمی مل کر اتحاد برقرار نہیں کرسکتے ؟ کیا ان دوسو آدمیوں کے اندر دو آدمیوں جیسی طاقت وتوانائی اور شعور بھی موجود نہیں ہے؟! لیکن مسئلہ اس وحدت کو اہمیت دینے کا ہے۔

اپنی باری کا انتظار اور لاشیں گننا راہِ حل نہیں

ہمارا فریضہ اپنی باری کا انتظار کرنا نہیں ہے۔اسی طرح فقط ٹی وی چینلز پر تبصرے وخبریں سننا اور بیٹھ کر لاشیں گننا راہِ حل نہیں ہے۔المیہ یہ ہے کہ لوگوں نے کیلکولیٹر رکھا ہوا ہے کہ آج اتنے مرگئے، چھ مہینوں میں اتنے ہوگئے اور سال میں اتنی تعداد ہوگئی۔قوم کے سمجھدار، ہوشیار، دیندار اور باضمیر لوگوں کو چاہیے کہ مناسب اور معتدل

فضا بنائیں تاکہ سب اس ملک کے اندر آپس میں اُخوت اور بھائی چارے کے ذریعے مل بیٹھیں۔ مل بیٹھنے سے بڑی مشکلات حل ہوسکتی ہیں اور ہم اس ملک کے اندر تفرقے کی آگ کو بجھا کر اس میں جلنے والے لوگوں کو بچاسکتے ہیں۔ وحدت کی بدولت ہم کامیابی سے ناموسِ رسالت ﷺ کا دفاع کرسکتے ہیں۔

پاکستان کے موجودہ ابتر حالات دو چیزوں کا نتیجہ ہیں۔ ایک حکمرانوں کی غفلت، حماقت اور بے وقوفی کا اور دوسرا قوم کی تماشا بینی وسکوت کا۔ تماشائی اس انتظار میں ہیں کہ کل کیا ہوگا؟ ایک دن اس شہر میں دھماکہ ہوا تو دوسرے دن دیکھتے ہیں کہ اب کس شہر میں ہوگا؟ ایک دن اس گروہ کے ساتھ ہوا تو دوسرے دن دوسرے ہمارے ساتھ کیا ہوگا؟ لوگ اپنی اپنی باری کا انتظار کررہے ہیں۔ اسی طرح میں نے بعض لوگوں کو دیکھا ہے کہ انہوں نے اپنے کمپیوٹر میں باقاعدہ الگ فائل بنائی ہوئی ہے کہ جب بھی دھماکہ ہوتا ہے وہ اس میں زخمیوں اور ہلاک شدگان کو ایڈ (Add) کرتے جاتے ہیں اور پھر آخر میں ماہانہ یا سالانہ ایسٹیمیٹ (Estimate) دینا شروع کردیتے ہیں کہ سابقہ سال کی نسبت اس سال اتنے زخمی ہوئے اور اتنے ہلاک ہوئے۔ کیا ہمارا کام فقط یہ رہ گیا ہے ہم ایک پیشہ ور کے طور پر ایسے کام انجام دیں؟ یہ سلسلہ رکنا چاہیے۔

کیوں نہ ہم ایسے صحافی بنیں جو متعہد صحافی ہو کہ جو اپنی قوم کے لیے قدم اٹھائے۔ اسی طرح پیشہ ور عالم نہ بنیں بلکہ متعہد عالم بنیں جو اپنے دین اور ملک وقوم کو بچانے کے لئے قدم اٹھائے۔ ملتِ پاکستان کو اس تنگ سے باہر آنا چاہیے۔ آج ہمارا کام بیٹھ کر لاشیں گنتے رہنا نہیں ہے۔ ہم تفرقہ کو ختم کر کے حرمت رسول ﷺ بچاسکتے ہیں۔ وحدت کے سلسلے میں منعقد کی جانے والی محفلوں، مجلسوں، میلادوں اور اجتماعات کو معمولی نہ سمجھئے۔ اتحاد ووحدت کے ذریعہ ہم اسلام و پاکستان کے اندرونی وبیرونی دشمنوں کو نابود کرسکتے ہیں۔

ہر مناسبت پر وحدت کا مظاہرہ

اس ملک کے مفادات قوم کے لئے ہیں اور اس کو بچانا ہے لیکن نہ کلاشنکوفوں اور بارود سے کیونکہ بموں سے ملک تباہ ہوتا ہے بنتا نہیں ہے۔ اگر یہ ملک تفرقہ سے نابود ہورہا ہے تو وحدت سے بچ سکتا ہے۔ لہٰذا ہر مناسبت

سے وحدت کا مظاہرہ کریں مثلاً نمازِ جمعہ اتحاد کی علامت ہے ورنہ یہ نماز گھر میں بھی پڑھی جا سکتی تھی، لیکن کہا گیا ہے کہ اس میں کم از کم پانچ آدمی شریک ہوں۔ ہمارے ملک میں دفعہ ۱۴۴ کے تحت چار آدمیوں کے مل کر چلنے پر پابندی ہوتی ہے، کیوں؟ کیونکہ چار آدمی مل کر کچھ کر سکتے ہیں، لہٰذا خداوند تبارک وتعالیٰ نے بھی یہی کہا کہ تم پانچ آدمی مل کر بہت کچھ کر سکتے ہو، تم پانچ مل کر اس معاشرے کے اندر وحدت کی علامت بن سکتے ہو۔ تم سب کو پیغام دے سکتے ہو کہ دیکھو ہمارا رنگ وقبیلہ الگ الگ ہے لیکن اس عبادت گاہ کے اندر ہم پانچوں ایک ہیں۔ خود نمازِ جماعت اتحاد کا ذریعہ وعلامت ہے۔

مجالس فقط ثواب کے حصول کا ذریعہ نہیں ہیں بلکہ یہ اہل بیت علیہم السلام کے پیروکاروں کے اتحاد کی علامت بھی ہیں۔ یہ بانیوں کی مجلسیں نہیں ہیں۔ پہلے مجلسیں بانیوں کے نام سے مشہور ہوتی تھیں مثلاً فلاں حاجی صاحب کی مجلس، فلاں باوا صاحب کی مجلس، فلاں شاہ صاحب کی مجلس، فلاں چوہدری صاحب کی مجلس پھر خطیبوں کے نام سے مشہور ہو گئیں کہ فلاں علامہ صاحب کی مجلس، فلاں خطیب صاحب کی مجلس، فلاں ذاکر صاحب کی مجلس اور آج کل تبرک کے نام سے یاد کی جاتی ہیں کہ حلیم والی مجلس، بریانی والی مجلس، پلاؤ والی مجلس۔ مجلس کا صرف ایک عنوان ہے کہ یہ فقط مجلسِ حسین علیہ السلام ہے۔ یہ آپ کے اتحاد کا مظہر ہے اور اس کو باقی رکھیں۔ اگر ہم ایک دوسرے کو احترام کی نگاہ سے دیکھیں اور تحمل کریں تو وحدت کے ذریعہ دین و مذہب اور ملک وقوم کو بچا سکتے ہیں۔

وحدتِ اسلامی، تقاضائے دین و عقل

دین وعقل دونوں کا تقاضا مسلمان سے ایک ہی ہے اور وہ وحدت و یکجہتی ہے۔ عقل سلیم بھی مسلمانوں سے اتحاد کا مطالبہ کرتی ہے اور دین مبین بھی وحدت کی دعوت دے رہا ہے۔ چند متعصب عالم نما اور بعض جہلاء دشمنان دین کے ناخواستہ مزدور بن کر مسلمانوں کا خون بہا رہے ہیں اور اسلام ومسلمان پر جگ ہنسائی کا سبب بنے ہوئے ہیں۔ ان کور دلوں نے مسلمانوں کے اندر نفرت کے ایسے بیج بو دیئے ہیں کہ دشمنانِ دین کو ان کی وجہ سے آسودگی نصیب ہوئی ہے۔

اے مسلمان! ذرا سوچ تو سہی!

☆ قرآن تجھے وحدت کی طرف بلارہا ہے۔

☆ رسول اسلام ﷺ اتحاد کی دعوت دے رہے ہیں۔

☆ آلؑ رسول ﷺ رواداری کی طرف بلارہے ہیں۔

☆ رسول اکرم ﷺ کے جلیل القدر اصحاب رضی اللہ عنہم اور پیروکار وحدت کی تلقین کررہے ہیں۔

☆ عقلِ سلیم تجھے وحدت کی طرف بلارہی ہے۔

اسلامی وحدت کے اصلی محور

تمام اسلامی مذاہب وفرقوں اوران کے پیروکاروں کوآپس میں متحد کرنے والے اصول اور مشترکات، اختلافی موضوعات سے کہیں زیادہ ہیں۔ یہی مشترکات مسلمانوں کے اندر وحدت کا محور واقع ہوسکتے ہیں۔ بطور نمونہ بعض مشترکات ذکر کیے جارہے ہیں چونکہ تمام مشترکات کیلئے کئی جلد کی کتابوں کی ضرورت ہے۔

۱. خداوند تبارک وتعالیٰ پر ایمان۔

۲. وحدانیتِ خداوند تعالیٰ پر ایمان۔

۳. معاد پر ایمان۔

۴. رسول اکرم ﷺ کی نبوت وخاتمیت۔

۵. قرآن کریم ۔

۶. قبلۂ واحد۔

۷. اہلبیتؑ رسول ﷺ ۔

۸. اسلام کی مصلحتوں کو دیگر تمام مصلحتوں پر ترجیح دینا۔

۹. قرآنِ کریم اور سنتِ نبویؐ کا تمام مسلمانوں اور مذاہب کے لیے دو بنیادی منابع کے طور پر تمام پہلوؤں

میں اعتقاد اور عمل کی بنیاد ہونا۔

۱۰. ضروریاتِ دین مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوۃ، جہاد وغیرہ۔

۱۱. دفاع از مقدساتِ دین۔

۱۲. دفاع از امتِ مسلمہ۔

۱۳. اسلامی سرزمینوں کا دفاع۔

۱۴. عالمی بحرانوں میں متفقہ موقف جیسے فلسطین، کشمیر، افغانستان، عراق، لبنان وغیرہ۔

وحدتِ اسلامی کے عملی طریقے

عالم اسلام میں حقیقی معنوں میں اتحاد برقرار کرنے کے لئے شعار اور زبانی جمع خرچ کافی نہیں بلکہ اس مقصد کے حصول کے لئے بعض اقدامات کی اشد ضرورت ہے۔ من جملہ:

۱. اتحادِ مسلمین بخاطر اعلائی کلمۃ اللہ۔

۲. مسلمانوں میں وحدت کے لئے ذہنی اور فکری میدان ہموار کرنا۔

۳. مسلمانوں کے اندر شعور اور بیداری ایجاد کرنا۔

۴. تمام مذاہبِ اسلامی میں مشترکات کی ترویج۔

۵. مختلف مذاہب کے علماء کا آپس میں ملنا اور تبادلۂ افکار کرنا۔

۶. تعیینِ میعار برائے صدور فتویٰ دینی۔

۷. علماءِ اسلام کی طرف سے وحدت کے لزوم اور تفرقہ کی حرمت کے فتاویٰ کا صدور۔

۸. ضرورتِ اجتہاد بعنوان اصلِ اسلامی اور اختلافاتِ اجتہادی کو قبول کرنا اور آراءِ اجتہادی کا احترام کرنا۔

۹. سال بھر مختلف مناسبتوں پر وحدت سے متعلقہ پروگرامز منعقد کرنا۔

۱۰. وحدت کے بارے میں مدلل اور علمی لٹریچر شائع کرنا۔

۱۱. ملکی سطح پر وحدتِ اسلامی میں مؤثر شخصیات کی مرکزی وحدت کمیٹی بنانا۔

۱۲. علاقائی سطح پر وحدت کمیٹیاں تشکیل دینا۔

۱۳. مدارسِ اسلامیہ ومساجد میں وحدت کے پروگرامز منعقد کرنا۔

۱۴. وحدت کے لئے ویب سائٹ (Web-site) بنانا۔

۱۵. وحدت کے بارے میں مواد کو مختلف زبانوں میں ترجمہ کرنا۔

۱۶. تفرقہ انگیز مواد پر پابندی عائد کرنا۔

۱۷. تفرقہ انگیز مطالب کا مدلل جواب دینا۔

۱۸. مسلمانوں کی تحقیر، تکفیر وتفسیق سے اجتناب کرنا۔

۱۹. تفرقہ انگیز گروہ اور افراد کی شناخت ونشاندہی کرنا۔

۲۰. مشترکاتِ اسلامی میں برادرانہ اور اختلافات میں محققانہ روش کی ترویج وترغیب دلانا۔

۲۱. اختلافی مسائل میں خصمانہ اور دشمنانہ رویوں کو ترک کرنا اور ان کی مذمت کرنا۔

۲۲. مشکلات اور مصائب میں ایک دوسرے کی مدد کرنا۔

۲۳. دشمنوں کی تفرقہ انگیز سازشوں سے اُمت کو آگاہ کرنا۔

۲۴. عالم اسلام میں واقع ہونے والے حوادث کا تجزیہ وتحلیل کرنا۔

۲۵. وحدت سے متعلق سوالات کا مدلل جواب دینا۔

۲۶. مطبوعات کے ذریعے اتحادِ اسلامی کو فروغ دینا۔

۲۷. مختلف زبانوں میں وحدت کے موضوع پر جرائد کا اجراء۔

۲۸. وحدتِ اسلامی کے موضوع پر مختلف کانفرنسز، سیمینارز اور کنونشنز منعقد کرنا۔

۲۹. تعلیمی نصاب میں وحدتِ اسلامی کے بارے میں مواد شامل کرنا۔

۳۰. عالمی سطح پر داعیان وحدتِ اسلامی اور اتحاد بین المسلمین کیلئے کوشش کرنے والی شخصیات سے منسوب ایام میں ان کے افکار و کردار کو احیاء کرنا۔

موانع وحدت

مسلمانوں کے اندر وحدت کی راہ میں کچھ موانع حائل ہیں جنہیں برطرف کرنا ضروری ہے۔

۱. پیراونِ مذاہب کے درمیان ایک دوسرے کی بابت سوءِ تفاہم۔
۲. متعصب اور تنگ نظر علماء۔
۳. درباری اور سرکاری علماء۔
۴. حقیقت دین سے نا آشنا اور جاہل افراد۔
۵. دشمنانِ دینِ اسلام کے آلہ کار افراد۔
۶. مدارس، جن میں تعصب اور تنگ نظری کی تعلیم دی جاتی ہے۔
۷. دوسرے مذاہب پر کیچڑ اچھال کر لوگوں کی خوشنودی حاصل کرنے والے خطباء۔
۸. پیروانِ مذاہب کے اندر ایک دوسرے کی نسبت منفی پروپیگنڈا۔
۹. استکباری سازشیں اور ان سے لاعلمی۔
۱۰. فرقۂ تکفیریہ جیسے متعصب گروہ۔
۱۱. مسلمانوں کے اندر عقلانیت کے بجائے احساسات کا غلبہ۔
۱۲. ایسی حکومتیں جو تفرقہ کے ذریعے اقتدار حاصل کرتی یا اسے طول دیتی ہیں۔
۱۳. قوم پرستی۔
۱۴. تحمل اور بردباری کا نہ ہونا۔
۱۵. عالم اسلام کے اندر موجودہ بحرانات سے آگاہ نہ ہونا۔

موانع وحدت

۱۶. اختلافات اصولی وفروعی کو ہوا دینا اور بڑھا چڑھا کر پیش کرنا۔

۱۷. اختلاف اور دشمنی میں فرق کو ملحوظ نہ رکھنا۔

۱۸. ہر گروہ کا اپنے آپ کو حق مطلق اور دوسرے کو محض گمراہ سمجھنا۔

۱۹. علمی منشور وحدت کا نہ ہونا۔

۲۰. متعہد اور دلسوز علماء کی کمی یا فقدان۔

۲۱. مسلمانوں کے اندر بالعموم تعلیم وشعور کی کمی۔

۲۲. اکثریت کی بے حسی اور موجودہ حالات سے لاتعلقی۔

۲۳. قرآن وسنت سے عملی دوری۔

۲۴. مختلف مذاہب کے پیروکاروں کے درمیان بے جا توہمات۔

۲۵. شخصیت پرستی اور شخصیت محوری۔

۲۶. اندھی تقلید۔

۲۷. انانیت۔

۲۸. مفاد پرستی۔

۲۹. فکری جمود اور تحجر۔

۳۰. ایک دوسرے کے مقدسات کی بے حرمتی اور اہانت۔

۳۱. حقیقی وحدت کے بجائے وقتی اور نمائشی وحدت کا تظاہر۔

۳۲. وحدت کی فرصتوں کو ضائع کرنا۔

وحدت کا میدان ہموار کرنے کے موضوعات

وحدتِ اسلامی کو علمی اور عوامی حلقوں میں بحث ومباحثہ کا موضوع بنانے اور اس کے متعلق گفتگو چھیڑنے کے لئے ضروری ہے کہ وحدت اسلامی کے بعض پہلوؤں اجاگر کئے جائیں تا کہ اہل علم، اہل قلم، اہل سخن نیز اسلام اور اُمتِ اسلامی کا درد رکھنے والے حضرات اپنی سوچ کے مطابق اظہارِ نظر کر سکیں۔ وحدتِ اسلامی کے عملی ہونے کے لئے ضروری ہے کہ یہ موضوع عالم اسلام میں ایک زندہ اور روزمرہ کے موضوع میں تبدیل ہو جائے۔ اسی مقصد کے حصول کے لئے بعض موضوعات بطور نمونہ درج ذیل ہیں۔

١. ضرورتِ وحدتِ اسلامی۔

٢. وحدت از نظر قرآنِ کریم۔

٣. وحدت از نظر سنت۔

٤. وحدت در سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وائمہ اطہار علیہم السلام۔

٥. وحدت از نظر عقل وعقلاء۔

٦. وحدت از نظر علماء ومصلحین۔

٧. مسلمانوں کے درمیان وحدت کے بنیادی محور۔

٨. موانعِ وحدتِ اسلامی۔

٩. مذاہبِ اسلامی کے درمیان مشترکات۔

١٠. داعیانِ وحدت در تاریخ اسلام۔

١١. مسلمانوں کے اندر وحدت ایجاد کرنے میں علماء کا کردار۔

١٢. مذاہب اسلامی کے اندر تفرقہ کے اسباب وعوامل۔

١٣. وحدت از نظر امام خمینی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ۔

١٤. وحدت از نظر مراجع وفقہای شیعہ۔

۱۵. وحدت از نظر علامہ اقبالؒ۔

۱۶. سید جمال الدین افغانیؒ اور وحدت اسلامی۔

۱۷. شرف الدین موسوی العاملیؒ اور وحدت اسلامی۔

۱۸. علماءِ اہلسنت و وحدت اسلامی۔

۱۹. تفرقہ ایجاد کرنے میں اسلام دشمنوں کا کردار۔

۲۰. وحدت یا تفرقہ ایجاد کرنے میں حکومتوں کا کردار۔

۲۱. حج اور وحدت اسلامی۔

۲۲. وحدت اسلامی کے عملی طریقے۔

۲۳. اُمتِ اسلامی کا صحیح قرآنی تصور۔

۲۴. تفرقہ اور انتشار کے نقصانات۔

۲۵. عالم اسلام کی ترقی میں وحدت کی تاثیر۔

۲۶. مسلمانوں کی پسماندگی میں تفرقہ کے اثرات۔

۲۷. وحدتِ اسلامی میں رہبری کا کردار۔

۲۸. مسلمانوں کے درمیان تفرقہ پیدا کرنے والے عوامل۔

۲۹. تفرقہ اور وحدت کے ایجاد کرنے میں میڈیا کا کردار۔

۳۰. وحدتِ اسلامی کے لئے سرگرم مراکز اور افراد کی شناخت و تعارف۔

۳۱. تفرقہ ڈالنے والے مراکز اور افراد کی نشاندہی و تعارف۔

۳۲. حساسیت ایجاد کرنے والے مسائل کی نشاندہی۔

۳۳. عالمی اور علاقائی ضرورتوں کے مطابق منشورِ وحدت کی تدوین۔

وحدت کا میدان ہموار کرنے کے موضوعات

نوجوان اُمید کی کرن

جوان نسل یہ کام کر سکتی ہے۔ان عرائض پر عمل پیرا ہو کر وحدتِ اُمت کیلئے راہ ہموار کی جاسکتی ہے۔ دشمنانِ اسلام کے سب چیلنجز (Challenges) کا مقابلہ بیداری و آگاہی کے ذریعہ کیا جاسکتا ہے۔دشمن تفرقہ ڈالنے کے لئے سرمایہ لگاتے ہیں اور خودکش حملے تک کرتے ہیں۔تفرقہ ڈالنے والے آج اپنی جانوں سے گزر رہے ہیں لیکن وحدت کی دعوت کیلئے ہم اپنا وقت تک دینے کیلئے تیار نہیں ہیں۔ظاہر ہے کہ ملک بچانے والوں کے پاس اگر وقت نہ ہو اور ملک توڑنے والوں اور فتنہ ڈالنے والوں کے پاس سب کچھ موجود ہو تو پھر بیلنس نہیں رہتا۔ہمیں چاہئے کہ دشمن کی سازشوں سے خود آگاہ ہوں اور اُمت کو بھی آگاہ و متحد کریں۔

اس بات کی روشن اُمید ہے کہ ابھی اس سرزمین پر سارے چراغ گل نہیں ہوئے۔جتنی تاریکی نظر آتی ہے اتنی حقیقت میں موجود نہیں ہے۔علامہ اقبالؒ جو داعیٔ وحدت و حکیمِ اُمت ہیں انہوں نے اپنی اُمت کے نکاتِ ضعف کے ساتھ ساتھ نکاتِ قوت کو بھی بیان کیا ہے۔پاکستان کا جوان یقین جان لے کہ علامہ اقبالؒ نے جو اپنے اعتقاد کا اظہار کیا ہے وہ صد در صد درست ہے یعنی آزمودہ چیز ہے۔وہ سو فیصد درست نسخہ یہ ہے کہ

نہیں ہے ناامید اقبال اپنی کشتِ ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی[1]

یہ کھیت اگرچہ آج ویران ہے لیکن باعثِ نااُمیدی نہیں ہے بلکہ اس زرخیز مٹی کو تھوڑا نم چاہیے۔اگرچہ اس کے ویرانوں میں تفرقہ، نفرت اور دہشت گردی کے بیج بوئے گئے ہیں اور وہ فصل آج اپنا منحوس پھل دے رہی ہے لیکن اسی ویرانوں کے اندر ایسی زرخیز مٹی بھی موجود ہے کہ اگر اُس کے اندر الٰہی، قرآنی اور وحدت کے بیج بوئے جائیں تو وہ بہت ہی شاداب اور سرسبز فصل اور پھل اُگانے کیلئے تیار ہے۔وحدت کے پاک احساسات کی آبیاری سے انشاء اللہ اس فصل کے اُگنے کا وقت قریب ہے۔عنقریب شبِ ظلمت ختم ہونے کو ہے اور وہ صبحِ نور طلوع ہونے

---

[1]......(بالِ جبرئیل، صفحہ ۲۷)

والی ہے۔

یہ احمق حکمران وسیاستدان ملک نہیں بچاسکتے بلکہ ملک وہ بچائیں گے جنہوں نے یہ ملک بنایا ہے۔ جو دین کے سچے و مخلص پیروکار ہیں اور جن کے اندر دردِ دین موجود ہے۔ جوان نسل اسلام، اُمت، ملک اور حق کی اُمید ہے۔ ہم اس ملک سے فرار ہو کر نہ خود بچ سکتے ہیں اور نہ ملک بچ سکتا ہے۔ اس ملک سے بھاگنا نہیں ہے۔ اب یہ طنز تو ہوسکتا ہے لیکن حقیقت نہیں ہونی چاہیے یعنی پاکستان سے زندہ بھاگنا نہیں ہے بلکہ پاکستان کو زندہ رکھنا ہے۔ دینِ اسلام اور اس ملک وقوم کا ہم پر حق ہے جو ہم نے ادا کرنا ہے۔ وہ حق یہ ہے کہ اس سرزمین اور امت کو ناسوروں سے پاک کرنا ہے اور ناسوروں سے پاک کرنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ وحدت ہے۔ وحدت کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہے۔

درحقیقت جس دن یہ جوان میدانِ عمل میں اُترے اور دین کی ذمہ داری سنبھال لی تو اُس دن نہ دین کو خطرہ ہے اور نہ ملک وقوم کو۔ اس وقت دشمن نے تفرقہ انداز حرکتوں کو تیز تر کر دیا ہے لہٰذا ہمیں ان کا مقابلہ کرنے کیلئے وحدت کی کوششوں کو اُس سے بھی دوگنا تیز کرنے کی ضرورت ہے۔ اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ ہمارے جوانوں کے اندر لیاقت، استعداد، ٹیلنٹ (Talent) اور ایبلٹی (Ability) بہت زیادہ ہے لیکن نمی کی کمی ہے۔ کس چیز کی نمی؟! معرفت، شعور اور بیداری کی نمی۔ انشاء اللہ خداوند تبارک وتعالیٰ وہ دن لائے جب ہم سب اپنی آنکھوں سے پاکستان کو ایک پرامن اور متحد ملک کے طور پر دیکھیں۔

وحدت کا تجربہ، نتیجہ اور ہمارا فریضہ

پاکستان کے مسلمان ساٹھ سال تک تفرقہ کا تجربہ کر چکے ہیں لیکن اب وحدت واتحاد کا تجربہ بھی کر کے دیکھیں۔ تجربہ کے طور پر ایک سال تک طے کرلیں کہ ہم آپس میں اختلاف نہیں کریں گے اُس کے بعد اس شہر کا رنگ دیکھ لینا کہ کیا ہوتا ہے۔ امام خمینیؒ اور اُن کے خلف صالح رہبر معظم حضرت آیت اللہ خامنہ ای دام ظلہ العالی نے اُمت مسلمہ کو وحدت کا حکم دیا ہے۔ پہلے وحدت کو اپنے اندر برقرار کر کے وحدت کا نتیجہ لیا اور پھر اُمت مسلمہ

سے کہا کہ آپس میں متحد ہو جاؤ۔

پس وحدت کا نتیجہ کیا ہے؟

☆ وحدت کا نتیجہ انقلاب ہے،

☆ وحدت کا نتیجہ آمر کا سقوط ہے،

☆ وحدت کا نتیجہ ظالم کا بستر گول ہونا ہے،

☆ وحدت کا نتیجہ امریکہ جیسی شیطانی طاقت کی شکست ہے،

☆ وحدت کا نتیجہ جمہوری اسلامی ہے،

☆ وحدت کا نتیجہ آئینِ اسلامی کا نفاذ ہے،

☆ وحدت کا نتیجہ اسلامی معاشرہ ہے،

☆ وحدت کا نتیجہ عزت ہے۔

آج اگر ایران کا پریذیڈنٹ دُنیا کے اندر بات کرتا ہے تو ساری دُنیا توجہ سے سنتی ہے کہ کوئی باعزت شخص عزت کے لہجے میں بول رہا ہے، جس نے دُنیا کو عزت سے بات کرنے کا ڈھنگ سکھا دیا ہے۔ یہ سب وحدت کے نتائج ہیں۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ یہ ملک وقوم، دین وامت اور اس کی عزت واحترام بچے تو فقط ایک چیز میں آپ کی بقاء کا راز ہے اور وہ وحدت اور اتحاد واتفاق ہے۔ جو رحمت آج اس قوم کو بچا سکتی ہے وہ رحمتِ اتحاد، رحمتِ اتفاق، رحمتِ اُخوت، رحمتِ یکجہتی ورحمتِ انسجام ہے یعنی شیعہ اور سنی کا اتفاق، شیعہ کا شیعہ کے ساتھ اتفاق اور سنی کا سنی کے ساتھ اتفاق۔ شیعہ سنی کا دشمن نہیں ہے، سنی شیعہ کا دشمن نہیں ہے، شیعہ شیعہ کا دشمن نہیں ہے اور سنی سنی کا دشمن نہیں ہے بلکہ شیعہ اور سنی کا دشمن کوئی اور ہے اور آج وہ کام کر رہا ہے اور کروا بھی رہا ہے۔ جب وہ قدم بڑھاتا ہے تو شناختی کارڈ نہیں دیکھتا کہ تم سنی ہو یا شیعہ، رسول ﷺ شیعہ کا ہے یا سنی کا بلکہ وہ اس لئے بے حرمتی کرتا ہے چونکہ یہ اسلام کا رسول ﷺ ہے۔

چنانچہ مسلمین ومومنین کا فریضہ ہے کہ اُمت کو وحدت کی دعوت دیں۔ وحدت کے موضوع پر کام کرنے اور اس موضوع کو کھولنے کی ضرورت ہے۔ اسے علمی تفسیر اور تجزیہ وتحلیل کی ضرورت ہے کیونکہ وحدت دین کا وہ حصہ ہے جسے اُمت مسلمہ بھول چکی ہے۔ نبوی اور قرآنی دین کے ارکان میں سے وحدت رکن اول ہے اور اسی اساسی اور بنیادی رکن کی بنیاد پر دین کی عمارت قائم رہ سکتی ہے۔ ہم راہِ نجات کے اوپر چل کر ہی نجات پاسکتے ہیں۔ الحمدللہ رہبر معظم کے فرمان سے وحدت کا عالمی منشور تیار ہو چکا ہے مختلف مکاتیب و مذاہب کے علماء اس پر دستخط کر چکے ہیں اور اسے عالمِ اسلام کے مزید علماء کے دستخطوں کے لئے مختلف جگہوں پر لے جایا بھی جارہا ہے۔ اُمید ہے کہ وہ منشور نشر ہو کر تمام ممالک و مذاہب کے پاس پہنچے گا اور انشاء اللہ اُس منشور کے مطابق عمل بھی کیا جائے گا۔ اس منشور کے مطابق اُمتِ مسلمہ کو متحد ہونے کی ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ ایک طالب علمانہ سی کاوش جو یہاں کے مقامی مسائل کے تناظر میں کی گئی تھی وہ شاید آپ میں سے بعض کی خدمت میں پہنچی ہوگی۔ انشاء اللہ عنقریب وحدت کی ان کوششوں کے ثمرات نظر آئیں گے۔ اُمتِ مسلمہ کے اندر اتحاد و اتفاق پیدا ہوگا اور توہین، ہتاکی و گستاخی کرنے والے نیست و نابود ہوں گے۔

آج اس قوم کیلئے ضروری ہے کہ نبی ﷺ کے دامن سے متمسک ہو اور کہے کہ اے نبیؐ! جس طرح آپ ﷺ نے اوس وخزرج کو اخوت و بھائی چارہ کی نعمت کے ذریعہ ہلاکت سے بچالیا وہی نعمتِ خدا اس قوم و ملت کو بھی عطا فرمادیں۔ خدا سے دعا کریں کہ اے خدا! اس رسولِ اعظم ﷺ کے صدقے کہ جو نقطۂ وحدتِ عالمِ تکوین و عالمِ تشریع ہے اسے اُمت مسلمہ بالخصوص ملتِ پاکستان کی وحدت کا نقطہ بھی قرار دے۔ نبی اکرم ﷺ اتحاد کا تنہا ذریعہ ہیں۔ عہد کریں کہ ہمیں اس ملکِ خداداد پاکستان کو وحدت کے ذریعہ بچانا ہے۔ انشاء اللہ خداوند تعالیٰ پاکستان میں وہ دن لائے کہ تمام مسلمین یدِ واحدہ اور اُمتِ واحدہ ہوں کہ جیسا قرآن مجید کا حکم اور اللہ تعالیٰ کا دستور ہے۔ روحِ نبی اکرم ﷺ کو خوش کرنے کا یہی طریقہ ہے کہ ہم وحدتِ اُمت کیلئے کوئی عملی قدم اٹھائیں۔

فہرستیں:

فہرست آیات

سورۂ آلِ عمران

فہرستِ روایات

صفحہ

حدیثِ قدسی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

صفحہ

حضرت امام علی علیہ السلام

حضرت امام حسین علیہ السلام

صفحہ

جنابِ زینب علیہا السلام

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام

حضرت امام مہدی علیہ السلام

فہرستِ دعا و زیارات

فہرستِ اشعار

صفحہ

(فارسی اشعار)

علامہ اقبالؒ:

مولانا روم:

صفحہ

صفحہ

گر بدی آنجا بدادی صلحشان 78-79

☆مرغ جانها را چنان یکدل کند
کز صفاشان بی غش و بی غل کند
مشفقان گردند همچون والده
مسلمون را گفت نفسِ واحده
نفس واحد از رسول حق شدند
ورنه هر یک دشمن مطلق بدند 79

☆ای برادر تو همان اندیشه ای
ما بقی تو استخوان و ریشه ای 257

شیخ سعدی:

☆رہ عقل جز پیچ در پیچ نیست
بر عارفان جز خدا هیچ نیست
توان گفتن این با حقایق شناس
ولی خرده گیرند اهل قیاس

صفحہ

صفحہ

(اردو اشعار)

علامہ اقبالؒ:

صفحہ

صفحہ

صفحہ

صفحہ

☆ہر کوئی مست مئے ذوقِ تن آسانی ہے
تم مسلماں ہو! یہ اندازِ مسلمانی ہے!
حیدری فقر ہے نے دولتِ عثمانی ہے
تم کو اسلاف سے کیا نسبتِ روحانی ہے؟
وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہوکر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر 399

☆تاویل کا پھندا کوئی صیاد لگا دے
یہ شاخِ نشیمن سے اترتا ہے بہت جلد 409

☆نہیں ہے ناامید اقبال اپنی کشتِ ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی 444

مولانا حالی:

☆فرشتے سے بہتر ہے انسان بننا
مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ 127

صفحہ

غالب:

اکبر الہ آبادی :

امیر مینائی:

سردار بہادر:

صفحہ

متفرق شعراء:

صفحہ

(پنجابی اشعار)

فیض احمد فیض:

صفحہ

بابا بلھے شاہ:

☆مسجد ڈھا دے، مندر ڈھا دے، ڈھا دے جو کچھ ڈھیندا
اک بندے دا دل نہ ڈھاویں رب دلاں وچ رہیندا 384

فہرستِ منابع و مآخذ

- قرآنِ کریم
- نہج البلاغہ

الف

- ارمغانِ حجاز
- اقبال الاعمال
- الاحتجاج
- البلد الامین۔ آیۃ اللہ الشیخ ابراہیم بن علی العاملی الکفعمیؒ
- التبیان فی تفسیر القرآن، المؤلف: شیخ الطائفۃ ابی جعفر محمد بن الحسن الطوسیؒ
- التفسیر الصافی، المؤلف: الفیض الکاشانیؒ
- الجہاد الاکبر۔ امام خمینیؒ
- الدعوات۔ قطب الدین الراوندیؒ
- الدروع الواقیۃ۔ جمال العارفین رضی الدین السید علی بن موسی بن طاووسؒ
- الصحیفۃ الصادقیۃ۔ الشیخ باقر القرشی

- الغیبۃ۔الشیخ طوسیؒ
- الکافی۔الکلینیؒ
- الکتاب:زیارت امام حسین علیہ السلام
- الکتاب:زیارۃ الناحیۃ المقدسۃ
- المجالس السنیۃ
- المزار۔محمد بن المشہدی
- المزار۔الشہید الأول
- المسجد فی فکر الامام الخمینیؒ
- الملہوف علی قتلی الطفوف۔سید ابن طاوسؒ
- الموضوعات،المؤلف:رضی الدین الحسن بن محمد بن الحسن بن حیدر العدوی العمری القرشی الصغانی الحنفی
- امام حسین وعاشورا از دیدگاہ اہل سنت
- اہل البیت علیہم السلام سماتہم وحقوقہم فی القرآن الکریم۔الشیخ جعفر السبحانی مدظلہ

أ

- أحکام القرآن،المؤلف:علی بن محمد بن علی،أبو الحسن الطبری،الملقب بعماد الدین،المعروف بالکیا الہراسی الشافعی

⮌ أدعیہ جامع الاحادیث

⮌ أنیس القلوب۔ سماحۃ آیۃ اللہ السید محمد تقی المدرسی

⮌ أنیس المؤمنین۔ آیۃ اللہ السید محمد تقی المدرسی

ب

⮌ بالِ جبرئیل

⮌ بانگِ درا

⮌ بحار الأنوار۔ العلامۃ المجلسیؒ

⮌ بصائر ذوی التمییز فی لطائف الکتاب العزیز، المؤلف: مجد الدین أبو طاہر محمد بن یعقوب الفیروز آبادی

پ

⮌ پیام امام امیر المؤمنین علیہ السلام۔ آیت اللہ العظمیٰ مکارم شیرازی مدظلہ

⮌ پیامِ مشرق

ت

- تاریخ الامم والرسل والملوک-الطبری
- تاریخ مدینۃ دمشق وذکر فضلہا وتسمیۃ من حلہا من الأماثل- أبی القاسم علی بن الحسن ابن ہبۃ اللہ بن عبداللہ الشافعی
- تاریخ شام ابن عساکر
- ترجمہ کامل الزیارات
- تفسیر المراغی
- تفسیر المیزان-علامہ محمد حسین طباطبائیؒ
- تفسیر مجمع البیان، المؤلف: امین الاسلام أبی علی الفضل بن الحسن الطبرسیؒ
- تفسیر نمونہ، المؤلف: جمعی از فضلا
- تلخیص المتشابہ فی الرسم، المؤلف: أبو بکر أحمد بن علی بن ثابت بن أحمد بن مہدی الخطیب البغدادی، المتوفی:۴۶۳ھ

ج

- جمال الأسبوع

چ

- چہرہ درخشان حسینؑ بن علیؑ

ح

- حماسۂ حسینیؑ - استاد شہید مرتضیٰ مطہریؒ

ر

- روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع الثانی، المولف: شہاب الدین محمود ابن عبداللہ الحسینی الآلوسی

س

- سخنان حسینؑ بن علیؑ از مدینہ تا کربلا
- سفینۃ البحار

ص

- صحائف الأبرار فی وظائف الأسحار۔ آیۃ اللہ العظمیٰ الشیخ محمد حسین کاشف الغطاءؒ
- صحیفۂ نور۔ امام خمینیؒ

ض

- ضربِ کلیم

ع

- علل الشرائع۔ الشیخ الصدوقؒ
- عیون الاخبار

غ

- غرر الحکم و درر الکلم

ک

- کتاب المزار۔ شیخ مفیدؒ
- کلیات سعدی، براساس نسخہ محمد علی فروغی
- کلیات فی علم الرجال
- کمال الدین وتمام النعمۃ۔ ابی جعفر محمد بن علی بن الحسین بن بابویہ القمیؒ (شیخ صدوقؒ)

گ

- گلستانِ سعدی

ل

- لواعج الأشجان
- لھوف۔ سید ابن طاؤسؒ

م

- مثنوی معنوی، بہ تصحیح: رینولد ا نیکلسون

- مثیر الاحزان
- مرآۃ العقول فی شرح اخبار آل الرسولؐ۔ العلامۃ المجلسیؒ
- مستدرک الوسائل ومستنبط المسائل۔ میرزا حسین النوری الطبرسیؒ
- مستدرک سفینۃ البحار، المؤلف: العلامۃ آیۃ اللہ الشیخ علی النمازی
- مستدرک نہج البلاغہ
- مسند احمد
- مصباح المتہجد
- مصباح کفعمی
- مفاتیح الجنان
- مفتاح الفلاح۔ شیخ بہائیؒ
- مقتل خوارزمی
- مقتل عوالم
- مکارم الاخلاق، تالیف، الشیخ الجلیل رضی الدین ابی نصر الحسن بن الفضل الطبرسیؒ
- من لایحضرہ الفقیہ، المؤلف: الشیخ الجلیل الاقدم الصدوق ابی جعفر محمد بن علی بن الحسین بن بابویہ القمیؒ
- منتہی الآمال۔ شیخ عباس قمیؒ
- موسوعۃ عاشوراء۔ الشیخ جواد محدثی

- میزان الحکمۃ۔الریشہری

ن

- ناسخ التواریخ
- نفحات الولایۃ فی شرح نہج البلاغۃ
- نفس المھموم

و

- وسائل الشیعۃ،المؤلف:الفقیہ المحدث الشیخ محمد بن الحسن الحر العاملیؒ